188829

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188829
UNIVERSAL
LIBRARY

Osmania University Library

Call No ۹۲۲٫۹۷۱ Accession No. Gr. 5882

Author ج - ج جارج گوشان ورثیل

Title پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ایک عیسائی محقق کی نظر میں

This book should be returned on or before the date last marked below

پیغمبر اسلام

ایک عیسائی محقق کی نظر میں

مصنف

کونسٹان ورژیل جارج

ترجمہ و تصحیح

(مولانا) وارث علی ایم، اے فاضل دیوبند

حسب فرمائش

ادارۃ العلوم العربیہ

کلکتہ

DMR
5882

ناشر :
محمد مقصود عالم
محمد محمود عالم
۲۹، تالتلہ لین کلکتہ ۱۶

بارسوم

مطبوعہ :
فوٹولیتھو ورکس، سیماپوری دہلی-۳۲

Rs 1 00
تعاون : ۱/- روپے

کتاب کے متعلق

ہمارے اور ہمارے رسالہ کیلئے نہایت خوشی اور فخر کا مقام ہے کہ رسالہ خواندنیہا کی پہلی اشاعت خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے نام نامی سے شروع کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ اشاعت کا ایک مفید سلسلہ ہوگا۔

آغاز اسلام سے لیکر آج تک پیغمبر اسلام، قرآن، اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور بعد میں بھی لکھی جائیں گی لیکن ابتک کوئی ایسی محققانہ کتاب جو کہ سادہ اور آجکل کی زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ قابل قبول بھی ہو نہیں لکھی گئی ہے۔ اکثر کتابیں اور رسالے جو اس بارہ میں لکھے گئے ہیں ان میں یا تو بیوقوف دوستوں یا عقلمند دشمنوں نے تحریر فرمایا ہے۔ دوستوں پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے ہمیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس چیز میں جسے کوئی شخص خود اپنے بارے میں لکھے یا اس کا دوست یا غرضمند بیگانہ اپنے دشمن کے بارے میں لکھے اور اس چیز میں جسے ایک عقلمند غیر جانبدار محقق محض تاریخ و تنقید کے خیال سے تحریر کرے بہت فرق ہے۔

قرآن، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے حالات اس کتاب میں جو کہ نئی نسل والے بچوں کیلئے معرّف ہے ان حالات سے مختلف ہیں جو کہ ابتک اِدھر اُدھر سے اور یہ فرق بالکل ایسا ہی ہے جیسے اصل و نقل اور جسم و سایہ میں ہوا کرتا ہے۔ آجکل کا نوجوان جو کہ ہر علم سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے وہ لوگوں کے قصوں اور روایتوں کو آسانی سے تسلیم نہیں کرتا اسکے لئے ضروری ہے کہ تحقیق و تنقید اور علم و فہم کی زبان میں گفتگو کیجائے تاکہ اس کا ایمان علم سے بدل جائے۔

موجودہ کتاب جیسا کہ مطالعہ سے معلوم ہوگا پیغمبر اسلام اور صدر اسلام کے مسلمانوں کو جدید شخصیت بخشی ہے جس سے پڑھنے والے کا ایمان مضبوط اور پختہ ہو جائیگا اور اگر میں یہ کہوں کہ کثیر تعداد کو نئے سرے سے مسلمان بنائیگی تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

اِس زمانہ میں جبکہ سینما جیسی گمراہ کن اور غرض آلود چیزوں کی اشاعت اور مسموم کنندہ اشیا نے ہر جگہ قبضہ کر لیا ہے اور لوگوں کے جسم و روح اور اجتماعی زندگی کو بری طرح دھمکی دے رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ ناچیز خدمت شائع ہو کر تاریکی میں نور و حیات افزا نسیم کے مانند گمراہوں کی راہنمائی کریگی اور انکی فکروں کو منزل مقصود کا راستہ بتلائے گی۔

تہران تیر ماہ ۱۳۴۷ھ

مدیر رسالہ خواندنیہا علی اصغر ایرانی

حالاتِ مؤلف

اس کتاب کے مؤلف کا نام کونسٹان ویرژیل جارج ہے۔ یہ روس بان کے رہنے والے ہیں۔ روسس بان حکومت رومانیہ کے صوبہ مولداوی کا مشہور شہر ہے۔ مؤلف موصوف ۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء کو اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے۔

سلطنت رومانیہ میں مولداوی ریاست نہایت ادب پرور ریاست ہے رومانیہ کے بہترین شعرا اور انشاپرداز اسی ریاست میں پیدا ہوئے ہیں۔ کونستان ویرژیل جارج بچپن ہی سے مذہبی کتابوں کے مطالعہ کے بہت شائق تھے اور اس میں کافی دلچسپی لیتے تھے جب ابتدائی تعلیم ختم کر چکے اور رومانیہ کے دارالسلطنت بخارسٹ کی یونیورسٹی میں پہونچے تو انھوں نے اپنے لئے فلسفہ اور مذاہب کا مطالعہ اختیار کیا اور اس کی تحقیق و تدقیق میں کافی وقت صرف کیا۔

جب تعلیم ختم ہو چکی تو کونستان ویرژیل جارج نے ملازمت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور رومانیہ کی وزارت خارجہ میں داخل ہوئے۔ ابتداء میں انھیں درجہ دوم کی ملازمت نصیب ہوئی مگر بعد میں درجۂ اولیٰ (فرسٹ گریڈ) میں پہونچ گئے چونکہ ستارۂ اقبال عروج پر تھا لہٰذا دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ترقی کر کے وزارت کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ان کو تاریخ اسلام کے مطالعہ کا بہت شوق تھا چنانچہ طالب علمی سے لیکر امور خارجہ کی وزارت کے زمانہ تک ہمیشہ اس میں مشغول رہے اور انھیں اسکے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو گیا۔ شاید یہ تعلق اس وجہ سے پیدا ہوا کہ رومانی قوم جسکے ایک فرد اس کتاب کے مؤلف کونستان ویرژیل جارج بھی ہیں تقریباً ساڑھے چار سو سال تک مسلمانوں کے زیر سایہ زندگی گذارتی رہی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب مشرقی یورپ کے سیاسی حالات بدل گئے تو رومانی حکومت بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ جارج موصوف کو اپنے وطن میں زندگی گذارنا دشوار ہو گیا۔ چنانچہ وہ ہجرت کر کے فرانس میں چلے گئے اور وہاں جا کر تعلیم و تعلم کا سلسلہ اختیار کیا۔ انھوں نے چند کتابیں بھی تصنیف کیں اور یہ پیش نظر کتاب اس سلسلہ کی آخری کتاب ہے جس کی تالیف میں انھوں نے تقریباً ۲۲ سال صرف کئے ہیں۔ جارج کی اس عظیم الشان خدمت کو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا ہے اور انھیں حلقہ بگوش اسلام بنا دیا ہے کیونکہ خبر ملی ہے کہ انھوں نے کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیا ہے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں۔ دوسرے لوگوں کو بھی خدا ایسی توفیق عطا فرمائے۔

کونستان ویرژیل جارج نے اس کتاب کی تالیف میں بیشمار زحمتیں اٹھائی ہیں۔ جو شخص اس کتاب کو ہاتھ لگائے گا اور اسکو پڑھے گا اس کے لئے مؤلف موصوف کی زحمتوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

حالاتِ مترجم

از ——— اشتیاق حسین ایڈوکیٹ

اس کتاب کے مترجم جناب مولانا وارث علی بن حاجی شیخ امام بخش بن شیخ حبیب علی صاحب یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء کو بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ چونکہ آپ کے والدین دیندار اور علم دوست تھے اس لئے پانچ سال کی عمر سے بیشتر ہی آپ کو مدرسہ میں داخل کرا دیا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا محمد رفیع صاحب نے آپ کو فارسی سکھائی۔ اس کے بعد مولانا سید احمد صاحب سیتا پوری نے عربی شروع کرادی پھر مولانا عبدالغنی صاحب رسولوی کی رفاقت میں آپ کانپور جاکر مدرسہ جامع العلوم میں داخل ہوئے اور مولانا محمد زماں صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب وغیرہ کی شاگردی اختیار کی۔ یہ ۱۹۴۶ء کا زمانہ تھا۔ مولانا موصوف طرح طرح کے حوادث سے دوچار ہوئے حتیٰ کہ شفیق ماں کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا اور ایسا نازک وقت آگیا کہ تعلیم و تعلم کا چراغ ٹمٹمانے لگا اس وقت مولانا محمد نصیر صاحب نے کافی تسلی دی۔

چونکہ آپ کی والدہ محترمہ کی دلی تمنا تھی کہ ان کا لڑکا عالم ہو جائے، اس لیے مولانا موصوف تمام مشکلات کے باوجود دارالعلوم دیوبند سہارنپور چلے گئے اور لگاتار پانچ سال تک حصول تعلیم میں مشغول رہے۔ جناب مولانا معراج الحق صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مولانا عبدالاحد صاحب مولانا اختر حسین صاحب مولانا عبدالجلیل صاحب مولانا فخر الحسن صاحب، مولانا محمد بشیر صاحب، مولانا ظہور صاحب و شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب و شیخ المعقول علامہ ابراہیم صاحب و شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے فیض حاصل کیا اور دارالعلوم میں اعلیٰ نمبر سے کامیاب ہوئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ کی ملازمت اختیار کی اور چند احباب کی ترغیب سے خارجی طور پر انگریزی کی تعلیم شروع کی۔ اور علی گڈھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور ڈبل ایم۔ اے کی امتیازی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت مولانا موصوف کے پاس دارالعلوم دیوبند سہارنپور، علی گڈھ، الٰہ آباد وغیرہ مختلف یونیورسٹیوں کی تقریباً ایک درجن سے زائد ڈگریاں موجود ہیں اور تقریباً ساٹھ سے زائد اساتذہ ہیں جن سے مختلف علوم حاصل کئے ہیں اللہ تعالیٰ نے مولانا کو علوم جدید و قدیم دونوں سے نوازا ہے چنانچہ آپ درس نظامیہ (مدارس اسلامیہ) اور سرکاری اسکول دونوں کی تعلیم میں مہارت رکھتے ہیں۔

مولانا نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی قدم رکھا ہے اور متعدد کتابیں مرتب کر چکے ہیں جو بہت جلد علم دوست احباب کے ہاتھوں میں پہنچنے والی ہیں۔ پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جو قوم کیلئے چراغ ہدایت کا کام دیگی۔

اشتیاق حسین

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس پر اسقدر نعمتیں نازل فرمائیں کہ ان کا شمار کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا "اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے" یعنی ان کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ انھیں بیشمار نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم جیسا رسول مبعوث فرمایا جس نے تھوڑی سی مدت میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز پہونچا دی اور ایسی تبلیغ کی کہ دنیا کا تاریک تکدہ توحید کے نور سے جگمگانے لگا۔

پیغمبر اسلام پیدائشی یتیم تھے یعنی پیدائش سے پیشتر ہی آپکے والد بزرگوار دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ابھی تک ٹھیک سے ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا کہ شفیق ماں کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ دادا اور چچا نے پرورش کا بیڑا اٹھایا تو بکریاں چرانے کا کام سپرد ہوا۔ تعلیم و تعلم کا موقع بالکل نہ ملا اور آپ امی کے لقب سے پکارے گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا فرمایا کہ دنیا کے تمام مذاہب کو ملیا میٹ کر دیا۔

یتیمی کہ ناکردہ قرآں درست　　کتب خانۂ چند ملت بشست

جس یتیم نے قرآن بھی درست نہیں کیا تھا اس نے دوسرے مذاہب کے کتب خانوں کو منسوخ کر دیا۔

پیغمبر اسلام خاتم النبیین سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین کے القاب سے نوازے گئے اور کیوں نہ ہو؟ بچپن میں آپ کا سینہ چاک کیا گیا تاکہ بچپنے کے لہو و لعب سے پاک ہو جائے اب جوانی میں سینہ چاک ہوا تاکہ حرص و ہوا کا شائبہ باقی نہ رہے۔ جب نبوت کا زمانہ قریب ہوا تو پھر سینہ چاک ہوا تاکہ آسمانی سفر کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ معراج میں اس مقام پر پہونچے جہاں فرشتوں کی بھی رسائی ممکن نہیں "ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى"

فلک والا کوئی پہونچا نہ سیاح زمیں پہونچا　　یہ منزل عشق کی جس تک نہ خود روح الامیں پہونچا

وَلَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى کے مطابق ذات باری کا مشاہدہ کیا، اس سے ہمکلام ہوئے اور پنجگانہ نماز کا تحفہ لیکر دنیا کی طرف واپس ہوئے۔

پیغمبر اسلام ایسے بے نظیر تھے کہ آپ کے جسم کا سایہ ناپید تھا۔ چہرہ ایسا چمکدار کہ آفتاب و ماہتاب شرمندہ ہوتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

لَنَا شَمْسٌ وَلِلْاٰفَاقِ شَمْسٌ	وَشَمْسِیْ فَوْقَ شَمْسٍ فِی النَّهَارِ
ہمارے لئے ایک سورج ہے اور دنیا والوں کیلئے ایک سورج ہے	میرا سورج دن والے سورج سے بہتر ہے
فَاِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ بَعْدَ صُبْحٍ	وَشَمْسِیْ طَالِعٌ بَعْدَ النَّهَارِ
دنیا کا سورج صبح ہونے کے بعد نکلتا ہے	اور میرا سورج دن ختم ہونے کے بعد طلوع ہوتا ہے

لعاب دہن ایسا کہ سانپ کے ڈسے ہوئے کو شفا بخشی۔ انگلی ایسی کہ اشارہ کرتے ہی چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے انگلی کا پورہ ایسا کہ رکھتے ہی خشک کنواں پانی سے لبریز ہوگیا۔ پسینہ ایسا خوشبودار کہ دنیا کی کسی چیز میں ویسی خوشبو نہیں۔ ہاتھ میں ایسی برکت کہ تھوڑے سے کھانے میں سینکڑوں آدمی آسودہ ہوگئے۔ نظر ایسی کہ حضرت عمرؓ جیسا جانی دشمن تابعدار ہوگیا اور دشمن ایسا گھبرایا کہ تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ جسم میں ایسی طاقت کہ عرب کے سب سے بڑے پہلوان کو ایک لمحہ میں چت کر دیا۔ غرض آپ میں سارے کمالات موجود ہیں اور سب لوگ اس بات پر متفق ہیں ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پیغمبر اسلام جب شرف نبوت و رسالت سے سرفراز ہوئے تو انسان حیوان اور جمادات سب نے آپکی تصدیق کی۔ کنکریوں نے کلمہ پڑھ کر گواہی دی۔ کھجور کا تنہ چلانے لگا۔ اونٹ نے اپنی فریاد پیش کی۔ جنات ایمان لائے۔ انسان پروانوں کی طرح آپ پر نثار ہوئے! اور یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے) کا سماں چھا گیا۔ باری تعالیٰ خوش ہوا اور بہت بڑا انعام نازل فرمایا قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دئے) اس کے باوجود پیغمبر اسلام جب مصلّی پر کھڑے ہوتے تھے تو اس قدر نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ کے پیر پھول جاتے تھے اور بسا اوقات پھٹ جاتے تھے اور ان سے خون بہنے لگتا تھا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کرو) کے مطابق جب آپ نے خاموش تبلیغ شروع کی تو خاندان والے دشمن ہوگئے۔ اللہ نے حکم دیا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (تم کھلم کھلا بیان کرو) آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔ پھر کیا تھا سارا عرب آپ کا دشمن بن گیا خوف و ہراس

کا موقع آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے تسکین دی وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (اللہ آپ کو لوگوں سے بچائیگا) آپ مطمئن ہوگئے اور کبھی ذرہ برابر بھی خوف طاری نہ ہوا۔ آپ غار ثور میں ہیں۔ کفار اس کے دھانے پر موجود ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ گھبرا رہے ہیں مگر پیغمبر اسلام فرماتے ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (مت ڈر وخدا ہمارے ساتھ ہے) آپ گھر میں موجود ہیں۔ کفار مکہ آپ کا مکان گھیرے ہوئے ہیں اور چراغِ نبوت کو بجھانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ آپ سب کے سامنے گھر سے نکلتے ہیں مگر کسی کی نگاہ آپ پر نہیں پڑتی۔ سب کی آنکھیں بیکار ہوجاتی ہیں۔

پیغمبر اسلام نے تیئیس ۲۳ سال میں ایسی عظیم الشان تبلیغ کی کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس میں بھی نہ کرسکے۔ آسمان کی طرف پرواز کی تو حضرت عیسیٰ سے بھی آگے نکل گئے۔ علمی میدان میں قدم رکھا تو ایسے ایسے مسائل حل کردئے جنھیں عقلا نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ دشمنوں کے مقابلہ میں آئے تو نہتے تین سو تیرہ آدمیوں کے ساتھ ہزارہا افراد کی مسلح فوج کو شکست دیدی اور اتنا بڑا علاقہ مسخر کیا کہ آج تک بڑے سے بڑا فاتح بھی نہ کرسکا۔ (آپ نے روزانہ ۸۲۲ مربع کیلومیٹر زمین پر قبضہ کیا ہے) اصلاح وبہبودی کی طرف قدم بڑھایا تو عرب جیسی لڑاکو قوم کو شیر وشکر کردیا۔ چٹائی پر بیٹھ کر بڑے بڑے بادشاہوں کو چیلنج کردیا اور کسی قسم کا خوف دامن گیر نہ ہوا۔

موحد کہ برپائے ریزی زرش ۔۔۔ وگر تیغ ہندی نہی برسرش
امید وہراسش نہ باشد زکس ۔۔۔ ہمین است بنیاد توحید وبس

پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی اپنی شریعت لیکر نہیں آئے گا۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا ہے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (میرے بعد کوئی نبی نہیں) آپ سب نبیوں کے سردار ہیں لہٰذا آپ کی دعوت بھی عام ہے۔ آپ کسی خاص قوم کے رسول نہیں ہیں بلکہ دنیا کی ہر قوم کے رہبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (ہر قوم کیلئے ہدایت کرنیوالے ہیں) مگر صرف رہبر ہی نہیں بلکہ رحمت بھی ہیں اور صرف عالم فانی ہی کے لئے نہیں بلکہ عالم جاودانی کے لئے بھی۔ آپ کی رحمت عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (بیشک ہم نے آپ کو دونوں عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ بدکلامی سے زبان آشنا نہیں ہوئی۔ امانت میں خیانت کا شائبہ نہ ہوا۔ سارے عرب میں شور ہوگیا۔ لوگ محمد صادق اور امین کہنے کے لئے مجبور ہوگئے۔ حضرت انس برسوں

آپ کی خدمت میں رہے آپ کبھی ان پر غصہ نہ ہوئے، کبھی برا بھلا نہ کہا، کبھی سوتے ہوئے میں نہیں جگایا اور نوکر کا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیدیا۔ آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپ پر پتھر برسائے گئے۔ جسم مبارک لہولہان ہوگیا۔ فرشتہ کو غصہ آگیا، چاہا کہ دونوں پہاڑوں کو ملادے اور یہ لوگ آٹے کی طرح پس جائیں مگر پیغمبر اسلام چلا اٹھے خبردار ایسا نہ کرو آج اگر یہ لوگ مجھے نہیں پہچانتے تو ممکن ہے کل انکی اولاد مجھے پہچانے اور ان کی زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی آواز نکلے، آپ دشمنوں پر غصہ نہیں ہوئے۔ بلکہ انکے لئے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ لوگ مجھے نہیں جانتے)

جب آپ پر کوڑا پھینکا گیا تو آپ مسکرادیے۔ جب کوڑا پھینکنے والا بیمار ہوا تو آپ اسکی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کی اس رحمت سے وہ پانی پانی ہوگیا اور بیساختہ اس کی زبان سے نکلا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ جب ایک غیر مسلم مہمان آپ کا کمرہ گندہ کرکے بھاگ گیا تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اسے صاف کیا اور جب وہ اپنی گمشدہ چادر کو لینے کے لئے آیا تو آپنے خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا۔ آپ کے چچا کا قاتل آپ کے سامنے لایا گیا مگر آپ نے اسے بخش دیا۔ مکہ فتح ہوگیا۔ کفار قریش بہت گھبرائے کہ خیریت نہیں سب قتل کردئے جائیں گے۔ مگر آپ نے مکہ میں قدم رکھتے ہی فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (آج تم لوگوں سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ تم لوگ آزاد ہو) قبیلہ ہوازن مسلمان ہوگیا اور کفار قریش کو رسد دینا بند کردیا۔ لوگ بھوک سے بیتاب ہونے لگے باوجودیکہ یہ لوگ پیغمبر اسلام کے جانی دشمن تھے مگر جیسے ہی آپ کو خبر ہوئی فوراً آپ نے رسد جاری کرادی اور تقریباً ۶۰۰ من کھجور مکہ بھیجدیا تاکہ لوگ بھوکوں نہ مریں۔

دنیا کا بڑے سے بڑا انسان جب اونچے مقام پر پہونچتا ہے تو بسا اوقات اپنوں کو فراموش کردیتا ہے مگر پیغمبر اسلام اپنی امت کو کبھی نہ بھولے۔ معراج میں جب اونچے سے اونچے مقام پر پہونچ گئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ (اے نبی آپ پر سلامتی رحمت و برکت ہو) تو آپ نے جواب دیا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ (سلامتی ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر ہو) انسان جب سخت مصیبت میں مبتلا ہوتا ہو تو اسے صرف اپنی فکر ہوتی ہے دوسروں کا خیال بھی نہیں آتا مگر قربان جائیے پیغمبر اسلام پر کہ نزع کے عالم میں سخت پریشان ہیں، نہایت بیتاب ہیں مگر ایسی حالت میں بھی اپنی فکر نہیں کرتے بلکہ امت کیلئے فکرمند ہیں اور فرماتے ہیں یَا رَبِّ اُمَّتِیْ

یَارَبِّ اُمَّتِیْ (اے میرے رب میری امت کو بخش دے) اور صرف امت ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کا خیال رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کُلُّ النَّاسِ اِخْوَۃٌ (سارے لوگ بھائی بھائی ہیں)

سارا عرب آپ کے قبضہ میں ہے۔ لوگ پروانوں کی طرح آپ پر نثار ہیں اور دولت تو درکنار اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہیں مگر آپ جھونپڑے میں رہتے ہیں۔ ٹاٹ پر سوتے ہیں کالی کملی اوڑھتے ہیں، جَو کی روٹی کھاتے ہیں اور بسا اوقات وہ بھی میسّر نہیں ہوتی تو آپ فرماتے ہیں اِنِّیْ صَائِمٌ (میں روزہ ہوں) یعنی میں روزہ کی نیت کئے لیتا ہوں۔ آپ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کبھی دو قسم کا سالن آپ کے دسترخوان پر نہ آیا۔ آپ اگر دولت چاہتے تو عرب کے پہاڑ آپ کے لئے سونا بن جاتے مگر آپ نے اسے پسند نہ کیا کبھی دولت جمع نہ کی حتیٰ کہ جب سفر آخرت اختیار کیا تو آپ کے پاس چند تلواروں اور ایک خچری کے سوا کچھ بھی نہ تھا مگر آپ دونوں عالم کے لئے رحمت ہیں۔ آپ نے دنیا والوں کے لئے بہت بڑی چیز چھوڑی ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ (میں نے تم لوگوں کیلئے دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم انھیں پکڑے رہو گے یعنی ان پر عمل کرو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے ایک کتاب اللہ، دوسرے میری سنت) آج گمراہی و بیچینی کا سبب یہی ہے کہ لوگوں نے ان دونوں چیزوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ؎

خلافِ پیمبر کسی رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پیغمبر اسلام نے دنیا والوں کو انسانیت کا سبق دیا ہے اور سب کے ساتھ احسان کیا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلم و غیر مسلم سبھی آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور آپ کے بارے میں اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ دنیا کے کسی اور شخص کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں آپ کے حالات موجود ہیں۔ دوست اور دشمن سبھی قسم کے لوگوں نے آپ کے حالات قلمبند فرمائے ہیں اگر یورپ کے بعض اشخاص نے تعصب کا چشمہ لگا کر آپ پر نظر ڈالی ہے اور معجزات کو حذف کر کے محض ایک لیڈر کی حیثیت سے پیش کرنا چاہا ہے تو بیشمار لوگوں نے انصاف اور غیر جانبداری سے کام لیکر آپ کی بے انتہا تعریف کی ہے اور آپ کے تمام کمالات کو نہایت حسین انداز سے پیش کیا ہے۔

انھیں حقیقت پسند غیر جانبدار مصنفوں میں سے ایک عظیم ترین محقق اس کتاب کے مصنف کونسٹان ورژیل جارج بھی ہیں جنھوں نے بائیس برس کی تحقیق و تدقیق کے بعد رسول کریمؐ کے حالات قلمبند فرمائے ہیں اور دنیا کو چیلنج کیا ہے کہ حضرت محمد کو پھر سے پہچانو۔ انھوں نے معجزات کو تسلیم

کرتے ہوئے تفصیلی حالات پیش کئے ہیں جنھیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔ اور اس کے مطالعہ کے بعد بہت سے لوگوں کی زبان پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ جاری ہو گیا ہے۔ دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے شائع ہو گئے ہیں۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ ایران میں کئی بار چھپ چکا ہے۔

چونکہ مصنف مذکور کی کتاب بیحد مفید تھی اسلئے ہمدرد قوم فخر ملت جناب غلام محمد طاہر صاحب رئیس اندیرین کے ایماء کے مطابق اسے اُردو زبان میں ترجمہ کر دیا گیا ہے تاکہ اُردو داں طبقہ بھی اس بے نظیر خزانے سے مستفید ہو سکے اور پیغمبر اسلام کے حالاتِ زندگی سے واقف ہو کر اپنے لئے لائحہ عمل مرتب کر سکے ہمیں قوی امید ہے کہ یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی اور لوگوں کے لئے چراغِ ہدایت کا کام دے گی۔

آخر میں ہم ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس کارِ خیر میں شریک ہو کر ہماری حوصلہ افزائی خصوصاً جناب اشتیاق حسین صاحب ایڈوکیٹ جن کی سعی سے اس کی بنیاد پڑی۔ جناب غلام محمد طاہر صاحب جن کی وجہ سے کتاب پہلی بار منظر عام پر آئی، استاذ محترم جناب مولانا معراج الحق صاحب جنہوں نے نظر ثانی کی زحمت گوارا فرمائی اور استاذ محترم جناب مولانا فخر الحسن صاحب جنھوں نے بعض مقامات پر رہبری فرمائی۔

انسان لاکھ کوشش کرے مگر خطا و نسیان سے مرکب ہونے کے باعث لغزشوں سے نجات مشکل ہے لہذا علم دوست احباب کے مکارم اخلاق سے اُمید ہے کہ اگر کہیں کچھ رطب و یابس نظر آئے تو براہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ طبع ثانی میں اس کی اصلاح کی جا سکے۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

وارث علی

۲۷ رمضان ۱۴۱۰ھ ہجری

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	بچپن	۱
۲	مکہ پر حملہ کا سال	۸
۳	محمد امین	۲۱
۴	حلف الفضول	۲۸
۵	ازدواج محمدؐ و خدیجہ	۳۲
۶	گھریلو زندگی کا زمانہ	۴۰
۷	غار (حرا) میں	۴۴
۸	آغاز رسالت	۵۴
۹	پہلے مسلمان	۶۳
۱۰	شنفرہ کے حالات	۷۱
۱۱	عربوں کی مذہبیت	۷۶
۱۲	پہلی عورت جو اسلام کی راہ میں شہید ہوئی	۸۳
۱۳	عمر بن الخطاب	۹۵
۱۴	مسلمانوں کی پہلی ہجرت	۱۰۹
۱۵	خوفناک گھاٹی میں شدید بھوک و پیاس	۱۲۱
۱۶	معراج کی علمی توضیح	۱۳۳
۱۷	غیر مرئی افراد کا ایمان لانا	۱۴۲
۱۸	مذہب اسلام میں امت	۱۵۲
۱۹	ہجرت	۱۶۰
۲۰	فداکاری محمدؐ	۱۷۰
۲۱	ہجرت کی اہمیت	۱۷۹
۲۲	ورود مدینہ	۸۹
۲۳	اسلام کا پہلا بنیادی قانون	۱۹۸
۲۴	مکہ کے قافلوں کو روکنا	۲۰۹
۲۵	ماہ حرام اور عبداللہ بن جحش کا حملہ	۲۲۳
۲۶	حضرت محمدؐ بدر کی لڑائی میں	۲۲۹
۲۸	جنگی قیدیوں کی حالت	۲۴۴
۲۸	مکہ میں جنگ بدر کا اثر	۲۵۳
۲۹	مدینہ سے یہودیوں کا اخراج	۲۶۱
۳۰	جنگ اُحد	۲۶۸
۳۰	جنگ احد کا نظام	۲۸۹
۳۱	پیغمبر اسلام کی بیویاں	۲۹۶
۳۲	قریش کی لڑائی کا نقشہ	۳۰۲
۳۴	عرب کی پہلی خندق	۳۱۳
۳۵	پیغمبر اسلام کا قصد عمرہ	۳۳۴
۳۶	علی ابن ابی طالب	۳۶۰
۳۷	خالد بن ولید کا تاثر	۳۷۳
۳۸	رومی فوج سے جنگ	۳۸۲
۳۹	فتح مکہ	۳۹۰
۴۰	حنین کی لڑائی	۴۰۴
۴۱	عام الوفود	۴۱۲
۴۲	رسول اللہ کی کمالت و بیماری	۴۲۵
۴۳	ارتحال	۴۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم

کا

"بچپن"

حضرت محمدؐ بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) صحیح معنوں میں ایک رنج اٹھانیوالے شخص تھے۔ دُنیا میں بہت سے مشہور لوگ ہیں جنھوں نے بچپن اور جوانی میں بیشمار تکلیفیں اٹھائی ہیں مگر ان میں کوئی شخص ایسا نہیں پاسکتے جس نے پیغمبر اسلام جیسی تکلیفیں اٹھائی ہوں۔

میرے خیال میں قرآن شریف میں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ رحم کرنے اور اُنکی مدد کرنے کی جو وصیت کی گئی ہے اسکے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ محمدؐ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے اور آغاز جوانی میں بالکل بے سروسامان تھے۔ جس وقت پیغمبر اسلام نے دُنیا میں آنکھیں کھولیں تو آپکے والد کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا۔

باوجودیکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ قریش کے تھے اور مکہ میں اس قبیلہ کا کافی احترام بھی تھا مگر آپکی ماں مجبور ہوئیں کہ مدینہ جائیں اور اپنے لوگوں کے ساتھ زندگی گذاریں شاید وہاں کے لوگوں کی مدد سے ان کا لڑکا ہوش و گوش والا ہو جائے کیونکہ عبداللہ کی وفات سے آپ یتیم ہو گئے تھے اور ماں کے پاس دنیاوی دولت نہ تھی۔

جب آپکی ماں آمنہ جوابھی جوان تھیں بیٹے کو لیکر مدینہ پہونچ گئیں تو اشعار پڑھ کر اپنی تنہائی

بے سروسامانی اور شوہر کی موت کے غم سے اپنے آپکو تسلی دیتی تھیں۔ اس وقت عرب کی بہت سی معزز عورتیں اشعار پڑھتی تھیں۔ میں (یعنی مولف کتاب) آمنہ کے چند اشعار حاصل کرسکا ہوں۔

تاریخ اسلام کے تین مؤرخ سیوطی، ابن سعد اور حمید اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ پہونچے تو ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے اس بچہ کو تازگی بخشی، ایک واقعہ یہ ہے کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو زندگی میں پہلی بار یہ موقع ملا کہ حوض میں غوطہ لگائیں اور اپنے بدن کے چاروں طرف پانی ہی پانی دیکھیں۔ مکہ میں پانی کے چشمے کم تھے۔ وہاں ایسے حوض نہ تھے کہ بچے گرمیوں میں اسمیں داخل ہوسکیں لیکن مدینہ میں بڑے بڑے حوض موجود تھے جن میں گرمیوں میں لڑکے غسل کرتے تھے اور ٹھنڈک حاصل کرتے تھے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلی بار مدینے کے لڑکوں کی طرح حوض کے پانی میں غسل کیا۔

جب حضرت آمنہ اپنے بچے کے ساتھ مدینہ پہونچ گئیں تو انکے عزیزوں نے بڑی ہمدردی دکھلائی مگر افسوس کی بات ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت محمدؐ کی ماں بیمار ہوگئیں اور جلد ہی ایسی نازک حالت ہوگئی کہ لوگوں کو انکے بچنے کی امید نہ رہی عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص مرنے لگتا تھا تو اسکے عزیز و اقارب اسکے پاس جمع ہوجاتے تھے اور متواتر اس سے بات چیت کرتے رہتے تھے تاکہ مرنیوالا موت کے دروازے پر خود کو تنہا نہ سمجھے اور خوف زدہ نہ ہو۔ جو لوگ حضرت آمنہ کے پاس حاضر تھے وہ پیہم گفتگو کرتے رہتے تھے تاکہ جوان عورت کو کسی قسم کی وحشت نہ ہو۔ آمنہ بھی کبھی کبھی کوئی بات آہستہ سے کہتی تھیں۔

اچانک ایک ایسا وقت آیا جبکہ کمسن محمدؐ نے دیکھا کہ انکی ماں کوئی جواب نہیں دیتی ہیں۔ آپ ان کے سینے سے لپٹ گئے اور روتے ہوئے فرمایا ماں! ماں! کیوں جواب نہیں دیتی ہو مگر کوئی آواز نہیں آئی کیونکہ ماں کے جسم سے روح نکل چکی تھی۔

آمنہ کے عزیزوں نے انکے کپڑے اتار کر انھیں غسل دلایا اور بعد میں حضرت محمدؐ نے دیکھا کہ لوگوں نے ان کی ماں کو کفن پہنایا اور ابوا نامی قبرستان میں دفن کردیا۔

عربوں کے یہاں مردہ کو تابوت (صندوق) میں دفن کرنے کی رسم نہ تھی کیونکہ وہاں لکڑی کی کمی تھی اس لئے تابوت بہت زیادہ قیمت میں تیار ہوتا تھا۔ لہٰذا دوسرے مردوں کی طرح حضرت آمنہ کو بھی بلا تابوت ہی دفن کر دیا۔ قبر کو بند کرنے کے بعد جب تمام عزیز و اقارب واپس ہوئے تو دیکھا کہ محمدؐ نہیں ہیں۔ تلاش کیا کچھ پتہ نہ چلا جب قبر کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ قبر کے پاس بیٹھے ہوئے ماں کو پکار رہے ہیں اور کہتے ہیں "کیوں گھر نہیں لوٹتی ہو شاید آپکو معلوم نہیں کہ سوائے آپ کے میرا کوئی نہیں ہے"۔

اس کے بعد حضرت محمدؐ جن کے سر سے والدین کا سایہ اٹھ چکا تھا روزانہ ایک کونہ میں خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ جب لڑکے ان کے پاس جاتے اور کھیلنے کی دعوت دیتے تو آپ فرماتے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں کھیل سکتا۔ ماں کی موت نے اس کمسن بچہ کو ایسا رنجیدہ کر دیا تھا کہ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت آمنہ کے عزیز و اقارب محسوس کرتے تھے کہ بچہ روزانہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔

حضرت محمدؐ کے ایک دادا عبدالمطلب تھے جنکی عمر ایک سو آٹھ سال تھی اور وہ مکہ میں رہتے تھے۔ آمنہ کے عزیزوں نے اس بچہ کو اسکے دادا کے پاس بھیجدیا۔ عبدالمطلب نے جب محمدؐ کو دیکھا تو اس بچہ کی محبت انکے دل میں سما گئی اور ایسا گہرا تعلق پیدا ہوا کہ اُسے دَارُالنَّدْوَہ میں لے گئے۔

دَارُالنَّدْوَہ مکہ کی ایک مجلس شوریٰ تھی جہاں صرف قبیلہ قریش کے مرد جا سکتے تھے۔ اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ عمر چالیس سال سے کم نہ ہو۔ ان شرطوں کے باوجود عبدالمطلب حضرت محمدؐ کو اپنے ساتھ دارالندوہ لیجاتے تھے۔ پہلے دن چند لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس بڑی مجلس میں کمسن بچہ کو کیوں لاتے ہو لیکن وہ لوگ بھی بعد میں ایسے متاثر ہوئے کہ جب حضرت محمدؐ اپنے دادا کے ساتھ وہاں جاتے تو انکی خاطر و تواضع کرتے مگر افسوس کہ دو برس بعد عبدالمطلب بھی (ایک سو دس سال کی عمر میں) اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت محمدؐ تنہا رہ گئے۔

اس وقت پیغمبرِ اسلام کی عمر آٹھ سال تھی اور ان کے چچا ابو طالب انکی سرپرستی کے ذمہ دار ہوئے۔ عربوں کے قول کے مطابق ابو طالب پیغمبر اسلام کی کنیت تھی۔

اسلام سے قبل عرب والے لڑکیوں سے نفرت کرتے تھے اور جیسا کہ معلوم ہے انھیں زندہ دفن کر دیتے تھے تاکہ انکی پرورش اور نگہداری کے ننگ سے محفوظ رہیں۔ البتہ لڑکے کی پیدائش سے بہت خوش ہوتے تھے۔ لڑکے کی پیدائش ہر عربی کیلئے ایک فخر کی چیز تھی۔ لڑکے کا نام اپنے نام پر رکھتے تھے اور اسے کنیت کہتے تھے۔ مثلاً ابو طالب یعنی طالب کا باپ۔ پیغمبر اسلام کے چچا کا ایک لڑکا تھا جسکا نام طالب تھا اور انھوں نے لڑکے کے نام پر اپنا نام رکھا تھا۔ خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کنیت ابو القاسم تھی کیونکہ آپکا قاسم نامی ایک لڑکا تھا جو وفات پا چکا تھا۔

پیغمبر اسلام کے چچا ابو طالب ایک شریف آدمی تھے لیکن دولتمند نہ تھے انکے اہل و عیال کافی تھے جنکی کفالت انکے ذمہ تھی لہٰذا کمسن محمدؐ کا ذریعۂ معاش فراہم نہ کر سکے اور وہ بچہ آٹھ سال کی عمر سے تحصیل معاش کیلئے کوئی کام کرنے کے لئے مجبور ہو گیا۔

اگرچہ پیغمبر اسلام کے ایک چچا تھے (ابو طالب) جو بظاہر انکی سرپرستی کے ذمہ دار تھے مگر ایک کثیر الافراد گھرانے کی معاشی ذمہ داری نے اتنا موقع نہ دیا کہ ابو طالب حضرت محمدؐ کی بھلائی کے لئے کوئی وسیلہ مہیا کریں۔ ان کے لئے کپڑے خریدیں اور انھیں جوتا پہنائیں۔ لہٰذا عمر کے اسی دور سے جس میں بچے پورا وقت کھیل کود میں صرف کرتے ہیں کمسن محمدؐ مجبور ہوئے کہ اپنا پورا وقت روزی کمانے کے کام میں صرف کریں اور وہ بھی سب سے مشکل کام یعنی عرب کے ریگستان میں گرمی کے موسم میں بکریاں چرانا۔

بلاشبہ پیغمبر اسلام کی طرز زندگی میں بچپن کا زمانہ اس خیال کا پتہ دیتا ہے جو آخر کار اس امر کا سبب بنا کہ خدا کی جانب سے پیغمبری کے لئے آپ کو مستعد سمجھا جائے۔ بچپن ہی سے آپکو اسکا راستہ ملا اور اسی مناسبت سے کہ آپ عرب کے گرم جنگلوں میں بکریاں چراتے تھے تنہا رہنے اور فکر کرنے کی

عادت ہو گئی کیونکہ جنگل غور و فکر کرنے اور تنہا رہنے کے لئے بہترین مکان ہے۔ چنانچہ گذشتہ زمانے میں بڑے بڑے مذاہب اسی بنا پر جنگلوں سے وجود میں آئے ہیں کہ انکے پیشواؤں کو اس بات کا زیادہ موقع ملا کہ بڑے جنگلوں میں خدائے تعالیٰ، مخلوق کے اسرار اور نوعِ انسانی کی تکالیف کے بارے میں غور و فکر کریں (بظاہر انھوں نے نبوت کو انسانی فکر و نظر کا نتیجہ تصور کر رکھا ہے حالانکہ نبوت تمامتر وہبی منصب ہے۔

جب تک کوئی انسان عربستان اور مشرق کے بڑے جنگلوں میں ایک مدت نہ گذارے وہ اس امر کو نہیں سمجھ سکتا کہ صحرا کی وسعت اور اسکا سکوت کس طرح فکرِ انسانی کی وسعت کا سبب ہوتا ہے اور خیال کو تقویت دیتا ہے۔ عربستان اور مشرق کے قریبی ملکوں کی گھاس اور یورپ کی گھاس میں بہت فرق ہے۔ گرم جنگلوں میں کوئی گھاس ایسی نہیں ہے جس میں خوشبو نہ ہو یہاں تک کہ عربی جنگلوں کے پھول بھی خوشبودار ہیں۔ یورپ کے ادنیٰ درجے کے بے خوشبو والے پھولوں کو اگر عربستان لیجائیں اور وہاں کے گرم جنگلوں میں اسکی کاشت کریں تو دو تین نسل کے بعد وہ بھی خوشبودار ہو جاتے ہیں۔

عربستان اور مشرقی علاقوں کے جنگلوں میں زندگی گذارنے والے جب کسی چیز کا عقیدہ رکھتے تھے تو اس میں ریاکاری نہ کرتے تھے اور اسے دنیاوی امور کا ذریعہ نہ بناتے تھے۔ گرم عربستان اور مشرقی علاقوں کے جنگلوں میں جو شخص کسی عقیدہ کا دم بھرتا ہے تو وہ مومن ہوتا ہے۔ اور اس عقیدہ پر ایمان رکھنا اپنے لئے فرض سمجھتا ہے۔

لوگوں میں اختلافات اس وقت شروع ہوئے جبکہ بڑے مذاہب نے جنگلات سے باہر قدم نکالا اور پڑوس کے آباد ملکوں میں پھیل گئے۔ اس وقت جنگل میں مذہب کو پانے والے شخصوں نے سوال و جواب کرنا شروع کیا اور بہت سے گروہوں میں منقسم ہو گئے اور بہت سے فرقے یہودی، عیسائی اور مسلمان پیدا ہو گئے۔ (یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ تمام انبیاء ایک مذہب کی تعلیم دینے کیلئے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ وہ کسی نبی کی آمد اس وقت ہوتی ہے جب لوگ آسمانی مذہب میں اپنی رائے سے تحریف و تبدیل کر کے اختلاف پیدا کر دیتے ہیں تاکہ اصل مذہب کو اپنی خالص شکل میں قائم کر سکیں)۔

بہرحال پیغمبر اسلام آٹھ سال کی عمر سے ایک روٹی، چند چھوہارے، ایک کپڑا اور ایک جوتا کے لئے جنگل میں بکریاں چرانے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ روزانہ صبح کے وقت شہر سے نکل جاتے اور رات تک اکیلے جنگل میں رہتے۔ آپؐ لامحدود آسمان اور وسیع افق کو دیکھتے تھے اور غروب آفتاب سے پیشتر بکریوں کے ریوڑ کو آبادی میں واپس لاتے تھے۔ اور رات کے وقت اپنے چچا ابوطالب کے مکان میں جاکر سو رہتے تھے۔

قاعدہ کلی ہے کہ یتیم بچے دوسرے بچوں سے پیشتر عقل و شعور والے ہو جاتے ہیں کیونکہ کوئی شخص انکی ناز برداری نہیں کرتا اور ان کے چہرے سے رنج و غم کا غبار نہیں چھڑاتا۔ کوئی مہربان ماں باپ یتیم بچہ کو گود میں نہیں لیتا تاکہ اس کو جوتے۔ عیدوں میں کوئی شخص یتیموں کیلئے کپڑے اور نئے جوتے نہیں خریدتا۔ ایسا بچہ جسکے نہ ماں ہے نہ باپ آٹھ سال کی عمر سے کما کر کھانے پر مجبور ہے وہ سمجھتا ہے کہ سوائے اپنے نفس کے کوئی نہیں جس پر بھروسہ کیا جائے لہٰذا اپنی مشکلات کا علاج خود کرنا چاہتا ہے۔

ایک دن حضرت محمدؐ جبکہ بکریوں کا ریوڑ جنگل سے لا رہے تھے تو آپکو دیکھنے والوں نے مشاہدہ کیا کہ اس بچے کے پاس جوتے نہیں ہیں اور ننگے پیر بیابان کے گرم بالو پر چل رہا ہے تنہائی، زحمتوں کی کثرت اور مستعدی نے حضرت محمدؐ کو وقت سے پہلے ہی ایسا فکر کرنے والا اور متین بنا دیا کہ انکی عمر بارہ سال ہوتے ہی ابوطالب نے انھیں اپنے ساتھ سفر میں لیجانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

پیغمبر اسلام کے چچا ابوطالب سوداگر تھے۔ وہ محمدؐ کو اپنے ساتھ ملک شام لے گئے۔ جب یہ لوگ شہر بصری میں پہونچے تو وہاں قافلہ ٹھہر گیا۔ جہاں قافلہ ٹھہرا تھا اس سے قریب ہی ایک گرجا تھا اس میں بحیرہ نامی ایک شخص رہتا تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ وہ عیسائی مذہب کا ایک بڑا پرہیزگار بزرگ تھا۔ بحیرہ سریانی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی عبقری، نابغہ، ہونہار کے ہیں۔

عرب کے راوی ابن ہشام لکھتے ہیں کہ بحیرہ جسے لوگ عیسائی خیال کرتے ہیں عیسائی نہ تھا بلکہ مانوی تھا یعنی مانی کا ماننے والا۔ ساسانی سلطنت کے زمانہ میں مانی ایک شخص تھا جس نے پیغمبری کا دعوی کیا تھا اور اس زمانے کے بادشاہ بہرام اوّل نے اسے ۲۷۶ء میں خوزستان میں

گندی شاپور دروازے کے سامنے پھانسی دی تھی۔ پیغمبری کے دعویدار مانی اور اسکے پیروؤں کا جس میں بحیرہ بھی ہے یہ عقیدہ ہے کہ خدا کسی ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور دنیا کے تمام مذاہب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ دنیا کے تمام مذاہب اسی نے بنائے ہیں۔ جب خدا مایل ہوتا ہے تو کسی کو پیغمبر بنا کر کسی ملک میں بھیج دیتا ہے تاکہ اس ملت کی زبان میں ان لوگوں سے بات چیت کرے اور انھیں خدائی احکام بتلائے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ ملت ہیں اور سب لوگ اُن کا دین قبول کریں۔

لیکن بحیرہ اس روز تک گرجا سے باہر نہیں نکلا تھا اور قافلوں کی صحبت میں نہیں شریک ہوتا تھا لیکن جب بارہ سالہ محمدؐ اس جگہ تشریف لائے تو وہ گرجا سے باہر آیا اور ابوطالب کے پاس آکر بولا کہ میں نے آج خواب دیکھا ہے کہ یہاں ایک قافلہ آتا ہے اس میں ایک عربی لڑکا ہے جو خدا کی جانب سے قوم عرب کیلئے پیغمبر مقرر ہوگا اور عربی زبان میں خدائی احکام بتلائیگا اور تم اس کے لئے مجبور نہیں ہو کہ یہودی یا عیسائی مذہب قبول کرو کیونکہ خدا عرب قوم کا ایک خاص پیغمبر تمہارے لئے مبعوث فرمائیگا۔

ممکن ہے کہ کوئی پڑھنے والا مؤلف پر اعتراض کرے کہ بحیرہ کا پیغمبر اسلام کے بارے میں خواب بیان کرنا ایک روایت ہے اور تاریخ اسکی تائید نہیں کرتی ہے۔ میں اس اعتراض کو تسلیم کرتا ہوں کہ تاریخ اس مانوی زاہد بحیرہ کے نظریہ کو تسلیم نہیں کرتی ہے کیونکہ وہ دلیل چاہتی ہے مگر جاننا چاہئے کہ صدر اسلام کی تاریخ کا ایک حصہ روایت پر مبنی ہے۔ اگر ہم روایت کو تسلیم نہ کریں تو صدر اسلام کی تاریخ نہ سمجھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔ لیکن جہاں بھی میری اطلاعات روایت پر مبنی ہوں گی وہیں اسکی حقیقت پر روشنی ڈالوں گا۔

مکّہ پر حملہ کا سال

ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبر اسلام قریش سے تھے اور قریش دس قبیلوں میں منقسم تھے۔ ان میں سے ہر ایک داخلی اُمور میں خود مختار تھا۔ دوسرے لوگ اس میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ ایک قبیلہ ہاشم کے نام سے موسوم تھا اور رسولِ خدا کے دادا عبدالمطلب اسکے سردار تھے۔ اور وہ مکّہ میں زندگی گذارتے تھے۔

اِس نکتہ کو بیان کرنا ضروری ہے کہ مکہ کا رقبہ دو مربع کیلومیٹر تھا۔ وہاں ایک درخت بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ مکّہ کے باشندے دو طریقوں سے اپنی زندگی گذارتے تھے۔ ایک تجارت دوسرے جانوروں کی پرورش خصوصاً اونٹوں کی پرورش۔ قبائل قریش بلکہ تمام عرب قبائل کی زندگی میں اونٹ فقط ایک دولت ہی نہ تھا بلکہ شرافت اور اصالت کی ایک علامت بھی شمار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک عرب بدوی جب تک اونٹ پالتا شریف شمار ہوتا اور اگر بجائے اونٹ کے بھیڑ بکریاں پالنے لگتا تو اسکی شرافت ہاتھ سے چلی جاتی تھی اور وہ ایک اوسط درجہ کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔

اصلی عرب جنگلوں میں زندگی گذارتے تھے اونٹ پالتے اور قبیلہ کے ساتھ رہتے تھے عربوں کی زندگی میں انفرادی زندگی کا کوئی وجود نہ تھا۔ جس طرح ایک ذرہ اکیلے نہیں رہ سکتا بلکہ دوسرے ذرہ کے ساتھ رہنے پر مجبور ہے تاکہ کوئی جزو وجود میں آئے اور زندگی گذار سکے اسی طرح عرب بھی ایک قبیلہ کی شکل میں زندگی گذارتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی قتل ہو جاتا تو مقتول کا قبیلہ قاتل کے بجائے اسکے قبیلہ سے قصاص لیتا تھا۔ قبیلہ کا سردار ایک قسم کا بادشاہ ہوتا تھا مگر اونٹ کے علاوہ شان و شوکت کی کوئی چیز اس کے پاس نہ ہوتی تھی۔

عبدالمطلب قبیلہ ہاشم کے سردار تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی، انھوں نے اولاد کے لئے خدا سے دعا کی اور عرض کیا کہ اگر مجھے دس لڑکے ہوئے تو دسویں لڑکے کو خدا کی راہ میں قربان

کروں گا۔ خدا نے اُنکی دُعا قبول فرمائی اور انھیں دس لڑکے عنایت فرمائے۔ دسویں لڑکے عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ عبداللہ کی پیدائش کے بعد عبدالمطلب نے صبر کیا یہاں تک کہ وہ سنِ شعور کو پہونچ گئے کیونکہ اس لڑکے کو قربان کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ سن شعور کو پہونچ جائے تب عبدالمطلب اس کے گلے پر چھری چلائیں اور اس کا خون خدا کی راہ میں بہائیں۔

عبداللہ جس قدر جوان ہوتے جاتے تھے اسی قدر زیادہ خوبصورت ہوتے جاتے تھے۔ اور قریش کی تمام جوان لڑکیاں ان پر عاشق ہوتی جاتی تھیں۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ نے وہب کی بیٹی آمنہ سے نکاح کرلیا تو قریش کی دو جوان غیر شادی شدہ لڑکیاں اس غم میں مرگئیں (یہ محض روایت ہے) جب عبداللہ بالغ ہو گئے تو انکے باپ کو خیال ہوا کہ اپنا وعدہ پورا کریں۔

عرب کے تمام لوگ چاہے قریش ہوں یا غیر قریش اپنے وعدے کے پکے ہوتے تھے۔ چنانچہ جب کسی سے قرض لیتے تو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے۔ جب کسی سے وعدہ کرتے تھے تو مقررہ وقت پر اُسکو پورا کرتے تھے (یعنی وعدہ وفا کرنا انکی عادت تھی) جو کچھ ان کے دل میں ہوتا تھا وہی اُنکی زبان پر ہوتا تھا۔ ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔

عبدالمطلب نے اپنے لئے وعدہ پورا کرنا ضروری سمجھا کیونکہ وہ ایک حنیف شمار ہوتے تھے حنیف اسے کہتے تھے جو زمین آسمان کے خالق یعنی حقیقی خدا کی تلاش کرتا تھا۔ اس وقت مکہ میں چند اشخاص تھے جو حنیف کہلاتے تھے تاریخ میں اُنکے نام محفوظ نہیں ہیں، ان میں سے ایک عبدالمطلب بھی تھے۔ باوجودیکہ عبدالمطلب حنیف تھے مگر اپنے آباواجداد کے معبودوں کا انکار نہ کرتے تھے۔ اور کچھ معبود جو بُت کی صورت میں کعبہ میں تھے اُنکا احترام بھی کرتے تھے۔

عربوں کا بیان ہے کہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت تھے حالانکہ کعبہ کے بُتوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔ مکہ میں آنے والے ہر گروہ بلکہ تمام مذاہب کے آثار وہاں موجود تھے تاکہ کعبہ پہونچنے کے بعد ہر شخص اپنے معبود کی پرستش کرسکے یہاں تک کہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ کی تصویریں بھی وہاں

موجود تھیں۔ حریم (کعبہ کا حصّہ) ہماری اصطلاح میں ایک ایسی جگہ ہے جسے مرکزی حصّہ کہہ سکتے ہیں اس کو حرم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شخص دوسرے سے جھگڑا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دو خونی دشمن جب حرم میں داخل ہوتے ہیں تو وہ وقتی طور پر دشمنی بھلا دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

حرم میں داخل ہونے کے بعد تمام مسافر اور قافلہ والے اپنے معبود کی پرستش کیلئے آزاد تھے۔ ہر گروہ اور ہر ملّت والے اپنے معبود کی حفاظت کیلئے کعبہ میں ایک خاص حجرہ اور احاطہ رکھتے تھے۔ ایک وقت ابرھہ نے جو کہ جنوبی عرب میں حکومت حبشہ کا حاکم تھا کعبہ کو ویران کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا چنانچہ وہ روانہ ہُوا اور دُور دراز مسافت طے کر کے مکّہ کے قریب پہُونچ گیا اور طائف نامی ایک چھوٹے سے شہر میں داخل ہوا (یہ شہر آجکل بھی موجود ہے) طائف کے باشندوں نے اسکا استقبال کیا اور عرض کیا کہ تمہیں اختیار ہے کہ کعبہ کی تمام جگہوں کو ویران کر دو لیکن ہماری یہ درخواست ہے کہ ہمارے معبُود کا حجرہ مسمار نہ کرو۔ ابرھہ نے اسے منظور کر لیا۔

طائف ایسے حصّہ میں واقع ہے جو سطح دریا سے دو ہزار پانچ سو میٹر اونچا ہے اور سرسبز و شاداب ہے۔ یہ علاقہ آجکل بھی کھیتی اور درختوں سے معمور ہے۔ طائف والے مکّہ والوں سے فخریہ کہتے تھے کہ ہم لوگ رُوٹی کھاتے ہیں۔ اس میں کچھ حقیقت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ مکّہ والے چند دنوں میں ایک مرتبہ روٹی کھاتے تھے کیونکہ گیہُوں دوسرے شہروں سے آتا تھا (کیا ب تھا) اور انکی غذا چھوہارا، اونٹ کا دُودھ، جنگلی سوسمار اور سوکھی مچھلی تھی جسے بحر احمر کے ساحل سے لاتے تھے کیونکہ مکہ اور بحر احمر کے درمیان بہُت کم فاصلہ ہے۔ سمندر چونکہ مکّہ سے قریب تھا اور مکّہ کے باشندے دریائی جانوروں خصوصًا قُرش (مچھلی) سے بہت مانوس تھے لہٰذا اپنے لئے وہی نام قریش (یعنی چھوٹی مچھلی) رکھا۔

اگر میں یہ بتاؤں کہ ابرھہ تجارتی اور اقتصادی غرض سے مکہ کو ویران کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ ابرھہ جنوبی عرب میں حبشی فوجوں کا سردار تھا اور حاکم حبشہ کی اطاعت اپنا فرض سمجھتا تھا۔ لیکن ایک اسے شرارت سوجھی اور حبشہ کے حاکم کو مار کر خود حاکم بن بیٹھا چنانچہ

حبشہ کا بادشاہ نجاشی اسے حاکم تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔

ابرھہ جاہ طلب آدمی تھا۔ اس نے جنوبی عرب میں جو کتبے چھوڑے ہیں میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ اُسکی جاہ طلبی کا بین ثبوت ہیں۔ تمام کتبوں میں اُسے متعدد لقبوں سے یاد کیا گیا ہے۔ ابرھہ نے مکّہ کے بجائے جنوبی عرب کے شہر صنعا، کو تجارتی مرکز بنانے اور وہاں گرجا کی شکل میں ایک کعبہ تعمیر کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ (کیونکہ ابرھہ عیسائی تھا) چنانچہ وہ کعبہ بنایا گیا اور اسکے چند کاریگروں اور معماروں کے نام بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مگر اس نے دیکھا کہ کعبہ بنانے کے بعد بھی تجارتی مرکزیت مکہ سے جنوبی عرب منتقل نہیں ہوئی لہذا اس نے مکہ کو ویران کرنے کا ارادہ کر لیا تاکہ مکّہ کے بجائے صنعا، تجارتی مرکز بن جائے لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ ابرھہ اقتصادی غرض کے ماتحت کعبہ کو ویران کرنا چاہتا تھا اور مذہبی اعتبار سے یہ اقدام نہیں کیا تھا۔

چونکہ ابرھہ فیل (ہاتھی) کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا لہذا وہ جس راستہ سے گذرا تھا عربوں نے اسکا صراطُ الفیل (ہاتھی کا راستہ) نام رکھا اور جس چشمہ پر قیام کیا اُسے عَیْنُ الْفِیل (ہاتھی کا چشمہ) اور جہاں سے شہر میں داخل ہوا تھا اسے بَابُ الْفِیل (ہاتھی کا دروازہ) سے موسوم کیا حتیٰ کہ جس سال وہ حملہ آور ہوا تھا اُسے عَامُ الْفِیل (ہاتھی کا سال) کہا گیا۔ جس سال اس نے حملہ کیا وہ سنہ ۵۷۰ء تھا اور اسی سال رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی۔

یہ بات جانتے ہوئے کہ قربانی کے سوا کوئی تدبیر نہیں ہے عبدالمطلب نے اپنے دل میں سوچا کہ میں جس خدا کی تلاش میں ہوں وہ بہت بڑا ہے اور مجھ جیسے فقیر کا قرضہ بہت معمولی ہے۔ کیا میں ایسا تصور نہیں کر سکتا کہ جس خدا نے زمین و آسمان جیسی بڑی بڑی چیزیں بنائی ہیں مجھ جیسے حاجتمند سے اس معمولی قرض کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ آیا خداوند کریم اس مطالبہ سے چشم پوشی کرنے کو تیار ہے یا نہیں لہذا اسے معلوم کرنے کے لئے انھوں نے ایک عرّاف (ہر چیز جاننے والا) کی مدد چاہی۔

اس زمانہ میں یثرب (مدینہ) میں ایک عرّاف رہتا تھا جو آسمانی باتیں معلوم کر لیتا تھا۔ چنانچہ عبدالمطلب اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ اونٹ پر اس لئے سوار ہوئے کہ اونٹنی عربوں

کے نزدیک ایک حسین جانور ہے جسے صرف شتر وانی کے لئے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ رنگ میں سفید اور قیمتی ہوتی ہے۔ عبدالمطلب گیارہ دن سفر کرکے مدینہ پہونچے، عرّاف سے مُلاقات کی۔ اس نے آسمان اور ستارے دیکھ کر بتلایا کہ جس خدا نے تجھے دس لڑکے عنایت کئے ہیں وہ تیرے لڑکے کے خون سے درگذر کرنے کو تیار ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تو اُسکی دیت ادا کر دے۔

عرب میں انسانی خون کا بدلہ اونٹ تھا۔ عبدالمطلب نے پوچھا کہ اگر میں دس اونٹ دیدوں تو خدا خوش ہوجائے گا۔ عرّاف نے ستاروں کو دیکھ کر کہا نہیں پھر انھوں نے کہا کہ اگر میں پندرہ اونٹ قربان کروں تو کیسا ہوگا۔ اس نے پھر آسمان کی طرف دیکھا اور جواب نفی میں دیا۔ عبدالمطلب نے آہستہ آہستہ سو تک پہونچا دیا تب عرّاف نے کہا کہ خدا نے تیری دیت قبول فرمائی۔ عبدالمطلب مکّہ واپس ہوئے اور اپنے بیٹے عبداللہ کی قربانی کے بجائے سو اونٹ قربان کردئے۔ جب عبداللہ کے بیٹے محمدؐ اسلام کے پیغمبر ہوئے اور قرآن نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے قتلِ خطا کی دیت سو اونٹ مقرر فرمائی۔

جب عبداللہ کے باپ نے سو اونٹ قربان کردئے اور خدا کی طرف سے ان کی رہائی ہوگئی تو انھوں نے آمنہ سے نکاح کرلیا اور ان کے پیٹ سے محمدؐ پیدا ہوئے مگر انکی پیدائش کے قبل ہی عبداللہ دنیا سے رخصت ہوگئے انجیل میں جیسا کہ یوحنا نے تحریر کیا ہے (کیونکہ میرے علم کے مطابق انجیل چار ہیں) حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السّلام نے اس طرح فرمایا ہے:۔

اگر تم میری محبت رکھتے ہوگے تو میرے احکام دل سے قبول کروگے اور میں خدا سے تمہارے لئے دُعائے خیر کروں گا۔ میرے بعد خداوند کریم تمہارے لئے ایک پارا کلیٹ بھیجے گا میں تم کو یتیم نہ چھوڑوں گا۔" (یعنی بلا سرپرست نہ چھوڑوں گا)۔ لفظ پارا کلیٹ ایک یونانی کلمہ ہے جو کہ یوحنا کی انجیل میں آیا ہے۔ اس لفظ میں کاف ساکن ہے اور لام پر زبر ہے اور ت ساکن ہے۔ یونانی زبان میں اسکے معنی تسلی دینے والے اور حمایت کرنے والے کے ہیں۔ بقول یوحنا جو کہ انجیل کے چار راویوں میں سے ایک راوی ہے حضرت عیسیٰ نے دُنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک شخص آئے گا جو تمہاری حمایت کرے گا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا مقصد یہ تھا

کہ پارا کلیٹ خدا اور عیسائیوں کے درمیان واسطہ ہوگا تاکہ عیسائی تنہا نہ رہ جائیں۔ عیسائیوں کے قول کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے پچاس دن بعد پارا کلیٹ (جبرئیل) آیا اور اس وقت سے آج تک خدا اور عیسائیوں کے درمیان واسطہ ہے۔

مسلمان کہتے ہیں کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السّلام کی بات کو بدل دیا ہے کیونکہ عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد (پریکلی توس) آئے گا جس کے معنی یونانی زبان میں احمدؐ کے ہیں یعنی تعریف کیا ہوا۔ احمدؐ اور محمدؐ پیغمبر اسلام کے نام ہیں۔

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے بھی کلمہ پریکلی توس کو پڑھا تھا اور اس بات سے واقف تھے کہ حضرت عیسیٰ نے اطلاع دی ہے کہ انکے بعد احمد تشریف لائیں گے کیونکہ روایت کے مطابق پیغمبر اسلام کی پیدائش کی رات میں یہودی بہت پریشان تھے اور فرزند آمنہ کی ولادت سے بہت خوف زدہ تھے۔

بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی ماں آمنہ نے فرمایا تھا کہ ایام حمل میں مجھے کوئی گرانی نہیں محسوس ہوئی اور یہ بھی روایت ہے کہ پیغمبر اسلام ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے۔

باوجودیکہ یہودیوں کو معلوم ہوگیا کہ جس شخص کا نام یوحنا کی انجیل میں لیا گیا ہے اس نے دنیا میں قدم رکھا ہے مگر پھر بھی پیغمبر اسلام کی پیدائش کے بعد مکہ اور سارے عرب کے باشندوں کی وضع میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا کیونکہ عرب میں پیغمبر کی پیدائش کوئی نیا واقعہ نہ تھا۔ ایک روایت کے اعتبار سے ایک لاکھ چوبیس ہزار، ایک کے لحاظ سے ایک لاکھ اور ایک کے لحاظ سے چالیس ہزار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے ہیں اور تین بڑے توحیدی مذہب یہودی، عیسائی اور اسلام عرب سے نکلے ہیں مگر یہ اس وقت درست ہوگا جبکہ بحر روم کے مشرقی ساحل کو بھی عرب کا جزو شمار کریں۔ ہم تمام پیغمبروں کے حالات نہیں جانتے صرف چند سو کے نام معلوم ہیں اور کم و بیش انکی تاریخ سے واقف ہیں۔

یہ امر مسلّم ہے کہ عرب والے گزشتہ زمانہ میں ایک پیغمبر کی پیدائش سے حیرت نہیں کرتے تھے کیونکہ ایسے واقعات دیکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ آمنہ نے حمل کے موقعہ پر جب یہ سنا کہ اُن کا لڑکا پیغمبر ہے

تو انھیں اس خوشخبری سے کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ عرب ایک ایسی جگہ تھی کہ وہاں ایک پیغمبر کی پیدائش کوئی مستثنیٰ واقعہ نہ تھا بلکہ انسانی افراد کا خُدا سے مستعید ہونا بھی کوئی نئی بات نہ تھی اور تمام پیغمبر جو کہ عرب میں پیدا ہوئے ہیں خُدا سے ربط رکھتے تھے (خدا کے دُوست تھے)

تیس لاکھ کیلومیٹر والا مُسطح جنگل اور گرم عربستان ایسی جگہ تھی اور آج بھی ہے کہ انسان وہاں ایسا کر سکتا تھا (یہاں تک) کہ بلا واسطہ خدا تک پہُونچ جائے۔ خُدا ہر جگہ ہے پھر اس بیسویں صدی میں جو لوگ خدا کی صحبت چاہتے ہیں وہ عربستان جاتے ہیں۔ چنانچہ یہودی کنعان اور بیت المقدس کی طرف جاتے ہیں (یہ درست نہیں کیونکہ مُسلمان کعبہ اس لئے جاتے ہیں کہ مالداروں پر حج فرض ہے ورنہ خدا کی صحبت وہاں مخصُوص نہیں خدا ہر جگہ ہے)

دوسرے مُلک ایسی عمارت کے مثل ہیں جسکی تکمیل ہو چکی ہے اور اس کے حصّے بھی علٰحدہ علٰحدہ کر دیے گئے ہیں اور بڑی بڑی دیواریں انکے درمیان حائل ہیں۔ اس کے بعض حصّوں میں خدا زندگی گذارتا ہے اور بعض حصّوں میں فرشتے اور بعض میں انسان رہتے ہیں لیکن عرب کے جنگلوں میں ایسا کوئی مانع نہیں ہے کہ جلوۂ دیدار کو روک سکے۔ لوگ جس طرف بھی نظر ڈالتے ہیں لامحدود جنگل اور بے کنار آسمان دیکھتے ہیں۔ چنانچہ خدا اور فرشتوں کی شناسائی کیلئے کوئی مانع موجود نہیں ہے عربی جنگلوں میں کسی وقت بھی خدا سے مُستعید ہونا کوئی استثنائی واقعہ نہیں ہوتا اور ایک پیغمبر کی پیدائش کوئی خلافِ عادت واقعہ نہیں ہوتا۔

روایت کرتے ہیں کہ آمنہ کے علاوہ حضرت محمدؐ کے تمام لوگوں نے جان لیا تھا کہ یہ لڑکا پیغمبر ہے اِس کے باوجود انھیں کوئی تعجّب نہ تھا چنانچہ حضرت محمدؐ اور دوسرے لڑکوں کے ساتھ یکساں سلوک کرتے تھے شاید اسی وجہ سے اسے خلاف عادت نہیں سمجھتے تھے کہ پیغمبر ہونا کوئی اہم بات نہیں ہے۔ اہمیت والی چیز یہ ہے کہ پیغمبر اپنی رسالت کو تکمیل تک پہونچائے۔

دُنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چالیس ہزار پیغمبر ہوئے ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں جنھوں نے اپنی رسالت کو انجام تک پہنچایا ہے۔ صرف وہی لوگ رسالت کو انجام تک پہونچا سکے

جنھوں نے عرب کے جنگلوں میں پرورش پائی ہے ۔ اس جگہ پر میں اپنے مطلب کو اچھی طرح ادا کرنے کے لئے کچھ حاشیہ چڑھانے پر مجبور ہوں۔ عرب والے پہلے جنوبی عرب میں رہتے تھے۔ جنوبی عرب ایسی سرزمین ہے جو سرسبز و شاداب تھی اور اسے عربستان کا خصیب (سبزہ زار) کہا جاتا تھا۔ یونانی اسے عربیہ فلکس (رونق والا یا آباد عربستان) کہتے تھے ۔ لڑائیوں، خشک سالی اور دریاؤں کے بند ٹوٹنے کے باعث لوگ جنوبی عربستان سے ہجرت کر کے مختلف ریاستوں میں چلے گئے چونکہ جنوبی جانب سمندر ہے لہٰذا انھوں نے شمالی راستہ اختیار کیا اور جنگل میں گھومنے والے بدوی بن گئے ۔ اور ایسے دور دراز سفر کے بعد یہ لوگ جنگلوں میں سخت زندگی گذارنے پر مجبور ہو گئے ۔ طویل سفر کے باعث کچھ لوگ مر گئے لیکن جو باقی رہے وہ آزمائشوں سے بے کھٹکے نکل گئے اور طاقتور، پرہیزگار مومن بن گئے ۔

ڈارون جو کہ نظریۂ مربوط بتقائے اصلح کا قائل ہے کہتا ہے کہ دنیا میں صرف وہی جانور باقی رہتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں جو کہ کنارے تک آنے کے لائق ہوتے ہیں۔ جو جانور کمزور اور بے شعور ہوتے ہیں وہ درمیان سے ختم ہو جاتے ہیں۔ عرب کے جنگلوں میں بھی صرف وہی لوگ باقی رہے جو محض جسمانی ہی لحاظ سے نہیں بلکہ روحانی لحاظ سے بھی نیک تھے ۔ عرب کے ان جنگلوں میں جہاں کھیتی نہیں ہوتی ہے صرف ببول و سوسمار پائے جاتے ہیں زندگی کی حفاظت کے لئے لازمی تھا کہ آدمی جسمانی طاقت کے ساتھ روحانی طاقت بھی رکھتا ہو اور اپنے کو قبیلہ کا تابعدار کر سکتا ہو حتیٰ کہ آجکل جو کہ مشینوں اور ہوا پر اڑنے کا زمانہ ہے عرب کے غیر مزروعہ جنگلوں میں کوئی شخص تنہا نہیں رہ سکتا کیونکہ بھوک پیاس اور کسی جانب سے بھی مدد نہ پہونچنے کا خطرہ اسے عاجز کر دیتا ہے ۔ لیکن بدوی اگر ایک قبیلہ میں زندگی بسر کرتا ہے اور قبیلہ کے ضبط و نظم کا تابعدار رہتا ہے تو قبیلہ والے اسکی مدد کرتے ہیں اور ایک طائفہ کے افراد کی مجموعی کوشش سے بہت سی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں جنھیں تنہا ایک شخص انجام نہیں دے سکتا ۔

یہی سبب ہے کہ عرب کے جنگلوں میں طائفہ و قبیلہ نے ایسی اہمیت پیدا کر لی ہے کہ جس وقت

ایک شخص اپنے طائفے سے نکال دیا جاتا تھا تو دوسرا طائفہ اسکو قبول نہیں کرتا تھا اور شہد کی مکھی کے مانند اسے ہر شخص بھگاتا تھا چنانچہ جلد ہی وہ شخص ناپید ہو جاتا تھا۔ قبیلہ کے ساتھ کسی شخص کا زندگی گزارنا اگرچہ اس بات کو مستلزم نہ تھا کہ وہ معاش کے اعتبار سے خوشحال ہو جائے گا مگر یہ ضرور ہوتا تھا کہ وہ شخص تکلیفیں کم اٹھاتا تھا۔

عرب بدوی بھوک و پیاس کا عادی ہو جاتا تھا کہ بھوکا و پیاسا رہنا اُسکی فطرت کا ایک جزو بن جاتا تھا۔ عرب کے تمام مرد اور عورتیں کپڑے کے نیچے ایک کمربند رکھتے تھے جسے پیٹ پر خوب مضبوطی سے باندھ لیتے تھے تاکہ اُسکے دباؤ سے بھوک محسوس نہ ہو بعض اوقات وہ کمربند بھوک روکنے کیلئے کافی نہ ہوتا تو کمربند اور پیٹ کے درمیان ایک پتھر رکھ لیتے تھے تاکہ اُسکا وزن پیٹ پر پڑے اور خود دھوکے میں پڑیں اور خیال کریں کہ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔

شنفرہ جو کہ زمانۂ جاہلیت کا عربی شاعر ہے اپنے اشعار میں کہتا ہے:۔

"میں ایسا کر سکتا ہوں کہ اپنی بھوک کو دھوکہ دوں اور بھوک کی چڑیا کو خاموش کر دوں۔ اگر بھوک کا پرندہ پھر آواز نکالے تو میں اسے انتڑیوں کے اندر اس طرح سے موڑ دونگا اور پیچ میں ڈالوں گا کہ سلامتی کرنے والا بھی جو تا سیتے وقت اپنی ستالی کو ویسا نہیں مروڑتا"

بھوک و پیاس کے بارے میں جنگلی عربوں کی قوت برداشت اس درجہ کی تھی اور آج بھی ہے کہ دوسرے حصہ والے اس سے بے خبر ہیں۔ بہت دفعہ ایسا دیکھا گیا کہ عربستان کا اونٹ بھوک کی زیادتی کے باعث اپنے بدن کے تمام بال کھا لیتا ہے اور اسکے جسم پر ایک بال بھی باقی نہیں رہتا

عرب کی فصل بہار جسے عرب والے فصلِ ربیع کہتے ہیں تین ہفتہ تک رہتی ہے اور صرف انھیں تین ہفتوں میں بارش ہوتی ہے، اور غیر پتھریلی زمین کو گھاس سے ہرا بھرا کر دیتی ہے۔ بعد میں وہ گھاس خارِ مغیلاں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ فصلِ بہار میں جبکہ جنگل سرسبز ہوتا ہے اور ہرن گھاس چرنے نکلتے ہیں عرب والے اس وقت ہرن کا شکار کرتے ہیں۔ اس فصل کے علاوہ جبکہ بے آب و گیاہ ہو جاتا ہے انھیں شکار نصیب نہیں ہوتا۔ بدوی عرب کبھی شہر نشیں ہو جاتے تھے مگر بدوی

زندگی کی تمام خصوصیات برقرار رکھتے تھے۔ فرق صرف اتنا ہوتا تھا کہ بجائے خیمہ کے مکان بنا کر زندگی گذارتے تھے۔

مکہ، مدینہ اور طائف میں جو کہ عرب کے مشہور شہر تھے ہر طائفہ والے جنگل میں رہنے کے دَور کے مُطابق اپنے رہنے کیلئے مخصوص مکان رکھتے تھے اور کوئی طائفہ کسی سے اختلاط نہیں رکھتا تھا بدوی عرب چونکہ ہمیشہ مکان بدلتے رہتے تھے اور اپنے اُونٹ لیکر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا انہیں لازم تھا لہٰذا وہ بھاری چیزیں خیمہ میں نہیں رکھتے تھے۔ ان کا گھریلو ساز و سامان ضروریات زندگی کی مختصر چیزوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ چنانچہ مکّہ میں قبیلہ قریش کے بزرگ بھی اسی طرح زندگی گذارتے تھے اور سوائے اُونٹ کے کچھ نہ رکھتے تھے۔ یعنی عربوں کا سامان بہت مختصر ہوتا تھا۔

پیغمبر اسلام کی بیوی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب تک پیغمبر اسلام زندہ تھے ہمارے گھر میں ایک چھلنی نہ تھی کہ جس روز روٹی پکانا ہوتو آٹا چھانا لیں کیونکہ عرب بادیہ نشیں چھلنی کو غیر ضروری چیز سمجھتے تھے۔ قریش کے دس قبیلوں نے مکہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد چونکہ بدوی طریقہ کو نہیں چھوڑا تھا اس لئے اپنے بچّے پیدائش کے بعد دایہ کے حوالے کر دیتے تھے تاکہ بچہ جنگل میں بڑا ہو اور سن شعور کو پہونچے۔

رسم مذکورہ کے علاوہ دو علّتیں اس میں خاص دخل رکھتی تھیں۔ اوّل یہ کہ عربوں کا عقیدہ تھا کہ مکّہ کی ہوا مضر ہے اور جو بچّے مکّہ میں پرورش پاتے ہیں وہ بچپن ہی میں مرجاتے ہیں۔ یہ نظریہ ٹھیک تھا کیونکہ مکّہ میں وبائی امراض (جراثیم) بچّوں کو موت کی دھمکی دیتے تھے لیکن جنگل کی صاف ہوا میں جراثیم کا وجود نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ بچے کو جنگلی عورتوں میں سے کسی دایہ کے حوالے کر دینا اصل عرب کے قبائل کے درمیان ایک تعلق کا سبب تھا کیونکہ دایہ کی اولاد اور دُودھ پینے والے بچّے رضاعی بھائی بن جاتے تھے اور اہلِ عرب انھیں حقیقی بھائی تصوّر کرتے تھے۔

جب پیغمبر اسلام نے دُنیا میں قدم رکھا تو قریش کی رسم کے مُطابق سر کے بال منڈوائے گئے اور بالوں کے وزن کے برابر سونا فقیروں کو تقسیم کیا گیا۔ ایک نوزائیدہ بچّے کے بال زیادہ بھاری نہیں ہوتے

اور زیادہ وزن بھی نہیں ہوتا لیکن قریش ہمیشہ اس رسم کا لحاظ رکھتے تھے۔ دُنیا کے ہر حصہ میں جہاں سر کے بالوں کو وزن کرتے ہیں اور اس کے برابر سونا خیرات کرتے ہیں یہ وہی رسم ہے جو عربوں سے لی گئی ہے۔ حضرت محمد بال تراشنے کے بعد دایہ کے حوالے کئے گئے۔

پیغمبر اسلام کی دایہ دو ہیں۔ اسلامی تاریخ میں پہلی دایہ کا ذکر بہت کم آتا ہے۔ شاید اسلامی مؤرخین اس سے اس لئے احتراز کرتے ہیں کہ وہ ابولہب کی لونڈی تھی اور ابولہب مسلمانوں کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ اُس نے پیغمبر اسلام کو بہت تکلیف پہونچائی ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس پر ہمیشہ کیلئے لعنت بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں کیونکہ ابولہب نے حضرت محمدؐ کو پیغمبری ملنے کے بعد پتھر مارا تھا اور اسکے پتھر حضرت محمدؐ کے سینہ وچہرہ کو زخمی کرتے تھے۔ اور پیغمبر اسلام اپنے کپڑے کے دامن سے چہرہ وسینہ کا خون صاف کرتے تھے اور دُعا کرتے تھے کہ پاک پروردگار ابولہب کو اسلام کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمادے۔

ابولہب کی بیوی جس کا نام اُم جمیل تھا پیغمبر اسلام کو تکلیف دیتی تھی اور رات کے وقت راستے میں بڑے بڑے کانٹے بچھاتی تھی اور ہر وقت پیغمبر اسلام کے پیران کانٹوں سے زخمی ہوتے تھے۔ خدا نے اس عورت کو بھی اسکے شوہر (ابولہب) کی طرح ابدی لعنت میں گرفتار کیا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ اور اسکی بیوی (لکڑیاں لادنے والی) جس کا مطلب یہ ہے کہ جب ابولہب جہنم میں جائے گا تو اسکی بیوی (اُم جمیل بھی) جو خس وخاشاک ڈھوتی تھی اپنے شوہر کے ساتھ جہنم میں جائے گی۔

بہرحال پیغمبر اسلام کی پہلی دایہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ باوجودیکہ پیغمبر اسلام کے بچپن میں دایہ مذکور رسولؐ خدا کو دودھ دینے میں بخل کرتی تھی جب محمدؐ بڑے ہوئے اور سن تمیز کو پہونچے تو اس لونڈی کو ابولہب سے خرید کر آزاد کر دیا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ قریشی عورتیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں دیتی تھیں اور دایہ کے حوالہ کرتی تھیں تاکہ وہ دیہات لیجائے اور دودھ پلائے۔

عرب کی بعض عورتیں سال کی چند فصلوں میں جماعت کی صورت میں جنگل سے مکہ آتی تھیں تاکہ دُودھ پینے والے بچوں کو اُنکی ماؤں سے لیکر دیہات لے جائیں اور اُنکی پرورش کریں اور آئندہ بزرگوں کے

عزیز قرار پائیں۔

چونکہ ابولہب کی لونڈی حضرت محمدؐ کو دُودھ دینے میں بخل کرتی تھی لہٰذا اُس سے بچّہ کو لے لیا اور مکہ کے لئے اور دایہ کی تلاش میں رہے یہاں تک کہ قبیلہ بنو سعد بن بکر کی عورتوں کی ایک جماعت مکہ آئی۔

میں نے عربستان میں تحقیق کیا اور معلوم کیا ہے کہ اگرچہ بہ نسبت گزشتہ زمانہ کے آجکل عربستان کی وضع کچھ تبدیل ہوگئی ہے اور عرب کے مالدار موٹروں میں سوار ہوتے ہیں پھر بھی بعض لوگ اپنے بچّے دایہ کے سُپرد کرتے ہیں تاکہ مکّہ سے باہر پرورش پائیں آج بھی یہ رسم اُنکے یہاں ختم نہیں ہوئی ہے۔

بنو سعد بن بکر کی عورتوں نے چند گھنٹے میں دُودھ پینے والے بچّوں کا پتہ لگا لیا اور واپسی کا ارادہ کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت محمدؐ کو یتیم و فقیر ہونے کے باعث قبول نہ فرمایا لیکن حلیمہ نامی ایک عورت نے اسے قبول فرمایا۔ وہ اپنے خیالات اس طرح نقل فرماتی ہیں:۔

اس سال فصل ربیع میں بارش نہیں ہوئی میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ ہمارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہے بہتر ہے کہ مکہ جائیں اور کسی بڑے کے لڑکے کو یہاں لائیں پرورش کریں تاکہ اس کے باپ سے حق محنت طلب کرسکیں۔ میرے شوہر نے قبول کیا میں اپنے شیر خوار بچے کو بغل میں لیکر اپنی مادہ گدھی پر سوار ہوئی اور میرے شوہر نے ایک دُودھ والی اونٹنی لیا اور ہم لوگ چل پڑے۔ میرا بچہ بھوک سے روتا تھا کیونکہ میری چھاتیوں میں دُودھ نہ تھا اور میری اونٹنی بھی خشک سالی اور عدم خوراک کے باعث دُودھ نہیں دیتی تھی۔ ہم دونوں بھی بھوکے تھے۔ جب ہم لوگ مکہ پہونچے تو ہمارے قبیلہ کی عورتوں نے مالداروں کے بچّوں کو لے لیا اور واپسی کا ارادہ کیا۔ ہر ایک نے لڑکے کے باپ سے بہترین معاوضہ حاصل کیا لیکن مجھے کوئی دولتمند بچّہ نصیب نہ ہوا، صرف ایک یتیم بچّہ جس کا نام محمدؐ تھا لوگوں نے ہمیں پیش کیا۔ بجز اس کے اسکی ماں یا دادا ہمیں کوئی ہدیہ نہ دے سکے۔

میں نے شوہر سے کہا کہ خالی ہاتھ لوٹنے سے بچنے کے لئے بہتر ہوگا کہ اِس بچّہ کو قبول کرلیں کیونکہ کچھ بھی ہو قریشی ہے جب بڑا ہوگا بزرگان قریش کا ایک جزء ہوگا اور ہم لوگ اِس کی جانب سے مستفید ہوں گے۔ شوہر نے میری بات مان لی اور ہم لوگ اپنے قبیلہ کی عورتوں کے ہمراہ واپس ہوئے۔

ابھی مکّہ سے آدھی منزل بھی دُور نہ ہوئے تھے کہ عجیب چیزیں نظر آئیں۔ میری دونوں چھاتیاں دُودھ سے ایسی بھر گئیں کہ میرا لڑکا اور محمدؐ دونوں سیراب ہو گئے۔ جب گھر پہونچے تو میرے شوہر نے اونٹنی کی چھاتیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حلیمہ دیکھو ہماری اونٹنی کا تھن کس طرح دُودھ سے بھرا ہوا ہے ہم لوگ بھوکے تھے اونٹنی کا دُودھ دوہا پی کر آسودہ ہوئے اور آرام سے رات بسر ہوئی۔ صبح کے وقت شوہر نے کہا بلاشبہ یہ لڑکا جسے تو نے قریش سے لیا ہے برکت والا ہے اور مجھے سعادت مند کر دے گا۔

محمدؐ (امین)

حضرت محمدؐ کو دُودھ چھڑانے کے بعد حلیمہؓ نے اُنکی ماں آمنہ کے حوالہ کر دیا - اس وقت جیسا کہ میں نے بیان کیا حضرت محمدؐ کی ماں اور آپؐ کے دادا عبدالمطلبؓ اس دُنیا سے چل بسے اور آپؐ کے چچا ابوطالبؓ آپکے سرپرست ہوئے۔ وہ حضرت محمدؐ کو بارہ سال کی عمر میں اپنے ساتھ مُلک شام لے گئے۔ یہ پہلا سفر تھا جب آپؐ ملک شام سے واپس آئے تو چونکہ ابوطالبؓ غریب تھے لہٰذا بکریاں چرانے کی ذمہ داری آپؐ کے سُپرد کی گئی۔ آپ روزانہ صبح بھیڑ بکریاں لیکر جنگل جاتے اور عربستان کے گرم آفتاب کے نیچے ان جانوروں کو چراتے رہتے۔

جب ریوڑ کی بھیڑ بکریاں دودھ والی ہوتی تھیں تو حضرت محمدؐ جنگل میں ان کا دُودھ بطور غذا استعمال کرتے تھے اور جب بے دُودھ ہو جاتی تھیں تو پیغمبر اسلام کی غذا جنگلی گھاس تھی۔ جب پیغمبر اسلام جوان ہو گئے تو اپنے دوستوں کو مکہؔ کے جنگل میں لے جاتے تھے اور بعض حصّوں کی طرف اشارہ کر کے بتاتے تھے کہ میں بچپن میں اس حصّہ میں بکریاں چراتا تھا اور گھاس کو بطور غذا کھاتا تھا۔

عرب والے جیسا کہ بیان کیا گیا چار مہینہ جنگ نہیں کرتے تھے۔ ڈاکو حج کے زمانے میں نہ تو حاجیوں پر حملہ کرتے تھے نہ سوداگروں پر اور بقول عرب نہ حاجی مورد حملہ قرار پاتے نہ کاروباری۔ حج کے زمانہ میں مکہ کے نزدیک آجکل کے بازاروں کے مانند ایک بڑا بازار لگتا تھا جہاں تمام عرب سے لوگ سامان کی خرید و فروخت کیلئے آتے تھے۔ یہ بازار خود مکہ میں نہ تھا بلکہ مکہؔ کے نزدیک ایک چھوٹے سے شہر میں تھا۔ میں نے عرب میں تحقیق کی مگر کوئی شخص اس بازار کا محل واقعی نہ بتا سکا۔ نزدیک ہونے کے باعث حضرت محمدؐ وہیں بازار میں جاتے تھے۔ عرب میں ایک چیز ایسی ہے جو سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور وہ سخن (کلام) ہے۔ اس نے پیغمبر اسلام کی توجہ اس طرح سے کھینچا کہ ایک مرتبہ

کی واقفیت سے آپکی آنکھیں کھل گئیں۔ اس روز تک وہ بچہ جو اسلام کا پیغمبر ہونے والا تھا یہ خیال کرتا تھا کہ عرب کی سب سے قیمتی چیز پہلے سونا ہے پھر چاندی جیسا کہ عربوں کا قول ہے کہ قیمت میں پہلا نمبر سونے کا ہے پھر چاندی کا لیکن اس بازار میں کلام کی قیمت حضرت محمدؐ کی نظر میں سونے اور چاندی سے زیادہ معلوم ہوئی۔

عربی شاعر کعب بن زہیر کہتا ہے۔ انسان کی قیمت زبان و دل سے ہے بقیہ جسم خون آلود گوشت کے سوا کچھ نہیں ہے عربی شاعر ایک عرب ہونے کی حیثیت سے ٹھیک کہتا ہے کیونکہ عرب میں یکتا ہنر جو کہ تمام زبانوں میں موجود رہا ہے وہ سخنوری ہے۔

عرب کا رقبہ بہت بڑا ہے لیکن اس کا کافی حصہ کنکر پتھروں سے بھرا ہوا ہے اور بقول عرب بالو ہے۔ اگر دنیا کے تمام ریگستانوں کو جمع کیا جائے تب بھی شاید ہمارے خیال میں عرب کے تین گنے کے برابر نہ ہوگا۔ ایسے گرم اور بالو بھرے ہوئے بیابان میں ایک عربی کا اصلی سرمایہ ایک خیمہ تھا جو اُسے آفتاب کی تپش سے محفوظ رکھتا تھا اور ایک اونٹ تھا جس پر سوار ہوتا تھا یا اس کا دودھ پیتا تھا اور ایک تلوار تھی جسکے ذریعہ دشمنوں سے بچتا تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی چیز عربی شخص کیلئے ذوق کی نہ تھی اور اُسکی روح کو تسکین نہیں دیتی تھی۔

عربی لوگ نقاشی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہاں رنگ نہ تھا وہ پتھر کا کام بھی نہیں جانتے تھے کیونکہ وہاں پتھر نہ تھے لہٰذا عرب کے مختلف گروہوں کا ذوق صرف ایک رشتہ سے مربوط تھا اور وہ رشتہ سخنوری تھا۔ فرانس کا حکیم فلسفی (اونسنت زبان) کہتا ہے کہ اگر دوسری قوموں کے علوم و فنون خصوصاً ایران کے علوم و فنون جو کہ اسلام کے بعد عرب میں پھیلے ہیں اگر عربوں سے لے لئے جائیں تو فقط عربی اور اسکا اونٹ باقی رہتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات بغیر مطالعہ زبان پر لائی گئی ہے کیونکہ اگر تمام علوم و فنون عربوں سے لے لئے جائیں تب بھی عربوں کیلئے اُنکا کلام باقی رہتا ہے۔

عرب معماری، مجسمہ سازی اور نقاشی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انکے وسائل ادنیٰ درجہ میں بھی وہاں موجود نہ تھے لیکن سخنوری کے لحاظ سے تمام ہنرہائے مذکورہ کو سمیٹ لیا تھا۔ سخنوری براہ شاعری عرب قوم کا

یکتا خزانہ تھا عرب کی تاریخ ادب اور ہنر ساری چیزیں بطور خلاصہ شاعری میں موجود ہیں ۔

جو شخص علم الانساب تاریخ و ہنر اور عربوں کے علوم معلوم کرنا چاہتا ہے اُسکے لئے سوائے اسکے کوئی چارہ نہیں ہے کہ شعراء عرب کے اشعار پڑھے ۔ دوسری جگہوں میں شاعر محض ایک ادیب ہوتا ہے لیکن عرب میں شاعر ایک حکیم، حاکم یا روحانی پیشوا اور بزرگ شمار ہوتا ہے ۔

شاعر ایک ایسا مرد ہوتا تھا کہ اپنے زہر آلود کلام سے دشمن کو قتل کرا سکتا تھا یا تسلی بخش کلام کے ذریعہ مریض کی بیماری کی بھلائی کا سبب ہو سکتا تھا حضرت محمدؐ نے پیغمبر ہونے کے بعد ایک لڑائی میں عربی شاعر حسان بن ثابت کو جو کہ آپکے لشکر میں تھے فرمایا :۔

دشمنوں کی ہجو کرو کیونکہ تمہاری ہجو گوئی ہمارے ان تیروں سے زیادہ اثر کرتی ہے جو اندھیرے میں چھوٹتے ہیں اور حضرت جبرئیل تمہارے ساتھ ہونگے عرب قبائل کی زندگی میں شعر بھی مثل ہوا اور دھوپ کے ضروریات زندگی کا ایک جزء تھا عرب والے ہر حالت مثلاً خوشی یا غم ۔ نیک بختی یا بدبختی، شادی یا موت، صلح یا جنگ کیلئے مخصوص اشعار رکھتے تھے ۔ عربی شخص جب متاثر ہوتا تو رھیر کے اشعار پڑھتا، اور وحشت کے وقت نابغہ کے اشعار پڑھتا غصہ کے وقت اعشیٰ کے اشعار پڑھتا ۔ جب حملہ کرنا چاہتا تو عنترہ کے اشعار بطور فخر پڑھتا اور حملہ کرتا ۔ ہر شخص شاعر نہیں ہو سکتا ۔ شاعری کیلئے استعداد اور اُمنگ کی ضرورت ہے ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ عقاب نے میرے سینے کو اپنے چنگل سے پھاڑا ہے اور شاعری کی استعداد کو میرے سینہ کے اندر بھر دیا ہے ۔ دوسرا عربی شاعر کہتا ہے جس وقت ایک مغز میں شاعری کی استعداد موجود ہوئی تو وہ اسکے مانند ہے کہ شیطان اس کے دل میں داخل ہو گئے ہیں اور وہ چین سے نہیں رہ سکتا ۔ اور سوائے اسکے کوئی تدبیر نہیں ہے کہ تمام اصول و قیود کو چھوڑ دے ۔

اس عربی شاعر نے زمانہ جاہلیت میں (یعنی اسلام سے قبل) عربی شعراء کی رُوحوں کی خوب تعریف کی ہے اور اسی ایک جملہ میں خلاصہ ظاہر کیا ہے ۔

عربی شعراء بڑی صلاحیت اور ذوق والے اشخاص تھے جنکی فکر آزاد تھی اور انکی فکر قبیلہ والوں کی فکر سے جداگانہ تھی اور اسی وجہ سے ہر ہر قدم پر قبیلہ کے رسم و رواج اور قیود کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا چونکہ شعراء

ایسا نہیں کر سکتے تھے لہٰذا مجبوراً جنگل کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ اور ان میں بہت سے بھوک کے باعث مرجاتے تھے کیونکہ عرب میں جو شخص قبیلہ سے دور تنہا زندگی گذارتا ہے وہ مرجاتا ہے۔ شعراء کا ایک دستہ ڈاکہ زنی کرکے اپنی زندگی گذارتا تھا۔

ہر سال مکارہ کے بازار میں عربی شعراء مشاعرہ کرتے تھے اور جو شاعر دوسروں سے فوقیت لیجاتا تھا لوگ اسکی بڑائی کرتے تھے اور اسکے اشعار ریشمی کپڑے پر سنہرے حروف میں لکھے جاتے تھے اور کعبہ کی دیوار پر لٹکائے جاتے تھے تاکہ عرب کی تمام قومیں جو مکہ میں آئیں ان اشعار کو پڑھیں۔ ایک سال تک وہ اشعار لٹکے رہتے۔ اسی وجہ سے ان اشعار کو معلقہ کہتے ہیں۔ شاعر کے کلام میں ایسی تاثیر تھی کہ اگر کسی کے پاس بہت سی بدصورت لڑکیاں ہوتیں جنکی شادی کوئی نہ کرتا ہوتا تو حج کے زمانہ میں وہ شخص کسی شاعر کا وسیلہ پکڑتا اور اس سے درخواست کرتا کہ ہماری لڑکیوں کی ایسی تعریف کرو کہ لوگ اُن سے شادی کے خواہشمند ہوجائیں۔ شاعر انکی ایسی تعریف کرتا کہ ہر لڑکی کے لئے متعدد لوگ خواہشمند ہوجاتے۔

پیغمبر اسلام نے ایک مرتبہ اس بازار میں شاعروں کا کلام سنا اور اُنکی گفتار سے ایسا متاثر ہوئے کہ اس کے بعد ہر فرصت میں استفادہ فرماتے تھے تاکہ عرب کے فصیح لوگوں کا کلام سُنیں۔ آپنے ایام جوانی میں ایک دفعہ اس بازار میں زہیر کو اشعار پڑھتے ہوئے دیکھا اور فوراً اپنا جبہ اتار کر بطور انعام اُنکے حوالہ کردیا۔

عرب کے اس بازار کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ کسی وقت اطراف کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ایک قیمتی چیز جیسے تلوار یا زربفت کپڑا اس بازار میں بھیجتا تھا تاکہ فروخت ہو۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ اس چیز کو ایسا شخص خریدے گا جو سب سے بڑا ہو۔ خریداری کے خواہشمند نمایاں ہوکر آتے اور مخصوص اونچی جگہ پر بیٹھتے اور اشعار کے ذریعہ اپنی تعریف کرتے۔ اپنا حسب و نسب ذکر کرتے۔ اپنی شجاعت ظاہر کرتے۔ اگر خود اشعار نہ پڑھ سکتے تو کوئی شاعر انکی ترجمانی کرتا۔ کافی تعداد شاعروں کے فیصلہ کے مطابق جو خواہشمند سب سے بڑا ہوتا وہی اس شے کی خریداری کا مستحق ہوتا۔

عربی گروہوں میں کلام ایسی اہمیت رکھتا تھا کہ ہر رئیس قبیلہ کو سخنور ہونا چاہئے۔ وہ تمام کلمے جو عربی زبان میں رئیس کے معنی میں ہیں جیسے امیر، سعید وغیرہ ایسے شخص کے معنی میں ہیں جو شعر کہتا ہو۔

مشہور شعراء میں سے ایک امرؤ القیس ہے جسے سارے مسلمان جانتے ہیں۔ یہ عرب کے اُن سات مشہور شاعروں میں سے ہے جنکے قصیدے خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکائے گئے تھے (اسی وجہ سے عرب ان قصیدوں کو معلقات کہتے ہیں) یہ قصائد دوسروں سے بہتر شمار کئے جاتے ہیں۔

یہ سات قصیدے اس قدر فصیح و بلیغ اور دلکش ہیں کہ میں نے عربی میں قرآن شریف کے سوا کسی چیز کو ان سے زیادہ برجستہ نہیں پایا۔ ان سات قصیدوں میں جنھیں سات شاعروں نے زمانۂ جاہلیت میں مرتب کیا ہے امری القیس کا قصیدہ لطافت، فصاحت اور استحکام زیادہ رکھتا ہے۔

پیغمبر اسلام جیسا کہ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں امرؤ القیس کے اشعار کے اس قدر عاشق تھے کہ انکو پڑھتے تھے اور طویل قصیدے کے تمام شعر زبانی یاد تھے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس وقت عرب کے بہت سے لوگ باوجودیکہ مثل حضرت محمدؐ کے اُمّی (بے پڑھے لکھے) تھے لیکن عربی شعراء کا کلام زبانی یاد رکھتے تھے۔ میں خود عرب گیا ہوں اور جانتا ہوں کہ آج بھی دیہات کے اَن پڑھ عربی عربی شعراء کے بعض اشعار یاد رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک عربی نے میرے لئے امرؤ القیس کے چند اشعار پڑھے۔

ابن ہشامؒ، ابو داؤدؒ، ابن ماجہؒ، حمید اللہؒ، ابن سعدؒ وغیرہ و پیغمبر اسلام کی تاریخ کے محقق ہیں، تصدیق کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ شعر کو پسند فرماتے تھے اور کبھی کبھی عربی شعراء کا کلام پڑھا ہے۔

اگر اسکے خلاف ہو تو حیرت کی بات ہوگی کیونکہ اس زمانے میں شعر ایک عربی کیلئے پانی و ہوا کیطرح تھا کہ بغیر اسکے زندگی مشکل تھی۔ حضرت محمدؐ میں عربی شخص کی تمام عمدہ صفتیں جمع تھیں اور اسکی بری صفتیں معدوم تھیں۔

اگر حضرت محمدؐ کے پیغمبر ہونے کے بعد یہ لوگ لفظ "امین" ان کے بارے میں بولتے تو ممکن تھا کہ یہ خیال پیدا ہوتا کہ شاید خوشامد کرتے ہیں لیکن آپؐ کے پیغمبر ہونے سے پچیس برس پہلے سے لوگ آپکو امین اور صبور کہتے تھے۔

ہم لوگ امین کے لفظ سے فقط ایک مفہوم یعنی درستکاری سمجھتے ہیں لیکن عرب والے درستکاری کے علاوہ وفاداری بھی مراد لیتے ہیں۔

حضرت محمدؐ کا صبر کرنا بھی آپکی امانت کی طرح پیغمبر ہونے کے پہلے ہی سے مشہور تھا ہو سکتا ہے

کہ چونکہ یہ صفت حضرت محمدؐ میں موجود تھی خدا نے قرآن میں صبر کی تعریف فرمائی ہے۔

صبر عرب کے ممدوح کی صفت تھی۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ مال کھو دینا اور فقیر ہو جانا عیب نہیں ہے بلکہ عیب یہ ہے کہ انسان مصیبت کے وقت صبر کھو دے اور بے قراری ظاہر کرے۔ پیغمبر اسلام کا صبر، درستی اور وفاداری پیغمبر ہونے کے بہت پہلے سے قریش کے درمیان مشہور تھی۔

عرب کے محقق ابو داؤد اپنی کتاب سنن میں فرماتے ہیں کہ جب رسول خدا تیس سال کے تھے ایک سوداگر نے ایک جگہ پر آپ سے ملاقات کا وعدہ کیا تا کہ تجارتی مسائل پر گفتگو کرے۔ وہ شخص اپنا وعدہ بھول گیا اور وعدہ کے مطابق حاضر نہ ہو سکا۔ تین دن بعد حسب عادت جب ادھر سے گذرا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ محمدؐ وہاں موجود ہیں اور تین روز سے اسی جگہ آدمی کا انتظار کر رہے ہیں۔

اس وقت سونا عرب میں کیا بلکہ ساری دنیا میں کمیاب تھا اور پانچ گرام وزنی سونے کا سکہ فقیروں کے لئے ایک بڑی دولت تھی۔ جو چیز دنیا میں سونے کی فراوانی کا باعث ہوئی وہ امریکہ کا ظاہر ہونا تھا۔ جب اسپین والوں نے امریکہ کو تلاش کر لیا تو وہاں کا سونا یورپ کو منتقل کر دیا اور وہاں سے سونا ایشیا اور افریقہ پہونچا

ایام جوانی میں محمدؐ کا ایک کارفرما (کام دینے والا) تھا جسکا نام قیس بن زید تھا وہ اپنا سامان آپ کے حوالے کر دیتا تھا کہ آپ لیجائیں اور بیچیں۔ حضرت محمدؐ دور دراز سفر میں جاتے تھے اور واپس آکر ہزار پانچ سو سے لیکر دو ہزار تک سونے کے سکے اپنے کارفرما کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ ایسی صورت میں جبکہ آپکو موقع ملا کہ اس سامان کے ساتھ دور دراز ملک میں جائیں اور بقیہ زندگی آرام سے گذاریں لیکن چونکہ آپ امین تھے لہٰذا آپ کے حساب میں ہرگز اختلاف نہ ہوا۔ جس روز آپنے قیس بن زید کی خدمت چھوڑی اس نے کہا اے محمدؐ میری جان آپ پر قربان ہو آپ کے بعد میں کوئی شخص ایسا شریف اور دیانت دار نہیں پا سکتا۔

جب بھی جوان ہونے کے بعد حضرت محمدؐ سامان فروخت کرنے کے لئے سفر میں جاتے تھے تو بہت سے سوداگر یہ جان کر کہ آپ بڑے دیانت دار ہیں خواہشمند ہوتے تھے کہ ان کا سامان بھی فروخت کریں

اور اپنی محنت لے لیں۔ رسولِ خدا ان کا سامان فروخت کرتے تھے لیکن جیسا قیس بن زید فرماتے ہیں کبھی اُن سے اپنی محنت نہیں لی۔ ابن حنبل اپنی کتاب المسند میں جو کہ ۱۳۶۸ھ میں قاہرہ میں چھپی ہے صفحہ ۴۲۵ پر فرماتے ہیں:۔

"جب حضرت محمدؐ سفر سے واپس ہوتے تھے تو اپنے تمام دوستوں کی حالت دریافت کرتے تھے اور جب یہ معلوم ہوتا کہ ان کی مالی حالت اچھی نہیں ہے تو اپنی کمائی کا کچھ حصّہ ان میں تقسیم فرماتے تھے یہ طریقہ ایک سوداگر کی طرف سے جاذب توجہ (یعنی لوگوں کو مائل کرنے والا) ہے۔"

سب سے پہلی لڑائی کہ جس میں حضرت محمدؐ نے شرکت فرمائی وہ لڑائی تھی جو قریش کے دس قبیلوں اور اس قبیلہ کے درمیان ہوئی تھی جو جنوبی مکّہ کے جنگل میں رہنے والے تھے جنھوں نے حرام مہینوں کی حرمت کو بھی توڑ دیا تھا۔ حرام مہینوں سے مقصود وہ مہینے ہیں جن میں عرب والے جنگ نہیں کرتے تھے اور قافلوں اور زائرین پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ مکّہ والے بغیر حرام مہینوں کے زندگی نہیں گذار سکتے تھے کیونکہ ترکِ جنگ اگر درمیان سے اُٹھ جائے تو مکّہ کا بازار نہیں لگ سکتا اور لوگ زیارت کعبہ کو نہیں آسکتے۔

سال کی تمام فصلوں میں بعض قافلہ ٹیکس دیتے تھے تاکہ ڈاکو ان پر حملہ نہ کریں لیکن حرام مہینوں میں کسی کو ٹیکس لینے کا حق نہ تھا۔ اور اگر ایک ڈاکو یا اسکا قبیلہ قافلہ پر حملہ کرتا تو سارے قبائل اس سے جنگ کرتے تھے۔ عرب میں اگر ایک شخص کوئی جرم کرتا تو اس کا وبال اسکے قبیلہ پر آتا اور دوسرے لوگ اس سے بدلہ لیتے تھے۔

یہ معلوم نہیں ہوا کہ قبائل قریش اور اس قبیلہ کی لڑائی جنھوں نے حرام مہینوں کی حرمت کو توڑا کس تاریخ میں ہوئی، کیونکہ عرب مؤرخوں نے پیغمبرِ خدا کے ایسے واقعات کو جو پیغمبری سے قبل ہوئے ہیں دقیق تاریخ کے ساتھ ذکر نہیں کیا ہے مگر یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ آپ نے جنگ میں شرکت فرمائی ہے اور اپنے چچا ابوطالب اور دوسرے افراد قریش کے ساتھ میدان جنگ میں گئے ہیں۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ چونکہ اُس وقت ابھی کم سن تھے اپنے چچا ابوطالب کا ترکش لادے ہوئے تھے اور انکو تیر دیتے تھے کہ کمان پر رکھ کر چلائیں۔ بعض دوسرے لوگوں نے لکھا ہے کہ محمدؐ نے اس

لڑائی میں تلوار ہاتھ میں لی ہے اور (بویرہ) کو جو کہ عہد توڑنے والے قبیلہ کا سردار تھا زخمی کیا ہے۔

حلف الفضول (لڑنے والی فوج)

مجھے معلوم نہیں کہ محمدؐ کس سن میں حلف الفضول چھوٹی سی فوج میں داخل ہوئے کیونکہ میں بیان کر چکا ہوں کہ عربی مؤرخوں نے قبل اسلام کے تمام واقعاتِ زندگی پیغمبر تدقیق کے ساتھ ضبط نہیں کیا ہے ہم ان میں سے بعض کی تاریخ پیش کرتے ہیں اور بعض کی نہیں۔

حلف الفضول ایک فوج تھی جسے جوان مردوں سے ترتیب دیا جاتا تھا تاکہ کسی مظلوم کا حق ضائع نہ ہونے پائے اس فوج کو بنانے کے لئے اسکے ذمہ دار کسی سے اُجرت نہیں لیتے تھے۔ یہیں اسکی کچھ تفصیل کرنا چاہئے۔

عرب والے تنہا کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتے تھے اور اگر ایک عرب کسی کو قتل کر دیتا تھا تو مقتول کا قبیلہ قاتل کے قبیلہ سے اسکا بدلہ لیتا تھا۔

بیابان میں ہر قسم کا جرم اس شخص کے قبیلہ کا دامن گیر ہوتا تھا جو اس کا مجرم ہوتا تھا (یعنی ایک شخص کا جرم پورے قبیلہ پر عائد ہوتا تھا) لیکن جب عرب بادیہ نشیں شہری بن گئے اور مکہ میں سکونت اختیار کر لی تو اس قسم کا قانون غیر عادی قرار پایا اس وجہ سے کہ اگر کوئی شخص مکہ میں ستایا جاتا تو وہ قریش کے دس قبیلوں سے جنگ نہیں کر سکتا تھا۔

مکہ میں نہ کوئی محفوظ محل تھا نہ دادگاہ۔ ہر قبیلہ خود اپنے اختلافات طے کرتا تھا اور کسی قسم کا اختلاف چاہے حق حاصل کرنے کا ہو یا بدلہ دینے کا ہو حدود قبیلہ سے تجاوز نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن جب کوئی خارجی دشمن مکہ پر حملہ آور ہوتا تو اسکو بھگانے کے لئے قریش کے تمام قبیلے متحد ہو جاتے تھے اور دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ اسی لئے اگر کوئی شخص جنگل سے مکہ آتا اور وہاں اس پر ظلم کیا جاتا تو سوائے اسکے کوئی صورت نہ تھی کہ جنگل کو واپس جائے اور اپنے قبیلہ کو لائے تاکہ ظالم قبیلہ سے جنگ کرے۔ لیکن مظلوم کا قبیلہ جب جنگل سے آتا تھا تو خارجی دشمن شمار ہوتا تھا اور تمام قریشی قبیلے اس سے لڑنے

لگتے تھے۔ اس بنا پر اگر ایک خارجی جنگل سے آتا تھا اور مکہ میں اس پر ظلم ہوتا تو اس میں یہ طاقت نہ ہوتی تھی کہ اپنا حق حاصل کرے یا بدلہ لے۔

عربی مورخ سہیلی کہتا ہے کہ حج کی زیارت کے موقع پر ایک عربی اپنی جوان باکرہ لڑکی کے ساتھ جنوبی جنگل سے مکہ میں آیا اور وہاں ایک دولتمند سوداگر نے اسے لے لیا۔ باپ کو سوائے اسکے کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ جنگل واپس جائے اور اپنے قبیلہ والوں سے درخواست کرے تاکہ قبیلہ والے ہتھیار لے کر مکہ آئیں اور اس سوداگر کے قبیلہ سے جنگ کریں۔

اس وقت حضرت محمدؐ اس ظلم سے آگاہ ہوئے اور قریش کے دس قبیلوں سے درخواست کی کہ اسکو پسند نہ کریں کہ ایسا ظلم مکہ میں پھیلے۔ قریش کے لڑنے والے جوان مظلوم کے طرفدار بنیں۔ چنانچہ لوگ خانہ کعبہ کے چاروں طرف جمع ہوئے اور اس جگہ مندرجہ ذیل قسم کھائی:۔

"ہم قسم کھاتے ہیں کہ مظلوم کی اتنی حمایت کریں گے کہ ظالم اس کا حق واپس کرنے پر مجبور ہو اور یہ بھی قسم کھاتے ہیں کہ اس راہ میں کسی قسم کا لالچ نہیں کریں گے عام اسکے کہ مظلوم دولتمند ہو یا فقیر"

قسم کھانے کے بعد قریش کے جوانوں میں جن میں حضرت محمدؐ بھی تھے حجر اسود کو آب زمزم سے دھویا اور اس پانی کو پیا تاکہ انکی قسم پختہ ہو جائے۔ اس وقت حضرت محمدؐ اور جوانانِ قریش ظالم سوداگر کے گھر کی طرف گئے اور اس کے گھر کو گھیر لیا۔ اور اس سے کہا کہ فوراً جوان لڑکی کو اسی حالت میں جس میں اس کو لیا تھا (یعنی باکرہ) اس کے باپ کے حوالے کرو۔ مالدار سوداگر بولا، ایک رات مجھکو مہلت دو۔ میں کل صبح لڑکی کو اس کے باپ کے حوالے کروں گا۔ لیکن حضرت محمدؐ اور ان کے قریشی ساتھیوں نے اسے قبول نہ کیا اور کہا فوراً لڑکی کو حوالے کرو۔ اس سوداگر نے مجبوراً لڑکی کو اسی حال میں رہا کر دیا۔

اسی طرح ایسے مقتول کا خون جو طاقت ور قبیلے کا نہ ہوتا اور اس کا قبیلہ اسکی فدا کاری کیلئے تیار نہ ہوتا تھا ضائع ہو جاتا تھا۔

سب لوگ حتیٰ کہ جو مظلوم ہوتے تھے اور اپنا حق حاصل نہیں کر سکتے تھے وہ بھی، اس وضع کے

عادی ہو گئے تھے اور یہ خیال بھی نہیں کرتے تھے کہ اس قسم کے اجتماعی حقوق کی تبدیلی ممکن ہے

حضرت محمدؐ نے حلف الفضول فوج کی تشکیل سے اس امر کی نشاندہی فرمائی کہ ایک ظالم سے مظلوم کا حق حاصل کر کے اسے دینا چاہیئے اگر مظلوم کا قبیلہ کمزور ہو یا اس کا قبیلہ اس کے لئے تیار نہ ہو تو لوگوں کو (حلف الفضول والوں کو) چاہیئے کہ مظلوم کے حق کے لئے اپنی قربانی پیش کریں۔ قابل تعریف اخلاقی صفات سے قطع نظر حضرت محمدؐ میں یہ اُمنگ پائی جاتی تھی۔ اگر اُمنگ نہ ہوتی تو آپ ایک پیغمبر نہ ہوتے۔

بعثت سے قبل کے اقدامات کا ایک حصہ پتہ دیتا ہے کہ وہ شخص بلاشبہ دُوسروں سے زیادہ صلاحیت رکھتا تھا اور آپکی عقل سیاسی، اجتماعی، حقوقی مسائل میں ایسی چیزیں نکالتی تھی کہ دوسروں کی عقل وہاں تک نہیں پہونچتی تھی۔ ابوطالب حضرت محمدؐ کے چچا آپ کو چاہتے تھے مگر غریب تھے لہٰذا وہ مُسلسل آپ سے استفادہ نہ کر سکے۔ لیکن مکہ کے سوداگروں میں آپکی امانت مشہور تھی وہ اس بات کے خواہاں تھے کہ اپنے یہاں نوکر رکھیں۔

مکہ کے سوداگروں میں خدیجہ نامی ایک عورت تھیں جن کی عمر چالیس سال تھی اور حضرت محمدؐ پچیس سال کے جوان تھے۔ خدیجہ انکے درپے ہوئیں کہ حضرت محمدؐ کو دعوت دیں کہ وہ اُنکی خدمت میں داخل ہوں اور اُنکے سوداگروں کے ساتھ سفر میں جائیں۔

حضرت محمدؐ نے خدیجہ کی دعوت کی اطلاع اپنے چچا کو دی اور اُن سے مشورہ کیا کہ آیا اُنکی تجویز منظور کریں یا نہیں۔ ابوطالب نے کہا کہ خدیجہ مالدار عورت ہے اور وہ تمکو مزدوری زیادہ دے سکتی ہے میرا خیال ہے کہ تم اسے قبول کر لو۔

اس وقت تک خدیجہ کی دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی۔ اور اُنکے پاس ہند نامی ایک لڑکا اور ہندہ نامی ایک لڑکی تھی۔ چونکہ خدیجہ سوداگر تھیں اس لئے تاجر کے نام سے مشہور تھیں اور مکہ کے ایک بہترین گھرانے میں زندگی گذارتی تھیں۔

حضرت محمدؐ خدیجہ کے پاس گئے اور سفر کیلئے رضامندی ظاہر کی۔ خدیجہ نے کہا۔ آپکو میرے قافلہ

کے ساتھ ملک شام جانا چاہئے اور اس سفر میں دو شخص میسرہ قریبی آپکے ساتھ ہونگے۔ ایک میرا بھتیجا خزیمہ اور دوسرا میرا غلام میسرہ۔

حضرت محمدؐ کی سرپرستی میں یہ قافلہ روانہ ہو کر ملک شام پہونچا۔ اور بُصریٰ تک پیشقدمی کی میں نے بیان کیا کہ بصریٰ کے پاس ایک مانوی زاہد جس کا نام بحیرہ تھا رہتا تھا۔ اس سفر میں حضرت محمدؐ جس وقت اسکے پاس پہونچے بحیرہ مر چکا تھا اور اسکے بجائے ایک دوسرا زاہد نستوریوس گرجا میں رہتا تھا۔

تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ نستوریوس بحیرہ کی طرح مانوی تھا کہ نہیں لیکن نستوریوس نے بھی حضرت محمدؐ کو دیکھنے کے بعد بحیرہ کی باتیں آپسے بتائیں اور کہا کہ خدائے تعالیٰ کسی دین اور مذہب میں محصور نہیں ہے اور یہودیوں کی بات کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے یہودی مذہب کو تمام مذاہب سے برگزیدہ بنایا اور خدا پرستی خاص یہودی مذہب ہے، خود پسندی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ دُنیا کے تمام مذاہب خدا کی پرستش کریں چاہے یہودی ہوں چاہے عرب ہوں۔

نستوریوس نے حضرت محمدؐ سے کہا کہ عربوں میں ایک پیغمبر ہوگا اور عربوں کے کچھ عقائد کو بدل دے گا۔ جب حضرت محمدؐ سفر شام سے واپس تشریف لائے تو خدیجہ نے ایک اونٹ بطور اس سفر کی اجرت کے آپکے حوالہ کیا۔ اس بات کو معلوم کرنے کے لئے کہ ایک اونٹ کی قیمت اس وقت کیا تھی۔ اسکی قیمت یا اس موقع میں دوسری چیزوں کی قیمت کا پتہ لگائیں۔ اس دَور میں ایک اونٹ کی قیمت چار سو درہم تھی اور ایک غلام کی قیمت ایک سو پچاس سے لیکر آٹھ سو تک ہوتی تھی۔ غلام کی قیمت جوانی اور بڑھاپا۔ خوبصورتی یا بدصورتی کے مُطابق ہوتی تھی۔ مکہ میں ایک بھیڑ کی قیمت چالیس درہم تھی اور ایک بکری کی قیمت پچیس درہم تھی۔

مکہ کے بازار میں ایک نیزہ کی قیمت چار درہم تھی اور اونٹ پر باندھنے کا کجاوہ سولہ درہم میں خرید سکتے تھے۔ ایک کلنگ (کدال) جس سے زمین کھودتے ہیں چھ درہم میں بکتا تھا اور ایک روٹی مکہ کے بازار میں ½ درہم کو ملتی تھی اس لئے بہت گراں تھی اور مکہ میں صرف مالدار لوگ روٹی کھا سکتے تھے۔

دوسرے لوگ روٹی سے محروم تھے اور اونٹ کا دودھ اور کھجور کھا کر پیٹ بھرتے تھے۔

حضرت محمدؐ شام سے واپسی پر حضرت خدیجہ کی مزدوری سے راضی ہوئے اور خدیجہ بھی ان کی خدمت سے راضی ہوئیں اور پھر انھیں دوبارہ قافلہ کے ساتھ سفر میں بھیجا۔

ازدواجِ محمدؐ و خدیجہؓ

جب حضرت محمدؐ دوسرے سفر سے واپس ہوئے اور جس وقت معلوم شدہ چیزوں کو حضرت خدیجہ سے بتانے گئے تو حضرت خدیجہ نے اُن پر گہری نظر ڈالی اور دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت جوان ہے جسکے بال اور آنکھیں سیاہ ہیں۔

آپ کی آنکھیں سخت اور خوشنما تھیں اور بہت روشنی رکھتی تھیں - سر کے بال لمبے اور مونڈھے تک لٹکے ہوئے تھے۔ عربوں کی رسم کے مطابق بیچ سر میں مانگ نکالتے تھے۔ اکثر اوقات جب ملاقات کے وقت آپ مسکراتے تھے تو آپکے سفید دانت نمایاں ہوجاتے تھے۔ آپ کا خوشنما چہرہ محبت پیدا کرتا تھا۔ خوبصورتی کے علاوہ عمدہ خوشبو جو کہ برابر آپکے بدن سے اوروں کے دماغ کو معطر کرتی تھی سبب بن گئی کہ لوگ آپکے ایام جوانی ہی میں آپکی صحبت کے خواہاں ہوں۔

اس وقت عرب والے عطر استعمال کرتے تھے اور بدن کا معطر کرنا، خانۂ کعبہ اور مکہ و مدینہ کے مکانات کو معطر کرنا ایک رسم بن گیا تھا اور محمدؐ جیسا کہ عربی مؤرخین لکھتے ہیں ایسا عطر استعمال فرماتے تھے کہ حد سے زیادہ نہ ہوتا۔

حضرت محمدؐ آہستگی سے بات کرتے تھے اور لفظوں کو ایسا الگ الگ کرکے ادا فرماتے تھے کہ لوگ آپکے بولے ہوئے کلمات کو شمار کرسکتے تھے۔ یہ طریقہ حضرت محمدؐ کے کلام کے مؤثر ہونے کے اسباب میں شمار ہوتا ہے کیونکہ جو کچھ آپ فرماتے تھے وہ سننے والے کے ذہن میں نقش ہوجاتا تھا۔ اور وہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا تھا۔

جب حضرت محمدؐ نے سامان کی قیمت سپرد کی تو خدیجہؓ نے چند ٹیڑھے ٹیڑھے سوالات کئے تاکہ

معلوم ہو کہ محمدؐ (امین) انکے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش رکھتے ہیں یا نہیں؟ لیکن جو جوابات آپنے حضرت خدیجہ کو دئے ان سے یہ سمجھا دیا کہ آپ نکاح کی فکر میں نہیں ہیں۔ آپکی دلکش سیاہ آنکھیں کالے بال، خوش ترکیب منہ، ہنسی اور عمدہ خوشبو نے حضرت خدیجہ کو وجد میں ڈال دیا تھا لیکن انھیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ براہ راست نکاح کی درخواست کریں۔

حضرت محمدؐ کے ساتھ نکاح کرنے میں تین مشکلیں درپیش تھیں۔ ایک یہ کہ حضرت خدیجہ چالیس سال کی عورت تھیں اور انکے پاس ایک بڑی لڑکی اور ایک لڑکا تھا اور حضرت محمدؐ کی عمر پچیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ حضرت خدیجہ مالدار تھیں اور انکی بہ نسبت حضرت محمدؐ بالکل بے سرمایہ یا غریب شمار ہوتے تھے۔ تیسرے یہ کہ عربوں کی رسم کے مطابق حضرت محمدؐ و حضرت خدیجہ کے قبیلوں کی موافقت ضروری تھی۔ اور حضرت خدیجہ کا قبیلہ اس عقد کی موافقت نہ کرتا تھا۔

چونکہ حضرت خدیجہ کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ براہ راست حضرت محمدؐ سے شادی کی بات چیت کریں لہٰذا اپنے غلام میسرہ کو مقرر کیا کہ حضرت محمدؐ کے پاس جاکر اس بارے میں بات چیت کریں میسرہ نے حضرت محمدؐ سے پوچھا کہ آپکو معلوم ہے کہ خدیجہ بیوہ عورت ہے کیا آپ اُسکے شوہر ہونا چاہتے ہیں؟ آپؐ کو یہ سُن کر بڑی حیرت ہوئی اور فرمایا کہ خدیجہ بہت مالدار عورت ہے اور میں ایک فقیر ہوں۔ ہماری شادی میں کوئی تناسب نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے سُنا ہے کہ مکہ کے چند مالدار سوداگروں نے چاہا ہے کہ خدیجہ انکے ساتھ نکاح کرلیں۔ مگر خدیجہ نے ان میں سے کسی کی درخواست قبول نہیں فرمائی ہے کیونکر وہ عورت مجھ جیسے غریب آدمی سے نکاح کرنے کو تیار ہوگی۔

میسرہ نے حضرت محمدؐ کی باتیں خدیجہ کو پہونچا دیں اور کہا کہ میں یہ نہ سمجھ سکا کہ آیا وہ آپ کے شوہر بننے کو تیار ہیں یا نہیں۔ خدیجہ نے نفیسہ نامی ایک عورت کو مقرر کیا کہ وہ جائے اور حضرت محمدؐ سے صاف صاف بات چیت کرے۔ نفیسہ طبقۂ مولدہ کی عورت تھی یعنی اسکے باپ ماں عربی نہ تھے اور اسی وجہ سے بات چیت کے وقت عربوں کے رسومات کلام کی رعایت نہیں کرتی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ بغیر کنایہ اور پردہ پوشی کے بات کرتی تھی۔

نفیسہ نے حضرت محمدؐ سے ایک راستہ میں ملاقات کی اور عرض کیا آپ ایک خوبصورت جوان ہیں شادی کیوں نہیں کرتے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا اس وجہ سے کہ میرے پاس پونجی نہیں ہے عورت اور بعد میں پیدا ہونے والے بچوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری کو پورا نہیں کرسکتا۔ نفیسہ نے کہا کہ تم ایک محنتی جوان ہو، عورت اور بچوں کا خرچ پورا کرسکتے ہو۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میرے چچا ابوطالب ضعیف ہوگئے ہیں اور غریب ہیں اور جبکہ میں بچہ تھا میری سرپرستی فرمائی کہ میں اتنا بڑا ہوا ہوں۔ مجھے نہ چاہیئے کہ ابوطالب اور انکے گھر والوں کو چھوڑ دوں کہ وہ تنگی میں پڑجائیں۔ میں جو کچھ کماتا ہوں ان کو دیتا ہوں۔ نفیسہ نے کہا کہ تم نکاح کرسکتے ہو بغیر اس کے کہ اپنی عورت کے خرچہ کے لئے مجبور رہو۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص شادی کرے اور عورت کے خرچے کا ذمہ دار نہ ہو۔ نفیسہ نے کہا ہاں اے محمدؐ آدمی اگر ایک مالدار عورت سے شادی کرے تو اسکے خرچے کی ذمہ داری سے سبکدوش رہے گا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ایک مالدار عورت مالدار مرد چاہے گی۔ اور مجھ جیسے غریب سے شادی نہیں کرے گی۔ نفیسہ نے کہا لیکن خدیجہ تمہارے ساتھ شادی کرنے پر مائل ہیں اگر تم اس شادی سے راضی ہو تو وہ راضی ہیں۔ حضرت محمدؐ سوچنے لگے۔ نفیسہ نے کہا کہ تم ایک دلچسپ اور خوبصورت جوان ہو۔ خدیجہ تمہاری خواہاں ہیں۔ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ ان کو رنجیدہ کرو۔ تم کہتے ہو کہ میں غریب آدمی ہوں اور چچا ابوطالب اور انکے خاندان کی پرورش یا امداد کرنا ضروری ہے۔ اگر خدیجہ سے شادی کرتے ہو تو اپنے چچا اور انکے خاندان کو آسودہ کرسکتے ہو۔

جب حضرت محمدؐ نے سمجھ لیا کہ خدیجہ شادی کے لئے راضی ہیں تو فرمایا کہ میں خود اس بارے میں خدیجہ سے گفتگو کروں گا۔ کچھ روز بعد حضرت محمدؐ نے خدیجہ کو دیکھا اور شادی کے بارے میں ان سے بات چیت کی۔ حضرت خدیجہ نے نفیسہ کی بات کی تصدیق کی اور ظاہر کیا کہ اگر آپ اس رشتہ سے خوش ہیں تو میں آپ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔

باوجودیکہ حضرت خدیجہ ایک دوشیزہ عورت نہ تھیں بلکہ چالیس سال عمر گذر چکی تھی

اور اُن کے پاس ایک لڑکا اور ایک بڑی لڑکی تھی۔ عربوں کی رسم کے موافق خدیجہ کے قبیلہ کو جس کا نام قبیلۂ اسد تھا لازم تھا کہ اس رشتہ سے موافقت نہ کرے۔ قبیلۂ اسد کا سردار عمرو بن اسد نام کا ایک شخص تھا۔ اس نے کہا کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ محمدؐ امین و صبور ہیں لیکن دولت مند نہیں ہیں۔ عربی قبیلے جس وقت سمجھیں گے کہ خدیجہ نے ایک غریب سے رشتہ کیا ہے تو طعنہ دینگے اور برا بھلا کہیں گے اور اس کا پروپگنڈا کریں گے کہ شاید مکہ میں شوہروں کا قحط تھا کہ خدیجہ نے حضرت محمدؐ سے رشتہ کیا ہے۔

حضورؐ کے چچا ابوطالب کو جب اِس رشتہ کی خبر ہوئی تو آپ نے عمرو بن اسد اور اسکے قبیلے کے چند آدمیوں کو بلایا کہ ایک دعوت میں شریک ہوں جب لوگ کھانا کھا چکے تو ابوطالب نے زبان کھولی اور فرمایا۔ محمدؐ کے پاس دولت نہیں ہے لیکن نیک نام آدمی ہے، ہاشمی خاندان کا ہے۔ اس کا حسب نسب اگر قبیلہ اسد سے برتر نہیں ہے تو اس سے کم بھی نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جوان ہے خوبصورت ہے اور جوانی اور خوبصورتی بھی ایک دولت شمار ہوتی ہے۔ اور اگر تم اس رشتہ کی مخالفت کرتے ہو تو نہ صرف محمدؐ کو بلکہ خدیجہ کو بھی رنجیدہ کروگے۔ خدیجہ کیلئے ممکن ہے کہ مالدار شوہر مل جائے لیکن محمدؐ جیسا خوبصورت جوان جو کہ نیک نام ہو اور ہاشمی قبیلہ کا ہو نہ ملے گا۔

ابوطالب کی باتیں عمرو بن اسد پر اثر کر گئیں اور اس نے شادی کی موافقت کر دی۔ عربوں کی رسم ہے کہ شوہر شادی کے وقت مہر مقرر کرے اور جو مہر حضرت محمدؐ نے خدیجہ کے لئے مقرر کیا تھا وہ پانچسو درہم تھا۔ اتنی رقم سے دو اونٹ بھی نہیں خرید سکتے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں بعض عرب مؤرخین نے لکھا ہے کہ خدیجہ کا مہر بیس اونٹ تھے کیونکہ صریح تاریخ میں خدیجہ کا مہر پانچسو درہم ہے

حضرت محمدؐ کی شادی کے موقع پر آپکی دایہ جسکا نام حلیمہ تھا جنگل سے آئی اور خدیجہ سے پانچ اونٹ حاصل کئے۔ چند دنوں کے بعد پھر حلیمہ جنگل سے آئی اور اپنے رضاعی لڑکے سے چالیس بکریاں اور ایک اونٹ لے گئی۔ جب تک حلیمہ زندہ رہیں حضرت محمدؐ نے وفاداری کی اور فراموش نہ کیا اور اپنی دایہ کی مدد کرتے رہے۔

حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد جبکہ حضرت محمدؐ سرمایہ دار ہو گئے تو سب سے پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ اپنے چچا کے لڑکے حضرت علی کی سرپرستی فرمائی اور ان کا خرچہ اپنے ذمہ لے لیا اور اسی وقت ایک عیسائی غلام جس کا نام زید بن ثابت تھا جو ملک شام کا رہنے والا تھا اور جسے خدیجہ نے آپکو عنایت فرمایا تھا آزاد کر دیا۔ زید نے آزادی کے بعد بھی حضرت محمدؐ کو نہ چھوڑا۔ زید بن ثابت کے ماں باپ کو معلوم نہ تھا کہ ان کا لڑکا زندہ ہے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے تو آئے تاکہ انھیں اپنے ساتھ ملک شام لے جائیں لیکن زید اپنے والدین کے ساتھ نہ گئے اور کہا کہ محمدؐ میرے لئے ماں باپ سے زیادہ بہتر ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنھیں حضرت خدیجہ سے نکاح کرنے کے باعث تنگدستی سے نجات ملی تھی جب تک زندہ رہے غریبوں کی مدد کرتے رہے اور انکو تنگدستی سے چھڑاتے رہے کسی بھی آسمانی کتاب میں غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے کی وصیت اسقدر نہیں ہوئی ہے جتنی کہ قرآن شریف میں جو کہ حضرت محمدؐ پر نازل ہوا۔ خدا نے قرآن کی تیرانویں سورت میں جسکا نام والضحیٰ ہے حضرت محمدؐ سے فرمایا ہے:۔

"کیا خدا نے تجھکو یتیم نہیں پایا پس تجھے پناہ دی خدا نے تجھے بے سرپرست پایا اور ایک سرپرست تجھے عطا فرمایا۔ خدا نے تجھکو فقیر دیکھا لیکن تجھے مالدار کر دیا"۔

آخر دم تک آپ کا یہ طریقہ رہا کہ کوئی شخص بھوکا اور پریشان نہ رہے۔ مغرب کے بعض مؤرخین جنھیں قبل اسلام عرب کی وضع زندگی کی خبر نہیں ہے لکھتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے حضرت خدیجہ سے نکاح کرنے کے بعد شان و شوکت اختیار کی لیکن حضرت محمدؐ کی زندگی میں آخری وقت تک کوئی ایسی بات نہیں دیکھی گئی آپ کے بعد خلفائے راشدین میں بھی ایسی بات نہ تھی۔ بنی امیہ نے شان و شوکت شروع کیا اور سادگی چھوڑ کر سجاوٹ میں لگ گئے۔ حضرت محمدؐ ایک اصلی عرب تھے اور جنگل کے دوسرے عربوں کی طرح قناعت سے زندگی گذارتے تھے اور اپنے فطری مزاج کے مطابق کھانے پینے میں جو کہ بیابانی زندگی گذارنے سے پیدا ہوا قناعت فرماتے تھے۔ حضرت محمدؐ اُس وقت کے

تمام عربوں کے مثل صرف عطر استعمال کرتے تھے عرب والے یہاں تک کہ جو پانی پیتے ہیں اس کو بھی معطر کرتے تھے اسی وجہ سے قرآن کی چھپترویں سورہ میں خدا فرماتا ہے کہ جنت میں بہترین پانی موجود ہے جو مشک اور کافور سے معطر ہے۔ جنگلی عرب اپنی خوراک اونٹ کے دودھ سے حاصل کرتے تھے۔ اگر جنگل میں اونٹ نہ ہوتے تو عربی قبیلے زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ جنگل میں اونٹ اپنے کو سختیوں سے بچاتا ہے اور اپنے مالک کی بھی حفاظت کرتا ہے اونٹ ایسا جانور ہے جو کہ گرمی کے زمانے میں دس روز تک عرب کے گرم جنگلوں میں بغیر پانی کے زندہ رہ سکتا ہے بغیر اس کے کہ اس کی طاقت ختم ہو۔

ہم لوگ جو کہ انسان ہیں ہر گھنٹے میں چالیس گرام پسینہ بدن سے نکلتا ہے اور عرب کے جنگلوں میں ایک یورپی کے پسینے کی مقدار گرمی کے زمانہ میں دھوپ میں راستہ چلنے سے ایک گھنٹہ میں ایک ہزار دو سو گرام یعنی ایک لیٹر تک پہونچتی ہے۔ اسی وجہ سے یورپ والے عرب کے جنگلوں میں گرمی کے موسم میں راستہ چلتے بہت تھک جاتے ہیں کیونکہ ہمارے بدن کے پانی کی کافی مقدار پسینہ بن کر باہر نکل جاتی ہے۔ اگر ہمارے بدن کا پانچ فیصد پانی پسینہ بن کر نکل جائے تو ہماری آنکھیں کالی ہو جاتی ہیں اور اگر بدن کا پانی دس فیصد پسینہ بن کر نکل جائے تو ہذیان اور بخار میں مبتلا ہو جائیں گے اور اگر بارہ فیصد نکل جائے تو بیہوش ہو جائیں گے اور اگر اسی وقت بدن کے پانی کی تجدید کسی ذریعہ سے نہ ہو تو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

لیکن اونٹ گرمی کے موسم میں پچیس فیصدی بدن کا پانی کھو دیتا ہے بغیر اسکے کہ اسمیں کچھ ضعف پیدا ہو یا باربرداری کی قوت کم ہو یا اسکے اعضا میں کسی طرح کا فتور دیکھا جائے اونٹ بغیر پانی پیئے ہوئے اپنے مالک کو دس دن تک (رات دن) جنگل میں سفر کرا سکتا ہے یہاں تک کہ اس کا مالک پانی پر پہونچے۔ بس اتنا کافی ہے کہ ہر دو دن کے بعد ایک مرتبہ اس کا مالک اس کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دے تاکہ وہ خار مغیلاں (ببول) کو کھالے۔

دس روز (رات دن) راستہ چلنے کے بعد اونٹ نہیں سوتا بلکہ بیٹھ جاتا ہے اور اگر اس کو

نہ اٹھایا جائے تو جب تک بھوکا پیاسا نہ ہوگا اپنی جگہ سے نہیں اٹھے گا۔ جنگلی عرب اس طرح اونٹ کے عادات واطوار سے مانوس ہیں کہ انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ صبر و بُردباری اونٹ میں زیادہ ہے یا اعرابی میں جو کہ جنگل میں رہتا ہے اور اونٹ کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔

حضرت محمدؐ بچپن اور جوانی کے اکثر حصّہ میں تمام اعراب کی طرح جنگل میں اونٹ کا دودھ پیتے تھے اور جب شہر میں واپس آتے تھے تو روٹی اور کھجور استعمال فرماتے تھے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے خیال کے برعکس کھجور عرب کے جنگلوں میں زیادہ نہیں ہے کیونکہ ہر جگہ کھجور کے درخت نہیں پائے جاتے ہیں اور عرب کے جنگلات کے بڑے حصّے میں کھجور کا وجود بھی نہیں ہے۔ کھجور کا درخت ثمردار ہونے کی عمر تک دو چیزوں کا محتاج ہے ایک دھوپ دوسرے پانی۔ یہی سبب ہے کہ اگر ساحلی باشندے اندرونی جنگلات کی طرف جائیں تو دیکھیں گے کہ داخلی جنگلوں میں خرما کا وجود بھی نہیں ہے کیونکہ عرب کے داخلی جنگلوں میں بارش نہیں ہوتی ہے۔ آج جبکہ سعودی عرب کا پٹرول پائپ خلیج فارس سے لیکر بحر روم تک پھیلا ہوا ہے اور یہ عرب کے جنگلوں کے وسط سے گذرتا ہے۔ اسکے کنارے کنارے درخت دیکھ سکتے ہیں کیونکہ سعودی عرب کا پائپ پانی رکھنے والا ہے اور امریکہ والوں نے جب اسے بنایا تو اسکے پاس رہنے والے آدمیوں کیلئے پانی بھی فراہم کیا ہے لیکن اگر اس سے دور ہوں تو پھر وہی نظر آئے گا کہ عرب کے جنگلوں میں خرما کا وجود نہیں ہے سوائے ان مقامات کے جہاں پانی میسّر ہے اسی لئے عرب بادیہ سوائے ساحلی علاقہ کے یا بعض اُن مقامات میں کہ بلندی کے باعث بارش ہوتی ہے کھجور نہیں کھاتے تھے صرف اونٹ کا دُودھ ان کی غذا تھی۔

محمدؐ بھی اس تمام وقت میں جسے جنگل میں بسر کیا سوائے اونٹ کے دودھ کے کچھ نہ کھاتے تھے اور مکّہ میں واپس آنے کے بعد نان و کھجور کھاتے تھے لیکن کبھی بھی نان و کھجور ایک ساتھ نہ کھاتے تھے یعنی محمدؐ یا کھجور کھاتے یا روٹی اور فرماتے کہ آسودگی کیلئے ان دونوں میں سے ایک کافی ہے اگر کسی نے دوسری چیز کھائی ہے تو اسراف (فضول خرچی) کیا ہے۔ جب تک محمدؐ زندہ رہے فقط ایک غذا کھاتے تھے اور کھانا کھانے کے لئے زمین پر بیٹھتے تھے اور آپ کا دسترخوان ایک چٹائی تھی جو کھجور کے پتوں سے

بنی ہوئی تھی۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ پیغمبر کی بیوی عائشہؓ جب تک محمدؐ زندہ رہے ایک چھلنی بھی نہ رکھتی تھیں کہ اس سے آٹا چھانیں اور چوکر علٰحدہ کر دیں۔ نان و کھجور کے علاوہ ایک دوسری غذا بھی محمدؐ کے گھر میں کھائی جاتی تھی وہ گیہوں اور مسور سے تیار ہوتی تھی۔ محمدؐ کے گھر میں گیہوں اور مسور کو جوش دیتے تھے اور ایک قسم کا کھچڑا تیار کرتے تھے۔ جس روز محمدؐ یہ غذا کھاتے تھے اس روز نہ خرما کھاتے تھے نہ روٹی۔

محمدؐ کی زندگی میں گوشت ایک استثنائی غذا تھی جسے سال میں ایک مرتبہ کھایا جاتا تھا۔ مکہ کے عربوں کا یہ دستور تھا کہ صرف حج کے موقع پر اس مناسبت سے کہ قربانی کرتے تھے گوشت کھاتے تھے اور اس کے بعد دوسرے سال حج کے موقع تک گوشت نہیں کھاتے تھے۔ محمدؐ نے بھی عادت کر لی تھی کہ اس طرح زندگی گذاریں اور گرانی کے باعث گوشت کھانے سے احتراز کریں (یہ صرف غریبوں کے لئے تھا ورنہ گوشت بہت مرغوب غذا ہے جسے عام طور پر لوگ استعمال کرتے تھے۔)

محمدؐ کے گھر میں بیٹھنے کیلئے میز و کرسی نہ تھی آپؐ کھجور کے پتوں کی چٹائی پر بیٹھتے تھے اور اسی پر سوتے تھے محمدؐ کے بعد خلفائے راشدین بھی اسی طرح زندگی گذارتے تھے اور کھانے کی دعوت میں صرف ایک کھانے پر اکتفا کرتے تھے۔ اسی وقت میں یہ ہوا کہ اسلام نے دس سالہ مدت میں تین بڑی بڑی حکومتوں ایران۔ شام و مصر کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اور انکی سرزمین کو اسلامی حکومت کا جزء بنا دیا۔

محمدؐ خدیجہؓ کے شوہر ہونے سے پہلے اور اسکے بعد سفر کرتے تھے اور عرب کے تمام قبیلوں کو پہچانتے تھے۔ اور لوگ جس کا بھی نام لیتے آپؐ اسکے بارے میں اطلاع دیتے تھے۔

---

*

گھریلو زندگی کا زمانہ

حضرت خدیجہ سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ پیغمبر اسلام نے پہلے لڑکے کا نام قاسم رکھا اور بطور کنیت لوگ آپؐ کو ابوالقاسم کہنے لگے۔ قاسم بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسرے دو بچے جو کہ حضرت خدیجہ سے پیدا ہوئے تھے وہ بھی بچپن ہی میں مر گئے۔ حضرت خدیجہ سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں جن کا نام رقیہ، زینب، ام کلثوم اور فاطمہ ہے۔ پہلی تین لڑکیوں سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ صرف فاطمہ اولاد والی ہوئی ہیں۔ ایک چیز جس کا ذکر ضروری ہے یہ ہے کہ جب حضرت محمدؐ نے حضرت خدیجہ سے نکاح کر لیا تو وہؐ حضرت خدیجہ کے خاندان کے ایک فرد اور انکے قبیلہ کے لوگوں سے آشنا ہو گئے۔ حضرت خدیجہ کے قبیلے والے معرفت کے لحاظ سے برجستہ لوگ تھے اور کسی قدر حنیف خیال کئے جاتے تھے جس کی تشریح ہو چکی ہے حنیف وہ لوگ تھے جنھوں نے اگرچہ بت پرستی کو نہیں چھوڑا تھا لیکن بتوں کے ساتھ محکم اعتقاد نہیں رکھتے تھے وہ حقیقت کی تلاش کرتے رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ایک معبود حقیقی کی پرستش کریں۔ ان میں سے ایک شخص ورقہ بن نوفل تھا جو خدیجہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ جب حضرت محمدؐ نے حضرت خدیجہ سے نکاح کر لیا تو وہ آپ کا دوست ہو گیا۔ ایک دوسرا شخص تھا جس کا نام عبیداللہ تھا جو کہ جحش کا لڑکا تھا۔ تیسرا شخص عثمان ابن حوّاریہ اور چوتھا شخص زید ابن عمرو تھا۔ یہ لوگ اور حضرت خدیجہ کے گروہ کے دوسرے آدمی جب حضرت محمدؐ کے پاس آتے تھے تو مذہبی مسائل پر گفتگو کرتے تھے اور حضرت محمدؐ کو ترغیب دیتے تھے کہ وہ بھی حنیف ہو جائیں۔

حضرت محمدؐ نے جو گفتگو اپنی اہلیہ کے قوم والوں سے کی ہے وہ ایک مؤرخ کی نظر میں بہت دلکش ہے مگر افسوس ہے کہ وہ گفتگو ہمیں بہت مختصر معلوم ہوئی ہے۔ بعض عربی مؤرخوں مثل سعد اور عینی نے کچھ ایسے جملے جنھیں حضرت محمدؐ حنیفوں کے ساتھ گفتگو کے دوران زبان پر لاتے تھے

تحریر کیا ہے۔ اگر ہم اس پوری گفتگو سے جو پیغمبر اسلام کی پچیس ۲۵ سالہ زندگی سے لیکر پینتیس ۳۵ سالہ زندگی تک (دس سال) ہوتی رہی، آگاہ ہوتے تو یہ سمجھ سکتے کہ اس سے انکی طرز فکر میں کس قدر تغیر ہوا جس نے آپؐ کو پیغمبری کے لئے آمادہ کر دیا۔ (یہ محض مؤلف کی رائے ہے اور صحیح نہیں ہے کیونکہ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں ہے)

حضرت محمدؐ کی عمر کا پندرہ سالہ دور یعنی حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح ہونے سے لیکر پیغمبر ہونے تک کا زمانہ تکوین فکر کے اعتبار سے ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جو گفتگو حضرت محمدؐ نے حنیفوں کے ساتھ کی تھی وہ بہت جاذب توجہ ہے مگر افسوس ہے کہ چند جملوں کے سوا جنھیں ابن سعد اور عینی نے نقل کیا ہے ہمیں اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ جیسا کہ ان دو مؤرخوں نے نقل کیا ہے حنیف والے جب بھی حضرت محمدؐ سے کہتے کہ آپ بھی ٹھوس حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کریں تو آپ جواب دیتے تھے لا الٰہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت محمدؐ نے بھی حنیفوں سے فرمایا تھا کہ حقیقت اپنے موقع پر ظاہر ہو جائے گی۔ اور وہ ہر اس شخص کو جو حقیقت کو چاہنے والا ہے اپنا پتہ بتائے گی۔ حضرت محمدؐ حضرت خدیجہ کی نسبت کم دولت والے تھے لیکن حضرت خدیجہ نے آپ کی خوشی کے ایسے اسباب مہیا کر دئے تھے کہ عربی مؤرخ ابن سعد حضرت آدم کا قول اس طرح پیش کرتا ہے "آدم نے جنت میں حوا سے کہا کہ ان نعمتوں میں سے جو خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ جیسی بیوی آپکو نصیب ہوئی۔ جو خدا کی مشیت کو انجام پہونچانے کے لئے حضرت محمدؐ کی مدد کرتی رہیں۔ جبکہ حوا سبب ہوئیں کہ میں بہشت میں خدا کی مشیت کے خلاف قدم اٹھاؤں"۔

۶۰۵ عیسوی میں جبکہ حضرت محمدؐ کی عمر پینتیس سال ہوئی مکے میں دو ناگوار واقعے پیش آئے ایک یہ کہ آگ نے خانہ کعبہ کو جلا دیا۔ دوسرے یہ کہ سیلاب نے اس کا کچھ حصہ ویران کر دیا۔ مکے میں بارش بہت کم ہوتی تھی لیکن کبھی بڑا سیلاب بھی آجاتا تھا۔ اس سال سیلاب نے خانہ کعبہ کو زیادہ نقصان پہونچایا۔ قریش کے دس قبیلوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ چندہ جمع کر کے خانہ کعبہ کی

مرمت کرائیں۔ وہ لوگ جس وقت چندہ جمع کرنے میں مشغول تھے ایک کشتی جو رومیۃ الصغریٰ سے یمن کی طرف جا رہی تھی شعیب کی بندرگاہ میں جسے آجکل جدہ کہتے ہیں اور جو سمندر کی طرف سے مکہ جانے میں مکہ کا دروازہ ہے، غرق ہوگئی۔ اس طرح کہ کشتی کے نیچے کا حصہ مٹی پر بیٹھ گیا اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے آہستہ آہستہ وہ کشتی اور زیادہ مٹی کے اندر گھس گئی۔

مذکورہ کشتی اس لئے یمن جاتی تھی کہ وہاں ایک گرجا بنانے کے لئے مصالحہ پہونچائے۔ اور معلوم ہوا کہ اس کشتی میں کافی مقدار میں سنگ مرمر، مرلہ اینٹیں، لکڑی، مصالحہ اور دوسری مصالحہ کی چیزیں موجود تھیں۔ ایک بڑا معمار بھی جس کا نام بکوم تھا اس کشتی میں یمن جا رہا تھا تاکہ وہاں گرجا بنائے۔ عربوں نے بکوم سے جو کہ عیسائی تھا کہا کہ تم کشتی کو نکال کر راستے پر نہیں لا سکتے اور بلاشبہ یہ کشتی سارے سامان کے ساتھ ڈوب جائے گی لہذا اس پر رضامند ہو جاؤ کہ اس مصالحہ سے خانۂ کعبہ کی مرمت کی جائے اور تم بھی کاریگر ہو خانہ کعبہ کی تعمیر کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لو۔ رومی معمار (رومیۃ الصغریٰ یا مشرقی روم جس کا دارالسلطنت بیزانس تھا جسے آجکل استنبول کہتے ہیں) نے عربوں کی تجویز کو قبول کر لیا۔ لوگوں نے کشتی سے مصالحہ نکالا اور مکہ لے آئے۔ بکوم تیار ہوا کہ خانہ کعبہ کو ویران کرے اور دوسرا گھر بنائے۔

قریش کے لوگوں نے جب دیکھا کہ رومی کاریگر خانہ کعبہ کو ویران کرنا چاہتا ہے تو اسے روک دیا اور کہا کہ یہ گھر ویران نہ ہونے پائے۔ اور اگر تم اسے ویران کرتے ہو تو بلا نازل ہوگی اور ہم سب لوگ مٹ جائیں گے۔ بکوم نے کہا یہ عمارت ایک دفعہ آگ سے دوچار ہوئی۔ دوسری دفعہ سیلاب نے اس کا ایک حصہ برباد کر دیا ہے۔ اب کسی قسم کی مرمت اس میں بے فائدہ ہے۔ اس کو ڈھا کر دوسرا خانہ کعبہ بنایا جانا چاہئے۔ چونکہ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اس گھر کو نئے سرے سے بنایا جائے اور اس کا ویران کرنا اس کے آباد کرنے کے لئے ہے اس لئے بلا نازل نہ ہوگی لیکن قریش والوں نے یہ قبول نہیں کیا اور اس گھر کو ویران کرنے سے روک دیا۔

بیان کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے پاس ایک کنواں تھا۔ کبھی کبھی اس کنواں سے ایک اژدہا

نکلتا تھا تاکہ دھوپ میں اپنا بدن گرم کرے۔ مکے والے اس اژدہا سے ڈرتے تھے لیکن اس کو ہلاک نہیں کر سکے۔ جب رومی کاریگر نے ہاتھ کو روک لیا تو وہ اژدہا دوبارہ کنویں سے باہر آیا تاکہ دوبارہ دھوپ میں اپنا بدن گرم کرے۔ اسی وقت ایک عقاب آسمان سے اترا اور اژدہا پر حملہ کر کے اپنے طاقتور چنگل سے اسے پکڑ لیا اور لے گیا۔ مکہ والوں نے دوبارہ اس اژدہے کو نہیں دیکھا۔

اس واقعہ کے بعد عارفوں نے کہا کہ عقاب کا اژدہے کو لیجانا اور اس کے شر کو دفعہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی کہ خانہ کعبہ کو ڈھا کر اس کی جگہ دوسرا گھر بنائیں۔ اس بحث میں میں کہہ چکا ہوں کہ ہر موقعے پر واقعہ کو جب ہم تاریخی واقعیت کے ساتھ نہیں دیکھتے تو اسے روایت کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے پاس اژدہے کا ہونا، کنویں سے اژدہے کا نکلنا اور عقاب کا اسے لیجانا روایت ہے تاریخ نہیں ہے۔

قوی شبہ کے ساتھ قریش والے آخر کار متوجہ ہوئے کہ جب تک خانہ کعبہ کو نہیں ڈھائیں گے اس وقت تک اسے نہیں بنا سکیں گے۔ اس گھر کو نئے سرے سے بنانے کے لئے اسے ڈھانا ویران کرنا نہیں بلکہ آباد کرنا ہے۔ قریش والوں نے خانہ کعبہ کو گرانے کی موافقت کی اور رومی معمار نے کام شروع کر دیا۔ کام ختم ہونے کے بعد آسمانی پتھر حجر اسود کو جو روایتوں کے مطابق جنت سے آیا ہے نئے تعمیر شدہ گھر میں نصب کرنا ضروری تھا۔ پرانے گھر کو گراتے وقت حجر اسود کو ایک کنارے چھوڑ دیا گیا تھا کہ نیا گھر تعمیر ہونے کے بعد پھر اسے نصب کر دیا جائے گا۔ حجر اسود کو نصب کرتے وقت قریش کے قبیلوں میں اختلاف ہو گیا اور ہر قبیلہ نے کہا کہ حجر اسود کو نصب کرنے کا فخر مجھے حاصل ہونا چاہیئے۔

ہر قبیلہ کے بزرگ اپنے گھر سے خون بھرا ہوا برتن لائے۔ اس برتن کو خانہ کعبہ کے سامنے رکھدیا۔ انگلی کو خون میں ڈال کر زبان پر لے گئے اور کہا یہ محال ہے کہ ہم اس سے محروم رہیں اور دوسرا قبیلہ نئے گھر میں حجر اسود نصب کرنے کا فخر حاصل کرلے۔ قریب تھا کہ اس بارے میں جنگ ہو جائے یہاں تک کہ حضرت محمدؐ جدید خانہ کعبہ کے پاس پہونچے۔ قریشیوں نے جیسے ہی آپکو دیکھا کہا کہ ہم محمدؐ

امین کو حکم (فیصلہ کرنے والا) بناتے ہیں۔ وہ رائے دیں کہ کون قبیلہ اس پتھر کو اُٹھائے اور اس کی جگہ پر نصب کرے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ایک کپڑا لاؤ۔ لوگ ایک خیمے کا کپڑا لائے۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ پتھر کو اس کپڑے کے اوپر رکھو۔ اس کے بعد قریش کے سب لوگوں نے کپڑے کا کنارہ پکڑا۔ خود محمد صلعم نے بھی ایک کونا پکڑا اور حجر اسود قریش کے تمام نمائندوں کے ذریعہ نصب کیا گیا۔ اس حکمت سے تمام قبیلے خوش ہو گئے اور قریش کے نزدیک محمدؐ کی شخصیت بڑھ گئی۔ لوگ انھیں بنظر تحسین دیکھنے لگے۔

لیکن اس واقعہ کے بعد محمدؐ کی زندگی میں دوسرا کوئی برجستہ واقعہ نظر نہیں آتا مگر ۶۱۰ء میں جبکہ محمدؐ چالیس سال کے تھے لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ۶۰۵ء سے لیکر ۶۱۰ء تک (پانچ سال) محمدؐ کیا کرتے رہے اور یہ پانچ سال انھوں نے کس طرح گذارے۔

خانۂ کعبہ پرانی شکل میں آگیا۔ اور تمام مذاہب کی تصویریں گذشتہ زمانہ کی طرح اس میں بنا دی گئیں۔ ہر سال ایک مرتبہ مکہ کا بازار لگتا تھا اور شعرا اس میں اشعار پڑھتے تھے لیکن تاریخ ان پانچ برسوں میں حضرت محمدؐ کا کوئی ذکر نہیں کرتی ہے۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ غارِ حرا میں جاتے تھے اور وہاں تنہائی کے عالم میں غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ (بخاری و مسلم کی روایت میں تحنث کا لفظ آیا ہے جس کے معنی عبادت کرنے کے ہیں نہ کہ غور و خوض کرنے کے)

غارِ حرا میں

مکہ شہر میں غار میں جانا اور تنہائی میں وقت گذارنا کوئی انوکھی بات نہیں تھی جیسا کہ قدیم ہندوستان میں لوگ چند بچے پیدا ہونے کے بعد گھر سے دوری اختیار کرتے تھے جنگل چلے جاتے تھے اور عمر کا ایک حصہ وہیں گذار دیتے تھے۔ اس مدت میں کسی سے ملتے نہیں تھے بلکہ خلقت کے کے اسرار و رموز پر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح مکہ میں بھی بعض لوگ عیال دار ہو جانے کے

بعد ایک ماہ تک اپنے گھر والوں سے علیحدگی اختیار کرتے تھے اور مکہ کے اطراف کے کسی غار میں چلے جاتے تھے اور ایک ماہ کی مدّت اس غار میں تنہائی میں بسر کرتے تھے۔

ایک ماہ کی مدت اور بقول اعراب ایک شہر کی مدت عرب بادیہ کی زندگی میں ایک ایسی مدّت تھی جو ایک چاند سے لے کر دوسرے چاند نکلنے تک) ایسا مقیاس تھا جو ثبت تھا۔ لہذا عربوں نے اسی مدت کو گوشہ گیری کے لئے اختیار کر لیا۔

حضرت محمدؐ سے پیشتر آپکے دادا عبدالمطلب ایک ماہ کی مدت اطراف مکہ کے کسی غار میں گذارتے تھے۔ حضرت محمدؐ کی عادت یہ تھی کہ ہر سال رمضان کے مہینے میں غارِ حرا میں جاتے تھے اور اسکی وجہ کہ رمضان کے مہینہ کو اس کام کے لئے منتخب کیوں کرتے تھے یہ ہے کہ اعراب عقیدہ رکھتے تھے کہ رمضان کے مہینے میں ایک رات ہے جس کا نام شبِ قدر ہے۔ اس رات میں جو کچھ انسان چاہتا ہے میسّر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شب قدر میں ہر اعجاز ممکن الوقوع ہے۔ اسی زمانے کے عربی محقق اسد بیگ جس نے محمدؐ کے بارے میں تحقیق کر کے کہا ہے کہ "عربوں کا عقیدہ تھا کہ شب قدر میں طبیعت آرام کرتی ہے یا سوتی ہے اور ندیاں بہنے سے اور ہوا چلنے سے رک جاتی ہیں اور دنیا ایسی خاموش ہو جاتی ہے کہ انسان گھاس اگنے اور کلی کھلنے کی آواز سُن سکتا ہے۔ جو لوگ شب قدر کی سعادت جانتے ہیں اور اس رات میں بیدار رہتے ہیں وہ جو کچھ چاہیں گے انھیں نصیب ہوگا۔"

میں عرب گیا ہوں، میں نے غارِ حرا دیکھا ہے۔ یہاں اسکی ہیئت بیان کر رہا ہوں۔ مکّہ ایسا شہر ہے کہ اسکے چاروں طرف متعدد ٹیلے ہیں۔ اعراب انھیں کوہ کہتے ہیں۔ انھیں ٹیلوں میں سے ایک کا نام جبل النور ہے۔ اور غارِ حرا اسی ٹیلہ کے اوپر واقع ہے۔ وہاں سے لیکر حضرت محمدؐ کے گھر تک پرانے زمانہ ڈیڑھ کیلومیٹر سے زیادہ راستہ نہیں تھا۔ غارِ حرا کچھ پتھروں کے بہ جانے کی وجہ سے وجود میں آیا ہے اسکی چھت اور تینوں اطراف پتھر کے ہیں۔ غار کی چھت اتنی اونچی ہے کہ انسان اس میں کھڑا ہو سکتا ہے اس طرح کہ اسکا سر چھت سے نہیں ٹکرائے۔ غارِ حرا کی لمبائی بھی اتنی ہے کہ انسان اس میں لیٹ سکتا ہے۔ چونکہ غارِ حرا کا دروازہ کعبہ کی طرف ہے اس لئے انسان اسکے اندر بیٹھ کر کعبہ کو دیکھ سکتا ہے۔

غار کے اندر کا فرش بخلاف دیوار چھت کے مسطح ہے۔ آدمی اس میں بستر بچھا کر بیٹھ یا سو سکتا ہے۔

آج کل غارِ حرا کا مدخل اس طرح ہے کہ آدمی کو وہاں تک پہونچنے کے لئے پتھروں کے چند ٹکڑوں سے جو کہ پہاڑ میں ابھرے ہوئے ہیں گذرنا ہوگا تاکہ غار میں داخل ہو۔ عربوں کا عقیدہ ہے کہ قدیم زمانے میں ان نشانات کا وجود نہ تھا۔

غارِ حرا میں انسان بیٹھ یا سو سکتا ہے اور ہر حال میں خانہ کعبہ کو دیکھ سکتا ہے۔ محمدؐ اس غار سے اپنا گھر بھی دیکھتے تھے۔

کسی کو معلوم نہیں کہ محمدؐ اس غار میں کن کن خاص موضوعات پر غور و فکر کرتے تھے لیکن ابن ہشام کی تحریر کے مطابق آپ نے خود حضرت خدیجہ سے فرمایا ہے کہ آپ اس غار میں دنیوی امور کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ ایک رات غارِ حرا میں محمدؐ چادر لپیٹے لیٹے ہوئے تھے۔ یہ خواب اور بیداری کی درمیانی حالت تھی۔ اس وقت کسی نے آپ کو خواب سے بیدار کیا۔ اور ابن ہشام کی تحریر کے مطابق ایک کپڑا بطور نشانی انکو دیا۔ ابن ہشام فرماتے ہیں کہ وہ کپڑا ریشمی تھا۔ اس پر سنہرے کلمات دیکھے جاتے تھے اور جس نے محمدؐ کو بیدار کیا اس سے چمکدار نور ظاہر ہو رہا تھا۔

جب محمدؐ خواب سے بیدار ہو گئے۔ اس نے ریشمی کپڑا کا نشان دیا اور کہا اِقْرَأْ یعنی پڑھو۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ اس شخص نے حضرت محمدؐ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور دوبارہ کہا اِقْرَأْ یعنی پڑھو۔ حضرت محمدؐ نے پھر جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس شخص نے دونوں ہاتھ حضرت محمدؐ کے کندھے پر رکھ کر دبایا اور کہا پڑھو۔ اس شخص کے ہاتھوں کے دباؤ نے آپؐ کو ایسا دردمند کیا کہ آپؐ بے حال ہونے کے قریب ہو گئے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا پڑھیں۔ اس شخص نے کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ یعنی اس خدا کا نام پڑھو جس نے تمہیں پیدا کیا۔

حضرت محمدؐ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لئے بھی اس سے متاثر ہونے کے لئے غارِ حرا میں موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کلام میں اثر اس قدر زیادہ ہے کہ انسان جس زمانہ میں اور جس جگہ

بھی یہ پڑھے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ شرط یہ ہے کہ عربی جانتا ہو۔ بغیر عربی زبان جانے ہوئے اس آیت اور قرآن کی تمام دوسری آیتوں کی تاثیر سے فیضیاب نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کے جو ترجمے انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، اٹلی وغیرہ میں ہوئے ہیں پڑھنے والے کی نظر میں کلام کی تاثیر کو جلوہ گر نہیں کرتے۔

وہ حیرت کرتا ہے کہ عرب والے کس طرح ایسی آیتیں سن کر حضرت محمدؐ کو پیغمبر تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گئے (ترجمہ اثر سے خالی ہوتا ہے) خاص کر ایسی صورت میں جبکہ قرآن کریم دوسری مذہبی کتابوں کی طرح جنھیں آسمانی کہا جاتا ہے مخصوص اسلوب کا حامل ہے۔ اس میں بعض الفاظ اور جملے بار بار استعمال کئے جاتے ہیں یعنی انکی تکرار ہوتی ہے اور تکرار کلام ایک انگریز یا فرانسیسی کی نگاہ میں اس کے اثر کو کم کر دیتی ہے لیکن جو شخص عربی زبان جانتا ہے وہ جس وقت اس جملہ کو جو کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد قرآن شریف کی چھیانویں سورت اَلْعَلَقْ کی پہلی آیت ہے، پڑھتا ہے تو جانتا ہے کہ یہ پڑھنے یا سننے والے پر کیا اثر کرتی ہے۔

وہ نورانی شخص جو کچھ اپنی زبان سے بولا حضرت محمدؐ نے اس کو سنا۔ اور سنتے ہی وہ کلمات آپ کے دل میں نقش ہو گئے۔ اور پھر آپ نے اس کو دہرایا۔ تمام مسلمان عقلاً اس بات پر متفق ہیں کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (اس کا نام لو جس نے تم کو پیدا کیا) سے مقصود یہ ہے کہ محمدؐ جب بھی خدا کا کلام زبان پر لائیں اس کا نام لیں۔ اور اسی وجہ سے قرآن شریف کی تمام سورتوں کے شروع میں خدا کا نام (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) ذکر کیا گیا ہے۔ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن شریف کا جزء ہے مگر ہر سورت کا جزء نہیں ہے)

سُوْرَۃُ الْعَلَقِ میں انیس ۱۹ آیتیں ہیں اور بقول محققین اسلام قرآن کی یہ پہلی آیت ہے جو غار حرا میں حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی ہے، اور معنی کے اعتبار سے قرآن شریف کی برجستہ سورتوں میں سے ایک سورت ہے۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اس سورت کی پہلی آیت شمار کریں تو تیسری آیت خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ہو گی جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے انسان کو ایک قطرہ خون سے پیدا کیا ہے

اور پانچویں آیت میں کہا گیا ہے کہ اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ یعنی خدا نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ اس کو قلم سے لکھنا سکھلایا۔ اسی سورت کی چھٹی آیت میں فرمایا ہے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ یعنی خدا نے انسان کو ایسی چیزیں سکھلائیں جنھیں وہ نہیں جانتا تھا۔

حضرت محمدؐ نے اس سورت کی تمام آیتوں کو اس شخص سے سُن کر یاد کر لیا۔ ان آیات کو ایک مرتبہ سُن لینا حضرت محمدؐ کے ذہن نشیں ہونے کے لئے کافی تھا۔ آپؐ اُمّی تھے یعنی حروف لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس طرح لکھ پڑھ نہ سکتے تھے لیکن عربی اشعار دل میں جاگزیں کرتے اور پڑھتے رہتے تھے۔ آپؐ کے اُمّی (ناخواندہ) ہونے کے باوجود آپ پر جو اوّلیں آیتیں نازل ہوئیں ان میں قلم، علم، لکھنا لکھانا اور پڑھنے پڑھانے کی گفتگو ہے۔

کسی بھی بڑے مذہب میں معرفت کو اس قدر اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جسکے شروع میں علم و معرفت کو اس قدر اہمیت دی گئی ہو۔

اگر محمدؐ ایک صاحب علم ہوتے تو غار حرا میں ان آیتوں کا نزول حیرت پیدا نہ کرتا کیونکہ صاحب علم، علم کی قدر جانتا ہے لیکن آپ حروف پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اور نہ کسی استاد سے کوئی سبق پڑھا تھا۔ صرف عربوں کی طرح فصیح اور زیبا کلام بول سکتے تھے کیونکہ فصاحت کا ادراک عرب بادیہ کی فطرت کا جزء شمار ہوتا تھا۔

میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کے مذہب کے آغاز ہی میں معرفت حاصل کرنے کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ مسلمان علماء کی ایک بڑی تعداد اسی سورہ کے باعث علم حاصل کرنے کو دین کے واجبات میں شمار کرتی رہی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح نماز پڑھنا، روزہ رکھنا ضروری ہے اسی طرح مسلمان کے لئے علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

جس شخص نے حضرت محمدؐ کو خواب سے بیدار کیا اور آپؐ کو اٹھارہ آیتیں سنائیں وہ غائب ہو گیا (اٹھارہ نہیں صرف پانچ آیتیں ہیں) طبری حضرت محمدؐ کا قول جو آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا تھا اس طرح نقل کرتا ہے: "جب وہ شخص چلا گیا تو میں کھڑا ہوا لیکن میری ٹانگیں ایسی سُست

تھیں کہ میں کچھ دیر تک کھڑا نہ ہو سکا۔ میں نے دونوں پیر زمین پر جھٹکے اور کچھ دیر اسی حال میں رہا اس کے بعد میرے پیروں میں طاقت معلوم ہوئی اور میں اس قابل ہوا کہ اٹھ کر غار سے باہر ہوں اور گھر کی راہ لوں، لیکن میرے بازو کانپ رہے تھے۔ ابھی نصف پہاڑ بھی طے نہ کیا تھا کہ کان میں آواز آئی کہ "اے محمدؐ تو اللہ کا رسول ہے اور میں جبرئیل ہوں"۔ آسمان سے آواز آئی۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک شخص جس کا چہرہ انسان کا ہے آسمان میں کھڑا ہوا ہے۔ اس نے دوبارہ کہا "اے محمدؐ تو اللہ کا رسول ہے اور میں جبرئیل ہوں"۔

"میں چپ چاپ کھڑا ہوا اس کو دیکھتا تھا نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ پھر میں نے دوسری طرف نظر گھمائی۔ ادھر بھی دیکھا کہ جبرئیل اسی وضع میں کھڑے ہوئے ہیں"۔ پھر میں نے آسمان میں دوسری جگہ نظر ڈالی تو پھر وہی صورت نظر پڑی۔ جس طرف بھی نظر ڈالتا تھا اسی کو دیکھتا تھا یہاں تک کہ وہ نظر سے غائب ہو گیا۔ اس وقت مجھے بہت تکان معلوم ہوئی اور بڑی زحمت سے گھر پہونچا۔

حضرت خدیجہؓ یہاں فرماتی ہیں کہ جب حضرت محمدؐ گھر تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا ہے اور اس قدر خستہ معلوم ہو رہے ہیں کہ دیوار کو پکڑے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم رکھ کر آہستہ آہستہ میری طرف آ رہے ہیں۔

اس رات کو جو رمضان کی ایک رات تھی حضرت محمدؐ کی خستگی کی زیادتی پر حیرت نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ خدا کی آواز کو سننا انسان کے لئے بہت بڑا واقعہ ہے جو آدمی پر بہت اثر ڈالتا ہے اور اس کو خستہ کر دیتا ہے۔ جو چیز بھی انسانی استعداد سے باہر ہوتی ہے وہ انسان کی خستگی کا باعث ہوتی ہے۔ چاہے خدا کی آواز کا سننا ہو یا بہت تیزی سے گھوڑے کے مانند راستہ طے کرنا ہو۔ فطرت نے انسان کے لئے حدود مقرر کر دیے ہیں۔ اسکی ہڈیاں و اعصاب ایسے دباؤ اور سختی کو برداشت نہیں کر سکتے جو استطاعت سے باہر ہو۔ آج علم و صنعت کی بدولت ہم ایسی چیزیں بنانے پر قادر ہیں جو ہمیں پرندوں سے تیز تر حرکت میں لاتی ہیں لیکن ہمارے عضلات (پٹھے) آج

بھی قادر نہیں ہیں کہ ہم کو گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑائیں یا پرندوں سے تیز اڑائیں۔

خدا کی آواز یعنی ایسی چیز کی آواز سننا جو مقررات زمانی یا مکانی میں شامل نہیں، جسکا آغاز ہے نہ انجام اور جو نہ قوت جاذبہ کے تابع ہے بلکہ خود قوت جاذبہ اور مادہ کا وجود اس سے ہے، انسانی طاقت سے باہر ہے۔ جس وقت ہم زلزلہ، بجلی یا کڑک گرج کی آواز سنتے ہیں تو کانپ اٹھتے ہیں حالانکہ یہ طبعی آوازیں ہیں اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ طبعًا پیدا ہوتی ہیں حتیٰ کہ قوانین قدرت کی رو سے ہم ان میں بعض سے آشنا بھی ہیں اور جانتے ہیں کہ رعد (بجلی) کیوں کڑکتی ہے، زمین کیوں کانپتی ہے اور صاعقہ (گرنے والی بجلی) کیوں گرتی ہے۔

چنانچہ اس پر حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ محمدؐ کو جبرئیل کی آواز سن کر تکان معلوم ہوئی اور انکے غائب ہونے کے بعد شدید خستگی محسوس کرنے لگے۔

حضرت خدیجہ نے جب حضرت محمدؐ کو دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا کہ اس قدر پریشان ہیں جیسے بیمار ہوں۔ حضرت محمدؐ نے واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ میں بہت ڈر رہا ہوں۔ حضرت خدیجہ نے پوچھا کہ کیوں ڈرتے ہو۔ اس موقع پر دو طرح کی روایتیں ہیں۔

مؤرخین اسلام کے ایک گروہ نے لکھا ہے کہ حضرت محمدؐ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ میں خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں۔ جو آواز میرے کان میں آئی ہے اس نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ میں آرام نہیں لے سکتا۔ مجھے چھپا دو اور اڑھا دو۔

ابن ہشام، سہیلی اور دوسرے مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت محمدؐ غار میں ایک مدت اکیلے وقت گذارتے اور غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ اس موقع پر ایک سنی ہوئی آواز پر غور کرتے تھے۔ ممکن ہے یہ خود انکی آواز ہو نہ خدا کی آواز۔ لیکن یہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے خدیجہ سے کہا کہ مجھے اڑھا دو۔ حضرت خدیجہ نے ایک چادر آپکو اڑھا دی تاکہ آپ آرام کریں اور وحشت دور ہو کر سکون حاصل ہو۔

اگر محمدؐ وحشت محسوس کرنے کے بعد اس قسم کے تردد میں پڑے ہوں تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے

اکثر لوگ جنھوں نے خدا کی آواز سنی ہے وحشت کے علاوہ تردد میں پڑے ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جو آواز وہ سن رہے ہیں وہ خدا کی آواز نہ ہو۔

سنت تورز جو عیسائی مذہب کے ولی ہیں کہتے ہیں کہ جس وقت آدمی کے کان میں خدا کی آواز پہونچتی ہے تو فوراً یقین کر لیتا ہے کہ خدا کی آواز ہے کیونکہ آواز کا راگ اور بیان کا اسلوب اصل آواز میں تردد کو باقی نہیں رکھتا لیکن جب ایک روز گذر جاتا ہے تو تردد شروع ہو جاتا ہے اور سننے والا اپنے سے پوچھتا ہے کہ جو آواز اس نے سنی ہے وہ واقعی خدا کی آواز تھی یا محض اس کا خیال ہے یا شیطان نے یہ آواز پیدا کی تھی۔ ایسی حالت میں انسان خواہش رکھتا ہے کہ دوبارہ اس آواز کو سنے تاکہ اس کا تردد دور ہو جائے۔

حضرت محمدؐ دثار (چادر) اوڑھے ہوئے تھے نہ سو سکے نہ آرام کر سکے۔ عرب کے بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ اسی رات یا دن کو حضرت جبرئیل تشریف لائے اور دوبارہ حضرت محمدؐ کو پیغام پہونچایا۔

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے تین دن بعد جبرئیل آئے اور قرآن شریف کی موجودہ چوہترویں سورہ (مدثر) لائے جس کی دوسری آیت پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہونے کی بنا پر یہ ہے یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ اے چادر لپیٹنے والے اٹھو اور لوگوں کو اطلاع دو یا اٹھو اور لوگوں کو معرفت کا فیض پہونچاؤ۔

حضرت جبرئیل جو آیت بھی پڑھتے تھے حضرت محمدؐ کے دل پر نقش ہو جاتی تھی اور اس وقت یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو آواز آپ سن رہے ہیں وہ خدا کی آواز ہے۔ اور خدا کے سوا کوئی اس طرح گفتگو نہیں کر سکتا اور نہ کلمات کو ادا کر سکتا ہے۔

جب حضرت جبرئیل کی تبلیغ پوری ہو گئی اور وہ چلے گئے تو ایک مدت تک حضرت محمدؐ کی حالت متغیر رہی۔ حضرت خدیجہؓ انھیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں یہ ایک حنیف یعنی جویائے حقیقت تھے۔ جس وقت حضرت خدیجہؓ اور حضرت محمدؐ ورقہ کے گھر میں داخل ہوئے تو وہ اور انکی بہن دونوں انجیل پڑھنے میں مشغول تھے۔ حضرت محمدؐ نے واقعۂ حرا کی کیفیت

اور سورہ مدثر کے نزول کی کیفیت ورقہ سے بیان فرمائی۔ اس نے کہا کہ بلا شبہ یہ خدا کا کلام ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ بعض مسلم تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ورقہ نے کہا کہ بلا شبہ آپ وہی ناموس ہیں جسکی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ نے دی ہے۔ ناموس لغت میں مجموع قوانین الٰہی کو کہتے ہیں جو نوعِ بشر کے لئے بنایا گیا ہو۔ اس لفظ کو نوموس بھی کہتے ہیں۔

ورقہ نے بعد میں کہا کہ جو شخص بھی آپ کی جگہ ہو اور جو چیز آپ لائے ہیں وہ لائے تو اپنے ہی لوگ اسکے دشمن ہو جائیں گے۔ کاش کہ میں زندہ رہوں تا کہ آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد کروں۔ کیونکہ اس بات کا خوف ہے کہ اگر آپ تبلیغ کریں گے تو یہ لوگ آپ کا طرد یعنی بائیکاٹ کریں گے۔ طرد کے معنی ہیں قبیلہ سے باہر کر دینا۔ عرب میں اسے بہت بڑی بدبختی خیال کیا جاتا تھا اور ممکن تھا کہ کسی شخص پر بھی اس کا اطلاق ہو جائے۔

جب کوئی شخص قبیلے سے طرد کر دیا جاتا یعنی نکال دیا جاتا تھا تو اس کا خون معاف ہوتا تھا اور اگر اس کو جان سے مار ڈالا جائے تو کوئی بھی قاتل سے باز پرس نہیں کرتا تھا۔ کوئی شخص بھی اسکو غلام بنا سکتا تھا۔ جو شخص قبیلہ سے طرد (خارج) ہو جاتا تھا اس میں اور جنگل کے ایک پتھر میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ جو کوئی چاہتا اس کو اٹھا کر دور پھینک سکتا تھا۔ (یعنی کوئی بھی اس کا مددگار نہیں ہوتا تھا)۔ زمانۂ جاہلیت کے ایک عربی شاعر نے (اسلام کے قبل) ایک شعر کہا ہے جسکا مضمون یہی ہے۔ "مجھے خوف ہے کہ قضا و قدر مجھے ناموافق آدمی کے ہاتھ میں ڈال دے۔ مجھے خوف ہے کہ جو شخص مجھے دیکھے گا راستہ کے پتھر کی طرح اٹھائے گا اور پھینک دے گا۔" جو شخص اپنے قبیلہ سے مطرود ہوتا تھا (نکال دیا جاتا تھا) وہ اس شعر کا مصداق بن جاتا تھا اور واقعتہً اس کے وجود اور عدم میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ورقہ بن نوفل کو ڈر تھا کہ محمدؐ مذکورہ کیفیت سے دوچار ہونگے مگر خود حضرت محمدؐ جنھوں نے خدائی آواز سنی تھی مطرود (خارج) کر دئے جانے سے نہیں ڈرتے تھے۔

اس رات کے بعد دوسری راتوں میں حضرت محمدؐ جبل النور گئے اور غارِ حرا میں داخل ہوئے مگر جس شخص نے پہلی رات میں آکر خواب سے بیدار کیا تھا وہ نہ آیا۔ دوسری رات کو پھر حضرت محمدؐ

غارحرا میں تشریف لے گئے مگر جبرئیل کو نہ دیکھا۔ ہر رات کو جب اندھیرا ہو جاتا تھا تو حضرت محمدؐ خدیجہ سے جدا ہو کر غار حرا کی طرف جاتے تھے اور وہاں اس امید میں بیٹھتے تھے کہ جبرئیل کو دیکھیں گے مگر جبرئیل نظر نہیں آئے۔ آپ پر غم کا غلبہ زیادہ ہو گیا۔ حضرت خدیجہ جس قدر بھی آپؐ کو آرام دینے کی کوشش کرتی تھیں وہ کامیاب نہیں ہوتی تھیں۔

بعض اوقات حضرت محمدؐ رات کو گھر سے جاتے تھے اور صبح تک غار میں رہتے تھے۔ پھر رات دن اسی میں پڑے رہتے اور دوسرے روز خستہ دلملول ہو کر گھر واپس ہوتے تھے۔

ایک رات جبکہ حضرت محمدؐ غارِ حرا میں گئے ہوئے تھے اور غم سے اپنی چادر اپنے چہرہ پر ڈال لی تھی، نیند و بیداری کی درمیانی حالت میں انھوں نے جبرئیل کی مانوس آواز سنی۔ انھوں نے کہا کہ اے محمدؐ تم خدا کے رسول ہو اور میں جبرئیل ہوں۔

حضرت محمدؐ اٹھ بیٹھے اور منتظر تھے کہ اس کے بعد جبرئیل کچھ اور کہیں گے مگر انھوں نے کچھ نہ کہا۔ اس کے بعد دوسرے دن صبح کے وقت جب حضرت محمدؐ گھر واپس آئے خدیجہؓ نے دیکھا کہ آپ خوش ہیں حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں نے گذشتہ رات حضرت جبرئیل کی آواز سنی ہے اور اسی وجہ سے میں خوش ہوں کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ خدا کی نظر سے نہیں گرا ہوں۔

اس کے بعد تین سال تک حضرت محمدؐ رات کو غار حرا میں جاتے اور صبح تک فکر کرتے تھے۔ آپؐ ہمیشہ خدا کے متعلق غور و خوض کرتے۔ کبھی حضرت جبرئیل کی آواز سنتے جو کہتے کہ اے محمدؐ تو اللہ کا رسول ہے اور میں جبرئیل ہوں لیکن اس جملہ کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سننے میں آتی۔ اس مدت میں کوئی ایسی رات نہ تھی کہ محمدؐ صبح تک خدا کے بارے میں نہ سوچتے ہوں۔ جو آیتیں نازل ہوئی تھیں ان کو آپ روزانہ پڑھتے تھے۔ اس تین سالہ مدت کو مسلمان زمانۂ فترت کہتے ہیں یعنی وہ زمانہ جس میں قرآن کا نزول موقوف رہا۔ مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ فترت اس لئے پیش آئی تاکہ حضرت محمدؐ بڑے بڑے وظیفے جو کہ ان کے سامنے درپیش تھے انجام تک پہونچانے کے لئے زیادہ فکر کریں اور تیار ہو جائیں اور آپ کی روحی اور معنوی طاقت اس سہ سالہ مدت میں رہنمائی کرے۔

آغازِ رسالت

تین سال کے بعد ایک رات کو غارِ حرا میں حضرت جبرئیل محمدؐ امین کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کے لئے خدائی پیغام سورۂ والضحیٰ کی شکل میں لائے جو قرآن کی تیرانویں (۹۳) سورہ ہے۔ اس میں اس طرح کہ بسم اللہ کو پہلی آیت مانیں گیارہ آیتیں ہیں۔ سورہ والضحیٰ دوسری سورت ہے جو پہلی سورت کے تین سال بعد حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی ہے۔

فترۃ کی مدت کے بارے میں اسلامی محققین میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زمانۂ فترۃ چند روز ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ بعضوں کا عقیدہ ہے کہ زمانۂ فترۃ دس ماہ ہے۔ کچھ لوگ جیسے طبری، بخاری و بیہقی وغیرہ نے دورۂ فترۃ کو تین سال بتایا ہے۔ زمانۂ فترۃ میں محمدؐ ایک نبی تھے۔ مسلمان زمانۂ فترۃ کو زمانۂ نبوت شمار کرتے ہیں اور سورہ والضحیٰ نازل ہونے کے بعد حضرت محمدؐ کی زندگی میں دورِ رسالت کا آغاز ہوا۔

زمانۂ نبوت میں حضرت محمدؐ صرف ایک نبی تھے۔ لیکن جب سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی تو آپ رسول ہوگئے (یعنی خدا کے نمائندہ)۔ نبی وہ شخص ہے جو اطلاع یا بشارت دیتا ہے۔ رسول وہ شخص ہے جو لکھے ہوئے قوانین انسانوں کے لئے لاتا ہے۔ مغرب کے اہلِ علم حضرات نے نبی اور رسول میں گذشتہ زمانہ میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اور دونوں کو ایک معنی میں رکھا ہے لیکن اسلامی عالموں نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اور نبوت ایسے دور کو سمجھتے ہیں جو رسالت سے پہلے ہو اور کہتے ہیں کہ نبی وہ شخص ہے جو اطلاع یا بشارت دیتا ہے لیکن رسول وہ شخص ہے جو خدا کے لکھے ہوئے احکام لوگوں کو پہونچاتا ہے۔

سورہ والضحیٰ جو زمانۂ فترۃ کے بعد حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی ہے خوشی بخشنے والی اور خدا

درسول کی محبت کو بیان کرنے والی ہے۔ خدا جانتا تھا کہ حضرت محمدؐ زمانہ فترہ میں علیین تھے کبھی کبھی تردد میں پڑجاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا نے منہ موڑ لیا ہو۔ لہذا سورہ والضحیٰ میں بڑی محبت سے محل نوازش قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سورہ کے شروع ہی میں پیغمبر کے لئے قسم کھا کر کہتا ہے کہ وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی (یعنی قسم ہے دن کے نمودار ہونے اور رکوں بخش رات کے آنے کی) اس قسم کی قسم کھانا مصر کے مذہبی ادب اور ہندوستان کے مذہبی ادب (وید) کے سوا جو کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے چار پانچ ہزار سال پہلے کا ہے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ مذہبی کتاب وید کی قسمیں قرآن شریف کی قسموں جیسی زیبائی و سادگی اور فصاحت نہیں رکھتیں۔

یہاں خدا نے حضرت محمدؐ کے لئے دو چیزوں کی قسم کھائی ہے ایک سورج نکلنے کی دوسرے رات آنے کی۔ یہ دونوں قسمیں بہت لطیف ہیں۔ اور جس وقت انسان اس آیت کو پڑھتا ہے تو اس طرح محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ موسم بہار کی صبح کو ایک سبزہ زار میں شگفتہ پھولوں کے ساتھ طلوع آفتاب کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ ایک مغربی علم داں جو عربی سے ناواقف ہے والضحیٰ کا فقط طلوع خورشید سے ترجمہ کرتا ہے۔ لیکن عربی زبان میں والضحیٰ کے صرف یہی معنی نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی بہت وسیع ہیں۔ عربی زبان میں والضحیٰ کے معنی یہ ہیں: "قسم اس موقع کی جب آفتاب کی شعاعیں افق سے نکلتی ہیں اور رفتہ رفتہ پھیلتی ہیں یہاں تک کہ ساری دنیا آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتی ہے۔ اور پھر آفتاب کی خیرہ کرنے والی قسم کی کہ روشنی سارے عالم پر چھا جاتی ہے"۔

واللیل اذا سجیٰ جو اس آیت کی دوسری قسم ہے یہ بھی پہلی قسم کی طرح وسیع مجازی معنی رکھتی ہے۔ اس قسم سے جو مفہوم ایک عربی سمجھتا ہے ایک یورپی کے ذہن میں نہیں آسکتا ہے۔ ایک مغربی جب چاہتا ہے کہ اس آیت کی دوسری قسم کو مغرب کی کسی زبان میں ترجمہ کرے تو وہ اس طرح ترجمہ کرتا ہے اور قسم ہے رات کے وقت کی جو ساری جگہ کو گھیر لیتا ہے"۔

ضروری توضیح۔ پڑھنے والوں کو متوجہ ہونا چاہئے کہ اس آیت میں حرف لام واللیل کے اول کلمہ میں تشدید کا محتاج ہے اگر اس پر تشدید نہ لگائیں تو ٹھیک نہ پڑھا جائے گا لیکن اس مناسبت سے

8882
5882

سے کہ دو لام پیچھے بھی پڑتے ہیں واللیل نہیں لکھتے ہیں اور ایک لام کو حذف کرتے ہیں۔ اور واللیل کے معنی یہ نہیں ہیں بلکہ اس طرح ہیں" قسم ایسے موقع کی کہ تاریکی ہر جگہ غالب ہو جائے اور دنیا سکوت سے ہمکنار ہو جائے۔

یہ ترجمہ بھی معنی کے حق کو نہیں ادا کرتا۔ ایک عربی جس وقت یہ قسم کھاتا ہے اسکی آنکھوں میں عربستان کا ایک بیابان رات کا منظر لئے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس بیابان کو تاریکی نے احاطہ کر لیا ہے لیکن آسمان جس نے جنگل کو چھت کی طرح ڈھک لیا ہے اور ہر طرف سے افق سے ملا ہوا ہے روشن رہتا ہے اور ستارے آسمان میں چمکتے ہیں۔ آسمان کی صفائی کے باعث عربی بیابان اس قدر چمک رکھتا ہے کہ انسان کو خیال گذرتا ہے کہ اگر ہاتھ لمبا کرے تو ستاروں کو پکڑ لے گا اور ان اندھیرے جنگلوں میں جو کہ نیم روشن آسمان کے نیچے اور ستاروں سے ڈھکے ہوئے ہیں کبھی دور سے کوئی آواز کان میں پہونچتی ہے تو چونکہ ہوا بے حرکت ہے اور محیط ساکت ہے اس لئے وہ آواز ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے قریب سے سنائی دیتی ہے۔ اس بیابان میں انسان اپنے کو تنہا پاتا ہے اور اس طرح تنہائی محسوس کرتا ہے کہ گویا ابتدائے آفرینش سے سوائے اس بیابان اور اس شخص کے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

واللیل پڑھنے سے یہ اور اسی قسم کے دوسرے خیالات عربوں کے ذہن میں گذرتے ہیں جن کو بیان کرنے سے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے مجھے خیال پرور تصور کریں گے۔ اور میں نے جو کہا کہ ان دو قسموں کے فقط معنی ذہن میں آتے ہیں نہ کہ فصاحت وہ اس وجہ سے کہ ان دو قسموں کی فصاحت کا ادراک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یا تو عرب ہو یا عربی جانتا ہو۔

اس سورہ کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت محمدؐ سے کہتا ہے مَا وَدَّعَكَ ..... قَلَى اس آیت کے بھی مجازی معنی پہلی آیت کی طرح صوری معنی سے زیادہ ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت محمدؐ کی بے چینی کا جواب دیتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ تم خیال کرتے ہو کہ اللہ نے تم کو چھوڑ دیا اور دوبارہ نہ دوست رکھے گا بعد اس کے کہ اپنے کو تجھے پہچنوایا اور اپنی دوستی

کے لئے منتخب فرمایا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ خدا نے تجھے نظر انداز نہیں کیا ہے اور تم اسی طرح خدا کے دوست ہو۔ اس آیت کے ذریعہ خدا نے حضرت محمدؐ کو تشویش سے بچایا اور آسودہ خاطر کیا کہ خدا کی دوستی کے بارے میں کچھ تردد نہ کریں۔

اس سورت میں جو قرآن کی دوسری سورت ہے جو حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ یتیموں اور فقیروں کے بارے میں اپنے پیمبر کو وصیت کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حضرت محمدؐ خود یتیم تھے اور ماں باپ کے فقدان سے بچپن میں بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں حتیٰ کہ بچپن کے زمانہ میں آپکے پاس جوتے بھی نہ تھے۔ خارمغیلاں اور ریگ بھرے ہوئے گرم ریگستان میں ننگے پیر چلتے تھے اور برابر بھوکے رہتے تھے۔

اگر حضرت محمدؐ فقیروں اور یتیموں کی فکر میں نہ ہوتے تو خداوند اور وہ بھی تین سالہ زمانۂ فترہ کے بعد قرآن کی دوسری سورہ میں جو کہ آپ پر نازل ہوئی آپکو وصیت نہ کرتا کہ آپ یتیموں کی طرف متوجہ ہوں۔ اس سورہ کی نویں آیت میں خدا نے حضرت محمدؐ سے فرمایا ہے (حقیقت میں آپکی زبان سے دوسروں کو کہتے ہیں) وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ یعنی اگر کوئی مانگنے والا تمہارے پاس آئے تو اس سے ناراض نہ ہو اور اس کو ڈانٹ پھٹکار نہ کرو۔

آج ہمارا اخلاقی اصول سوال یعنی گداگری کو ننگ سمجھتا ہے اور مانگنے والے کو ایک ناکارہ عضو شمار کرتا ہے۔

آج آدمیوں کا عقیدہ ہے کہ جو شخص گدائی کرتا ہے وہ یا تو اس قدر اپاہج ہے کہ کوئی کام کرنا نہیں چاہتا یا اس قدر فاسد (خراب بدن والا) ہے کہ کوئی کام نہیں کر سکتا اور بڑے بڑے اخلاقی عیوب اور بری عادتیں جیسے نشہ والی چیزیں پینا اسکو کام سے روکتی ہیں۔ چودہ سو برس پہلے عرب میں بھی گدائی کو عیب شمار کیا جاتا تھا اور کوئی شخص اس ملک میں گداگری نہیں کرتا تھا۔ باوجودیکہ اکثر لوگ بے سروسامان تھے مگر گدائی کا وجود نہ تھا لیکن ایسے واقعات پیش آتے تھے جو آدمی کو مجبور کرتے تھے کہ دوسروں سے مدد کا تقاضا کرے۔ جس وقت ڈاکو ایک مسافر کو جنگل میں لوٹ لیتے تھے تو

وہ مجبور ہوتا تھا کہ دوسروں سے مدد کی درخواست کرے۔ جس وقت سیلاب ایک شخص کو یا پورے گاؤں کو ویران کر دیتا تھا اور گاؤں کے رہنے والے غائب ہو جاتے تھے تو مصیبت زدہ لوگوں کے لئے سوائے اس کے کوئی تدبیر نہ تھی کہ دوسروں سے مدد طلب کریں۔ اس وقت نہ صلیب سرخ کا وجود تھا نہ ہلال احمر یا ریڈ کراس جیسی کوئی تنظیم تھی جو مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرے نہ دوسرے خیراتی فنڈ تھے جو مصیبت زدہ لوگوں کو آسودہ کرتے۔

حضرت محمدؐ پیغمبر ہونے کے قبل ہی سے فقیروں کی مدد کرتے تھے اور انھیں محروم نہ جانے دیتے تھے۔ اگر آپ امداد نہ کر سکتے تو چونکہ خوش اخلاق جوان اور ہنس مکھ آدمی تھے اس لئے ایسی گفتگو کرتے تھے کہ فقیر خوش ہو کر آپؐ سے جدا ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے نبوت ملنے کے بعد قرآن شریف کی دوسری ہی سورہ میں تاکید کی گئی کہ فقیروں کے ساتھ بہترین سلوک کریں۔ حضرت محمدؐ نے جب اپنی تبلیغ شروع کی تو عربوں کو دعوت دی کہ اپنے کو پہچانیں اور فقر و خرافات سے نجات کے لئے اقدام کریں۔

آپؐ کی رسالت میں کچھ ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جو انصاف پسند (غیر جانبدار) شخص کے لئے جاذبِ توجہ ہیں۔ حضرت محمدؐ کی رسالت صرف ایک دینی رسالت نہ تھی بلکہ ایک اقتصادی اور اجتماعی رسالت بھی تھی۔ عرب جیسی سرزمین میں چودہ سو برس پہلے ایک اجتماعی اور اخلاقی تحریک کی ایجاد کرنا ان تمام رسوم و شعائر کے ہوتے ہوئے جن کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے ایک خلاف عادت واقعہ تھا۔ حضرت محمدؐ نے اس رسالت کی ذمہ داری لی۔

اس حقیقت کی نشاندہی کے لئے کہ حضرت محمدؐ کی رسالت فقط ایک مذہبی رسالت نہ تھی بلکہ اجتماعی و اقتصادی رسالت بھی شمار ہوتی ہے۔ قرآن کی چھ ہزار دو سو انیسویں آیت میں بہت سی دلیلیں ہیں کہ اگر میں انھیں ذکر کروں تو اس کتاب کے پڑھنے والوں کے لئے جو کہ یورپ کے ہیں اور مسلمانوں کی طرح قرآن سے آشنا نہیں ہیں سستی کا باعث بن جائے گا۔ میں نے فرانس کے ایسے دو تعلیم یافتہ شخصوں سے سنا ہے جو عربی زبان کے استاد ہیں اور تاریخ

ادبِ عربی میں کافی مہارت بھی رکھتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت محمدؐ کو ان دینی قوانین کا ناشر سمجھا ہے جو خدا کی طرف سے انھیں ملتے تھے۔ یہ شبہ کی بات ہے یعنی ٹھیک نہیں ہے۔

حضرت محمدؐ مذہبی قوانین کے ناشر اور مبلغ تھے اور ایک بڑی اجتماعی اور اقتصادی تحریک کے لیڈر بھی تھے۔ اسی وجہ سے جو قوانین خدا کی طرف سے آپکے پاس آتے تھے بتدریج نازل ہوتے تھے۔ عربی اس بات سے حیرت کرتے تھے کیونکہ آسمانی قوانین جو حضرت محمدؐ سے قبل نازل ہوئے وہ ایک مرتبہ نازل ہوئے تھے۔ ان کا نزول تدریجی نہ تھا۔

جو پیغمبر حضرت محمدؐ سے پیشتر مبعوث ہوئے وہ اپنے قوانین ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی جگہ میں لائے لیکن حضرت محمدؐ کے پاس قوانین تیئیس ۲۳ سال میں (چھ سو دس عیسوی سے لیکر آپکی رحلت تک) بتدریج نازل ہوئے۔

قرآن شریف کے بتدریج نزول کی علت جیسا قرآن کی پچیسویں سورہ فرقان کی تینتیسویں ۳۳ آیت میں بیان کی گئی ہے یہ ہے کہ حضرت محمدؐ قرآنی آیتوں کو یاد کرلیں اور وہ آپکے دل میں نقش ہوجائیں۔ دوسرے یہ کہ قرآنی آیتیں حادثاتِ زمانہ کے جدید قوانین وضع کرنے کے لئے نازل ہوتی تھیں۔ جو پیغمبر حضرت محمدؐ سے پہلے کتابیں لائے وہ اُمّی (بے پڑھے لکھے) نہ تھے لہٰذا آسمانی کتاب یکبارگی ان پر نازل ہوئی لیکن حضرت محمدؐ اُمّی (بے پڑھے لکھے) تھے اسی لئے قرآنی آیتیں بتدریج نازل ہوئیں تاکہ آپ انھیں یاد کرلیں (آپکے اُمّی ہونے کے باعث تدریجی نزول نہیں ہوا بلکہ اس لئے ہوا تاکہ تبلیغ تفہیم اور عمل میں لوگوں کو آسانی ہو)

اجتماعی اور اقتصادی تحریک نے حضرت محمدؐ جس کے پیشوا تھے عربوں کو اس طرح متحرک کیا کہ ہجرت کی ابھی نصف صدی بھی نہیں گذری تھی کہ عربوں نے پرانی دنیا کی تین بڑی حکومتوں (ایران مصر، شام) کو اسلامی حکومت کا جز بنا لیا۔ اور وہاں کے باشندوں کو مسلمان بنا دیا۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ملتا جس نے اس قدر جلد اتنی وسعت اختیار کی ہو۔ اگر حضرت محمدؐ کے لائے ہوئے قوانین فقط مذہبی ہوتے تو اس قدر جلد وسعت نہ پاتے۔ جو چیز اسلام کی اس تیز رفتاری کا

سبب بنی وہ اجتماعی و اقتصادی تحریک تھی۔

حضرت محمدؐ کی اجتماعی تحریک میں ایک اصل پائی جاتی ہے اور آجکل کے مفکر اس کو زبان پر لائے ہیں۔ وہ اصل نوع انسانی کی وحدت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ نوعِ انسان ایک واحد ملت ہے۔ دنیا کی قوموں میں جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں وہ ظلم و فساد اور بے انصافی سے وجود میں آئے ہیں۔ جو آیت اس معنی کی حامل ہے وہ سورہ بقرہ کی دوسو نویں آیت ہے۔ وہ آیت کہتی ہے کَانَ النَّاسُ ..... الی اخر) بلاشبہ جامعہ اسلامی میں حضرت محمدؐ کا ایک نشانہ نوعِ انسانی کی وحدت تھی اور اسی وجہ سے اللہ نے آپؐ کے دین کی بنیاد ملّت ابراہیمی پر رکھی ہے۔ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ بت پرست بلکہ ایک حنیف شمار کئے جاتے تھے اور خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے۔ اسی بنا پر یہودی بھی حضرت ابراہیم کو پیغمبر مانتے تھے اور عیسائی بھی۔ حضرت محمدؐ نے اسی وجہ سے اپنے دین کی بنیاد ملت ابراہیمی پر رکھی ہے تاکہ یہودی اور عیسائی آپ کا مذہب قبول کرلیں۔ (یہ توضیح درست نہیں ہے کیونکہ ملّت ابراہیمی پر بنیاد اس لئے نہیں رکھی گئی ہے کہ یہودی اور عیسائی اسلام قبول کریں بلکہ اس لئے رکھی گئی ہے کہ ملت ابراہیمی میں افراط و تفریط نہیں ہوئی تھی وہ دین فطری ہے۔ دوسری بات یہ کہ بانی ملت اسلام اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم)

اسی وجہ سے حضرت محمدؐ نے جس وقت اپنے مذہب کی اشاعت شروع کی تو کسی بھی توحیدی مذہب کی مخالفت نہ کی اور انھیں دعوت دی کہ اسلام میں شامل ہوجائیں۔ پیغمبر اسلام کا نظریہ یہ تھا کہ یہودی اور عیسائی مذہب کے ماننے والوں نے خدائی احکامات کو جو حضرت عیسیٰ و موسیٰ پر نازل ہوئے تھے برباد کرڈالا ہے اور چونکہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کے پیروؤں کا استنباط درست نہیں ہے اس لئے یہودی اور عیسائی مذہب کامیاب نہیں ہوئے۔ اگر یہ اسلام میں شامل ہوجائیں گے تو کامیاب ہوجائیں گے۔

اسلام عربی زبان کا ایک بہترین کلمہ ہے۔ اسی طرح قرآن ایک برجستہ اور جاذب توجہ

عربی کا کلمہ ہے۔ جہاں تک روایات کا تعلق ہے حضرت محمدؐ کی رسالت سے پہلے ایک بار خدا نے اسلام کا ذکر کیا۔ یہ اس موقع پر تھا جبکہ حضرت ابراہیم اللہ کی راہ میں اپنے لڑکے کی قربانی کے لئے تیار ہوئے تھے اور خدا نے اُس کا فدیہ عطا فرمایا۔

روایت میں ہے کہ اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ ابراہیم اور ان کے لڑکے (اسلما) اسلام لائے یعنی اپنے کو ارادۂ خداوندی کے سپرد کر دیا۔ اسلام یعنی ارادۂ خداوندی کو تسلیم کرنا اور مسلم یعنی وہ شخص جو اپنے کو ارادۂ خداوندی کے حوالے کر دے۔

قرآن جیسا کہ میں نے کہا عربی کا ایک بہترین کلمہ ہے۔ یہ فرقان بھی پڑھا جاتا ہے (حصہ حصہ) قرآن کو فرقان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے مختلف حصے یکبارگی نہیں نازل ہوئے بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ مجھے معلوم ہوا کچھ عربی کلمے خارجی ہیں جو کہ اسلام سے قبل عربی زبان میں داخل ہو گئے ہیں اور پھر قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ انھیں کلمات میں سے قرآن ایک کلمہ ہے۔ قرأت و قرآن سریانی زبان سے عربی میں آئے ہیں اور قرآن کا مفہوم ہے قرأت یا کلام مقدس کو پڑھنا۔ اسی بنا پر کلام عادی (لوگوں کے کلام) کی قرأت کو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ لفظ قرآن خاص ہے اور اس مجموعہ گفتار کے لئے بولا جاتا ہے جو خدا نے حضرت محمدؐ پر نازل فرمایا ہے۔ کسی دوسرے شخص کے کلام کو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ کچھ مسلمان عالموں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کی سورتوں میں سے تیسری سورہ جو حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی ہے وہ سورہ قیامت ہے جس میں بشمول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چالیس آیتیں ہیں۔

حضرت محمدؐ نازل شدہ سورتوں کو بار بار پڑھتے تھے کیونکہ آپ کو خوف تھا کہ کہیں کلامِ خداوندی کو بھول نہ جائیں۔ خدا نے سورہ قیامت کو آپ پر نازل کیا اور دوسری آیتوں کے ضمن میں سترہویں آیت میں فرمایا لا تحرک ..... تستعجل بہ یعنی اے میرے رسول جس وقت قرآن شریف پڑھتے ہو زبان کو تیزی سے نہ ہلاؤ یعنی قرآن کو جلدی نہ پڑھو اور اسی سورہ کی اٹھارہویں آیت میں خدا فرماتا ہے (انّ علینا ..... قرانہ) یعنی ہم قرآن کو تمہارے

سینے میں جمع کرتے ہیں اور اس کی قرأت تمہارے لئے آسان کرتے ہیں۔ اس کی انیسویں آیت میں فرماتا ہے (فاذا۔ ۔ ۔ ۔ قرانہ) یعنی صبر کرو کہ ہم قرآن کی آیتیں تمہارے لئے پڑھیں۔ میرے پڑھنے کے بعد تم اسکی پیروی کرو، پڑھو اور مطمئن رہو کہ قرآن کو یاد کر لوگے۔ اسی سورہ کی بیسویں آیت میں فرماتا ہے (ثم ان۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بیانہ) یعنی اگر قرآن حفظ کر لینے کے بعد کسی چیز کے سمجھنے میں دشواری ہو تو میں خود اس مشکل کو دور کروں گا اور وضاحت کر دوں گا۔

ان آیتوں کے نازل ہونے کے بعد حضرت محمدؐ پھر قرآن شریف کو جلدی نہیں پڑھتے تھے بلکہ ملائمت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

میں نے بیان کیا کہ قرآن شریف بتدریج تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہوا اور اگر زمانۂ فترۃ کو جو بقول بعض مسلمان چند روز یا چند مہینہ ہے ایسا ہی شمار کریں تو باستثنائے اس سورہ کے جو غار حرا میں نازل ہوئی ہے قرآن کے نزول کا زمانہ بائیس ۲۲ سال ہوتا ہے۔

آج جبکہ ہم عرب قوم کی تاریخ کا مطالعہ کر رہے ہیں اور جان رہے ہیں کہ عرب بادیہ اسلام سے پہلے کس طرح زندگی گذارتے تھے۔ قرآن کی آیات کے تدریجی نزول ہونے کے لئے قدماء (پہلے زمانے والے) سے بہتر راستہ اختیار کر رہے ہیں۔ اگر چھ ہزار دو سو انیس (کل آیتیں ۶۶۶۶ ہیں) آیتیں ایک مرتبہ نازل ہوتیں تو جاہل، بے خبر، سادہ عرب ایسے مبہوت و پریشان ہوتے کہ کوئی چیز نہ سمجھ سکتے۔ یہاں تک کہ آج بیسویں صدی عیسوی ہے اور اقوام عالم کے تعلقات کی وسعت کے باعث فکر انسانی بہ نسبت چودہ سو سال پیشتر بہت بلند ہو گئی ہے۔ ایک حکومت جو تازہ تازہ وجود میں آتی ہے تو وہ اپنی قوم کے لئے سینکڑوں قوانین یکبارگی نہیں بنا سکتی تو پھر چودہ سو سال پیشتر کا کیا کہنا اور وہ بھی جنگلی عربوں کے بارے میں۔ اگر قرآن ایک مرتبہ نازل ہوتا تو چونکہ دیہاتی عربوں کا مغز و حافظہ اسکی گنجائش نہ رکھتا تھا اس لئے ممکن تھا کہ نزول قرآن پر کوئی اثر مرتب نہ ہو۔ عربوں کا حافظہ بہت قوی تھا وہ متعدد قصائد اور نسب نامے یاد رکھتے تھے)۔ نزول قرآن کے لئے طبعی اور عقلی راستہ یہی تھا کہ بتدریج نازل ہوتا کہ دیہاتی عرب آہستہ آہستہ خدا کے کلام اور اسکے احکام سے مانوس ہوں اور اسکو سمجھ کر قبول کر سکیں۔

پہلے مسلمان

سابقین الاوّلین

پیغمبر اسلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والی شخصیت آپکی بیوی حضرت خدیجہؓ تھیں۔ ان کے بعد پیغمبر اسلام کے چچا کے لڑکے علی بن ابی طالب جنھیں حضرت محمدؐ اپنے لڑکے کی طرح مانتے تھے، آپ پر ایمان لائے تیسرے مسلمان (ایمان لانے کی ترتیب کے اعتبار سے) زید حضرت محمدؐ کے غلام تھے جنھیں رسول اللہ نے آزاد کر دیا تھا۔ یہ آزاد شدہ غلام اپنے ماں باپ کے پاس جانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور انھوں نے کہا کہ میں حضرت محمدؐ کو اپنے ماں باپ سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت خدیجہ، علی اور زید کے رسول اللہ پر ایمان لانے کے بعد دوسرا کوئی شخص دین اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ تین سال تک حضرت محمدؐ کے علاوہ یہی تین شخص مسلمان تھے۔ اس سال حضرت ابوبکر بھی مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں کی تعداد چار ہو گئی۔ لیکن حضرت محمدؐ جس قدر کوشش کرتے تھے کہ سب مسلمان ہو جائیں اس قدر کام نہ ہوا۔ مکہ کے باشندوں نے اگرچہ دین اسلام قبول نہ کیا لیکن اسکی مخالفت بھی نہ کرتے تھے۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ حضرت محمدؐ دوسروں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو اپنی دشمنی ظاہر نہ کرتے تھے۔ لیکن پیغمبر کی بات پر دھیان نہ دیتے تھے۔

روایتوں کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر عرب کی سرزمین میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس تعداد میں سے (جس میں اکثر کا نام معلوم نہیں) چند سو نام و نمود رکھنے والے اور بعض تاریخ رکھنے والے ہیں لہذا عرب نسلاً بعد نسلٍ پیغمبر دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ ایک پیغمبر کو تبلیغ میں مشغول دیکھ کر حیرت نہ کرتے تھے انکی چوں و چرا کرنے کی قوت برانگیختہ نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام عائشہ رکھا گیا تھا۔ عائشہؓ نے سب سے پہلے مسلمان کی حیثیت سے دنیا میں

قدم رکھا (پیدائشی مسلمان) کیونکہ باپ مسلمان تھا۔

اس وقت جیسا کہ قرآن کی چھبیسویں سورہ (سورہ شعراء) کی دوسو بارہویں آیت میں مذکور ہے حضرت محمدؐ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیں۔ آیت مذکور یہ ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اپنے رشتہ دار جو آپ سے قریب ہیں انھیں آپ دین اسلام کی دعوت دیں روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت محمدؐ نے اپنے چچا کے لڑکے علی ابن ابی طالب سے فرمایا کہ پیغمبر کے چچا اور ان کی اولاد کو جو حضرت محمدؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں انھیں دعوت دیں کہ وہ آئیں اور کھانا کھائیں۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت محمدؐ کے چچا ابوطالب، ابولہب (ابوطالب کے بھائی) اور انکے لڑکوں نے دعوت قبول کرلی۔ وہ آئے اور کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت محمدؐ نے دین اسلام کی دعوت دی لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت محمدؐ کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ صرف ایک آدمی حضرت علی اٹھ کر بولے اے محمدؐ میں آپؐ کی دعوت قبول کرتا ہوں اور ایمان لاتا ہوں۔

اس روایت کا آخری حصہ اکثر مسلمان عالموں کے نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ حضرت علی حضرت محمدؐ کے چچا زاد بھائی دعوت مذکور سے پیشتر مسلمان ہوگئے تھے اور میں بیان کرچکا کہ حضرت علی دوسرے شخص ہیں جنھوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا۔ یہی وہ چیز ہے جو تاریخ اور واقعات کے مطابق ہے۔

بعد اس کے کہ خدا نے حضرت محمدؐ کو حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو مسلمان کریں پیغمبر خدا نے اپنے قریبی رشتہ داروں کی روحانی وضع کا مطالعہ شروع کیا۔ سب سے پہلے اپنے چچا ابوطالب پر نظر ڈالی اور محسوس کیا کہ وہ اگرچہ ایک راست کار اور شریف آدمی ہیں لیکن اپنی کبرسنی کے باعث اجداد کے عقیدہ سے ہاتھ نہیں کھینچ سکتے۔ اور نہ جدید مذہب کو قبول کرسکتے ہیں۔ ابوطالب کے بعد عبدالمطلب کے گروہ کا ایک بااثر آدمی ابولہب تھا جو ابوطالب کا بھائی تھا۔ ابولہب مکہ کے مالدار تاجروں میں شمار ہوتا تھا۔ اسے مذہب سے دلچسپی تھی مگر اسی حد تک کہ اسے تجارت میں فائدہ حاصل ہو۔ قریش کے تمام سوداگر ایسے ہی تھے اور مذہب کو اسی وجہ سے دوست رکھتے

تھے کہ وہ سوداگروں کی حمایت کرتا تھا۔ ایک مذہبی حکم یہ تھا کہ سال میں چار ماہ تک لڑائی حرام ہو جاتی تھی تاکہ قافلے آسانی سے آمد و رفت کر سکیں اور مکہ کے بازار کھل رہیں۔

حضرت محمدؐ جس طرح اپنے چچا ابو طالب کے مسلمان ہونے کے بارے میں پر اُمید نہ تھے اسی طرح ابولہب کے لئے بھی امید نہ تھی کہ دین اسلام قبول کریں گے۔ ابولہب کی بیوی جمیلہ نامی ایک مالدار عورت تھی۔ جمیلہ ابوسفیان کی بہن تھی اور ابوسفیان مکہ کا سب سے بڑا مالدار سوداگر تھا۔ حضرت محمدؐ اور ابو لہب کے درمیان چچا بھتیجے کے رشتہ کے علاوہ ایک اور رشتہ بھی تھا یعنی حضرت محمدؐ کی دو لڑکیوں کی شادی ابولہب کے دو لڑکوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور ابولہب کے دو لڑکے پیغمبر کے داماد شمار ہوتے تھے۔

ابولہب کی بیوی جمیلہ شعر خوب پڑھتی تھی خصوصاً ہجو کے اشعار بہت پڑھتی تھی چونکہ اس کی طبیعت موزوں تھی اس لئے اس کے ہجو کے اشعار بہت موثر ہوتے تھے حضرت محمدؐ کے تبلیغ شروع کرنے کے بعد جمیلہ آپکی ہجو میں اشعار پڑھتی تھی۔ ابولہب اور اس کی بیوی دونوں اسلام کو پسند نہیں کرتے تھے اور اس پر ان کا عقیدہ نہیں تھا۔ عبدالمطلب کا بیٹا ابولہب دنیا کو تجارتی دروازے سے دیکھتا تھا۔ اس کے لئے دنیا صرف خریدنا، فروخت کرنا اور نفع یا نقصان اٹھانا تھی۔

عبدالمطلب کے تیسرے لڑکے جو حضرت محمدؐ کے قریبی رشتہ داروں میں تھے اور حکم خداوندی کے مطابق آپ انھیں بھی دعوتِ اسلام دینا چاہتے تھے حمزہ کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت حمزہ ورزش کرنے والے شخص تھے اور اپنی زندگی میں سوائے ورزش، مقابلہ اور فخر حاصل کرنے کے اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ دوسرے گزشتہ پہلوانوں کی طرح یہ بھی ایسے لوگوں کو جو ورزش نہ کرتے تھے حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ اس سے بڑھکر وہ ایک سچے اور خوش گفتار آدمی تھے حضرت محمدؐ کا خیال تھا کہ حمزہ مسلمان نہ ہوں گے کیونکہ مذہبی مسائل کی طرف ان کی توجہ نہیں تھی عبدالمطلب کے چوتھے لڑکے عباس تھے۔ وہ ایک صراف اور سودی کاروبار کرنے والے تھے۔ ان کا تعلق مکہ مدینہ اور طائف کے تاجروں سے تھا۔

عباسی دنیا والے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک طلبگار (قرضخواہ) دوسرے دھکار (قرض ادا کرنے والا) بعباس کوشش کرتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ فائدہ حاصل کریں لہذا وثیقہ یا ضمانت کے بغیر کسی کو قرضہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے عبد المطلب کی اولاد پر نظر ڈال کر یہ نتیجہ نکالا کہ ابوطالب ضعیف و تجربہ کار ہیں،، ابولہب تاجر ہیں، حضرت حمزہ پہلوان ہیں اور حضرت عباس سود خور ہیں۔ ان میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے مذہب سے واقعی تعلق ہو۔ ان کا مذہبی تعلق محض مادی فائدہ سے وابستہ ہے۔ حضرت محمدؐ نے محسوس کیا کہ ان میں سے کوئی شخص حق بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے لیکن آپ حکمِ خداوندی کی اطاعت سے سرتابی نہ کر سکے کیونکہ خدا نے آپ سے فرمایا تھا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دینِ اسلام کی دعوت دیں۔

حضرت محمدؐ کو جو دیکھ رہے تھے کہ آپ کی تبلیغی گرم جوشی قریبی رشتہ داروں میں موثر نہیں ہو رہی ہے، فکر لاحق ہو گئی اور آپؐ ایسے غمگین ہوئے کہ بستر علالت پر پڑ گئے۔ آپ کے چچا نے نصیحت کی کہ ٹھیک ہے دوسرے رشتہ داروں کو جنکے بارے میں جانتے ہیں کہ جدید مذہب قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں انھیں دعوت دیں تاکہ وہ تازہ مذہب کو قبول کر لیں۔ لیکن حضرت محمدؐ فرماتے تھے کہ خدا نے مجھے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔ مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ خدا کے حکم کے خلاف کروں۔ انجام کار حضرت محمدؐ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ قریبی رشتہ داروں میں سے چالیس آدمیوں کو جن میں عبد المطلب کے چاروں لڑکے سرفہرست تھے دعوت دیں کہ وہ آپؐ کے گھر آئیں اور کھانا کھائیں۔

اس میہمانی میں حضرت علیؑ نے مہمانوں کو دعوت دینے کی ذمہ داری اپنے سر لی کیونکہ حضرت محمدؐ انھیں اپنے لڑکے کی طرح مانتے تھے۔ روایات کے مطابق یہ میہمانی اس طرح سے سرانجام ہوئی کہ حضرت علی بن ابی طالب نے کچھ کھانا لا کر مہمانوں کے سامنے رکھدیا اور حضرت محمدؐ نے ان سے فرمایا کہ اللہ کا نام لیکر کھانا شروع کرو۔ جو کچھ مہمانوں کے سامنے رکھا گیا تھا وہ زیادہ نہ تھا مگر جس قدر لوگ کھاتے تھے وہ کم نہ ہوتا تھا۔ سب لوگ آسودہ ہو گئے مگر پھر بھی کھانا باقی رہ گیا

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ مہمانوں کی پیاس بجھانے کے لئے پانی لاؤ۔ حضرت علی ایک برتن میں پانی لائے۔ اس برتن کا پانی صرف ایک آدمی کے لئے کافی تھا مگر جب ایک مہمان نے پی لیا تو برتن کا پانی کم نہ ہوا یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی چکے پھر بھی برتن میں پانی باقی رہ گیا۔ حاضرین کو ان واقعات سے بڑی حیرت ہوئی۔ ابولہب بولا محمدؐ نے ہم لوگوں پر جادو کر دیا ہے۔ مہمان اٹھ کر چلے گئے بغیر اس کے کہ حضرت محمدؐ کو ان سے خدا کے بارے میں کچھ گفتگو کرنے کا موقع ملے۔

دوسری روایت جس کا تعلق اس مہمانی سے ہے یہ ہے کہ جب لوگ کھانا کھا چکے تو حضرت محمدؐ نے ان لوگوں سے خدا کے بارے میں کچھ گفتگو کرنا چاہا لیکن مہمان اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت محمدؐ ان سے یہ گفتگو نہ کر سکے کہ کس لئے ان کو دعوت دی گئی تھی۔

میں ایک بار کہہ چکا ہوں کہ اس بحث میں جہاں بھی کسی واقعہ کا تعلق صرف روایت سے ہوگا میں یہ تحریر کر دوں گا کہ اس طرح روایت کرتے ہیں۔

مغربی مؤرخ جب اس واقعہ کو سنتا ہے تو دلیل مانگتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر بھی لوگ کھاتے تھے کھانا ختم نہ ہوتا تھا اور جس قدر بھی پانی پیتے تھے برتن میں پانی باقی رہتا تھا۔ میں جو کہ اس روایت کو نقل کرتا ہوں باعتبار علم تاریخ اس کو موردِ بحث قرار نہیں دیتا ہوں۔ صرف اتنا کہتا ہوں کہ حضرت محمدؐ نے دین اسلام کی تبلیغ کے لئے صرف ایک مرتبہ دعوت دی ہے اور وہ یہی ہے۔ اس کے بعد آپ اپنے گھر والوں کو ایک دعوت میں جمع نہ کر سکے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس کے بعد آپ کے خاندان والے آپ سے بیزار رہتے تھے۔ آپ سے قریب نہ ہوتے تھے بلکہ ابولہب کی بیوی جمیلہ آپ کی ہجو کرتی تھی۔

حضرت محمدؐ کو معلوم ہوا کہ احکام خداوندی ابھی قریبی رشتہ داروں میں جاری نہیں ہوئے ہیں لہذا آپ کو فکر ہوئی کہ مکہ کے باشندوں کو دعوت دیں تاکہ کوہِ صفا کے پاس سب لوگ جمع ہوں۔ کوہ صفا، جبل ثور اور اطرافِ مکہ کے دوسرے پہاڑوں کی مانند ایک ٹیلہ تھا جسے عرب کوہ (پہاڑ) کہتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے سوچا کہ اگر باشندگان مکہ کو کوہ صفا کے پاس جمع ہونے کی دعوت دی

جائے تو خاندان کے افراد بھی اس میں شامل ہو جائیں گے اور آپ انھیں دینِ حق قبول کرنے کی دعوت دے سکیں گے۔

چنانچہ تمام لوگوں کو آپؐ نے خبر دی کہ ایک مقررہ دن کو کوہِ صفا کے پاس جمع ہوں اور آپؐ ان لوگوں کو جمع ہونے کا مقصد بتائیں گے۔ آپؐ کے خاندان والے اور تمام لوگ کوہ صفا کے پاس جمع ہوئے۔ حضرت محمدؐ پہاڑ کے سب سے اونچے مقام پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اگر میں آپ لوگوں کو کوئی بات بتاؤں تو آپ لوگ اسے قبول کریں گے یا نہیں۔ حاضرین نے کہا ہاں اے محمدؐ ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ اس وجہ سے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ سچے آدمی ہیں اور کبھی جھوٹ نہیں بولے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے رسول منتخب فرمایا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ لوگوں کو دعوت دوں کہ خدائے واحد کے احکام قبول کرو اور خدا کے احکام کی تابعداری کرو۔ اگر تم اطاعت نہ کرو گے تو تم پر بلا نازل ہوگی۔

طبری اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ جب حضرت محمدؐ نے یہ کلمات بیان فرمائے تو ابولہب چلایا۔ اے محمدؐ کیا تو نے فقط یہ الفاظ سننے کے لئے مجھے یہاں بلایا تھا۔ تو نے یہ خیال نہ کیا کہ یہ الفاظ اتنے قیمتی نہیں ہیں کہ ان کے لئے ہم اپنا کام چھوڑ کر یہاں آئیں۔ پھر ابولہب نے لوگوں کی طرف منھ کر کے کہا کہ ان باتوں کو نہ سنو اور اپنے اپنے گھر واپس جاؤ کیونکہ حضرت محمدؐ نے اپنی عقل گم کر دی ہے۔ لوگ منتشر ہو گئے اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ علی ابن طالب اور زید کے سوا کوئی آپ کے پاس باقی نہ رہا۔ اسی دن سے آپ کے خاندان والوں نے جو قریش کے افراد تھے شدت کے ساتھ طعنہ، ہنسی اور مذاق اڑانا شروع کیا جس سے آپ کو اور زیادہ صدمہ ہوا۔

جب قریش نے اور خاص کر ابولہب و اسکی بیوی نے دیکھا کہ انکی باتیں حضرت محمدؐ میں کوئی اثر نہیں کرتی ہیں تو وہ دوسری تکلیفیں دینے پر اتر آئے۔ ابولہب اور اس کی بیوی اونچے طبقہ کے لوگ تھے مگر آپ کے گھر کی طرف پتھر پھینکنے لگے۔ پتھروں کے ذریعہ آپ کے مکان کو جو لکڑی کا تھا گرا دیا۔ لڑکوں کو ابھار دیا کہ آپکے گھر میں پتھر پھینکیں اور مردہ جانوروں کی لاشیں اور دوسرے قسم

کی آلودگیاں پیغمبر کے مکان میں ڈالیں۔

ایک وقت حضرت محمدؐ مکان سے نکل رہے تھے۔ ابولہب وجمیلہ کے بھڑکانے سے لڑکے اور بدمعاش لوگ آپؐ کی طرف پتھر پھینکنے لگے۔ کبھی پتھر کی چوٹیں آپ کے سر اور چہرہ پر لگتیں اور خون بہنے لگتا اور محمدؐ خون کو اپنے دامن سے پاک کرتے۔ جب آپ گھر واپس جاتے تھے تو حضرت خدیجہؓ کہتی تھیں اے محمدؐ کیا آپکو آج زیادہ تکلیف ہوئی۔ حضرت محمدؐ جواب دیتے تھے کہ جب انسان جان لیتا ہے کہ کس لئے رنج اٹھاتا ہے تو پھر اسے درد کا احساس نہیں ہوتا۔

جمیلہ حضرت محمدؐ کے راستہ میں جیسا کہ بیان کیا کانٹے بچھاتی تھی تاکہ آپؐ کے پیروں میں گڑ جائیں جب آپ مکان واپس جاتے تھے تو پیروں سے کانٹے نکالتے تھے۔ اور ان جگہوں سے خون بہنے لگتا تھا حضرت محمدؐ کے خاندان والوں نے اس قدر آپ کو ستایا کہ ایک دن آپ شکستہ دل ہوکر فرمانے لگے کہ اے خدا تو جانتا ہے کہ یہ لوگ تیرے دین کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ اس شکایت کے بعد حضرت جبرئیل تشریف لائے اور چند آیتیں پڑھ کر سنائیں کہ قرآن کی پندرہویں سورہ حجر کی چورانویں آیۃ ہے "فَاصْدَعْ بِمَا ..... الْمُشْرِكِيْنَ یعنی خدا کی طرف سے تجھکو جس چیز کا حکم ہوا ہے اسے کھلم کھلا بیان کرو اور مشرکین کی تکلیف کی طرف دھیان نہ دو۔ اسی سورہ کی پچانویں آیتہ میں ہے اِنَّا ..... الْمُسْتَهْزِئِيْنَ یعنی جو لوگ آپؐ سے استہزاء کرتے ہیں انھیں میرے اوپر چھوڑ دو۔ ہم ان کے لئے کافی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت محمدؐ کو چاہئے کہ ان لوگوں کو خدا کے اوپر چھوڑ دیں۔ خدا خود انکو سزا دے گا۔ اس سورہ کی ستانویں آیت میں خداوند حضرت محمدؐ سے فرماتا ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ ..... بِمَا يَقُوْلُوْنَ یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ ان کی گفتار اور آواز سے تنگ ہے یعنی آپکی اندرونی تکالیف جو کہ قریش سے پہونچ رہی ہیں ہم آگاہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ اسی سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے جو آیات ماقبل کا نتیجہ ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ ..... الْيَقِيْنُ یعنی اے محمدؐ اپنے خدا کی عبادت کرو (اور عبادت یعنی خدا کی نسبت اپنے وظیفہ کو پورا کرنا ہے) یہاں تک کہ آپکی عمر آخر ہو جائے۔ اس آیت میں خداوند اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ ان تمام تکلیفوں

کے باوجود جو آپ پر وارد ہوئی ہیں آپ کو چاہئے کہ زندگی کے آخری دن تک رسالت کا کام انجام دیں۔

ان آیتوں کے نزول کے بعد جن میں بعض جگہ اللہ تعالیٰ پیغمبر کی دلداری کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مشرکین کو چھوڑا نہ جائے گا کہ آپ پر فوقیت لیجائیں حضرت محمدؐ کو تسلی ہوئی اور آپ اس قابل ہوئے کہ لوگوں کی تکالیف کو زیادہ صبر کے ساتھ برداشت کر سکیں۔

ایک روز جبکہ حضرت محمدؐ اور خدیجہ گھر میں تھے دیکھا کہ آپکی لڑکیاں جو ابولہب کے لڑکوں کی بیویاں تھیں سامان لئے ہوئے آئی ہیں اور اپنے ماں باپ سے کہا کہ ہمارے شوہروں نے ہم کو طلاق دیدیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اپنے باپ کے گھر جاؤ۔ حضرت خدیجہؓ نے لڑکیوں سے پوچھا تمہیں کیوں طلاق دی؟ لڑکیوں نے جواب دیا کہ ہمارے شوہروں نے ابولہب اور اسکی بیوی جمیلہ کی وصیت پر طلاق دیا ہے کیونکہ انھوں نے ہمارے شوہروں سے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ ابولہب کے لڑکے حضرت محمدؐ کی لڑکیوں کو بیوی بنائیں کیونکہ آج حضرت محمدؐ سے سب لوگ نفرت کرتے ہیں ایسے آدمی کی رشتہ داری مکہ میں شرمندگی کا باعث ہے۔

حضرت خدیجہ اس واقعہ سے متاثر ہوئیں لیکن حضرت محمدؐ نے انکو تسلی دی۔ حضرت محمدؐ عرب بادیہ میں سے تھے اور تمام عرب بادیہ کی طرح مستقل مزاج شمار ہو سکتے تھے۔ عرب بادیہ ایک یورپی نہیں ہے کہ ایدولوزی (تلون مزاجی) کا شکار ہو۔ یورپ والے یونانی و رومی تہذیب کے وقت سے ہی ایدولوزی کے عادی ہیں۔ ممکن ہے ایک یوروپی کے دماغ میں زیادہ فکریں جاگزیں ہوں لیکن ایک عربی کے دماغ میں جو فکریں جاگزیں ہوتی ہیں لا محدود نہیں ہیں۔ عرب بادیہ ایک یوروپی کی طرح مختلف قسم کی فکریں نہیں کرتا ہے جب وہ کسی عقیدہ کا معتقد ہو جاتا ہے تو بغیر کسی قوی تر یا مؤثر وسیلہ کے اسے نہیں چھڑا سکتے۔ یہ بات اسی طرح آج بھی صادق آتی ہے جبکہ پٹرول پائپ جزیرہ عرب کے بیچ سے گذرتا ہے اور کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ عرب کے آسمان سے ریڈیو کی آواز کان میں نہ پہنچے۔ پھر بھی ایک عربی شخص تلون مزاجی کا تابعدار نہیں ہے۔

آجکل بھی ایک عرب بادیہ کے دماغ میں ایک یا دو تین فکروں سے زیادہ جاگزیں نہیں ہوتیں لیکن جب وہ فکر کرتا ہے اور کسی عقیدہ کا قائل ہوجاتا ہے تو پھر اسے چھوڑنا محال ہوتا ہے۔

شنفرہ کے حالات ۔عربی اس تعصب کے لحاظ سے جو عرب بادیہ رکھتے ہیں جاذب توجہ ہے۔شنفرہ نہ صرف اپنی زندگی میں مشہور تھا بلکہ آج بھی عرب والے اس کے بعض اشعار حفظ کرتے ہیں اور اسے پہچانتے ہیں۔شنفرہ جو عرب کے جنگلوں میں گھومتا تھا ایک دن قبیلۂ بنی سلیمان کے ایک شخص نے اس کی توہین کی۔عربوں کے دستور کے مطابق اس نے پختہ ارادہ کیا کہ اس قبیلہ سے بدلہ لے۔کیونکہ عرب میں کوئی شخص تنہا مجرم نہ ہوتا تھا بلکہ اس کا قبیلہ مجرم شمار ہوتا تھا

شنفرہ نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اپنی توہین کے بدلہ میں قبیلہ بنی سلیمان کے سو آدمیوں کو قتل کرے گا۔اسی دن سے شنفرہ نے اپنا شہر اور قبیلہ چھوڑ دیا۔اور تیر و کمان لیکر بنی سلیمان والوں کی گھات میں بیٹھ گیا۔پندرہ سال کی مدت میں اس قبیلہ کے ننانوے افراد کو ہلاک کردیا ایک دن جبکہ وہ ایک کنوئیں سے پانی نکال رہا تھا کچھ ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کردیا اور اسے مار ڈالا۔شنفرہ کی لاش جانور کھا گئے، ہڈیوں کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا اور وہ منتشر ہوگئیں لیکن کھوپڑی کی ہڈی کنوئیں کے پاس پڑی رہ گئی۔یہاں تک کہ قبیلہ بنی سلیمان کے کچھ لوگ اس کنوئیں کے پاس پہونچے اور اس سے پانی نکالنا چاہا۔ٹھیک اسی وقت زور سے ہوا چلی اور شنفرہ کے سر کی ہڈی اڑکر ایک آدمی کے پیر پر زور سے گری اور اس کے اندر چبھ گئی جس سے زخم پیدا ہوگیا جو کبھی اچھا نہ ہوا۔اور اس کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔اس طرح شنفرہ مرنے کے بعد بھی اپنی قسم کو نہ بھولا اور سر کی ہڈی سے ایک آدمی کو مار ڈالا جس سے مقتولین کی تعداد ایک سو مکمل ہوگئی۔واضح رہے کہ اس قصہ کا آخری حصہ روایت ہے اور ایک مؤرخ اسے تسلیم نہیں کرتا لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ عرب بادیہ اس طرح تعصب رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد بھی ختم نہ ہوتا تھا بلکہ اسے اپنے لڑکوں کی طرف منتقل کردیتے تھے۔

حضرت محمدؐ ایک عرب تھے اور تمام عربوں کی طرح اپنے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے اسے

کبھی نہیں بھولتے تھے۔ جب خدا نے آپ کو پیغمبر بنا دیا تو چونکہ خدا اور دین جدید کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے لہذا خاندان والوں کے ظلم وستم سے آپکے قدم نہ ڈگمگائے۔ آپکی ہمت پست نہ ہوئی بلکہ آپ کا ایمان عربوں میں خدائی دین کو پھیلانے کے لئے اور زیادہ قوی ہوگیا۔ جب حضرت محمدؐ کو یقین حاصل ہوگیا کہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں اور دین جدید کی اشاعت کے مکلف ہیں تو پختہ ارادہ کرلیا کہ دین کی تبلیغ میں کوتاہی نہیں کریں گے اگرچہ لوگ آپکے قتل کے لئے آمادہ ہوجائیں۔

حضرت محمدؐ کی بعثت کے بعد چار سال تک آپ کے خاندان والے اور قریش صرف وہی تکلیفیں دیتے رہے جن کا ذکر کیا گیا لیکن اس سال کے بعد انھوں نے پختہ ارادہ کیا کہ آپ کو قتل کردیں کیونکہ حضرت محمدؐ نے عام تبلیغ شروع کردی تھی اور اپنے خاندانی لوگوں کو جو سب کے سب قریشی تھے اور اسی طرح دوسروں کو فرماتے تھے کہ اپنے بنائے ہوئے معبودوں کی پرستش چھوڑ دو اور صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کرو۔ آپ کے خاندان والے اور سارے قریش والے آپ سے پوچھتے تھے کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ ہم ان معبودوں کی پرستش چھوڑ دیں جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ حضرت محمد فرماتے تھے ہاں انکی پرستش چھوڑ دو اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے قائل ہوجاؤ تاکہ نجات پاؤ۔

اس وقت قریش کا غصہ زیادہ ہوگیا انھوں نے ارادہ کیا کہ آپکو ہلاک کردیں حضرت محمدؐ کی عادت تھی کہ روزانہ اپنے گھر سے کعبہ جاتے تھے۔ اور وہاں خدا کی پرستش کرتے تھے۔ قریش نے سمجھ لیا تھا کہ حضرت محمدؐ روزانہ خانہ کعبہ جاتے ہیں لہذا پہرہ لگا دیا کہ اسکے بعد انھیں بیت اللہ جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ بیت کے معنی عربی میں گھر کے ہیں لیکن مکہ میں اس کا اطلاق خانہ کعبہ پر ہوتا ہے۔

حضرت محمدؐ نے قریش کو جواب دیا کہ کعبہ خدا کا گھر ہے۔ خدا کے گھر میں داخل ہونے کے لئے مجھے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک دن جبکہ حضرت محمد خانہ کعبہ میں دونوں زانو زمین پر رکھے ہوئے خدا کی عبادت کر رہے تھے اتفاق سے ابوجہل جو قریش کا ایک فرد تھا چند آدمیوں کے ساتھ ادھر سے گذرا۔ اور ناشائستہ حرکت کی۔

ابوجہل اونٹ کی ایک اوجھڑی ہاتھ میں لئے ہوئے تھا جو کہ خون اور غلاظت سے آلودہ تھی۔ عرب میں مجرموں کو چند طریقوں سے پھانسی دیتے تھے۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ اونٹ کی اوجھڑی جو خون یا پانی سے بھری ہوتی تھی مجرم کے سر پر اس طرح ڈال دیتے تھے کہ اس کا سر اور چہرہ اوجھڑی کے اندر ہوتا تھا اور اس کے نیچے والا حصہ جو تھیلی کی طرح گردن کو گھیرے رہتا تھا باندھ دیتے تھے۔ چونکہ مجرم کا منھ اور ناک اوجھڑی کے اندر بند ہو جاتا تھا اس لئے نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ سانس نہ لے سکنے کے باعث مر جاتا تھا۔

اس روز ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے چاہا کہ حضرت محمدؐ کو خانۂ کعبہ میں اسی اوجھڑی سے ہلاک کر دیں۔ جس وقت ابوجہل اور دوسرے لوگ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو آنحضور کو معلوم نہ ہوا کیونکہ سب آہستہ آہستہ حرکت کرتے تھے تاکہ ان کے پیروں کی آواز نہ سنائی دے۔ ابوجہل نے ایک مرتبہ اونٹ کی اوجھڑی کو حضرت محمدؐ کے سر و چہرہ پر ڈال دیا فوراً ہی آپ کا سر و چہرہ اس میں سما گیا اس کے بعد ابوجہل نے اس کا آخری حصہ ایک تھیلی کے سرے کی طرح آپ کی گردن کے چاروں طرف باندھ دیا۔

جب حضرت محمدؐ نے محسوس کیا کہ سر و چہرہ پر تھیلا ڈال دیا ہے تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اپنے آپ کو چھڑا نہ سکے۔ جو لوگ آپؐ کے گرد تھے انھیں محسوس ہوا کہ عنقریب آپ کا دم گھٹ جائے گا۔ وہ دیکھتے تھے کہ حضرت محمدؐ اپنے چھڑانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ حضرت محمدؐ کی بیتابی دیکھ کر انھیں فکر ہوئی کہ اس تھیلا کو آپؐ کے سر و چہرہ سے ہٹا دیں لیکن ابوجہل سے ڈرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر محمدؐ کو موت سے چھڑاتے ہیں تو ابوجہل کو اپنا دشمن بنائیں گے۔ لہٰذا حضرت محمدؐ کو چھڑانے کے لئے قدم نہیں بڑھاتے تھے۔

ایک قریشی عورت وہاں موجود تھی وہ حضرت محمدؐ کے ہاتھ پیر مارنے (بے تابی) کا منظر نہ دیکھ سکی۔ دوڑتی ہوئی حضرت محمدؐ کے مکان آئی اور آپ کی لڑکی رقیہ سے کہا کہ دوڑ کر خانہ کعبہ میں اپنے باپ کے پاس جاؤ اور انھیں بچاؤ۔ اگر دیر کرو گی تو انھیں زندہ نہ پاؤ گی۔ رقیہ روتی ہوئی خانہ کعبہ

پہونچیں اور ابوجہل و دوسرے لوگوں نے جیسے ہی رقیہ کو دیکھا پیچھے ہٹ گئے۔ انھوں نے اس اوجھڑی کو کھولا اور حضرت محمدؐ کے سر و چہرہ کو نکال کر اپنے دامن سے صاف کیا تاکہ آپ سانس لے سکیں۔ لیکن حضرت محمدؐ جو گلہ گھونٹے جانے میں پھنس گئے تھے تقریباً ایک گھنٹہ تک حرکت نہ کر سکے۔ اس کے بعد اپنی لڑکی رقیہ پر ٹیک لگا کر آہستہ آہستہ گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت رقیہ نے مدد کی تاکہ حضرت محمدؐ اپنے سر و چہرہ کو آلودگی سے دوبارہ صاف کریں۔ اس کے بعد انکے کپڑے بدلوائے۔ آپ کے خون آلود کپڑے دھوئے اور دھوپ میں ڈال دیا تاکہ سوکھ جائیں (یہ واقعہ آپکی بیٹی حضرت فاطمہ کا ہے۔ رقیہ کا نہیں ہے)

دوسرے دن حضرت محمدؐ گزشتہ واقعہ کے خوف کے بغیر اس طرح خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے گویا کوئی واقعہ ہی پیش نہ آیا تھا۔ اور خدا کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ کیونکہ حضرت محمدؐ ایک عربی شخص تھے آپ میں استقامت اور پختگی تھی۔ جب آپؐ کا عقیدہ ہو جاتا تھا کہ حقیقت کو پا لیا ہے تو پھر کوئی آپ کو خوف زدہ کر کے اس سے برگشتہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن آپؐ کے مخالفین بھی عربی تھے اور تعصب رکھنے والے تھے۔ جس وقت دیکھتے کہ حضرت محمدؐ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے قتل کا ارادہ کرتے۔ اس دن عقبہ نامی ایک شخص ہاتھ میں ایک چادر لئے ہوئے حسب معمول ننگے پیر خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ چونکہ وہ ننگے پیر تھا اس لئے آہستہ قدم اٹھاتا تھا تاکہ پیر کی آواز سنائی نہ دے۔ حضرت محمدؐ عبادت میں خدا کی طرف اس قدر متوجہ تھے کہ ادھر اُدھر خیال نہ کرتے تھے اور اس آنے والے مرد کی آواز نہ سنی۔ جس وقت پیغمبر اسلام سربسجود تھے عقبہ نے اپنی چادر یکبارگی آپ کے سر پر ڈال دی اور ہاتھ سے اس طرح زور زور سے مارنا شروع کیا کہ پیغمبر اسلام کی ناک اور منہ خون آلود ہو گئے۔

عقبہ کی کوشش تھی کہ ہاتھ کی ضرب سے محمدؐ کو بے حال کر دے اور بغیر اس کے کہ آپ سجدہ سے سر اٹھائیں آپ کا کام تمام کر دے۔ لیکن اس کا مقصد پورا نہ ہوا حضرت محمدؐ نے اپنے کو عقبہ کے چنگل سے چھڑا لیا اور دوبارہ خون آلود شکل میں گھر واپس چلے گئے۔ آپؐ نے خون کو دھویا مگر کوئی

شکایت نہ کی۔ کیونکہ جیسا کہ آپ فرماتے تھے انسان اس وقت تک شکوہ کرتا ہے جب تک وہ نہیں جانتا کہ کس لئے رنج اٹھا رہا ہے۔ لیکن جب معلوم ہوگیا کہ کس لئے رنج اٹھاتا ہے تو پھر شکایت نہیں کرتا ہے۔

یوروپی علم داں ممکن ہے کہ ان سطروں کو پڑھ کر سوال کریں کہ کیا یہ بات قابلِ قبول ہے کہ ابوجہل پیغمبر اسلام کا گلہ گھونٹنے کے درپے ہوجائے اور قریش کی ایک جماعت حضرت محمدؐ کو ہاتھ پیر مارتے ہوئے دیکھے اور یہ سمجھے کہ یہ شخص جلد ہی دم بخود ہونے والا ہے اور اسکی نجات کے لئے کوئی اقدام نہ کریں؟

میں اسکے جواب میں کہوں گا کہ ہاں یہ بات قابل قبول ہے کیونکہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جیسا کہ آج بھی جبکہ بیسویں صدی ہے ایسے واقعات عربستان میں پیش آتے رہتے ہیں بغیر اسکے کہ کوئی شخص رحم کرے۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے ایک مرتبہ یمن میں دیکھا کہ چور کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ دوبارہ دیکھا کہ ایک ڈاکو قتل کردیا گیا بغیر اس کے کہ معمولی درجہ کا بھی رحم تماشہ بیں مرد عورتوں کے چہرہ سے معلوم ہوتا، کیونکہ عرب خصوصاً عرب بادیہ ترحم کو اہل یورپ سے مختلف سمجھتے ہیں۔

*

عربوں کی مذہبیّت
کے بارے میں چند کلمات

زمانہ جاہلیت (یعنی اسلام سے قبل کا زمانہ کہ اس) کے کچھ آداب و رسوم اسلام کے بعد بھی باقی رہے اور آج بھی بعضے رسوم کہ جن میں مہمان نوازی بھی ہے عربستان کے دیہاتوں میں باقی ہیں۔ بادیہ نشیں عرب کے بنیادی قانون کو ایک کلمہ تشکیل کرتا ہے اور وہ مروّت ہے۔ مروّت ایک جامع مفہوم کو کہتے ہیں اور عرب اس سے تین چیزیں استنباط کرتے ہیں۔ اول مہمان نوازی دوسرے مظلوم کو پناہ دینا، تیسرے جماعت کے قوانین کا لحاظ رکھنا۔ یہ وہ ذمہ داریاں تھیں جو ایک عرب دوسرے کے اعتبار سے رکھتا تھا۔ اور اپنے اعتبار سے اس کا وظیفہ دلیری تھا۔ کہ لڑائی کے وقت گھر میں بیٹھا نہ رہے اس سے بڑھ کر یہ کہ دشمن کو پشت نہ دکھائے۔ بلکہ اس قدر استقلال دکھلائے کہ یا تو مر جائے یا فتح حاصل کرے۔

ترحم اس معنی میں جو ہمارے یورپ والوں کے یہاں سمجھا جاتا ہے عربستان میں اس کے کوئی معنی نہ تھے اور اسی وجہ سے جب ایک شخص کا ہاتھ چوری کرنے کی سزا میں کاٹا جاتا تھا تو اس شخص کی حالت پر کسی کا دل نہیں پگھلتا تھا۔ لیکن مظلوم کو پناہ دینا اساسی قانون کا رکن شمار ہوتا تھا اور دوسرے رکن کو قانون طائفہ کی شکل دیتے تھے۔

جو لوگ خانۂ کعبہ میں تھے اور حضرت محمدؐ کے دم گھٹنے کو دیکھ رہے تھے آپکو مظلوم نہیں جانتے تھے۔ بعض یہ خیال کرتے تھے کہ محمدؐ واجب القتل ہیں کیونکہ آپ ایسی باتیں کہتے تھے جو عشیرہ کے قانون کے خلاف تھیں یعنی عربوں کے بنیادی قوانین کے ایک رکن کے خلاف تھیں۔ عرب بادیہ (دیہاتی عرب۔ جنگلی عرب) مہمان نواز تھے مظلوم کو پناہ دیتے تھے لیکن

ترحم کی بنا پر نہیں بلکہ جوانمردی کی بنا پر عرب کے جلتے ہوئے ریگستان میں اصل عرب قوتِ لایموت (اتنی غذا جس سے جان باقی رہے) کی تحصیل میں اتنی تکلیف اور زحمت اٹھاتے تھے کہ ان کے دل میں رحم آنے کے لئے گنجائش نہ تھی۔ آج بھی عرب میں اور ایسے حصوں میں جہاں پٹرول کی موجودگی نے لوگوں کی وضعِ زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے لوگ اپنی پرانی وضع پر دیکھے جاتے ہیں۔ جو صفتیں کسی قوم میں پائی جاتی ہیں وہ ان کی وضعِ زندگی و جغرافیائی وضع اور آب و ہوا کی تاثیر کے ارتباط کے بغیر نہیں ہیں۔

فرانسیسی محقق اُرنست رنان، جسکی تحقیقات زمانۂ جاہلیت کے بارے میں جاذبِ توجہ ہیں، کہتا ہے کہ عربوں میں مروت جزیرۃ العرب کی جغرافیائی وضع سے آئی ہے۔

عرب کے جلتے ہوئے بیابان میں جس وقت ایک بھوکا پیاسا مسافر کسی عربی کے خیمہ میں پہونچتا تھا اگر وہ اسکی مہمان نوازی نہ کرتا تو وہ بھوک پیاس کے باعث مرجاتا۔ ایسے ہی وقت میں ایک مسافر ڈاکوؤں سے بھاگتا تھا اور کسی عربی کے خیمہ کے پاس پہونچ جاتا تھا۔ اگر خیمہ والا اسکی حمایت نہیں کرتا تھا تو اسکی ہلاکت مسلّم تھی۔ قبیلہ سے کسی شخص کو نکال دینے کا مسئلہ ہم بیان کر چکے ہیں اسے دوبارہ تحریر کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جس وقت ایک عربی اپنے قبیلہ سے نکال دیا جاتا تھا تو وہ ایسا ہوتا تھا کہ گویا اسکے لئے فنا کا حکم صادر ہو چکا ہے

رنان کے نظریہ کو تسلیم کرتے ہوئے جو اس بات پر مبنی ہے کہ عرب کی جغرافیائی وضع اور آب و ہوا عربوں کے اخلاق بنانے میں مؤثر ہوئی ہے میرے لئے ایک نکتہ بیان کرنا ازبس ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ عربوں کی جوانمردی و سخاوت کا عرب کی آب و ہوا سے کوئی تعلق نہیں۔

ایسے حصّوں میں جہاں تحصیل معاش مشکل ہے جیسے یورپ کا کوہستانی علاقہ، وہاں کے رہنے والے اس قدر صرفہ جو (خرچہ کے لئے کمانے والے) ہو جاتے ہیں کہ صرفہ جوئی کو دنائت کے درجہ تک پہونچا دیتے ہیں۔ اور اس کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ ایک ناخواندہ و ناشناس مہمان کے لئے اپنے کو نقصان پہونچائیں۔ مگر عرب کے جلتے ہوئے جنگلوں میں باوجودیکہ تحصیل معاش یورپ کے

کوہستانی علاقہ سے زیادہ مشکل ہے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک عرب اپنے اونٹ کو جو اسکے معاش کا ذریعہ ہے ذبح کرکے اس کا گوشت مہمانوں کو کھلا دیتا ہے تاکہ وہ بھوکا نہ رہے۔

فرانسیسی محقق ارنست رنان اپنی کتاب "تمدن بادیہ" میں کہتا ہے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کی تاریخ میں عرب بادیہ کی طرزِ زندگی سے زیادہ قابلِ تعریف اور زیبا کوئی چیز موجود ہے۔ لیکن اس جامعہ میں جہاں جوانمردی اور سخاوت (مہمان نوازی کی راہ سے) بہت قوی تھی نہ ترحم تھا نہ خوں ریزی سے نفرت تھی۔ عرب بادیہ کی نظر میں سر اور ہاتھ کاٹنا ایک امر عادی شمار ہوتا تھا لیکن جیسا کہ بیان کیا وہ مظلوم کی حمایت کرتے تھے۔

جس وقت ایک مظلوم جنگل میں ایک عربی کے خیمہ میں پناہ لیتا تھا تو وہ ہاتھ میں تلوار لیکر اس کی حمایت کرتا تھا۔ مخالفین جب تک خیمہ والے کو قتل نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک مظلوم کو خیمہ سے نہیں لے جا سکتے تھے۔ لیکن قریش والوں کی نظر میں حضرت محمدؐ مظلوم نہ تھے۔ یہی وجہ کہ جب خانہ کعبہ کے اندر دو مرتبہ لوگوں نے آپ کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تو کوئی بھی حضرت محمدؐ کی حمایت میں آگے نہ بڑھا۔

آپ سوال کریں گے کہ شاید ان لوگوں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا کہ حضرت محمدؐ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں جواب دوں گا کہ کیوں نہیں؟ لیکن غریب بادیہ کی نظر میں مظلوم وہ شخص ہے جو بیگانہ ہو اور اجنبی قبیلہ سے دوسرے قبیلے میں مثل طائفہ قریش میں پناہ لے۔ اگر کوئی شخص دوسرے گروہ سے مکہ آتا تھا اور قریش کے یہاں پناہ لیکر یہ عرض کرتا کہ میں مظلوم ہوں تو وہ لوگ اس کی حمایت کے لئے جانفشانی کرتے تھے لیکن حضرت محمدؐ کو ایک خارجی اور بیگانہ پناہ چاہنے والا نہیں سمجھتے تھے۔ جن لوگوں نے دو مرتبہ دیکھا کہ حضرت محمدؐ کی جان کا قصد کیا گیا ہے اور آپ کی حمایت کے لئے قدم نہیں بڑھایا وہ اس برے قصد کو قانونی اور شرعی (جائز) سمجھتے تھے۔

جنگلی عربوں کی نظر میں مظلوم وہ شخص ہوتا تھا جو دشمن کے ظلم کا محل بنا ہو۔ جو شخص اپنے

ہی قبیلے کے ظلم و ستم کا محل بنتا تھا اسے مظلوم نہیں سمجھتے تھے کیونکہ مروّت کے اصول کے مطابق ان کا عقیدہ تھا کہ کوئی گروہ اپنے کسی فرد پر ظلم نہیں کرتا اور جس وقت کسی گروہ کی طرف سے کسی فرد پر سختی کی جاتی تو وہ قانوناً ٹھیک ہوتی تھی کیونکہ ہر فرد کے لئے اس کا گروہ قاضی کی حیثیت رکھتا تھا۔

جنگلی عربوں کے اس عقیدہ پر حیرت نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ آج بھی یورپ والے فرانس جیسی حکومت میں جو آجکل کی دنیا کے تمدن کا ایک مرکز ہے ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ آجکل جب عدالت کا قاضی فرانس کی حکومت میں رائے دیتا ہے کہ فلاں محکوم کا سر کاٹ دینا چاہیئے تو کوئی شخص قاضی کو قاتل نہیں سمجھتا اور کوئی نہیں کہتا کہ اس نے تباہ کاری کا ارادہ کیا ہے۔

فرانس کے جزائی قانون کی دفعہ ۳۲، ۳۲ میں یہ کلمات دیکھے جاتے ہیں۔

"جس وقت کسی کا قتل یا زخمی کرنا یا پیٹنا قانون کے مطابق ثابت ہوجاتا ہے اور حاکم کے ہاتھ سے قانونی کارروائی مکمل ہوجاتی ہے (یعنی مجرم کو سزا دیجاتی ہے) تو اس کام کو جرم یا گناہ نہیں کہہ سکتے۔"

آج فرانس جیسی حکومت میں عدالت کا قاضی حکم دیتا ہے کہ مجرم کا سر تن سے جدا کر دیا جائے اور جلاد اوزار لیکر اس کا سر کاٹ دیتا ہے تو کوئی شخص قاضی یا جلاد کو تباہ کار نہیں سمجھتا۔ تماشہ بین میں سے جو قتل کئے جانے کو دیکھ رہے ہیں کوئی بھی جلاد کو تباہ کار نہیں کہتا۔

عرب بادیہ میں قبیلہ کے سوا اور کوئی عدالتی یا قانونی طاقت نہ تھی۔ ہر شخص کا تعلق قبیلہ سے تھا۔ اور ہر قبیلہ بغیر استحقاق کسی فرد کے مٹانے کے درپے نہیں ہوتا تھا۔ چونکہ قبیلۂ قریش نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ حضرت محمدؐ کو قتل کر ڈالیں اس لئے اس قبیلہ کے اعتقاد کے مطابق وہ قتل کے مستحق شمار ہوتے تھے۔ صرف چار آدمی آپ پر رحم کرتے تھے اور وہ مسلمان تھے یعنی خدیجہ، علی، زید اور ابوبکر۔ اگر ابوبکر کی بچی عائشہ جو ابھی کمسن تھیں انکو بھی شمار کر لیا جائے تو حضرت محمدؐ کے طرفدار پانچ ہوجاتے ہیں۔ یہ پانچ اشخاص ابھی اس قابل نہ تھے کہ حضرت محمدؐ کے ساتھ براقصد

کرنے والوں کے مقابلہ کے لئے سامنے آئیں لیکن نبوت کے چوتھے سال میں حضرت محمدؐ کے طرفدار زیادہ ہو گئے۔ کیونکہ کچھ لوگ جو خدا پر ایمان لانا چاہتے تھے مسلمان ہو گئے تھے۔

اس دور میں کچھ ایسے لوگ تھے (اور آج بھی ہیں) کہ زندگی کے لئے ہوا، پانی اور دھوپ کے بعد خدا کے ساتھ عقیدہ رکھنے کے محتاج تھے۔ یہ لوگ غلام حبشی، خارجی اور وہ لوگ تھے جنھیں قبیلے والوں نے نکال دیا تھا۔ ان سب لوگوں کو الناس (عام آدمی) ایک لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

آجکل یورپ والے لفظ الناس کا ترجمہ عوام کرتے ہیں لیکن عربی زبان میں اس لفظ کا مفہوم ایسی جماعت ہے جس کے پاس دفاع کے وسائل نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی تعداد آج تک ہر زمانہ میں دفاع کے اسباب رکھنے والوں سے زیادہ رہی ہے۔ اس سے مراد غلام حبشی، اجنبی جلاوطن، شہر بدر اور غریب لوگ ہیں۔

یہ لوگ اسلام سے پہلے یہ تصور بھی نہیں کرتے تھے کہ ایک دن دوسروں کے ساتھ برابری کا دم بھریں گے۔ لیکن حضرت محمدؐ نے پیغمبر ہونے کے بعد فرمایا کہ سارے انسان ایک ملّت ہیں ان میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا نے تمام انسانوں کو ایک ہی مادہ سے جو مٹی ہے پیدا کیا ہے۔ یہ بات پچپنویں سورہ کی چودھویں آیت میں مذکور ہے۔ اس سورہ کا نام رَحْمٰن ہے اور وہ آیت یہ ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ یعنی خدا نے انسان کو مٹی سے (یعنی ایسی مٹی جو کوزہ کی مٹی کی طرح بھاری ہوتی ہے) پیدا کیا ہے

غلاموں نے اور حبشیوں نے پہلی مرتبہ سنا کہ خدا کی طرف سے ان مصلحتوں میں جو انکی ساخت کیلئے مورد استفادہ قرار دی گئی ہیں اور ان مصلحتوں میں جو اشرف اور مالداروں کی ساخت کے لئے استعمال ہوئی ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں طبقے مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ آدمیوں کے رنگ اور چہرہ میں جو کچھ فرق نظر آتا ہے وہ اس لئے ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ زید کے بعد جنھیں خود حضرت محمدؐ نے آزاد کیا تھا سب سے پہلے غلام جو اسلام میں داخل ہوئے وہ ایک حبشی

غلام تھے جن کا نام بلالؓ تھا۔

عرب میں تین چیزیں بدبختی کی علامت شمار ہوتی تھیں۔ ایک اجنبی ہونا، دوسرے غلام ہونا تیسرے کالا ہونا۔ حضرت بلالؓ میں یہ تینوں چیزیں موجود تھیں۔ حضرت بلالؓ مکہ کے ایک مالدار گھرانہ امیہ بن خلف جمحی کے غلام شمار ہوتے تھے۔ جس وقت ان کے مالک نے جانا کہ بلال مسلمان ہوگیا ہے تو وہ ان کو مکہ سے باہر لے گئے۔ شہر سے باہر ایک جنگل میں ان کے بدن سے کپڑے اتار دے اور تپتی ہوئی دھوپ میں زمین پر لٹا دیا اور ہاتھ پیر چار میخوں سے باندھ دیا اس کے بعد ان سے کہا کہ تم اسلام چھوڑ دو ورنہ یہیں پڑے پڑے مرجاؤ گے۔ حضرت بلالؓ نے سمجھ لیا کہ ان کا مالک اپنی بات پر عمل کرے گا اور انھیں نہ کھولے گا یہاں تک کہ ہلاک ہوجائیں لہذا انھوں نے خود کو موت کے لئے آمادہ کر لیا۔ لیکن عبداللہ بن عثمان نے جو بیشتر ابو بکر (یعنی دوشیزہ اکرہ کے باپ) کے نام سے مشہور تھے (یہ ترجمہ ابو بکر کا ہے۔ حالانکہ کنیت ابو بکر ہے جس کا ترجمہ اونٹوں والا کیا جاسکتا ہے) پختہ ارادہ کر لیا کہ حضرت بلالؓ کو چھڑائیں گے۔ وہ مالک کے پاس گئے اور اس سیاہ رنگ والے غلام کی خریداری کا بھاؤ کیا۔ حضرت بلالؓ کے مالک نے جب دیکھا کہ ابو بکر اس غلام کو زیادہ قیمت دے کر لینے کے لئے تیار ہیں تو وہ فروخت کرنے پر آمادہ ہوگیا اور ابو بکر نے بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت محمدؐ نے بلالؓ کو موذن مقرر کر دیا۔ عربی میں موذن وہ شخص ہے جو دوسرے کے کان میں کوئی بات پہونچائے یعنی کچھ بولے جسے دوسرے سنیں۔ اسلام میں موذن ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جو بلند آواز سے مخصوص الفاظ کے ذریعہ نماز کی دعوت دے۔ جس وقت عوام الناس نے دیکھا کہ ایک حبشی آدمی لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتا ہے تو انکو جرأت ہوئی اور دو عورتوں نے جو حضرت عمرؓ کی لونڈیاں تھیں اسلام قبول کر لیا۔ ایک کا نام لبینہ اور دوسری کا زہرہ تھا۔

حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کے مالک کی طرح سخت دل نہ تھے کہ ان دونوں لڑکیوں کو چار میخوں سے باندھ دیں بلکہ دونوں کو سلاخ سے باندھ دیا اور کہا کہ اسلام سے باز آجاؤ ورنہ

تمہیں اتنا مارونگا کہ مرجاؤ گی۔ باوجودیکہ ان دونوں کا بدن لہولہان ہو گیا مگر حضرت محمدؐ کے دین کو نہیں چھوڑا۔ حضرت ابوبکر مزید ایک دفعہ ان دونوں لونڈیوں کی مدد کو دوڑے اور حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ان دونوں لونڈیوں کو فروخت کردیں۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کو فروخت کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں کو بھی آزاد کر دیا۔ اس طرح سے مسلمانوں کی تعداد سات ہو گئی۔ جن میں تین عورتیں تھیں۔ چوتھی عورت جو مسلمان ہوئی ایک دیہاتی عورت تھی جس کا نام غزیہ تھا۔

یہ عورت لونڈی تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کھلم کھلا لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتی تھی۔ جنگل کی عورتیں مرد ں کی طرح بدوی تھیں اور کسی چیز سے خوف زدہ نہیں ہوتی تھیں لہذا اس عورت کو قریش کے لوگوں کی دھمکی کا کوئی خوف نہ تھا۔

قریش کی جماعت نے جب دیکھا کہ وہ عورت دین اسلام کی تبلیغ سے باز نہیں آتی ہے تو اسے لے گئے اور ایک قافلہ جو مکہ سے جارہا تھا اس کے حوالے کر دیا۔ اس کو اونٹ پر بٹھا کر رسی سے باندھ دیا اور اونٹ والوں کے سپرد کر دیا کہ مکہ سے نکلنے کے بعد اس عورت کو کھانا پانی نہ دیں یہاں تک کہ وہ بھوک پیاس سے مرجائے۔ جب وہ مرجائے تو اس کی نعش کو اونٹ سے اتار کر جنگل میں پھینک دیں تاکہ جانور کھا جائیں۔

بیان کرتے ہیں کہ تین روز (رات دن) بھوک پیاس سے بیتاب ہونے کے بعد غزیہ نے چوتھے دن محسوس کیا کہ اس کا ہونٹ ٹھنڈے پانی سے تر ہو گیا اور پانی پینا شروع کیا۔ اتنا پانی پیا کہ اسکی پیاس ختم ہو گئی۔ دوسرے روز صبح کے وقت اونٹ والوں نے جو خیال کرتے تھے کہ وہ بھوک پیاس سے بے حال ہے اسے ٹھیک حالت میں پایا۔ اس نومسلم عورت نے رات کا واقعہ لوگوں سے بیان کیا۔ اونٹ والوں کو اپنے کئے ہوئے پر ندامت ہوئی اور اسے اونٹ سے کھول دیا۔ بعض روایت میں ہے کہ اونٹ والے بھی مسلمان ہو گئے۔

وہ نکتہ جسے ذکر کیا جانا چاہئے یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو جماعتِ قریش کے غزیہ کے

در پے ہونے کی اطلاع نہ تھی اور انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ اس عورت کو باہر لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں ورنہ وہ منع فرماتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے آغازِ اسلام میں اپنا تمام مال حضرت محمدؐ کے دین کی اشاعت کے لئے اس طرح خرچ کر دیا کہ خالی ہاتھ ہو گئے لیکن اپنی تہی دستی سے ناراض نہ تھے اور جس وقت کہ کوئی غلام یا لونڈی مسلمان ہو جاتی تھی اور اس کا مالک اس پر ظلم کرنے لگتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ بہت زیادہ قیمت دے کر اس لونڈی یا غلام کو خرید لیتے تھے اور آزاد کر دیتے تھے۔

پہلی عورت جو اسلام کی راہ میں شہید ہوئی

ابوجہل کی ایک لونڈی تھی جس کا نام سمیہ تھا۔ لفظ سُمَیَّہ کلمہ سُما کی تصغیر ہے جس کے معنی مشہور و معروف ہیں۔ ابوجہل کی کنیز ہونے کے علاوہ سُمَیَّہ تقریئہ میں مبادرت کرتی تھی یعنی حاملہ عورتوں کے مکان جاتی تھی اور ان کے بچّہ پیدا ہونے میں مدد کرتی تھی۔ جو عورت تقریئہ کرتی تھی وہ اس عورت کے علاوہ ہے جس کو ہم لوگ آج قابلہ کہتے ہیں۔ تقریئہ میں مبادرت کرنے کا مطلب ولادت کے وقت عورتوں کو مشورہ دینا ہے

چونکہ سُمَیَّہ تقریئہ میں مبادرت کرتی تھی اس لئے ابوجہل کے گھر میں ایک لونڈی سے زیادہ اس کا احترام ہوتا تھا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئی۔ جب ابوجہل کو معلوم ہوا کہ سُمَیَّہ مسلمان ہو گئی تو اس سے کہا تم کو نئے مذہب سے باز رہنا چاہیئے۔ سُمیہ نے کہا کہ میں حضرت محمدؐ کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتی۔ ابوجہل نے اس لونڈی کو باندھ دیا اور اتنے کوڑے مارے کہ اس کی حالت خراب ہو گئی حضرت ابوبکرؓ کو اس وقت اس واقعہ کی خبر ہو گئی۔ آپ ابوجہل کے گھر گئے اور دیکھا کہ سُمیہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی ہیں۔ ابوجہل سے کہا کہ اس کنیز کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ ابوجہل بولا

نہ فروخت کروں گا۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ اگر آپ فروخت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو میں سُمیہ کے بدلے میں ایک سو دینار دوں گا۔ ابوجہل نے کہا میں فروخت نہیں کروں گا۔ حضرت ابو بکر نے قیمت بڑھا کر کہا کہ میں سمیہ کو خریدنے کے لئے ایک سو پچاس دینار دوں گا۔ ابوجہل بولا کہ میں اسے فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ حضرت ابو بکر ہر مرتبہ قیمت بڑھاتے تھے اور ابوجہل ہر دفعہ کہتا تھا کہ میں لونڈی کو فروخت نہ کروں گا۔ حضرت ابو بکر نے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اپنی تمام دولت دین اسلام کی اشاعت میں صرف کر دی، دیکھا کہ ابوجہل سُمیہ کو فروخت کرنے پر تیار نہیں ہے تو آپ نے ظاہر کیا کہ جس وقت تم سمیہ کو میرے ہاتھ فروخت کرو گے میں تمہیں ابل قاضیہ دوں گا۔ ابل قاضیہ عربوں کی ایک مخصوص اصطلاح ہے۔ یہ ایسے اونٹوں کو کہتے ہیں جو کسی مقتول کے بدلہ میں اس کے خاندان والے قبول کر لیں۔ دوسرے لفظوں میں ابل قاضیہ ایک مقتول کے خون کی قیمت ہے جو اس کے وارثوں کو دی جائے۔ ابوجہل حضرت محمدؐ اور اسلام سے اس قدر کینہ رکھتا تھا کہ ابل قاضیہ کے بدلے بھی اپنی لونڈی کو حضرت ابو بکر کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا یہاں واضح کر دینا چاہئے کہ اُس وقت تک حضرت ابو بکر چھ غلاموں کو جو مسلمان ہو گئے تھے خرید کر آزاد کر چکے تھے لیکن سمیہ کو آزاد نہ کرا سکے۔

جب قریش کی عورتوں نے سنا کہ سمیہ روزانہ ابوجہل کے گھر میں زدوکوب کی جاتی ہے لیکن پھر بھی دین اسلام چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے تو وہ اس امر کا واسطہ بن گئیں کہ ابوجہل سمیہ کو جس نے بچوں کی پیدائش کے موقع پر قریشی عورتوں کی مدد کی تھی زدوکوب کرنے سے باز رہے۔ ابوجہل نے یہ درخواست بھی قبول نہ کی۔ ابوجہل نے سمیہ کو اتنے کوڑے لگائے کہ اس کا تمام بدن زخمی ہو گیا اور اس کو حرکت کرنے کی تاب نہ رہی مگر وہ یہی کہتی تھی کہ حضرت محمدؐ کے مذہب کو ہرگز نہ چھوڑے گی۔

جس وقت ابوجہل اپنی لونڈی کا عقیدہ تبدیل کرنے سے ناامید ہو گیا تو اس کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا۔ ایک دن وہ اسے خانۂ کعبہ کے پاس لے گیا اور ایسی حالت میں جبکہ مکہ کے باشندے وہاں جمع تھے اتمامِ حجت کے لئے سُمیہ سے کہا کہ کیا تو محمدؐ کا مذہب چھوڑنے کے

لئے تیار ہے؟ سمیہ نے جواب دیا کہ میں حضرت محمدؐ کا مذہب نہ چھوڑوں گی۔ ابوجہل نے کہا اب میں تجھے قتل کردوں گا اور اسی وقت مکہ کے باشندوں کے سامنے اپنا نیزہ زور سے اس کے سینے میں مارا۔ نیزہ اس عورت کی پیٹھ سے پار ہو کر نکل گیا۔ اور اس طرح سمیہ دین اسلام کی راہ میں شہید ہو گئی۔

روایت کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت محمدؐ، ابوبکرؓ کی کوشش سے اس عورت کو آزاد کرانے تشریف لائے تو آپؐ نے اس کے حق میں دعا کی اور فرمایا حیاالله وجهك یعنی خداوند کریم تیری صورت کی درخشندگی کی حفاظت کرے دوسرے سادہ الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا ہمیشہ تجھے سرخرو رکھے۔

جب حضرت سمیہ شہید ہو گئیں تو قریش کے چار بڑے لوگوں یعنی ابوسفیان، ابوجہل، ابولہب اور اس کی بیوی جمیلہ نے بڑی کوشش کی کہ مکہ کا کوئی شخص بھی اپنے غلام ابوبکر کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔

ان لوگوں کو محسوس ہو گیا تھا کہ غلاموں میں اسلام مقبول ہو چکا ہے۔ جو بھی غلام مسلمان ہونیکی وجہ سے ستایا جاتا تھا حضرت ابوبکرؓ اسے خرید کر آزاد کر دیتے تھے لہذا حضرت ابوبکر کے ذریعہ غلاموں کی خریداری کو روک دیا گیا تاکہ اسلام پھیل نہ سکے۔ لیکن اس کوشش کے باوجود چند آزاد آدمی (یعنی جو غلام نہ تھے) مسلمان ہو گئے جیسے عثمان بن عفان جو عبدالمطلب کے بھتیجے تھے۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص بھتیجۂ آمنہ اور آمنہ جیسا کہ معلوم ہے حضرت محمدؐ کی ماں تھیں طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید بن عمرو جو مکہ کے جوان اور بزرگ شمار ہوتے تھے اور ان کا باپ حنیف تھا (حنیف کی توضیح اوپر گذر چکی ہے)

یہ بات جانتے ہوئے کہ نئے مسلمانوں کے ساتھ لوگ برا برتاؤ کرتے ہیں مسلمانوں کی تعداد کے اضافہ نے قریش کو وحشت میں ڈال دیا تھا۔ اور انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ حضرت محمدؐ کو زیادہ ستائیں۔ چنانچہ انھوں نے یہ بھی حکم کیا کہ حضرت محمدؐ کعبہ میں قدم نہ رکھیں اور برابر کچھ لوگ آپؐ کے

راستہ میں گھات لگا کر بیٹھتے تھے اور جب آپ گھر سے نکل کر کعبہ میں یا دوسری جگہ جاتے تھے تو آپ کی طرف پتھر پھینکتے تھے اور آپ کا کپڑا آلودگیوں سے گندہ کر دیتے تھے۔ جب بھی آپ خانۂ کعبہ جانے کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو آپکی جان خطرے میں رہتی تھی لیکن آپ اس کا خیال کئے بغیر خانۂ کعبہ جاتے تھے تاکہ وہاں عبادت کریں۔ کیونکہ روایات کے لحاظ سے خانۂ کعبہ سب سے پہلی عبادت گاہ ہے جسے انسان نے تعمیر کیا ہے۔ روایات کے مطابق خانۂ کعبہ کو حضرت آدم نے بنایا۔ ان کے بعد حضرت ابراہیم نے اس کی تجدید کی۔ جب حضرت نوح نے کشتی بنائی اور طوفان آیا اور کشتی چلنے لگی تو حضرت نوح نے کشتی کے ساتھ سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔

کوئی دن ایسا نہ تھا کہ حضرت محمدؐ خانہ کعبہ سے واپسی پر خون آلود نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ قریش پوری بے رحمی کے ساتھ آپکی طرف پتھر پھینکتے تھے۔ قریش والوں کو آپؐ سے ایسی دشمنی تھی کہ خانۂ کعبہ کے احترام کی بھی رعایت نہ کرتے تھے۔

قدیم سنت کے مطابق خانۂ کعبہ کا احاطہ حرم تھا یعنی وہاں کسی کو جھگڑنا نہیں چاہئے لیکن دونوں مرتبہ جب حضرت محمدؐ کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تو خانہ کعبہ ہی میں کیا اور سب سے پہلا مسلمان بھی جو اسلام کی راہ میں شہید ہوا وہ خانہ کعبہ ہی میں قتل کیا گیا۔

ایک دن حضرت محمدؐ قریش کے لوگوں کے پتھروں سے اس قدر زخمی ہوئے کہ جب گھر پہنچے تو بے حال تھے۔ حتیٰ کہ دوسرے روز بھی درد اور تکلیف کی زیادتی کے باعث اس قابل نہ ہوئے کہ اٹھ کر خانہ کعبہ جا سکیں۔ اس روز جو مسلمان عبادت کے لئے خانہ کعبہ میں حاضر ہوئے تھے انھیں اطلاع ملی کہ حضرت محمدؐ کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ انھوں نے خود اپنی عبادت شروع کر دی۔ جب وہ لوگ سجدے میں گئے تو قریش والوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ چند مسلمان اس دن زخمی ہو گئے ان میں حارث نامی ایک شخص جو پیغمبر اسلام کی زوجہ حضرت خدیجہؓ کا لڑکا تھا (یعنی حضرت محمدؐ سے قبل والے شوہر کا لڑکا) قتل ہو گیا۔ حارث پہلا مرد تھا جو اسلام کی راہ میں شہید ہوا اور اسے سجدہ کی حالت میں خانۂ کعبہ میں قتل کیا گیا۔

اس دن کے بعد قریش کی ایک جماعت ہمیشہ خانۂ کعبہ کے پاس بطور نگہبانی بیٹھتی تھی تاکہ حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو خانہ کعبہ میں نہ گھسنے دیں۔ جب حضرت محمدؐ نے دیکھا کہ اپنے لوگوں کے ساتھ عبادت کے لئے خانہ کعبہ نہیں جا سکتے تو ایک چھوٹا سا میدان جو اطراف میں پڑا ہوا تھا اسے عبادت کے لئے منتخب فرمایا جہاں آپؐ اور آپؐ کے ساتھی روزانہ دو مرتبہ جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔ اس جگہ جو بیابان خیال کی جاتی تھی نماز پڑھنے کا یہ طریقہ تھا کہ حضرت بلال حبشی موذن اذان دیکر مسلمانوں کو نماز کے لئے بلاتے تھے۔ نماز ختم ہونے کے بعد حضرت محمدؐ قرآن شریف کی آیتیں مسلمانوں کو سُناتے تھے۔

اس وقت جو مسلمان کہ اپنے شہر میں عبادت کی آزادی نہ رکھتے تھے اور نماز جماعت سے پڑھنا چاہتے تھے وہ جنگل میں جاتے تھے۔ حضرت محمدؐ سے بڑی دشمنی رکھنے والوں میں اس وقت ایک شخص ابوسفیان تھا جو پیغمبر کا رضاعی بھائی شمار ہوتا تھا یعنی وہ اور حضرت محمدؐ نے ایک دایہ کا دودھ پیا تھا۔ وہ قریشیوں سے کہتا تھا کہ حضرت محمدؐ کو ختم کر دینا چاہئے تاکہ ہم لوگ ہمیشہ کے لئے ان کے خطرہ سے محفوظ ہو جائیں۔

جن لوگوں نے ہماری بحث کو یہاں تک سنا ہے ممکن ہے کہ یہ سوال کریں کہ قبیلہ قریش والے حضرت محمدؐ سے اس قدر دشمنی کیوں رکھتے تھے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مذہب کے اعتبار سے مکہ تمام مذاہب کے لوگوں کا شہر شمار ہوتا تھا۔ مکہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں عرب کے ہر مذہب کے ماننے والے جاتے تھے۔ خانہ کعبہ میں حجرے بنے ہوئے تھے اور ہر حجرہ میں ایک یا زیادہ بت موجود تھے۔ ہر مذہب والا خانہ کعبہ جا سکتا تھا تاکہ اپنے دین کے مطابق عبادت کرے اور اپنے بت کے سامنے جس کو وہ پوجتا ہے رکوع یا سجدہ کرے۔ ایسی صورت میں مکہ کے لوگوں کو یہ نہیں چاہئے تھا کہ حضرت محمدؐ کے ساتھ جو ایک نیا مذہب لائے تھے اس قدر دشمنی کریں کیونکہ ان تمام مذاہب کے باوجود ایک جدید مذہب کا ہونا مکہ والوں کے لئے مزاحمت کی بنیاد نہیں بن سکتا تھا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دوسرے مذاہب جن کے ماننے والے مکہ میں تھے یا وہاں جاتے

تھے۔ وہ خانہ کعبہ کے بتوں سے کوئی مزاحمت نہیں کرتے تھے۔ یعنی طرح طرح کے مذاہب کے بت جو خانۂ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے ان کی وہ طرفداری کرتے تھے لیکن حضرت محمدؐ نے اپنی رسالت کے اعلان اور دینی تبلیغ کے بعد بتوں کی مخالفت پر کمر باندھی تھی اور فرمایا تھا کہ تمام بتوں کو مٹا دینا چاہیئے اور لوگوں کو چاہیئے کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ مکہ والوں نے دیکھا کہ اگر حضرت محمدؐ کے دین پر عمل ہوا اور تمام بُت کعبہ سے دور کر دیئے گئے اور بت پرستی کی رسم چھوڑ دی گئی تو ان کو بڑا بھاری زک اٹھانا پڑے گا اور مکہ کا بین الاقوامی بازار جو سال میں چار مہینے جاری رہتا ہے بند ہو جائے گا۔ ہم نے بیان کیا کہ مکہ میں کھیتی نہیں تھی۔ وہاں کے رہنے والے دو طرح سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ ایک تجارت۔ دوسرے اونٹوں کی پرورش سے۔

زمانۂ جاہلیت میں یعنی زمانہ قبلِ اسلام خانۂ کعبہ عرب کا بہت بڑا بُت خانہ تھا جس طرح سے آج خانہ کعبہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان مرکزیت رکھتا ہے اسی طرح اُس وقت بھی خانۂ کعبہ عرب کے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ یہی مرکزیت سبب تھی کہ لوگ حرام مہینوں کے علاوہ تمام سال مکہ جاتے تھے تاکہ بتوں کی زیارت کریں۔ اگر بتوں کو خانہ کعبہ سے ہٹا دیا جاتا تو کوئی شخص کعبہ کی زیارت کے لئے نہیں آتا اور مکہ کا بازار جو چار مہینوں تک لگا رہتا تھا بند ہو جاتا۔ لہذا مکہ کے باشندے حضرت محمدؐ کے دین سے اپنی اقتصادی حالت کے لئے خطرہ محسوس کرتے تھے۔ انھیں فکر تھی کہ اگر حضرت محمدؐ کا دین فروغ پا گیا تو وہ اقتصادی اعتبار سے فنا ہو جائیں گے۔

حضرت محمدؐ سے مکہ والوں کی مخالفت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ جس وقت پیغمبر اسلام نے بتوں پر حملہ کیا تو بلا روک عرب بادیہ کے آبا و اجداد پر بھی حملہ کیا اور ان کے عقیدہ کو مغلوب کر دیا (یعنی یہ کہ زندگی میں ان کا عقیدہ غلط تھا) کیونکہ قریش کے آبا و اجداد سب بت پرست تھے اور جس وقت حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ بت پرستی چھوڑ دینا چاہیئے تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ انکا عقیدہ باطل تھا۔

عرب والے اپنے آبا و اجداد کا بہت احترام کرتے تھے اور اس قدر قائل تھے کہ بتوں کے

مانند ان کی بھی پرستش کرتے تھے۔ خصوصاً مذہبی عقیدہ جزیرہ عرب میں بہت قابلِ احترام سمجھا جاتا تھا۔ ایک مشترک بات جو تمام ملکوں اور تمام زمانوں میں دیکھی جاتی ہے اور آج کل بھی ہے وہ یہ کہ عوام باطنی عقیدہ سے زیادہ مذہب کی ظاہری رسومات کے نقل کرنیوالے ہوتے ہیں۔ جو شخص جستجو نہیں کرتا وہ نہیں سمجھتا ہے کہ ایک مومن کا باطنی عقیدہ کیا ہے۔ وہ آیا اپنے دل میں جس مذہب کی پیروی کا دعوٰی کرتا ہے اس پر عقیدہ رکھتا ہے یا نہیں۔ وہ صرف اتنا تعلق رکھتا ہے کہ ظاہری وظیفوں پر عمل کرتا ہے اور مذہب کی ظاہری رسوم کا احترام کرتا ہے۔

مذہب کی ظاہری رسومات اولاد میں بطور میراث باقی رہتی ہیں اور ہر نسل کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے کہ رسومات مذکور بغیر تبدیلی کے دوسری نسل کو منتقل کر دے۔

عرب میں ان مذہبی رسومات کا احترام جو کہ اجداد سے اولاد کو ملتی تھیں بہت زیادہ تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ آباو اجداد کے مذہبی عقیدے کو غلط بتائے اور یہ کہے کہ انھوں (آباو اجداد) نے نہیں سمجھا اور غلط راستہ اختیار کیا۔ لیکن حضرت محمدؐ ایسا فرماتے تھے یعنی بُت پرستی کو جو ان کے آباو اجداد کا عقیدہ تھا باطل قرار دیتے تھے اسی لئے مکہ والے آپؐ کے دشمن ہو گئے۔

قریش کے لوگوں کو معلوم تھا کہ حضرت محمدؐ اور آپکے ساتھی کہاں عبادت کرتے ہیں لہذا بیابان میں کسی مقام پر اجتماع اور عبادت سے بھی روکنے لگے۔ سعد بن ابی وقاص جن کے بارے میں بیان کیا گیا کہ اسلام قبول کر لیا تھا اس طرح حکایت بیان کرتے ہیں۔

ہم لوگ (مسلمان) کعبہ میں اجتماع نہیں کر سکتے تھے۔ کسی مسلمان کے یہاں جمع ہوتے تھے اور عبادت کرتے تھے لیکن وہ بھی قریش کی سخت اور مسلسل نگرانی کے باعث ممکن نہ ہوئی۔ کیونکہ کسی مسلمان کے گھر میں جمع ہونے کے لئے اس گھر میں قدم رکھنا ضروری تھا۔ محلہ والے ہمیں دیکھتے اور حملہ کر دیتے تھے تاکہ ہم لوگوں کو اسی جگہ قتل کر دیں۔ یہ واقعہ تھا کہ یکایک ہم لوگ مکہ سے نکل جاتے تھے اور کسی کو ہمارے نکلنے کی خبر نہ ہوتی، ایک دو روز راز مقام پر جمع ہوتے تھے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ عبادت ختم ہونے کے بعد دوسری جگہ منتخب ہوتی تھی تاکہ دوسرے روز مسلمان وہاں جمع

ہوں کیونکہ قریشی اس طرح ہمارے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ اگر لگاتار دو روز کسی ایک جگہ جمع ہوتے تھے تو وہ لوگ اسے جان لیتے تھے۔

ایک روز ابو دؤب نامی درّہ (پہاڑی راستہ) میں جمع ہوئے۔ بدن پاک کرنے کے بعد عبادت شروع کی۔ ہماری عبادت کے درمیان قریش کے کچھ لوگ کہ جنکے ممتاز افراد ابو سفیان، اخنس بن شریف تھے وہاں پہونچ گئے اور ہم لوگوں سے تعرض کیا۔ ہم لوگ بھی اپنی مدافعت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ میں نے اپنی مدافعت کے لئے اونٹ کی ایک بڑی ہڈی جو اس درہ میں پڑی ہوئی تھی اٹھائی اور خوب زور سے ایک قریشی کے سر پر مارا کہ اسکے سر سے خون نکل پڑا۔ وہ مردود اسی حال میں کہ خون اس کے سر و چہرہ سے بہہ رہا تھا بھاگا۔ میں پہلا شخص ہوں جس نے اسلام کی راہ میں ایک کافر کا خون سب سے پہلے زمین پر گرایا ہے۔

اس وقت مسلمانوں میں صرف ایک شخص بلا خوفِ جان گھر سے نکلتا تھا اور وہ خود پیغمبر تھے۔ دوسرے لوگ صبح یا رات کے وقت کے سوا جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے تھے اور کسی وقت گھر سے نہیں نکلتے تھے۔ بہرصورت وہ اس طرح گھر سے نکلتے تھے کہ لوگ ان کو نہ دیکھیں یا کم از کم جو لوگ جانتے تھے کہ یہ مسلمان ہیں ان کی نظر ان لوگوں پر نہ پڑے۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی مگر رفتار بہت سست تھی۔ اکثر لوگ جو اسلام میں داخل ہوتے تھے وہ یا تو غلام ہوتے یا غریب کاریگر یا ایسے لوگ ہوتے تھے کہ آجکل کی اصطلاح میں انکے سابقہ کارنامے خواص و اشراف کے نہ تھے۔ لیکن حضرت محمدؐ ان کی سابقہ زندگی کو اس حیثیت سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ کسی شخص کی سابقہ زندگی کے بارے میں اگر تحقیق کرتے تھے تو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے کہ واقعی یہ شخص ایسا ہی ہے یا مکہ کے اشراف و خواص جو حاکمانہ حیثیت رکھتے ہیں اس کے بارے میں محض ایسا خیال رکھتے ہیں۔

عیسائی مذہب میں بھی دین دار لوگوں کی ایک ایسی جماعت تھی جن کو وقت کے حاکمانہ مرتبہ والے بدکردار خیال کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا خون مباح تھا لیکن اس شخص میں جسے لوگ

تباہ کار سمجھتے ہوں اور اس شخص میں جس کا سابقہ کردار واقعی بُرا رہا ہو بہت فرق ہے جس وقت حضرت محمدؐ کسی سابقہ بدکردار کو پاتے تھے کہ وہ اسلام میں داخل ہونے کی خواہش رکھتا ہے تو یہ دو حال سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اوّل یہ کہ یا تو خواص و اشرافِ مکہ اسکو بدکردار سمجھتے تھے اور اس صورت میں تردد پیدا ہوتا تھا کہ آیا واقعی وہ شخص ایسا ہی ہے؟ اگر اس کا سابقہ کردار بُرا نہ ہوتا تھا تو حضرت محمدؐ اس کو دین اسلام میں داخل کر لیتے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ شخص سب لوگوں کی نظر میں واقعی بدکردار ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں حضرت محمدؐ اگر دیکھتے کہ وہ اپنے گزشتہ اعمال پر شرمندہ ہے اور توبہ کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے دین اسلام میں داخل کر لیتے تھے حضرت ابوذر غفاریؓ کی مثال اس کے ثبوت میں ایک روشن اور مناسب مثال ہے۔

مکہ کے شمال میں ایک زمین ہے جسے میں دنیا کی سب سے زیادہ وحشت انگیز زمین سمجھتا ہوں اس حصہ میں ایک گروہ رہتا تھا جو غفار کے نام سے موسوم تھا۔ ان لوگوں کا پیشہ رہزنی تھا جس حصہ میں قوم غفار والے رہتے تھے وہ چودہ سو برس پہلے سے ایسا ہی ہے۔ یہ بہت سخت گرم اور خشک زمین ہے۔ اس میں کوئی چیز حتیٰ کہ ببول بھی نہیں اُگتا ہے اور کوئی جانور یہاں تک کہ سوسمار بھی یہاں نہیں پایا جاتا۔

جو شخص اس سرزمین سے گذرتا ہے وہ کم اونچے پہاڑوں سے مقابل ہوتا ہے جنھیں قدرت نے عمودی شکل میں کاٹ دیا ہے اور نتیجہ کے طور پر اس کے دامن میں گہرے، خشک و خوفناک درّے پیدا ہو گئے ہیں۔ جس وقت مسافر اوپر سے نیچے کی طرف نظر کرتا ہے تو کالے پیلے ہرے پہاڑوں کی ناہمواری سے کانپ اٹھتا ہے۔ میں جب اس حصہ سے گذر رہا تھا تو میرا یہ حال تھا کہ اپنے کو میں آغاز خلقت یا کرۂ ماہ میں دیکھتا تھا کیونکہ زمین کرۂ ماہ کی طرح آشفتہ تھی بعض حصہ تارکول کی طرح کالا اور بعض پیلا تھا۔

گرمی کے موسم میں جس وقت آفتاب کی گرمی اس جنگل کے بڑے بڑے پہاڑوں کے تختے پر پڑتی اور منعکس ہوتی ہے تو زمین اور ہوا کی حرارت ناقابلِ برداشت ہوتی ہے اور تھوڑی دیر اس

جنگل میں ننگے سر گذارنا انسان کے ہلاک ہونے کے لئے کافی ہے۔

قبیلہ غفار والے جن کے ایک فرد ابوذر تھے اسی سرزمین میں رہتے تھے۔ اور لوٹ مار کر کے اپنی روزی کماتے تھے۔ عربی میں لوٹ مار اور بقول عرب غزوہ کوئی شرم کی چیز نہ تھی بلکہ اگر حسبِ منشا انجام پاتا تھا تو سبقت کرنے والے گروہ کے لئے فخر شمار کیا جاتا تھا۔

عرب بادیہ کی رسم کے مطابق غزوہ کا ساز و سامان پوشیدہ طریقہ پر کیا جاتا تھا تاکہ جس قبیلہ پر حملہ کیا جائے وہ غافل رہے

غزوہ کے موقع پر خون بہانا نہیں چاہیے اور مال حاصل کرنے کے لئے حملہ کئے گئے قبیلے کے لوگوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی مال لوٹنے کے لئے عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنا بھی جائز نہیں ہوتا ہے۔

اگر قبیلہ کی عورتیں قیمتی لباس اور زیورات رکھتی ہوتیں تو لوٹ مار کرنے والوں کو یہ حق نہ تھا کہ انکو ننگا کریں اور ان سے تمتع بطریق اولیٰ جائز نہ تھا بلکہ ان پر لازم تھا کہ وہ عورتوں سے کہیں کہ اپنے زیورات اور لباس اتار دیں۔ جس وقت عورتیں لباس اتارتی تھیں تو حملہ کرنے والے اپنا منہ پھیر لیتے تھے تاکہ انکی نگاہ عورتوں کی برہنگی پر نہ پڑے۔

عربوں کی رسم کے مطابق سال میں چار مہینہ غزوہ حرام تھا۔ اس مدت کو وہ لوگ ماہِ حرام کہتے تھے اور خاص کر ایسے لوگوں پر جو مکہ جانے کے لئے احرام باندھتے تھے حملہ کرنا درست نہ تھا۔ غزوہ میں کسی کو قتل کرنا جائز نہ تھا مگر ایسی صورت میں جبکہ قبیلہ والے اپنے مال سے مدافعت کے لئے تلوار اٹھائیں تو ان کا قتل جائز شمار ہوتا تھا۔ لیکن قبیلہ غفار والے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے مکہ کے شمال میں رہتے تھے جو نمردی کی ان رسموں کی رعایت نہیں کرتے تھے وہ حرام مہینہ میں بھی مسافروں پر حملہ کرتے تھے یہاں تک کہ احرام باندھے ہوئے لوگوں پر بھی حملہ کرتے تھے۔

ایک روز ذیقعدہ کے مہینے میں جو حرام مہینوں میں سے ہے قبیلہ غفار والوں نے ایک قافلے پر جو اس سرزمین سے گذر رہا تھا حملہ کر دیا۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ مردوں کا خون بہایا،

اور عورتوں پر بھی حملہ کر دیا۔ ابوذر نے جو اس قبیلہ کے ایک فرد تھے، عورتوں کا شور و غل اور ماں کے جنازے کے سامنے بچوں کی بیتابی اور رونا سنا تو اس منظر کے مشاہدے سے ایسا شرمندہ ہوئے کہ انھوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اپنے قبیلے کو چھوڑ دیں گے اور غفاریوں کے درمیان زندگی نہ گذاریں گے۔

ابوذر نے اپنی ماں اور چھوٹے بھائی کو لیا اور قبیلے سے نکل کر تپتے ہوئے بیابان کی راہ لی۔ عرب میں جو شخص اپنا قبیلہ چھوڑ دیتا تھا یا نکال دیا جاتا تھا اس پر فنا کا حکم لگا دیا جاتا تھا کہ اس شخص کو کیا کیا مصیبتیں پہونچیں گی جو قبیلہ غفار کا ہو۔ کیونکہ عرب بادیہ قبیلہ غفار کا خون یعنی قتل جائز سمجھتے تھے۔ جب وہ کسی کو جان لیتے کہ یہ قبیلہ غفار کا ہے تو اسے قتل کر دیتے تھے کیونکہ قبیلہ غفار والے رسوم و قوانین کی رعایت نہیں کرتے تھے بلکہ اصولِ حرب کو پامال کرتے تھے۔

ابوذر بیابان میں ایک مدت تک سفر کرنے کے بعد ایسی جگہ پہونچے جہاں انکی ماں رہتی تھیں۔ ماں اور چھوٹے بھائی کو وہاں چھوڑا اور تنہا بیابان کا راستہ اختیار کیا۔ اس بدوی شخص نے چند مہینے عرب کے بیابان میں اکیلے گذارے لیکن ایسی جگہ پہونچے تھے جہاں سوسمار اور جنگلی گھاس کھا کر پیٹ بھر سکتے تھے۔ جو شخص عربی نہیں ہے وہ سوسمار اور جنگلی گھاس کھا کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن عرب والے جیسا کہ بیان کیا گیا بچپن ہی سے بھوک پیاس کی عادت ڈالتے تھے حتیٰ کہ آہستہ آہستہ بھوکا پیاسا رہنا انکی فطرت کا جزو بن جاتا تھا۔

ایک انگریز سر ریچارد بازٹون نے ۱۸۵۳ء میں یعنی اب سے ایک سو دس برس پہلے عرب کا سفر کیا تھا۔ اس وقت آجکل کی طرح عرب میں موٹر نہ چلتے تھے۔ وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ عربوں کا عقیدہ ہے کہ جو چیز موت کا سبب بنتی ہے وہ غذا (کھانا) ہے نہ کہ بھوک۔ عرب بادیہ جب تک جنگل میں ہے بھوکا رہتا ہے صحیح و سالم رہتا ہے۔ جب شہر میں پہونچتا ہے اور آسودہ ہو کر کھانا کھاتا ہے تو اس کی تندرستی میں خلل پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ دو تین سال لعدم ہو جاتا ہے۔

ابوذر نے بیابان میں چند مہینے بھوک پیاس برداشت کرنے، دن رات تنہا گذارنے اور راتوں کو چاند ستاروں کی روشنی دیکھنے کے بعد ایک دفعہ غور وفکر کے بعد مکہ کا راستہ اختیار کیا مکہ میں اپنا تعارف کرائے بغیر ایک مہینہ بسر کیا۔ اس مدت میں آپ نے حضرت محمدؐ کا نام سنا، معلوم ہوا کہ وہ لوگوں کی خدائے واحد کی طرف رہبری کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بدی سے پرہیز کرو، شرک سے بچو۔ ایک ماہ کے بعد حضرت ابوذر نے پکا ارادہ کیا کہ حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ چنانچہ آپ نے ایک آدمی سے پوچھا کہ حضرت محمدؐ کا مکان کہاں ہے؟ اس شخص نے حیرت سے ابوذر کو دیکھا اور چلایا اے قریش والو جلدی آؤ اور اس کو قتل کرو کیونکہ یہ ایک مسلمان ہے۔

لوگوں نے ابوذر پر حملہ کر دیا۔ وہ جان کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور پتھر پھینکنے لگے۔ خود ابوذر فرماتے ہیں کہ اس قدر پتھر مارے کہ میں بیہوش ہوگیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ مردہ ہوگیا ہے۔ لہذا مجھے چھوڑ کر وہ چلے گئے۔ جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ تمام بدن خون آلود ہے۔ رات ہوگئی تو دو آدمی آئے اور مجھے اٹھا کر لے گئے بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں سے ایک شخص حضرت ابوبکرؓ تھے۔ پتھروں سے مارنے کی خبر ان کے کان میں پہونچی تھی۔ اندھیرا ہونے کے بعد ایک مسلمان کو ساتھ لے کر آئے اور مجھے اٹھا کر لے گئے۔

ابوذرؓ کو دوسرے روز حضرت محمدؐ کی ملاقات نصیب ہوئی۔ حضرت محمدؐ نے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے اور کس قبیلے کے ہو؟ ابوذرؓ نے عرض کیا کہ میں قبیلہ غفار کا ہوں۔ قبیلہ والوں کی حرکات سے پشیمان ہوں۔ لہذا میں نے قبیلہ چھوڑ دیا اور جنگل کا راستہ اختیار کیا۔ ایک مدت تک جنگل میں رہا اور اب مکہ پہونچا ہوں۔ یہاں سنا کہ آپؐ لوگوں کی خدائے واحد کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ لہذا میں نے ارادہ کیا کہ آپ سے ملوں اور آپؐ کے ذریعہ خدائے واحد کو پہچانوں۔

حضرت محمدؐ نے سوال کیا کہ مکہ میں کتنے دن سے ہو؟ ابوذرؓ نے عرض کیا کل ایک مہینہ ہو گیا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اس مدت میں تمہارے پاس کھانے پینے کا سامان تھا؟ ابوذرؓ نے عرض کیا "نہیں"۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ پھر کس طرح زندگی گذارتے تھے؟ ابوذرؓ نے عرض کیا کہ اس مدت میں چشمۂ زمزم کا پانی پیتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے پوچھا کہ اس مدت میں تم نے کھانا نہیں کھایا؟ ابوذرؓ نے جواب دیا نہیں"۔

ہم اس گفتگو سے حیرت نہیں کرتے کیونکہ جانتے ہیں کہ انسان اگر ایک مہینہ غذا نہ کھائے بشرطیکہ پانی پیتا رہے تو زندہ رہے گا لیکن اس کے بدن کا وزن کم ہو جائے گا۔ اور بدن جو غذائی مادہ ذخیرہ کئے رہتا ہے صرف کرتا رہے گا۔ جو لوگ بھوکے رہنے کی عادت ڈالتے ہیں وہ بغیر غذا ایک ماہ تک زندہ رہ سکتے ہیں بشرطیکہ پانی پیتے رہیں۔

حضرت محمدؐ یہ جانتے ہوئے کہ یہ ایک غفاری ہے یعنی ایک ڈاکو ہے اس کو دین اسلام میں داخل کر لیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ ابوذرؓ اپنے قبیلہ والوں کے اعمال سے پشیمان ہیں اور توبہ کر لیا ہے اور اب پختہ ارادہ رکھتے ہیں کہ حق کا راستہ اختیار کریں گے

میں نے ابوذرؓ کی مثال اس لئے پیش کی ہے تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ حضرت محمدؐ ایسے لوگوں کو جو عوام کی نظر میں بداعمال ہوتے تھے لیکن توبہ کر لیتے تھے تو دین اسلام میں داخل کر لیتے تھے۔ دوسری بات یہ بھی واضح ہے کہ مکہ والے حضرت محمدؐ کے اس قدر دشمن تھے کہ اگر کوئی شخص حضرت محمدؐ کے گھر کا پتہ پوچھتا تھا تو اس کو قتل کرنے کے درپے ہو جاتے تھے کیونکہ گمان کرتے تھے کہ وہ مسلمان ہے یا مسلمان ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسی لئے پیغمبر محمدؐ کا پتہ پوچھتا ہے۔

عمر بن الخطاب ۔ سب سے زیادہ طاقتور اولوالعزم عربی آدمی کس طرح مسلمان ہوا؟

تعجب خیز چیزوں میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ اس وقت مکہ میں حضرت محمدؐ کو قتل کیوں نہیں کیا گیا جبکہ سب لوگ آپ کے دشمن تھے۔ اس وقت حضرت محمدؐ کے قتل نہ ہونے کی علت یہ ہے:۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا قریش والے دس قبیلوں میں تقسیم تھے۔ جن میں ایک قبیلہ

ہاشم تھا کہ حضرت محمدؐ اس کے ایک فرد شمار ہوتے تھے۔ اگر دوسرے قبیلے والے حضرت محمدؐ کے قتل کے لئے ہاتھ بڑھاتے تو رسم و رواج کے مطابق یا تو آپ کے خون کی قیمت قبیلہ ہاشم کو ادا کرتے یا اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار رہتے۔ اسی لئے ان لوگوں کو حضرت محمدؐ کے قتل کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے قریش والوں نے حضرت محمدؐ سے کہا کہ آپ ضعیف آدمی ہیں اگر آپ کا قبیلہ آپ کی مدد نہ کرتا تو ہم آپ پر پتھر برساتے اور دنیا سے معدوم کر دیتے لیکن قبیلہ ہاشم والے بھی دو مرتبہ آپ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرنے اور قتل نہ کر سکنے کے بعد آپکے قتل سے پھر گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت محمدؐ نے ایک طاقتور شخص کو اپنا مددگار بنا لیا تھا۔ جس وقت حضرت محمدؐ گھر سے نکلتے تھے لوگ آپکی طرف پتھر پھینکتے تھے۔ آپکو زمین پر گرا دیتے تھے اور پیروں سے روندتے تھے ایک روز ابوجہل کی تحریک سے ایک جماعت آپکی طرف پتھر پھینکنے لگی۔ یہاں تک کہ آپکو زخمی کر دیا۔ تماشائیوں میں سے ایک شخص آپکے چچا حمزہؓ کے پاس گیا۔ حمزہ ایک پہلوان آدمی تھے اور اُس وقت فوراً شکار سے واپس ہوئے تھے۔ اس نے حمزہؓ سے کہا کہ اے حمزہؓ آپکی غیرت کیا ہوئی۔ آپ ایک پہلوان آدمی ہیں۔ آپکی غیرت کس طرح قبول کرتی ہے کہ لوگ آپکے بھتیجے محمدؐ کو پتھروں سے مارتے، پیروں سے روندتے اور بُری بُری گالیاں دیتے ہیں۔ آپ انکی مدد نہیں کرتے۔

حمزہؓ نے اس وقت تک حضرت محمدؐ کے مذہب کی طرف توجہ نہیں کی تھی کیونکہ اُنھوں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ محمدؐ کا دین آبا و اجداد کے عقیدے کے خلاف ہے اور وہ جانتے تھے کہ اجداد کا عقیدہ قابلِ احترام ہے لیکن جس وقت سنا کہ لوگ حضرت محمدؐ کو پتھر مارتے ہیں، انھیں روندتے ہیں خاص کر جب یہ معلوم ہوا کہ لوگ گالیاں دیتے ہیں تو متوجہ ہوئے اور بیان کرنے والے سے پوچھا کہ میرے بھتیجے کو وہ کیا گالیاں دیتے ہیں؟ اس شخص نے چند گالیاں جو کہ لوگ حضرت محمدؐ کو دے رہے تھے سنائیں۔ حمزہؓ نے جس وقت سُنا کہ ان کا بھتیجا اس طرح ملامت کا شکار بنا ہوا ہے تو اس قدر برافروختہ ہوئے کہ غصہ سے ان کا چہرہ

سُرخ ہوگیا کیونکہ عرب بادیہ بات کو اہمیت دیتے تھے چاہے وہ بات مناسب ہو یا نامناسب عربوں میں گالی گلوچ کے وقت قریبی رشتہ داروں کا نام لینا ایک ناقابلِ معافی جرم تھا۔ چونکہ یہ بات کو بہت اہمیت دیتے تھے اس لئے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہتا تھا کہ تیری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو وہ عورت اس پر حرام ہوجاتی تھی۔

دوسری بات یہ کہ ایک شخص کا گالیاں سننا ایسا تھا کہ گویا قبیلہ کے تمام لوگوں نے گالیاں سنیں (سب کو گالی دی گئی ہو) کیونکہ قبیلے کے تمام لوگ ایک خاندان کے تھے یعنی خون میں مشترک تھے۔ حمزہ نے اپنی تلوار اٹھائی اور چونکہ جانتے تھے کہ جو لوگ پتھر پھینکتے اور گالی دیتے ہیں ان کے سرغنہ ابوجہل ہیں اس لئے اس کے (ابوجہل کے) گھر گئے اور خوب زور سے اسے ڈانٹا۔ اس سے کہا کہ "اے ابوجہل تو خیال کرتا ہے کہ محمدؐ بے پناہ ہیں۔ اسی وجہ سے انھیں پتھر مارتا اور گالی دیتا ہے۔ میں آج سے دینِ اسلام قبول کرتا ہوں۔ جو شخص انھیں برا بھلا کہے گا میں اس سے سمجھوں گا۔"

حضرت حمزہ کا مسلمان ہوجانا حضرت محمدؐ کے لئے بہت مُفید ثابت ہوا کیونکہ حضرت حمزہ ایک پہلوان تھے اور بقول اہلِ عرب بڑی ہمت والے تھے لیکن اس کے باوجود قریش والوں نے حضرت محمدؐ کو ستانے میں کمی نہ کی۔ یہ جانتے ہوئے کہ پیغمبر اسلام کے چچا حضرت حمزہ مسلمان ہوگئے ہیں آپؐ پر برابر حملے کرتے تھے۔

اُس وقت تک حضرت محمدؐ اور مسلمان عبادت کیلئے اس مکان میں جمع ہوتے تھے جو صفا نامی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ مکان خانہ کعبہ کے روبرو ہے۔ میں نے وہ مکان دیکھا ہے۔ آج وہ ایک مدرسہ ہے۔ جب مسلمان عبادت کے لئے اس مکان میں جمع ہوتے تھے تو ان میں سے کچھ لوگ ہاتھ میں تلوار لے کر نگہبانی کرتے تھے۔ کیونکہ ہر وقت یہ خطرہ تھا کہ قریش حملہ کردیں گے اور ان لوگوں کو قتل کردینے کی کوشش کریں گے۔

حضرت محمدؐ مسلمانوں سے انتہائی انضباط (پوری پابندی) چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ

عبادت کے وقت سب لوگ حاضر ہو کر نماز میں شریک ہوں۔ غیر حاضری کے لئے آپ کوئی عذر قبول نہ فرماتے تھے۔ سوائے اِس کے کہ آدمی ایسا بیمار ہو کہ بستر سے نہ اُٹھ سکتا ہو۔

عرب بادیہ (جنگلی عرب) اس وقت تک موت سے ڈرتے ہیں جب تک تلوار ہاتھ میں نہیں لیتے اور جس وقت ہاتھ میں تلوار لے لیتے ہیں موت کا خوف ان کے دل سے جاتا رہتا ہے ایک عربی شخص جب ہاتھ میں تلوار لے لیتا ہے تو اپنے کو دس آدمیوں کے برابر سمجھتا ہے جو لوگ اس وقت مسلمان ہو چکے تھے وہ سب عرب بادیہ ہی تھے۔ دوسرے یہ کہ عرب موت پر عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ موت انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص تلوار لے کر میدانِ جنگ میں چلا جائے تو اس وقت تک قتل نہ ہوگا جب تک اس کی موت نہ آئی ہو۔

عرب موت پر عقیدہ رکھتے ہیں لیکن اپنے کو موت کے منہ میں نہیں ڈالتے اور رقوت برداشت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ خود اپنے قول کے مطابق حلم والے ہیں۔ خاص کر مکہ والے حلم میں مشہور ہیں۔ اور جانتے تھے کہ تحمل کو کھو دینا جنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے کے بعد اور بھی چند آدمی مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں کی تعداد تیس سے زیادہ ہوگئی تو مکہ کے باشندے خصوصاً قریش اسلام کی وسعت سے خوف زدہ تھے۔ یہ لوگ دارالندوہ (یعنی مکہ کی مجلس شوریٰ) میں جمع ہوتے تھے تاکہ مشورہ کریں اور نئے دین کو مٹانے کے لئے کوئی تدبیر نکالیں لیکن اپنے مشورہ سے کوئی نتیجہ نہ نکال سکے۔

عرب کے لوگوں میں عمر نامی ایک شخص تھا۔ جب مجلس ختم ہوگئی اور لوگ دارالندوہ سے باہر نکل گئے تو اس نے کہا کہ میں حضرت محمدؐ کو قتل کرتا ہوں اور مکہ کو اس کے شر سے بے فکر کرتا ہوں قریش کے تمام سردار حضرت محمدؐ کے قتل کے خواہشمند تھے۔ لیکن قتل کرنے کی جرأت کسی کو نہ ہوتی تھی۔ عمر اس کام کے لئے تیار ہو گئے۔ عمر مکہ کے پختہ ارادہ رکھنے والے متعصب لوگوں میں سے تھے دوسرے یہ کہ ان سے زیادہ قدر والا مکہ میں کوئی نہ تھا (ان کا قد اتنا لمبا تھا کہ جب مدینہ میں مسجد

بنائی گئی اور حضرت عمر اس میں داخل ہوئے تو ان کا سر چھت سے ٹکرا گیا) مدینہ والے جانتے تھے کہ حضرت عمر جو وعدہ کرتے ہیں اس سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ جو کچھ کہتے ہیں وہ کر کے دکھلا دیتے ہیں۔ جب وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو قتل کر ڈالیں گے تو بلا شبہ اس کو قتل کریں گے۔ دوسروں کو اسے مردہ سمجھنا چاہیئے۔

جس وقت خطاب کے بیٹے نے حضرت محمدؐ کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا وہ ۶۱۴ء کا زمانہ تھا (یعنی ہجرت سے آٹھ سال پہلے) اس روز حضرت محمدؐ اور دوسرے مسلمان اسی مکان میں تھے جو صفا پہاڑی پر واقع ہے۔ عمر بن الخطاب حضرت محمدؐ کو قتل کرنے کے لئے اپنے مکان گئے اور تلوار لیکر صفا پہاڑی کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں نعیم بن عبداللہ نے جو قبیلہ قریش کو اطلاع دئے بغیر اسلام قبول کر چکے تھے اور ابھی تک اپنے دین کو چھپائے ہوئے تھے حضرت عمر کو دیکھا اور پوچھا "اے عمر کہاں جاتے ہو؟" حضرت عمر اپنی عادت کے مطابق بلند آواز سے بولے "اے نعیم جب سے میں پیدا ہوا ہوں میرے خیال میں کسی نے حضرت محمدؐ کی طرح ہماری توہین نہیں کی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے بڑے سے بڑے دشمن نے بھی اتنی توہین نہیں کی ہے۔ اس شخص نے نئے مذہب کے باعث مکہ کے باشندوں میں نفاق ڈال دیا ہے۔ اور ہمارے تمام اجداد کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے باپ کے عقیدے کو مٹی میں ملا دیا ہے اور کہتا ہے کہ ہم لوگ اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑ دیں"۔

ہم نے آج تک صبر کیا اور اس وجہ سے کہ حضرت محمدؐ آخر کار قریش کے ایک فرد ہیں برداشت کرتے رہے لیکن انکی بیباکی اور توہین سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں جاتا ہوں تاکہ انکو قتل کر دوں اور مکہ والوں کو ان کے شر سے آرام پہونچاؤں۔

نعیم جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ سادہ، بلند آواز شریف اور سچے آدمی ہیں۔ ان کا ارادہ بدلنے والا نہیں ہے۔ لیکن انھوں نے چاہا کہ ایسی باتیں کہہ کر جو عقل اور انصاف سے ملی ہوئی ہوں ان کا ارادہ بدلنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ وہ سچے اور شریف آدمی ہیں۔ لہٰذا ایسی باتیں جو عقل و انصاف کے مطابق ہوں گی تسلیم کر لیں گے اور ضد نہ کریں گے۔ یہ سوچ کر حضرت عمرؓ کے پیچھے دوڑ پڑے اور

کہا "اے عمر ذرا ٹھہرو مجھے تم سے کچھ کہنا ہے"۔ حضرت عمر ٹھہر گئے جب حضرت نعیم بن عبداللہ انکے پاس پہونچ چکے تو وہ (حضرت عمر) اس قدر بلند تھے کہ حضرت نعیم کا سر ان کے سینے تک پہونچا۔

حضرت عمرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تلوار غلاف سے نہیں نکالتے تھے۔ لڑائی اور صلح کے وقت جب چاہتے تھے کہ اپنا غصہ ظاہر کریں تو دوسروں کو کوڑا سے مارتے تھے۔ لیکن اس روز وہ اپنے ساتھ تلوار لئے ہوئے تھے تاکہ حضرت محمدؐ کو قتل کریں۔ جب حضرت عمرؓ ٹھہر گئے تو نعیم بن عبداللہ نے ان سے کہا کہ "اے عمر تم حضرت محمدؐ کے نئے مذہب سے اس لئے ناراض ہو کہ تمہارے کہنے کے مطابق اس نے مکہ کے باشندوں کو پراگندہ کر دیا ہے مگر اس سے پہلے کہ مکہ شہر کو نفاق سے پاک وصاف کرو کیا یہ بہتر نہیں کہ پہلے گھر کو درست کرو"۔ حضرت عمر نے پوچھا "آپ کا مقصد کیا ہے"؟ حضرت نعیم نے فرمایا کہ "آپ کے رشتہ داروں میں سے دو شخص مسلمان ہو گئے ہیں اور آپ کے گھر میں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک آپکی بہن فاطمہ ہیں جو سعید بن زید کی بیوی ہیں۔ قبل اس کے کہ آپ مکہ والوں کی وضعِ زندگی کی تنظیم کی فکر کریں بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے گھر کے بارے میں غور کریں"۔

حضرت عمرؓ نے جب یہ بات سنی تو چونکہ معقولیت پسند شخص تھے نعیم کی بات مان لی اور کہا "سچ کہتے ہو۔ قبل اس کے کہ میں مکہ سے اسلام کو مٹاؤں مجھے چاہئے کہ پہلے اپنے گھر سے نکالوں"۔ چنانچہ وہ صفا پہاڑی کی طرف جانے سے مڑ گئے اور اپنے گھر کی راہ لی۔ عمرؓ جب گھر پہونچے تو دیکھا کہ انکی بہن فاطمہ، انکے شوہر سعید ابن زید اور خباب نامی ایک شخص جو مسلمان ہو گئے تھے قرآن شریف کی آیتیں پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کوڑا لیکر اپنی بہن کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا اور اس قدر پیٹا کہ بدن کے حصوں سے خون بہنے لگا۔ ان سے کہا کہ حضرت محمدؐ کے دین کو چھوڑ دو۔ فاطمہ نے جواب دیا کہ اگر تم مجھکو مار ڈالو تب بھی محمدؐ کے دین کو نہ چھوڑوں گی۔ اگر تم بھی قرآن پڑھو گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت محمدؐ کا دین سچا ہے۔ اس جگہ دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمر نے سعید بن زید کے ہاتھ سے قرآن شریف لے لیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کے شوہر (سعید بن زید) سے کہا "کچھ قرآن سناؤ تاکہ معلوم ہو کہ اس میں کیا اثر ہے"

اِن کی بہن نے کہا" اگر تم بھی قرآن پڑھو تو جان لوگے کہ محمدؐ کا دین سچا ہے۔

پہلی روایت یہ بتاتی ہے کہ حضرت عمر نے سعید بن زید کے ہاتھ سے قرآن شریف لیا۔ مگر یہ روایت تاریخی واقعات کے موافق نہیں ہے کیونکہ اس وقت جو ہجرت سے بھی آٹھ سال پہلے کا زمانہ تھا قرآن شریف آج کل کی شکل میں موجود نہ تھا۔ رسول خدا کے تمام زمانۂ نبوت میں بھی قرآن شریف آجکل کی شکل میں موجود نہ تھا۔ حضرت محمدؐ کی رحلت کے بعد حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں قرآن شریف جمع کیا گیا اور کتابی شکل میں مرتب ہوا۔ (مصنف کو یہ اشکال اس لئے پیش آرہا ہے کہ وہ لفظ قرآن سے مجموعہ قرآن مراد لے رہے ہیں حالانکہ لفظ قرآن اسکے ہر حصہ پر بلا تکلف صادق آتا ہے)

حضرت محمدؐ کی تمام زندگی میں قرآن شریف متفرق آیتوں کی شکل میں مسلمانوں کے پاس جمع تھا۔ اکثر مسلمان قرآن شریف کی آیتیں زبانی یاد رکھتے تھے۔ صرف چند آدمی آیات مذکور کو کتابی شکل میں یاد کرتے تھے کیونکہ اکثر مسلمان آغاز اسلام میں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے کہ وہ قرآن شریف کی آیتیں لکھ سکیں اور محفوظ رکھیں۔

ضروری توضیح ۔ تقریباً سترہ سال پہلے رسالہ خواندنیہا نے عہد عثمانی میں قرآن شریف کے جمع ہونے اور اس کی موجودہ شکل میں تدوین کے بارے میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ یہ مضمون اِس مقالہ سے ماخوذ ہے جسے پیرس کی یونیورسٹی کے پروفیسر بلاشر نے لکھا تھا۔ (پروفیسر بلاشر پیرس یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں کے استاد ہیں) اس میں قرآن شریف کی آیتوں کے جمع کئے جانے کی تحقیق و تفصیل درج ہے۔ اکثر آیتیں چمڑہ، ہڈی اور مٹی کے پختہ برتنوں کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی تھیں۔ اسی طرح جو لوگ قرآن شریف کو یاد کرتے تھے ان سے بھی آیتوں کے جمع کرنے میں استفادہ کیا گیا تھا۔

یہ امر مسلم ہے کہ اُس وقت قرآن شریف آجکل کی طرح کتابی شکل میں موجود نہ تھا کیونکہ قرآن کی آیتوں کو نہ جمع کیا گیا تھا اور نہ وہ آیتیں مکمل تھیں اِس لئے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوا حضرت عمرؓ کا گھر میں داخل ہونے اور اپنی بہن کو کوڑا مارنے کا واقعہ

ہجرت سے آٹھ سال قبل کا ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ قرآن کی بعض آیتوں کو کچھ مسلمانوں نے جن میں تین شخص وہ بھی ہیں جو حضرت عمرؓ کے گھر میں تھے لکھ لیا ہو تاکہ فراموش نہ کریں اور وہ آیتیں حضرت عمر کے ہاتھ پڑ گئی ہوں۔

آج ہمیں یہ نہیں معلوم کہ آیات مذکور کس چیز پر لکھی ہوئی تھیں اور اسکی کیا شکل تھی۔ پھر وہ ایک ڈھیر کی شکل میں تھیں یا آجکل کے رسالہ کی شکل میں۔ مگر روایت سے یہ چیز نہیں سمجھ سکتے (کہ آجکل کے رسالہ کی طرح وہ مجموعہ تھا کیونکہ اس وقت ایسی صورت نہ تھی)۔

بہرحال حضرت عمرؓ نے قرآن کی آیتوں کو پڑھا اور بہت متاثر ہوئے۔ اپنی بہن فاطمہ کو بوسہ دیا اور ان سے معذرت چاہی پھر تینوں آدمیوں سے کہا "میری خواہش ہے کہ فوراً مسلمان ہو جاؤں"۔ اسی وقت تینوں آدمی حضرت عمرؓ کے ساتھ کوہ صفا کی طرف جہاں حضرت محمدؐ موجود تھے روانہ ہوئے۔ ٹیلے کے مسلمانوں نے جس وقت حضرت عمرؓ کی بہن کو خون آلود دیکھا تو خیال کیا کہ فساد کھڑا کرنے کے لئے آئے ہیں مگر حضرت عمرؓ نے ان کو مطمئن کیا اور فرمایا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت عمر چالیسویں شخص ہیں جو اسلام میں داخل ہوئے۔ (حضرت عمر سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تسلی دی)

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کو بہت مدد پہنچی۔ حضرت عمرؓ کے مسلمانوں کے ساتھ مل جانے کو صدر اسلام کی تاریخ کے مؤثر مرحلوں میں سے جاننا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ قدیم عرب کے مثالی انسان ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا وہ ایک بلند قامت بھاری بھرکم اور بلند آواز شخص تھے۔ جس وقت پکارتے تھے انکی آواز ہزار قدم سے سنائی دیتی تھی۔ وہ تمام اوصاف جو ایک عرب بادیہ میں ہونے چاہئیں تاکہ اس کو اصلی عرب کہہ سکیں حضرت عمرؓ میں موجود تھے۔ وہ ممنوعات کے نزدیک ہرگز نہ جاتے تھے (یعنی وہ ممنوعات جو زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے استنباط کے مطابق تھیں) اور ایک حقیقی عرب کے مانند کھانے پینے میں احتیاط برتتے تھے۔

ایسا قد آور آدمی کھانے کے وقت صرف پانچ لقموں پر اکتفا کرتا تھا۔ اور اکثر نہیں کھاتا تھا

ممکن ہے کم غذا کھانے کی عادت سے زیادہ کام کرنے کی قوت بڑھتی ہو۔ خلافت کا بوجھ اُٹھانے کے بعد آپ تکان سے کمزور ہوئے بغیر کبھی کبھی پندرہ پندرہ روز تک دن رات کام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ مجرم کو سزا دینے میں رعایت نہیں کرتے تھے۔ اور اس میں کوئی کمی کرنا بھی روا نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح بیگناہ کو کبھی سزا نہ دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ دس سال تک مسلمانوں کے خلیفہ رہے۔ اس قلیل مدت میں تین بڑی سلطنتوں کو اسلام کے لئے فتح کرلیا جن کو ایران، مصر اور شام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قدیم دنیا کے بڑے حصّے پر حکومت کرنے کے باوجود آپ زندگی کے آخری دنوں تک خاک یا کھجور کے پتوں کی چٹائی پر بیٹھتے تھے اور اسی طرح کھانے کے وقت صرف پانچ لقمہ کھاتے تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد صفا پہاڑی پر اسی دن حضرت عمرؓ نے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں سے کہا "ہم خانۂ کعبہ کی طرف جاتے ہیں"۔ مسلمان پہلی بار (تعداد زیادہ ہونیکے بعد) مکہ کے راستے طے کرکے اجتماعی شکل میں کعبہ پہونچے اور وہاں نماز پڑھی۔ ابوجہل، ابوسفیان، ابولہب اور تمام قریش کے افراد خانۂ کعبہ کے سامنے جمع تھے لیکن انھیں کعبہ میں داخل ہونے کی جرأت نہیں ہوئی۔

جب نماز ختم ہوگئی اور مسلمان کعبہ سے باہر آئے تو حضرت عمرؓ نے قریش کے ذمہ دار لوگوں سے خطاب کرکے فرمایا۔

"اگر حضرت محمدؐ اور اسلام کے ساتھ کچھ کرنا ہے تو میری طرف رجوع کرو کیونکہ میں آج سے مسلمان ہوگیا ہوں"۔ بزرگانِ قریش حضرت عمرؓ سے اس قدر ڈرتے تھے کہ انھیں کچھ جواب دینے کی جرأت نہیں ہوئی۔ حضرت محمدؐ اور تمام مسلمان خانہ کعبہ سے نکلنے کے بعد اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اس روز حضرت عمرؓ حضرت محمدؐ کے ساتھ ساتھ آپؐ کے گھر تک گئے۔ کسی شخص کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ پیغمبر اسلام کو بُرا بھلا کہے یا انکی طرف پتھر پھینکے۔

بزرگانِ قریش نے جب دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت محمدؐ کی حمایت کی ذمہ داری لی ہے

تو اس سے زیادہ دہشت زدہ ہوئے جتنا کہ حضرت حمزہؓ کے وقت ہوئے تھے۔ حضرت حمزہؓ جیسا کہ اشارہ کیا گیا ایک پہلوان تھے اور ایک بہادر آدمی شمار کئے جاتے تھے لیکن قریش والے حضرت حمزہؓ سے زیادہ حضرت عمرؓ کی شخصیت سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کے ارادہ، دلیری، عصبیت اور وفاداری سے واقف تھے۔ مکہ میں یہ بات مشہور تھی کہ شیطان بھی حضرت عمرؓ سے بھاگتا ہے لیکن حضرت محمدؐ کے دشمن بھی پیغمبر اسلام اور عمرؓ بن الخطاب کی طرح عرب بادیہ تھے اور اپنے عقیدہ اور اپنے آباواجداد کے دین کے بارے میں تعصب رکھتے تھے۔ وہ اسے برداشت نہ کرسکتے تھے کہ حضرت محمدؐ انکے مذہب کو جو انھیں باپ دادا سے ملا ہے غلط جانیں اور نتیجہ کے طور پر ان کے دین کو باطل شمار کریں۔ یہ معاملہ تھا جس کے لئے انھوں نے دوبارہ مشورہ کیا مشورہ میں یہ طے پایا کہ لوگ حضرت محمدؐ کے چچا ابوطالب کے پاس جو قبیلہ ہاشم کے ایک رکن ہیں جائیں اور ان سے کہیں کہ حضرت محمدؐ کو اپنے قبیلہ سے خارج کردو تاکہ لوگ ان کو قتل کرسکیں۔ کیونکہ جب تک حضرت محمدؐ قبیلہ ہاشم کے ایک فرد ہیں قریش والے ان کو قتل نہیں کرسکتے۔ لیکن اگر ابوطالب ہم لوگوں سے موافقت کرتے ہیں اور حضرت محمدؐ کو اپنے قبیلہ سے نکال دیتے ہیں تو ان کا خون مباح ہوجاتا ہے۔

جب تک حضرت محمدؐ قبیلہ ہاشم کے ایک فرد تھے۔ اور ایسی حالت میں آپ قتل کئے جاتے تو آپؐ کا خون قیمت رکھتا اور قاتل کے قبیلہ کو آپؐ کے قتل کی قیمت ادا کرنی پڑتی۔ (بشرطیکہ مقتول کا قبیلہ اسے قبول کرلیتا) لیکن اگر ابوطالب حضرت محمدؐ کو قبیلے سے نکال دینے پر راضی ہوجاتے تو قریش والے خون کی قیمت ادا کئے یا قبیلہ ہاشم سے جنگ کئے بغیر آپؐ کو قتل کرسکتے تھے۔ (یعنی قاتل کو قتل کا خوں بہا ادا کرنا نہ پڑتا) چنانچہ چند آدمیوں کو انتخاب کیا گیا کہ وہ جاکر ابوطالب سے گفتگو کریں کیونکہ وہ قبیلہ بنی ہاشم کے معزز رکن ہیں۔ ان سے کہا جائے کہ آپ حضرت محمدؐ کو اپنے قبیلہ سے نکال دیں۔ اور اس کے بدلے قریش کے دوسرے قبیلوں میں سے دو ایک آدمی کو لے کر اپنے قبیلہ میں داخل کرلیں۔

یہاں جو شخص اس بحث کو پڑھتا ہے وہ حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ کس طرح قریش والے ابوطالب سے چاہتے تھے کہ حضرت محمدؐ کو اپنے قبیلہ سے نکال دیں اور انکے بدلے دو ایک آدمی دوسرے قبیلوں سے لے لیں۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرۂ عرب میں قتل کا معنوی بدلہ نہ ہوتا تھا۔ جب کوئی کسی کو قتل کر دیتا تھا تو وہ پشیمان نہ ہوتا تھا۔ اور دوسرے لوگ بھی اسے اخروی و معنوی سزا کا مستحق نہ جانتے تھے۔ معنوی و اخروی کفارہ کی بحث اسلام کے بعد وجود میں آئی ہے۔ ورنہ عرب بادیہ اگر دس آدمیوں کو بھی قتل کر دیتے تھے تو نہ خود عذاب معنوی کا احساس کرتے تھے نہ دوسرے اسے عذاب کا مستحق سمجھتے تھے۔

قبیلہ کا ایک شخص ایک گھوڑا یا اونٹ کے مانند تھا جس کو قتل کرنے پر قاتل کو خون کی قیمت دینا پڑتی تھی۔ اگر مقتول کا قبیلہ خون کی قیمت قبول کر لیتا تھا تو قاتل کے سر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہتی تھی۔ کبھی کبھی خون کی قیمت ادا کرنے کے بجائے قاتل کے قبیلے سے ایک شخص کو مقتول کے قبیلے میں منتقل کر دیتے تھے تاکہ توازن برقرار رہے کیونکہ اعراب بادیہ قبیلہ کے افراد کو اس قبیلہ کے مادی سرمایہ کے مانند سمجھتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ایک شخص کے قتل سے ایک شخص کے جسم کی مقدار میں مقتول کے قبیلے کی طاقت گھٹ گئی ہے۔ اس لئے اگر ایک آدمی اس قبیلہ کو دیدیا جائے تو طاقت کی کمی پوری ہو جائے گی۔ گویا کہ مقتول کے قبیلہ کو قاتل نے کوئی نقصان نہیں پہونچایا ہے۔

زمانہ جاہلیت کے بعض شعراء یہ عقیدہ نہ رکھتے تھے کہ ایک لڑکے، یا بھائی یا باپ کے خون کی قیمت قبول کر لی جائے یا مقتول کے بھائی یا باپ کے بجائے قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو اس کے قبیلہ میں داخل کر لیا جائے اور مقتول کے لوگ خوش ہو جائیں کہ اس نے کوئی نقصان نہیں پہونچایا ہے۔ شعراء کہتے تھے کہ ایک لڑکے، بھائی یا باپ کا قتل ناقابل تلافی ہے اگرچہ اس کے پاداش میں قاتل کے قبیلے کے تمام افراد قتل کر دئے جائیں۔ ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق کسی طرح بھی ایک لڑکے، بھائی یا باپ کے خون کو ایک اونٹ یا دولت

کے بدلے فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ اسی عقیدہ کی بنا پر یہ شعراء مجبور ہوئے کہ اپنے قبیلہ سے دور رہیں۔ اور قبیلے سے نکالے ہوئے شخص کے مانند جنگل میں اپنی زندگی بسر کریں کیونکہ ان کا نظریہ مروت کے خلاف تھا اور مروت اعراب بادیہ کا اساسی قانون شمار ہوتی تھی۔

قوانین مروت بتاتے ہیں کہ جب ایک شخص مارا گیا اور قاتل خونبہا دینے کے لئے تیار ہو گیا تاکہ مقتول کے قبیلے کو راضی کرے تو اس پر اور کوئی دوسری ذمہ داری نہیں ہے۔ ایک شخص کے قتل سے ایک قبیلہ کو نیست و نابود نہیں کیا جانا چاہیئے۔

بہرحال زمانۂ جاہلیت کے بعض شعراء ایک قریبی رشتہ دار کے قتل کی تلافی کے لئے خونبہا کی ادائگی کو ناکافی سمجھتے تھے۔

لیکن یہ لوگ شاعر تھے اور قریش والے تاجر تھے۔ قریشی تاجر مروت اور قدیم قوانین کی پیروی کرتے تھے۔ اور سوچتے تھے کہ اگر ابوطالب محمدؐ کو اپنے قبیلہ سے خارج کر دیں اور ان کے بدلہ میں ایک جوان کو لے لیں تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ اور اگر دو جوان طلب کریں تو اس صورت میں انھیں سود بھی مل جائے گا۔

قریش کے نمائندے ابوطالب کے پاس گئے اور انھیں اپنے قبیلے کی پیش کش پہونچائی ابوطالب نے کہا "میں ہرگز مسلمان نہ ہوں گا میں اپنے باپ دادا کے دین پر مروں گا لیکن میں اپنے بھتیجے کو قبیلے سے خارج نہیں کر سکتا کہ تم اسے قتل کر ڈالو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں ان سے گفتگو کروں گا۔ ممکن ہے کہ میں انھیں جدید مذہب چھوڑنے پر آمادہ کر سکوں۔ تم لوگ کل میرے پاس آؤ تاکہ ان سے گفتگو کا نتیجہ بتاؤں"۔

اسی روز ابوطالب نے حضرت محمدؐ کو گھر میں بلایا اور کہا کہ قریش والوں نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں آپ کو قبیلہ سے خارج کر دوں تاکہ وہ قتل کر سکیں۔ میں نے ان سے کہدیا ہے کہ میں ہرگز دین محمدؐ کو قبول نہ کروں گا لیکن چونکہ وہ میرا بھتیجہ ہے اس لئے قبیلہ سے خارج نہیں کروں گا۔ ہاں ان سے بات چیت کروں گا۔ شاید انھیں نئے مذہب سے پھیر سکوں۔

حضرت محمدؐ نے دریافت کیا آپ مجھے کس چیز سے پھیرنا چاہتے ہیں ؟

ابوطالب نے کہا" میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ آپکے ساتھ گفتگو کروں گا کہ نئے دین کو آپ چھوڑ دیں ۔ اور جو باتیں آپ ابھی بیان کرتے ہیں پھر کبھی ان کا ذکر نہ کریں ۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا " اے چچا میں نے جس دن سے رسالت کا کام شروع کیا ہے اسی دن سے خدا کے سوا اور کسی چیز پر بھروسہ نہیں رکھتا ہوں ۔ اور آج بھی خدا کے سوا کسی چیز پر بھروسہ نہیں رکھوں گا ۔ اگر آپ قبیلہ سے خارج کر دینا چاہتے ہیں تو کر دیجئے "۔

غرضکہ ابوطالب نے بھتیجے کو قبیلے سے خارج نہ کیا کیونکہ وہ اسے بدنما داغ سمجھتے تھے اور قریش والوں سے کہا " میں حضرت محمدؐ کو قبیلہ سے خارج نہ کروں گا لیکن جب تک زندہ ہوں ان کا مذہب بھی قبول نہ کروں گا "۔

قریش والوں نے جب دیکھا کہ ابوطالب اپنے بھتیجے سے گفتگو کر کے کوئی نتیجہ نہ نکال سکے تو پختہ ارادہ کیا کہ براہِ راست حضرت محمدؐ سے گفتگو کریں ۔ لہٰذا ایک قریشی آدمی کو جو بردباری ، نرمی اور مردم شناسی کے اعتبار سے بہتر تھا حضرت محمدؐ کے پاس بھیجا ۔ اس نے قریش کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا ۔

" اے محمدؐ جب سے آپنے ہوش سنبھالا ہے ہم لوگ آپکو محمدؐ امین ۔ محمدؐ صبور (صبر کرنے والا) سمجھتے رہے اور آپؐ کے حسنِ اخلاق سے خوش تھے اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ آپکی جانب سے کسی کو تکلیف پہونچی ہو لیکن آج آپکی باتوں اور آپکے کاموں نے اس شہر کے لوگوں کی زندگی کو درہم برہم کر رکھا ہے اور کوئی شخص چین سے نہیں ہے ۔ آپ کھلم کھلا شہر والوں کے مذہب کو غلط بتاتے ہیں اور ہمارے بتوں کو باطل سمجھتے ہیں ۔ آپ کہتے ہیں کہ ہمارے آباواجداد کا مذہب غلط تھا حالانکہ آپ خود ہمارے ایک فرد ہیں ۔ ہمارے باپ دادا ہی سے پیدا ہوئے ہیں ۔ آپ کس طرح اپنے باپ دادا کی توہین جائز سمجھتے ہیں ۔ آپ سے میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنے دل کی بات مجھ کو بتائیں تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ اصل میں آپ کا مقصد کیا ہے ؟ اگر آپ دولت چاہتے ہیں تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ مکہ کے تاجروں سے اس قدر دولت جمع کر کے آپکے حوالہ کریں گے کہ آپ بے نیاز ہو جائیں گے ۔ اگر آپ عورت

چاہتے ہیں تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ قریش والے اپنی حسین ترین لڑکیاں آپ کو دیں گے۔ اور آپ ہر روز اور ہر رات ایک حسین لڑکی کے ساتھ بسر کریں گے۔ اگر آپ مرتبہ چاہتے ہیں اور یہ خواہش ہے کہ مکہ کے اعلیٰ ترین شخص شمار ہوں تو ہم لوگ اسے بھی قبول کرنے کو تیار ہیں اور آپکو اس شہر کا رئیس مقرر کرتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنا طریقہ بدل دیں۔ ہمارے عقیدہ کو غلط نہ بتائیں۔ یہ نہ فرمائیں کہ ہمارے بُت باطل ہیں۔ ہم یہ توہین نہیں سُن سکتے کیونکہ آپ کی ہر بات تیر کی طرح ہمارے سینوں میں چبھتی ہے۔"

حضرت محمدؐ نے صبر کے ساتھ قریشی نمائندہ کی باتیں سنیں۔ جب انکی تقریر ختم ہوگئی تو آپ نے اس کو یہ جواب دیا۔

"میں جو کچھ کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں لاتا ہوں۔ میرا خدا جو کچھ مجھ پر نازل کرتا اور فرماتا ہے وہی میں آپ لوگوں کو سناتا ہوں۔ وہ عربی زبان میں ہیں اور آپ انھیں سمجھ سکتے ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کا اور آپ کے اجداد کا دین حق نہیں ہے، تم مشرک ہو جاؤ گے تو خدا کی کہی ہوئی بات کو زبان پر لاتا ہوں۔ مجھے رسالت ملی ہے۔ میں اس کو پورا کروں گا۔ آپ لوگوں کی دھمکی یا لالچ دنیا مجھے اس سے روک نہیں سکتا۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ نجات حاصل کرنے کے لئے شرک سے ہاتھ دھولیں اور خدائی مذہب کو قبول کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں آپ لوگوں سے کہدوں قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ..... لِلْمُشْرِكِيْنَ (یہ اکتالیسویں سورہ سجدہ کی ساتویں آیت ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ) اے محمدؐ ان لوگوں (مشرکین) سے کہدو کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں لیکن فرق یہ ہے کہ خدا کی طرف سے میرے پاس وحی آتی ہے تاکہ تمہیں بتاؤں کہ تمہارا خدا ایک ہے۔ اسی کی طرف رجوع کرو اسی پر ایمان لاؤ گناہوں سے توبہ کرو اور جان لو کہ مشرکین چاہِ ویل میں جائیں گے جو جہنم کا ایک خوفناک کنواں ہے (یعنی مشرکوں کو عذاب ہوگا)

قریشیوں کا نمائندہ حضرت محمدؐ کا جواب سُن کر واپس چلا گیا۔ اور ان سے کہا "آپ لوگ ان کے ساتھ جو چاہیں سو کریں اب دوبارہ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔" قریش کے اس نمائندہ کا نام عتبہ تھا۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت

اسلامی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت محمدؐ کے متعدد بیویاں تھیں لیکن اکثر نے یہ بات فراموش کردی ہے اور لکھتے ہیں کہ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپنے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا اور ۲۵ سال تک حضرت خدیجہؓ کے وفادار رہے۔

جس روز حضرت محمدؐ نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کیا آپکی عمر پچیس سال تھی اور آپ بالکل جوان تھے۔ جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تو پیغمبر اسلام کی عمر پچاس سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ حضرت محمدؐ کے لئے صرف ایک بیوی ہی نہ تھیں بلکہ ایک مخلص دوست اور مشیر کار بھی تھیں۔ حضرت محمدؐ جو خود ایک عرب بادیہ تھے۔ حضرت خدیجہؓ کو ایک عرب بادیہ کی طرح دوست رکھتے تھے۔

ایک یوروپی شخص جو روح کی تازگی اور ذوق کی تسکین کیلئے براعظم یورپ میں نیلگوں ندیوں بڑی بڑی نہروں، وسیع جنگلوں، ہرے بھرے چمن اور دلکش مناظر کو دیکھتا نیز بلبل کی آوازیں سنتا ہے، ایک عورت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے۔ لیکن عرب کے بیابانوں میں جہاں نہ دریا ہے نہ نہر، نہ جنگل کا وجود، نہ چمن نہ گلستان نہ بلبل کی آواز کان میں پہونچتی ہے ایک عرب ان مناظر کے بجائے عورت کو دیکھتا ہے اور بلبل کے نغمہ کے بجائے عورت کا نغمہ سنتا ہے۔ اسکی نظر میں پھول کا کھلنا عورت کی مسکراہٹ ہے اور سرو کا درخت عورت کا قد ہے۔ جب اسکی نظر عورت پر پڑتی ہے تو وہ گویا ایک گلستان دیکھتا ہے۔

تمام شاعرانہ تشبیہیں جو یورپ کی تمام قوموں کے شعراء اپنے اشعار میں عورت کی

اہمیت ظاہر کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں انھیں عربی شعراء سے لیا ہے کیوں کہ اول اول انھیں لوگوں نے دنیا کی تمام رعنائیوں کو عورت کے وجود میں دیکھا ہے۔ عربی شعراء جاہلیت کے زمانہ میں جو کچھ عورتوں کے بارے میں کہتے تھے وہ ان کے دل کی آواز ہوتی تھی۔ لیکن یورپ کے شعراء کے اشعار میں جو عربوں کی تقلید کرتے ہیں چونکہ وہ عرب بادیہ کے احساسات اور گہرائی کو نہیں پہونچ پاتے لہٰذا ان کے اشعار میں زمانہ جاہلیت کے شعرا کی سی، شیرینی نہیں ہوتی۔

حضرت محمدؐ شاعر نہ تھے کہ حضرت خدیجہؓ کی تعریف میں شعر کہتے لیکن ایک عرب بدوی کے مانند فطرت کی تمام زینتوں کو ان کے ذریعہ اور ان کے وجود میں دیکھتے تھے۔ آپ پچیس سال تک ایک بار بھی نئی شادی کی فکر کئے بغیر ان کے وفادار رہے۔

دوسری خصوصیتوں کے علاوہ حضرت خدیجہؓ حضرت محمدؐ کو مشورہ دینے والی دوست تھیں جس وقت بھی حضرت محمدؐ اپنے کاموں کے بارے میں ان سے گفتگو کرتے تھے ان کی نظر میں جو بہترین راستہ ہوتا تھا وہ تبلا دیا کرتی تھیں۔ حضرت محمدؐ بہت سے موقعوں پر اس عورت کے نظریوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی شخصیت ہیں جو حضرت محمدؐ پر ایمان لائیں۔ وہ ایک تاجر تھیں اور تجارت کے کاروبار کے علاوہ دوسرے مسائل پر توجہ کم رکھتی تھیں لیکن حضرت محمدؐ نے جب کہا "میں پیغمبر بنایا گیا ہوں تو پہلے ہی دن آپ پر ایمان لے آئیں اور اس کے بعد اپنا تمام مال اسلام کی راہ میں خرچ کر دیا یہاں تک کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئیں تو ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ ابتدائے اسلام میں دو شخصوں نے مال کے اعتبار سے زبردست قربانی دی۔ ایک حضرت خدیجہؓ دوسرے حضرت ابوبکرؓ۔ اسلام سے پہلے یہ دونوں شخص مکہ کے بڑے مالدار شمار ہوتے تھے لیکن مرتے وقت ان کے پاس کچھ نہ تھا کیونکہ اپنے سرمایہ اور اپنی ہستی کو اسلام کی راہ میں صرف کر دیا تھا۔ ہم حضرت خدیجہؓ (زوجہ حضرت محمدؐ) کے بارے میں جنھوں نے صدر اسلام میں پیغمبر کو بہت مدد پہونچائی آئندہ صفحات پر اسکی مزید بحث کریں گے بشرطیکہ حالات نے اجازت دی۔ اس وقت ہم چاہتے ہیں کہ صدر اسلام

کے ایک اہم تاریخی واقعہ کا ذکر کریں اور وہ واقعہ کچھ مسلمانوں کے ملکِ حبشہ کو ہجرت کرنے کا ہے

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے مسلمان ہونے کے بعد صرف اپنے گھر والوں کو ہی اسلام کی دعوت نہیں دی بلکہ اپنے قبیلہ والوں کو بھی اسلام کی ترغیب دی اور آپ کی کوشش سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے سے جماعتِ قریش کو بہت وحشت ہوئی اور جب دیکھا کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بن الخطاب حضرت محمدؐ کی بہت حمایت کرتے ہیں اور یہ موقع ہی نہیں دیتے کہ کوئی انھیں تکلیف پہونچائے تو پختہ ارادہ کر لیا کہ ایک بائیکاٹ (ترک موالات) کے ذریعہ جسے قرآن نے فتنہ کا نام رکھا ہے مسلمانوں کو اسلام سے پھیر دیں۔ بعض مسلمان، اولین مسلمانوں خصوصاً پیغمبر جیسی استقامت نہیں رکھتے تھے اس لئے مصائب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ قریش والے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دیتے تھے۔ انھوں نے منع کر دیا تھا کہ کوئی شخص مسلمانوں سے کوئی چیز نہ خریدے۔ نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرے۔ نہ ان کی لڑکی سے نکاح کرے نہ اپنی لڑکی ان کے نکاح میں دے۔ مکہ جیسی سرزمین میں جہاں کمائی کا ذریعہ صرف تجارت تھی اس قسم کی پابندی مسلمانوں کی زندگی کو مفلوج کرتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بعض مسلمان جو تازہ ایمان لائے تھے ثابت قدم نہ رہ سکے اسلام سے منہ موڑ لیا اور آباواجداد کے دین کی طرف پھر گئے (اس قسم کے کسی واقعہ کا ہونا ثابت نہیں ہوتا)

حضرت محمدؐ متوجہ ہوئے کہ اگر فوری کوئی تدبیر نہیں کی گئی تو بعید نہیں کہ بیشتر مسلمان قریش کے ظلم کے سبب دین سے ہاتھ کھینچ لیں۔ آپؐ نے مسلمانوں کے لئے ایسی تدبیر نکالی کہ اس وقت تک کسی پیغمبر نے اپنے ماننے والوں کے لئے ایسی تدبیر نہیں نکالی تھی۔ وہ تدبیر یہ تھی کہ حضرت محمدؐ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ خود مکہ میں رہیں اور وہیں جمے رہیں اگرچہ قتل کی نوبت آجائے لیکن مسلمانوں کو حبشہ بھیج دیں۔

حبشہ میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جو کسی مذہب والے کو تکلیف نہ دیتا تھا۔ ہر شخص

وہاں اپنے مذہب کی پرستش کرسکتا تھا۔ شرط یہ تھی کہ دوسرے مذہب والوں کے ساتھ مزاحمت نہ کرے۔ حضرت محمدؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ مکہ سے چلے جائیں اور حبشہ میں زندگی گذاریں یہاں تک کہ مکہ میں مسلمانوں کے لئے سہولت حاصل ہو۔ پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کی رخصت کے وقت وصیت کی کہ مکہ سے اس طرح نکلیں کہ قریش کو ان کا ارادہ معلوم نہ ہو۔ حضرت محمدؐ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اجتماعی شکل میں حبشہ کی طرف حرکت کروگے تو قریش تمہارے ارادے سے باخبر ہوجائیں گے۔ لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر حبشہ جاؤ تاکہ قریش یہ نہ سمجھیں کہ تم ہجرت کا ارادہ رکھتے ہو۔

جن لوگوں نے پہلی بار مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی انکی تفصیل درج ذیل ہے:۔

(۱) جعفر بن ابی طالب اور انکی زوجہ اسماء جنھوں نے کشتی میں سوار ہوکر بحر قلزم پار کرکے اپنے کو حبشہ پہونچایا۔ لوگوں نے ان کا نام بحریہ رکھا یعنی سمندر طے کرنے والی عورت۔ ابوطالب کے دو لڑکے تھے ایک علی کہ حضرت محمدؐ ان کو اپنے لڑکے کی طرح مانتے تھے اور بعد میں اپنی لڑکی فاطمہؑ کی شادی ان سے کردی تھی۔ دوسرے جعفر کہ پیغمبر کے چچا عباس نے ان کو اپنا لڑکا بنالیا تھا اور پرورش کی تھی۔ جعفر نے بڑے ہوکر اسماء سے نکاح کیا تھا۔

(۲) عثمان بن عفان حضرت محمدؐ کے داماد۔ عثمان رقیہ کے شوہر تھے اور رقیہ جیسا کہ معلوم ہے پیغمبرؐ کی لڑکی تھیں۔ ابولہب کے لڑکے نے ان کو طلاق دیدی تھی اور عثمان بن عفان نے رقیہ سے نکاح کرلیا تھا۔ (۳) زبیر بن العوام (۴) عبداللہ بن مسعود (۵) عبدالرحمٰن بن عوف (۶) ابوحذیفہ عقبہ (۷) سہلہ بنت سہیل بن عمر (۸) مصعب بن عمیر (۹) ابوسلمہ بن عبدالاشد اور انکی بیوی ام سلمہ بنت عمیہ (۱۰) عثمان بن مظعون (۱۱) عامر بن ربیعہ اور انکی بیوی لیلیٰ بنت ابوخیثمہ (۱۲) حاطب بن عمر (۱۳) سہیل بن بیضا۔ یہ لوگ چھپ کر مکہ سے نکلے اور دریا کے پاس پہونچے پھر کشتی میں سوار ہوکر حبشہ کی راہ لی۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی جماعت تھی جو حبشہ کی طرف روانہ ہوئی۔ اس کے بعد مسلمانوں کی دوسری جماعتوں نے بھی

حبشہ کی راہ پکڑی۔

(میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ جعفر بن ابی طالب مسلمانوں کی دوسری جماعت کے رکن تھے جو حبشہ کی طرف روانہ ہوئی۔ پہلی جماعت کے نہیں لیکن اس کی کوئی تردید موجود نہیں ہے کہ حبشہ پہونچنے کے بعد حبشہ کے بادشاہ سے مسلمانوں کو بات چیت کی جب بھی ضرورت ہوئی جعفر بن ابی طالب مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ جب مسلمان حبشہ پہونچے تو جعفر بن ابی طالب کی بیوی اسماء کو (جن کا لقب بحریہ تھا) پایۂ تخت میں پہونچنے کے پہلے ہی دن بچہ تولد ہوا۔ اسی روز حبشہ کے بادشاہ کی بیگم کے بھی بچہ پیدا ہوا۔ اسماء نے خواہش کی کہ شہزادے کی دایہ بنیں لہٰذا عربوں کے دستور کے مطابق آخر کار جعفر اور بادشاہِ حبشہ دونوں کے لڑکے رضاعی بھائی ہو گئے۔)

پہلے دستہ کے بعد دوسرے دستے اور مسلمانوں کے دیگر کئی گروہوں نے مکہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا اور کشتی کے ذریعہ حبشہ پہونچے۔ یہاں تک کہ تقریباً نوسو آدمی حبشہ میں جمع ہو گئے۔ اس وقت قریش کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے دو آدمی عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید کو مقرر کیا کہ حبشہ جائیں اور وہاں کے بادشاہ سے درخواست کریں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ انھیں مکہ واپس لائیں۔ جب عمرو بن العاص عمارہ بن ولید کے ساتھ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پہونچے تو اس طرح مخاطب ہوئے۔

"اے بادشاہ حبشہ! جن لوگوں کو آپ نے پناہ دی ہے وہ مفسد لوگ ہیں۔ اپنے آباواجداد کے مذہب سے پھر گئے ہیں اور ہمارے اجداد کی تغلیط کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اجداد کا مذہب باطل ہے۔ وہ لوگ باطل کی پیروی کرتے تھے۔ اے بادشاہ یہ لوگ جنھیں آپ نے پناہ دی ہے کل آپ کے مذہب کو بھی بدل ڈالیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ انھیں ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم انکو مکہ واپس لے جائیں اور ان کے خاندان کے حوالے کر دیں کیونکہ ان کے گھر والوں نے ان کو ہم سے مانگا ہے۔"

حبشہ کے بادشاہ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کو حاضر کیا جائے مسلمانوں سے شاہ حبشہ نے کہا کہ یہ دو شخص مکہ سے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ تباہ کار آدمی ہو۔ تمہیں مکہ واپس کیا جانا چاہئے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہارے گھر والے تمہیں طلب کر رہے ہیں۔ تم اس الزام کا کیا جواب دیتے ہو۔

حضرت جعفر بن ابی طالب آگے بڑھے اور فرمایا اے بادشاہ! کہ یا عرب کے کسی دوسرے مقام پر ہم لوگوں نے چوری کی ہے یا کسی کو قتل کیا ہے یا کوئی دوسرا خراب عمل ہم سے سرزد ہوا ہے؟ شاہِ حبشہ نے ان دونوں سے پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ ان لوگوں نے چوری یا قتل نہیں کیا ہے۔ حضرت جعفر نے کہا "اے بادشاہ گزشتہ زمانے میں ہم بت پرست تھے۔ لہو و لعب میں زندگی گذارتے تھے کسی قسم کی بھی شہوت رانی سے باز نہیں رہتے تھے۔ کمزوروں پر ظلم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم میں ایک پیغمبر محمد بن عبداللہ تشریف لائے اور فرمایا کہ بت پرستی چھوڑ دو۔ ہمیں ایک خدا کی طرف ہدایت کی اور ہمیں تعلیم دی کہ بت پرستی نہ کریں۔ خواہشات کو چھوڑ دیں اور کمزوروں پر ظلم نہ کریں ہم لوگ ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ لیکن یہ دو آدمی جو ہمیں لے جانے کی غرض سے آئے ہیں بت پرست ہیں۔ پتھر یا لکڑی کے بت پوجتے ہیں۔ کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ جس روز سے حضرت محمدؐ پیغمبر ہوئے ہیں یہ لوگ اور ان کے قبیلہ کے تمام لوگ جنھیں قریش کہتے ہیں ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر تنگ کرتے ہیں یہاں تک کہ حضرت محمدؐ پر پتھر بھی پھینکتے اور انھیں برا بھلا کہتے ہیں۔

حبشہ کے بادشاہ نے جب دونوں طرف کی باتیں سنیں تو حکم دیا کہ عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید جو ہدیہ لائے ہیں وہ واپس کر دیا جائے اور فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری حکومت میں پناہ لی ہے وہ ہم سے بہت قریب ہیں کیونکہ وہ بھی میری طرح خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ میں انھیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا کہ تم انھیں میری حکومت سے لے جاؤ اور ان پر ظلم کرو۔

جب یہ دونوں شخص چلے گئے تو حبشہ کے بادشاہ نے جعفرؓ بن ابی طالب سے درخواست کی کہ آپ پیغمبرِ اسلام کی کچھ باتیں کیجئے۔ حضرت جعفرؓ نے نجاشی اور دوسرے لوگوں کے سامنے قرآن کی کچھ آیتیں پڑھیں جو آج انیسویں سورہ میں دیکھی جاتی ہیں۔ ان آیات میں حضرت مسیح اور حضرت مریم

کو برحق بتایا گیا ہے۔ نجاشی جو عیسائی تھا ان آیات کو سن کر رونے لگا اور اس کے آس پاس والے بھی رو پڑے۔ شاہِ حبشہ نے کہا کہ تمہارا پیغمبر سچا اور بزرگ آدمی ہے۔ جب تک تمہاری خواہش ہو اس حکومت میں رہو۔ کسی شخص کی مجال نہیں کہ تمہیں یہاں سے نکال سکے۔

جو مسلمان مکہ سے حبشہ گئے تھے وہ آرام کی زندگی گذارتے تھے انھیں قریش کے ظلم و ستم کا خطرہ نہ تھا۔ لیکن وہاں دوسرے مسائل پیش آئے۔ دو شخص عیسائیوں کے بڑے بڑے کلیساؤں کو دیکھ کر متاثر ہو گئے اور وہ اسلام کو چھوڑ کر عیسائی بن گئے۔ ان دونوں میں سے ایک شخص عبید اللہ بن جاش تھا جو اپنی بیوی ام حبیبہ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گیا تھا۔ ام حبیبہ ابوسفیان کی لڑکی تھی۔

عبید اللہ مسلمان ہونے سے پہلے ایک حنیف شمار ہوتا تھا یعنی اپنی عمر حقیقت کی تلاش میں صرف کی تھی۔ جب مذہب اسلام کا ظہور ہوا تو یہ خیال کر کے کہ حقیقت کو پالیا مسلمان ہو گیا لیکن حبشہ جا کر جب وہاں بڑے بڑے گرجا دیکھے تو اسلام سے پھر گیا۔

دوسرا مسلمان جو حبشہ میں عیسائی ہو گیا سکران[1] بن عمرو تھا۔ اس نے اپنی بیوی سودہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ سودہ نے جب دیکھا کہ انکے شوہر نے اسلام سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ حبشہ سے مکہ واپس آگئیں اور جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے حضرت محمدؐ کی زوجہ ہو گئیں (حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد)۔

جب قریش والوں کو معلوم ہو گیا کہ کچھ مسلمان حبشہ چلے گئے ہیں تو مکہ کے مسلمانوں کو اور زیادہ ستانا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کے مخالفین کا سردار ابوجہل تھا۔ وہ اچانک مکہ کے مسلمانوں سے ملاقات کرتا تھا۔ اگر مسلمان مکہ کے اشراف سے ہوتا تو وہ اسکی سرزنش اور تحقیر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ شرم نہیں آتی کہ باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا اور انکے عقیدہ کو باطل قرار دیا۔ اس کے بعد تم کس طرح اس سرزمین میں زندگی گذار سکتے ہو جہاں تمہارے باپ رہتے تھے اور لات، منات

---

[1] یہ سراسر غلط ہے سکران بن عمرو عیسائی نہیں ہوئے تھے بلکہ حبشہ سے واپسی کیوقت راستہ میں انتقال ہو گیا اور انکی بیوی بیوہ ہو گئیں

وعزیٰ پر اعتقاد رکھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ (یہ تین بڑے بُت خانہ کعبہ میں تھے جن پر اکثر مکہ والے اعتقاد رکھتے تھے) ابوجہل کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اس طرح کی باتیں کہہ کر اس کے عقیدہ کو متزلزل کر دے اور اسے اسلام سے پھیر دے۔

مسلمان اگر سوداگر ہوتا تو ابوجہل اس کے پاس جاتا تھا اور کہتا تھا کہ آج سے اس شہر میں کوئی شخص تجھ سے کوئی چیز نہ خریدے گا اور نہ کوئی چیز تیرے ہاتھ فروخت کرے گا۔ جو لوگ تیرے قرضدار ہیں تجھے پیسہ واپس نہ دیں گے (کیونکہ قریش کی جماعت نے مسلمانوں کے لئے جو قوانین بنائے تھے اس میں ایک قانون یہ بھی تھا کہ مسلمانوں سے معاملہ کرنا حرام ہے۔ لیکن ان کا قرضہ کھا جانا حلال ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کا قرضدار ہے وہ اسکی ادائگی سے نظر پھیر سکتا ہے۔)

جب تک کوئی شخص سوداگر نہ ہو وہ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا کہ اس تہدید کا کیا اثر ہوتا ہے حضرت محمد صلعم کی طرح سارے مسلمان سوداگر اتنے بردبار نہ تھے کہ خود کو خدا کی راہ میں تمام تکالیف برداشت کرنے کے لئے وقف کر دیں۔ اسی وجہ سے بعض متزلزل ہو گئے اور کچھ دوسرے سوداگر جو مسلمان ہونا چاہتے تھے منحرف ہو گئے۔

اگر اسلام لانے والا اس جماعت سے تعلق رکھتا ہوتا جسے لوگ اعراب (ناس) کہتے تھے یعنی ایسے لوگ جو اپنی مدافعت نہیں کر سکتے تھے تو ابوجہل ان کو کوڑے سے اس قدر مارتا تھا کہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی جس سے قریش والوں کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں دہشت بیٹھ گئی تھی اور جو لوگ مسلمان ہونا چاہتے تھے وہ اس جماعت کے خوف سے حضرت محمدؐ سے نہیں وابستہ ہو سکتے تھے۔ مکہ کے سوداگروں میں صرف حضرت ابوبکرؓ ایک شخص تھے جو بغیر اس خوف کے کہ اپنی ہستی کھو دیں گے اعلانیہ حضرت محمدؐ اور دین اسلام کی طرفداری کرتے تھے۔ قریش کی جماعت نے حضرت ابوبکرؓ پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد کوئی شخص ابوبکرؓ کی ذمہ داری کو قبول نہیں کرتا تھا۔ جو شخص بھی آپ کا مقروض تھا وہ قرض کی ادائگی سے آنکھیں پھیر لیتا تھا۔

لیکن ایسے شدید اقدامات بھی پیغمبر اسلام کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی وفاداری کو کم

نہ کر سکے۔ اس مردِ خدا نے کسی ظاہر داری کے بغیر اپنی پس ماندہ رقم کو اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا۔ جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے خرچہ سے سفر کیا تھا۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں ابوبکرؓ اسلام کے یکتا خزانچی تھے۔ دوسرے لوگوں کے خزانے کی صندوق کی انتہا درآمد تھی لیکن اسلامی صندوق میں درآمد نہ تھی۔ تمام اخراجات حضرت ابوبکرؓ اپنی جیب سے پورے کرتے تھے۔ اور وہ بھی اس امید کے بغیر کہ ان طریقوں سے انھیں ایک پیسہ بھی نفع ہوگا جو انکی جیب میں واپس آئے گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے حبشہ ہجرت نہ کی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت محمدؐ کو تنہا چھوڑ دیں۔ جس روز سے حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کا دامن پکڑا اس روز سے حضرت محمدؐ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ لیکن ایسا موقع آگیا جب حضرت محمدؐ کو محسوس ہوا کہ اگر ابوبکرؓ یہاں سے نہ ہٹیں گے تو انھیں قتل کر دیا جائے گا۔ لہذا آپؐ نے ان سے فرمایا کہ آپ مکہ سے کہیں دور چلے جائیں چنانچہ بہت ہی ملال کے ساتھ پیغمبرؐ کو چھوڑا اور ارادہ کیا کہ جنوبی عرب جہاں آجکل یمن کی حکومت ہے چلے جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ جماعت قریش کی اطلاع کے بغیر مکہ سے نکل گئے تاکہ جنوبی عربستان چلے جائیں۔ راستہ میں ایک ایسی جگہ پہونچے جہاں ایک بڑا قبیلہ رہتا تھا۔ قبیلہ کا سردار رفاعی نامی ایک شخص تھا۔ رئیس قبیلہ نے جب سنا کہ ابوبکرؓ مکہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے ہیں تو حیرت کیا کیونکہ وہ انھیں پہچانتا تھا اور جانتا تھا کہ مکہ میں قریش کے ایک بڑے سوداگر ہیں۔ اس نے تعجب سے پوچھا کہ اے ابوبکرؓ کیا آپ اپنے شہر سے ایک تباہ کار کی مانند بھاگ رہے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا چونکہ میں نے نیا مذہب قبول کر لیا ہے اس لئے قریش کے لوگوں نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں بھی اپنی جان کی حفاظت کیلئے مکہ سے نکل آیا ہوں۔

رفاعی نے ابوبکرؓ سے کہا کہ میں آپکو مکہ لے چلتا ہوں اور وہاں لوگوں سے کہتا ہوں کہ ابوبکرؓ ہمارے حق جوار سے استفادہ حاصل کریں گے اور قریش کی جماعت آپکو نقصان نہ پہونچا سکے گی

رفاعی نے یہی کام کیا۔ حضرت ابو بکرؓ کو اپنے ساتھ مکہ لے گیا اور وہاں قریش کی جماعت سے کہا کہ یہ شخص میرے جوار (پناہ) میں ہے اور حق جوار سے استفادہ کرتا ہے جو شخص اس پر ہاتھ اٹھائے گا اس کو مجھ سے نپٹنا پڑے گا۔

حق جوار بھی عربوں کی ایک سنت تھی یعنی ایک قبیلہ کسی شخص کی حمایت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ میرے جوار میں ہے۔ اگر کوئی شخص اسے ستاتا یا قتل کرتا تھا تو وہ مجبور تھا کہ حق جوار دینے والے کے قبیلہ سے جنگ کرے۔ رفاعی کا قبیلہ ایک لڑاکو قبیلہ تھا۔ اس کے آدمی مسلح تھے۔ اس کا مسکن مکہ سے زیادہ دور نہ تھا۔ قریش کی جماعت نے اس خوف سے کہ رفاعی کے قبیلے سے جنگ کرنی پڑے گی حضرت ابو بکرؓ کو انکی حالت پر چھوڑ دیا۔

حضرت ابو بکرؓ نے جب اپنے کو مکہ کے لوگوں سے آزاد دیکھا تو وہ اپنے گھر میں ایک چھوٹی سی مسجد بنانے میں لگ گئے۔ روزانہ اس میں بلند آواز اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھتے تھے جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے حضرت ابو بکرؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بلند آواز اور خوش الحانی کے ساتھ سب سے پہلے قرآن شریف پڑھا ہے۔ ان سے پہلے مسلمان قرآن پڑھتے تھے مگر بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے کیونکہ دشمنوں کا خوف تھا۔ مگر حضرت ابو بکرؓ اس سے مطمئن ہو کر کہ رفاعی کے قبیلے کی حمایت حاصل ہو گئی ہے اور اس مناسبت سے بھی کہ انکی آواز دلنشیں تھی قرآن کی آیتیں بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

وہ تمام لوگ جو عربی زبان سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ قرآن شعر نہیں ہے لیکن اس کی کچھ آیتیں موزوں ہیں خصوصاً چھوٹی چھوٹی سورتوں کی آیتیں جو مکہ میں نازل ہوئیں مثلاً سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، سورہ تَبَّتْ يَدَا، سورۂ كَافِرُوْنَ، سورہ كَوْثَرْ، سورہ قُرَيْش، سورہ فِيْل، سورہ الْهُمَزَة، سورہ الْعَصْر، سورہ تَكَاثُر، سورہ قَارِعَة، سورہ زَلْزَلَة، الْعَلَق، التِّيْن، اَلَمْ نَشْرَحْ وَالضُّحٰى، وَاللَّيْل، وَالشَّمْس، وَالْبَلَدْ، اَلْفَجْر، غَاشِيَة، اَلْاَعْلٰى، الطَّارِق، اَلْبُرُوْج، اَلْاِنْشِقَاق اَلْاِنْفِطَار، یہ تمام سورتیں جو مکہ میں نازل ہوئیں موزوں آیتیں رکھتی ہیں۔ اور بعض آیتوں میں

موزونیت کے علاوہ قافیہ بھی ہے۔

جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں ان میں مسجع آیتیں ہیں اس لئے ابوبکرؓ بھی انھیں خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ جو شخص حضرت ابوبکرؓ کے مکان کے پاس سے گذرتا تھا وہ اگرچہ اسلام کا دشمن ہی ہوتا تھا مگر کان لگا کر قرآن کی تلاوت کو سنتا تھا۔ کیونکہ عرب بادیہ ایسے کلام سے جو خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جائے خصوصاً شعر سے نظر نہیں بچا سکتے تھے۔ یورپ کا عرب شناس عالم ہوارٹ کہتا ہے کہ فطرت نے عرب بادیہ کو چار چیزیں دی ہیں۔ ایک اونٹ، دوسرے خیمہ، تیسرے شمشیر، چوتھے شعر۔ عرب بادیہ کیلئے شعر یعنی مقفی، مسجع و موزوں کلام بھی اونٹ، خیمہ و شمشیر کی مانند ضروریات زندگی کی ایک چیز تھی۔ اگر کوئی شخص موزوں کلام خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا ہے تو بلاشبہ عرب بادیہ کو موہ لیتا ہے۔

پہلا راگ جو عرب بادیہ نے شعر کے لئے ایجاد کیا حُدِی کے نام سے موسوم ہے۔ حُدِی کا راگ اونٹ ہانکنے والوں کی ایجاد ہے اور اونٹوں کی حرکت سے نکالا گیا ہے۔ جس وقت انسان اونٹ پر بیٹھ کر جنگل کا راستہ طے کرتا ہے تو اونٹ کی حرکت اسے تھکا دیتی ہے (دن کے وقت عادت سے زیادہ گرمی اور لو ہونے کے باعث موسم گرما میں راستہ نہیں چل سکتے) جو تکان اونٹ کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے وہ جسم کو خستہ کر دیتا ہے۔ بعض لوگ جو اونٹ کی سواری کے عادی نہیں ہیں ان کو متلی اور قے ہونے لگتی ہے۔

عرب بادیہ اونٹ پر بیٹھ کر سفر کرتے وقت شعر پڑھتا تھا۔ اونٹ کی حرکت سبب بنی کہ اپنی آواز کو اونٹ کے ہاتھ پیر کی حرکت کی آواز سے ملائے۔ اس مطابقت سے مشہور راگ حُدِی یا اونٹ والوں کا راگ وجود میں آیا۔ شروع شروع میں عرب بادیہ کسل سے بچنے کے لئے حُدی پڑھتے تھے لیکن انھوں نے محسوس کیا کہ جب وہ ترنم کے ساتھ راگ گانے لگتے ہیں تو قطار والے اونٹ بھی سر کو بلند کرتے ہیں اور وہ بھی سستی کو دور کر دیتے ہیں تو لوگوں نے سمجھا کہ ان کی آواز اونٹوں پر بھی اثر کرتی ہے۔ آج بھی چودہ سو سال پہلے کی طرح یہ راگ (حُدِی)

سفر کے وقت اونٹوں پر اثر کرتا ہے اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ میں نے خود عرب میں اس بات کو آزمایا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ عرب میں جہاں لوگ ہوائی جہازوں اور امریکی موٹروں پر سفر کرتے ہیں اور جبکہ حال میں تیل کی دریافت سے عرب بے انتہا دولت مند ہو گیا ہے۔ ابتک وہاں حدی پڑھنے کی رسم باقی ہے اور اکثر جنگلوں سے گذرتے وقت اونٹوں کی قطار میں مسافر اس راگ کو دہراتے ہیں۔

جب رات کے وقت شہر مکہ میں بالکل خاموشی چھا جاتی تھی اور لوگ اپنے اپنے گھر واپس چلے جاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ بلند اور دل نشیں آواز سے قرآن پڑھنا شروع کر دیتے تھے عربی مؤرخ ابن ہشام لکھتا ہے کہ جو شخص گھر جاتا ہوتا حضرت ابوبکرؓ کے مکان کے پیچھے کھڑا ہو کر قرآن کی آیتیں سننے لگتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ لوگوں کی کثرت کے باعث راستہ بند ہو جاتا تھا۔ قریش والوں نے جب یہ دیکھا تو رفاعی کے لئے ہدیہ بھیجا اور یہ کہلوایا کہ آپ نے ابوبکرؓ کو اپنے جوار میں پناہ دی ہے، ان سے آپ کہدیں کہ وہ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں کیونکہ لوگ انکے مکان کے پیچھے جمع ہوتے ہیں اور وہاں لوگوں کا اجتماع مکہ کے نظم کو خراب کرتا ہے۔

رفاعی نے قریش کا ہدیہ و پیغام پاکر حضرت ابوبکرؓ کو کہلا بھیجا کہ آپ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں۔ اگر آپ بلند آواز سے قرآن پڑھیں گے تو مجبوراً ہم حق جوار (پناہ) کو جو ہم نے آپکو دے رکھا ہے مسترد کر دیں گے اور آپ ہمارے قبیلے کی حمایت سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہ مذکور کے رئیس کو اطلاع دی کہ میں اپنے مذہب سے نظر نہیں پھیر سکتا اور بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنے کی لذت کو بھی چھوڑ نہیں سکتا ہوں۔ میری جان اُن آیتوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے جنھیں میں بلند آواز سے پڑھتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ اپنا حق جوار مجھ سے واپس لے لیں۔ اس کے بعد میں حضرت محمدؐ کی طرح اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کر دوں گا۔

خوفناک گھاٹی میں
شدید بھوک و پیاس

جیسا کہ میں نے بیان کیا ورقہ بن نوفل نے پیغمبر اسلام سے کہا تھا "کاش کہ اس زمانہ میں جب لوگ آپ کو قبیلہ سے نکال دیں گے میں زندہ رہوں"۔ یہ الفاظ ورقہ نے پیغمبر اسلام سے ۶۱۰ء میں کہے تھے۔ اس کی پیشین گوئی ۶۱۶ء میں سامنے آئی۔ قریش والوں نے جب دیکھا کہ ہاشم کا طائفہ یعنی خود حضرت محمدؐ کا طائفہ ان کی حمایت سے دست برداری کے لئے تیار نہیں ہے تاکہ قریش انھیں قتل کر سکیں تو انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ حضرت محمدؐ اور تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیں۔ ابتداء ہی سے جو لوگ اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کوئی نئی چیز لائے ہیں انکی تاریخ یہی ہے کہ یا تو وہ نکالے گئے یا قید کئے گئے یا قتل کئے گئے یا زندہ آگ میں ڈال دئے گئے۔ کیونکہ جو شخص اپنی قوم کی اصلاح کے لئے کوئی نئی چیز لاتا ہے وہ سو سالہ یا ہزار سالہ عادات و رسوم کو بدل دینے کے علاوہ بہت سے لوگوں کے فوائد کو جنھیں وہ سنت و عقائد و شعائر دین کی راہ سے حاصل کرتے ہیں زبردست طمانچہ مارتا ہے۔ اس لئے جو لوگ اپنے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں وہ مقابلہ کرتے ہیں اور اصلاح کے لئے جو شخص آگے بڑھتا ہے اس کو نیچا دکھانے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں چھوڑتے۔

جب قریش والوں نے دیکھا کہ حبشہ کا بادشاہ مسلمانوں کو واپس کرنے پر تیار نہیں ہے اور مکہ میں حضرت محمدؐ کا اثر بڑھتا جا رہا ہے تو انھوں نے ارادہ کیا کہ حضرت محمدؐ اور تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکال باہر کر دیں تاکہ اسلام کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کی دیوار پر ایک صحیفہ لگا دیا گیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت محمدؐ اور ان کے معتقدین پلید ہیں اور آج سے مکہ سے نکالے جاتے ہیں۔ صحیفہ سے مراد وہ چیز ہے جسے ہم لوگ آجکل فرمان یا دستور کہتے ہیں۔ اس زمانہ

میں صحیفہ کہتے تھے۔

(۱) مکہ کے کسی باشندہ کو اجازت نہیں ہے کہ کسی مسلمان (مرد یا عورت) سے گفتگو کرے۔

(۲) مکہ کے کسی باشندہ کو اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ کسی مسلمان کے بدن کو چھوئے (یعنی اس سے مصافحہ کرے) اگر ایسا کیا تو پلید ہو جائے گا۔

(۳) مکہ کا کوئی باشندہ یہ حق نہیں رکھتا کہ کوئی چیز مسلمانوں سے خریدے یا فروخت کرے۔

(۴) مکہ کے کسی باشندہ کو اجازت نہیں ہے کہ کسی مسلمان لڑکی سے نکاح کرے یا کسی مسلمان کے نکاح میں اپنی لڑکی دے۔

(۵) جس پر کسی مسلمان کا قرضہ ہے وہ اس کی ادائگی سے آزاد ہے۔ یہ تمام فرمان اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک حضرت محمدؐ اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ دیں گے، یا ہاشم کا قبیلہ ان کی حمایت چھوڑ دے اور قریش والے انھیں قتل کر سکیں۔"

سنہ ۶۱۶ء میں حضرت محمدؐ اور تمام مسلمانوں کو مکہ سے باہر کر دیا گیا لیکن اس وقت بھی قبیلۂ ہاشم نے انکی حمایت نہ چھوڑی اور وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مکہ سے نکل گئے حالانکہ وہ لوگ (قبیلہ ہاشم کے لوگ) جن میں پیغمبرؐ اسلام کے چچا ابوطالب بھی شامل تھے بُت پرست تھے۔

ابوطالب جو ایک عرب بادیہ تھے انکی غیرت وحمیت نے اسکی اجازت نہ دی کہ اپنے بھتیجہ کو چھوڑ دیں۔ حالانکہ وہ دین اسلام کو قبول کرنا نہیں چاہتے تھے۔ حضرت محمدؐ کے قبیلہ کا صرف ایک آدمی ابولہب اس پر تیار نہ ہوا کہ حضرت محمدؐ کے ساتھ مکہ سے خارج ہو۔ دوسرے لوگ عصبیت یعنی تعصب کی پیروی میں حضرت محمدؐ کے ساتھ مکہ سے خارج ہوئے۔ اور ایک شعب میں جس کا تعلق ابوطالب سے تھا سکونت اختیار کی۔ شعب کیا ہے یہ جاننے کے لئے کچھ وضاحت کی ضرورت ہے۔

لغت میں شعب کے معنی اس شگاف کے ہیں جو تختۂ سنگ میں پیدا ہو جاتا ہے اور مجازی طور پر اس شگاف کو کہتے ہیں جو درہ کی شکل میں پہاڑ میں پیدا ہو جاتا ہے۔ قریش کے دس قبیلوں

میں سے ہر ایک قبیلہ جو مکہ میں رہتا تھا مکہ سے باہر پہاڑی حصہ میں ایک شعب (گھاٹی) رکھتا تھا یہ معلوم ہے کہ پہاڑی حصہ سے ہمارا مقصد مکہ کے اردگرد کے کم اونچے پہاڑ ہیں جو ہماری نظر میں ٹیلہ کے مانند ہیں ملیکن عرب والے انھیں پہاڑ (عربی زبان میں جبل) کہتے ہیں۔

جب کوئی خارجی شخص ان دس قبیلوں میں سے کسی کی پناہ لیتا تھا تو وہ قبیلہ اسے پناہ دیتا تھا لیکن اپنی گھاٹی میں بٹھاتا تھا کیونکہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ ایک بیگانہ کو جس نے پناہ مانگی ہے اپنے قبیلے کے افراد کا جز بنائیں۔ ایک خارجی شخص ہرگز قبیلے کا عضو نہیں تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ قبیلہ کے اندر زندگی نہیں گذار سکتا تھا۔ جنگل میں ایک قبیلہ کی چادریں ایک خاص طریقہ پر نصب کیجاتی تھیں اگر اس وقت کوئی شخص پہاڑ کے اوپر سے قبیلہ کی چادروں پر نظر ڈالتا تو پہلی ہی نظر میں سمجھ جاتا تھا کہ رئیس قبیلہ کے قریبی رشتہ دار کون سی چادر میں سکونت رکھتے ہیں رئیس قبیلہ کی چادر بیچ میں ہوتی تھی اس کے دائیں بائیں اسکے لڑکے رہتے تھے۔ اس کے بعد رئیس قبیلہ کے بھائیوں، لڑکیوں، دامادوں کی چادریں نصب ہوتی تھیں۔ اگر گھرانے کا کوئی شخص قربت کے لحاظ سے رئیس قبیلہ سے دور ہوجاتا تھا تو وہ رئیس قبیلہ سے نزدیک نہ ہوکر دوسری چادروں میں رہتا تھا۔

اگرچہ شعب ابوطالب پہاڑ کے شگاف میں ایک گھر تھا لیکن اسے غریبوں کو پناہ دینے کے لئے بنایا گیا تھا نہ اس لئے کہ خود ابوطالب اس میں سکونت کریں گے یا ان کے خاندان والے اس میں زندگی گذاریں گے۔ وہاں صرف ایک خالی مکان کے سوا جو ان تمام لوگوں کے لئے ناکافی تھا اور کچھ نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یا پھر ٹیلے کے اطراف میں دوسرے درے تھے۔ عربی کے چند شعرا نے اطراف مکہ کی زمین کی تعریف کی ہے ہم جانتے ہیں کہ مکہ کی زمین آخر وقت تک یعنی اس وقت تک جب پٹرول کی پیداوار نے عرب کی اقتصادی حالت کو درست نہیں کیا تھا، کیسی تھی۔ اطراف مکہ کی زمین اور ٹیلوں پر درخت تو درکنار گھاس بھی نہ تھی۔ کھلے ہوئے پتھروں کی چٹانوں کے سوا جو موسم گرما میں دھوپ کو منعکس کرتی تھیں اور کوئی چیز نہ دیکھی جاتی تھی

تمام سال میں ایک پرندہ بھی وہاں پر نہ مارتا تھا۔ کیونکہ پرندہ وہاں جاتا ہے جہاں درخت اور گھاس ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ آجکل بھی جبکہ مکہ میں گذشتہ زمانہ سے زیادہ پانی پر لوگ قادر ہوتے ہیں اور شہر کے بعض مقامات پر سبزہ و درخت وغیرہ لگائے گئے ہیں اگر شہر سے تھوڑا دور ہو جائیں تو ٹیلہ اور سخت و خشک پتھر کی چٹانوں میں پہونچ جائیں گے۔

حضرت محمدؐ اور مسلمان جب شعب میں پہونچے تو چونکہ اچانک وہ شہر سے نکلے تھے اس لئے خورد و نوش کا کافی مقدار میں سامان اپنے ساتھ نہ لے سکے اور اگر لے بھی جاتے تو بھی وہ سامان زیادہ دنوں تک نہ چل سکتا تھا۔

صحیفہ میں لکھا گیا تھا کہ کسی کو حق نہیں ہے کہ مسلمان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرے یا ان سے کوئی چیز خریدے لہذا مسلمان شہر والوں سے کچھ خرید بھی نہ سکے۔ شعب ابوطالب بھی ایسی جگہ تھی، جہاں سے کوئی قافلہ نہ گذرتا تھا کہ مسلمان ان سے کچھ خرید سکیں۔ مسلمانوں نے وہاں خوفناک بھوک کے شکنجہ کی دشواری کو برداشت کیا۔ جو چیز بھوک سے نہ مرنے کا سبب ہوئی وہ یہ کہ ہر سال چار مہینہ لڑائی جھگڑا حرام سمجھا جاتا تھا لہذا مسلمان شہر آسکتے تھے اور اپنی ضروریات فراہم کرتے تھے زائرین کعبہ جن جانوروں کی قربانی کرتے تھے انکی کھالیں یہ لوگ جمع کر لیتے تھے۔ انھیں گھاٹی میں لے جاتے اور دوسرے مہینوں میں ان کھالوں کو ابال کر غذا بناتے تھے۔

اس زمانہ میں جبکہ مسلمان شعب ابوطالب میں زندگی گذارتے تھے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے کچھ کھانا اپنی پھوپھی اور حضرت محمدؐ کے لئے بھیجا کیونکہ حضرت خدیجہؓ بھی پیغمبر اسلام کے ساتھ گھاٹی میں زندگی بسر کر رہی تھیں۔ قریش کے لوگوں نے، جو نگرانی کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمانوں کے لئے کھانا نہ لیجائے، جب حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کو دیکھا تو اس کا کھانا چھین لیا۔ اور اس شخص کو اس قدر زدوکوب کیا کہ وہ تین دنوں تک زندگی اور موت کی کشمکش میں ڈوبا رہا۔ اور اسی طرح تین سال تک حضرت محمدؐ اور آپؐ کے دوستوں نے گھاٹی میں سخت ترین بھوک کی شدت برداشت کی۔ اس واقعہ کو بعض اسلامی تذکرہ نگاروں نے اپنی تحریر میں

شامل نہیں کیا ہے۔ محض اس خیال کے زیر اثر کہ ایسا واقعہ آپؐ کی شخصیت کے شایانِ شان نہیں ہے۔ حالانکہ میرے عقیدہ میں یہ واقعہ حضرت محمدؐ کی شخصیت کو زیادہ بلند کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس مدت میں متعدد بار مکہ کے بزرگ آپکی حمایت کیلئے تیار ہوئے اور قریش سے کہا کہ تم اس بات میں میری موافقت کرو کہ حضرت محمدؐ اور ان کے پیروکار مکہ واپس آئیں قریش کی جماعت نے جواب دیا کہ حضرت محمدؐ یا تو اپنے دین کو چھوڑ دیں اور شہر میں آئیں کیونکہ اس صورت میں کسی کو ان سے کوئی سروکار نہ ہوگا اور گذشتہ زمانہ کی طرح تجارت میں مشغول ہو جائیں یا موت کے لئے تیار رہیں۔

حضرت محمدؐ اگر ارادہ کے پختہ شخص نہ ہوتے تو اپنے دین کو چھوڑ دیتے یا وقتی طور پر یا بظاہر اپنے دین سے انحراف فرما لیتے تاکہ قریش کی جماعت خاموش ہو جائے اور پھر مناسب موقع پر اپنے دین کو بہتر طریقہ سے ظاہر کرتے۔ لیکن چونکہ آپؐ مرد مومن تھے اور رسول خدا ہونے کا یقین تھا اس لئے اپنے دین کو نہ چھوڑا اور رسالت کی ذمہ داری کو نہ ظاہراً چھوڑا اور نہ عارضی اور وقتی طور سے اسے ملتوی کیا۔ آپؐ نے تین سال کی مدت تک پہاڑ کے شگاف میں بھوک کی شدت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ بکری کی کھال جسے لوگ ابالتے تھے کھایا لیکن اپنی رسالت کا انکار نہ کیا۔

حضرت محمدؐ کا شعب ابی طالب میں تین سال تک توقف کرنا ایک دوسری آزمائش تھی، جس سے آپ سرخرو ہو کر نکلے اور بھوک و تکلیف نے آپ کو متزلزل نہ کیا۔ وہاں مسلمانوں کے پاس سعوف البیت میں سے جسے آجکل ہم لوگ اثاث البیت کہتے ہیں کوئی چیز نہ تھی۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس ایک مٹیلی اور ایک کوزہ تھا۔ ایک دن کوزہ ٹوٹ گیا۔ جب آپ نیا کوزہ نہ خرید سکیں تو چند دن صبر کیا یہاں تک کہ وہاں ایک پیلہ ور گذرا جو پیالوں کو جوڑتا تھا حضرت خدیجہؓ نے اپنا ٹوٹا ہوا کوزہ اس کو دیا تاکہ اس میں بند لگا دے۔

حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے گھاٹی میں رہنے کے واقعات کو بعض اسلامی تذکرہ نویسوں کی طرف سے چھوڑ دئے جانے کو میں کوتاہ نظری سمجھتا ہوں یعنی یہ کہ یہ بات تذکرہ نویس کی کوتاہ فکری

سے پیدا ہوئی ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت محمدؐ کے گھاٹی میں تین سال تک جلاوطن رہنے اور ان پر جبر و تشدد نے بعد میں پیش آنے والے کاموں کے لئے اور زیادہ آمادہ کر دیا۔ گھاٹی آپؐ کے لئے ایک مکتب بن گئی تاکہ اپنے ارادہ کو اور زیادہ تقویت پہونچائیں اور سمجھ لیں کہ آئندہ کس طرح مقابلہ کرنا ہے۔

بھوک کے دائمی رنج کے علاوہ گھاٹی میں ایک دوسرا حادثہ پیش آیا وہ یہ کہ آپکی بیوی حضرت خدیجہؓ غربت کے باعث بیمار ہوئیں چونکہ ان کے علاج کے لئے دوا اور مناسب غذا فراہم نہ تھی اس لئے ۶۱۹ء میں جسے مسلمان عام الحزن (یعنی غم کا سال) کہتے ہیں پیغمبر اسلام کی بیوی نے زندگی کو خیرباد کہا یعنی ان کا انتقال ہوگیا۔ جس وقت حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی انکی عمر پینسٹھ سال تھی اور حضرت محمدؐ پچاس سال کے تھے۔

حضرت محمدؐ خدیجہؓ کی وفات پر دو روز تک روتے رہے اور اسکے بعد بھی آخر زندگی تک جب بھی ان کی یاد آتی تھی آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں۔ تاریخ میں کہیں پتہ نہیں چلتا کہ ایک جوان نے اپنے سے پندرہ سال زیادہ عمر والی عورت کو اس طرح سے دوست رکھا ہو کہ زندگی کے آخری دنوں تک فراموش نہ کیا ہو۔

ازدواجی زندگی کی تمام مدت میں اختلاف سن کے باوجود حضرت محمدؐ اور خدیجہؓ کے درمیان کوئی اختلاف نہ پیدا ہوا۔ اور پچیس سال تک عاشق و معشوق کی طرح زندگی گذارتے رہے جب گھاٹی میں حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوگئی تو حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے پاس کفن نہ تھا کہ ان کو کفناتے۔ لہذا حضرت خدیجہؓ کو ان کی صوقعہ (چادر) میں دفن کر دیا گیا۔ صوقعہ ایک لمبی چادر ہوتی تھی جسے عربی عورتیں اپنے سروں پر ڈالتی تھیں۔ پیغمبر اسلام کی بیوی اپنی چادر میں دفن ہوئیں۔

حضرت خدیجہؓ ایک سچی اور پکی مسلمان تھیں۔ شروع زمانہ میں جبکہ حضرت محمدؐ کے پاس کچھ نہ تھا انکی مالی امداد نے اسلام کے پھیلانے میں بڑی مدد پہونچائی۔ حضرت خدیجہؓ خصوصاً شروع زمانہ میں پیغمبر اسلام کی یکتا غمخوار تھیں۔ جب حضرت محمدؐ پتھر سے زخمی ہوتے اور گھر واپس آتے تھے تو

حضرت خدیجہؓ ان کے زخم دھوتی تھیں، مرہم پٹی کرتی تھیں، کپڑے بدلواتیں اور تسلی دیتی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے دو روز بعد مسلمانوں کو دوسری بڑی چوٹ لگی۔ حضرت محمدؐ کے چچا ابو طالب جو چھیاسی سال کی عمر کے تھے دنیا سے چل بسے۔ وہ بھی حضرت خدیجہؓ کی طرح گھاٹی میں بھوک کی شدت اور دوا نہ ہونے کے باعث مر گئے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ ابو طالب مسلمان نہ ہوئے اور زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے آباو اجداد کا مذہب چھوڑنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔

جب ابو طالب کے بھائی ابو لہب کو لوگوں نے خبر دی کہ گھاٹی میں تیرا بھائی مر رہا ہے تو وہ وہاں گیا اور ابو طالب کے سرہانے جا کر ان سے کہا کہ قسم کھاؤ کہ دین محمدؐ کو نہیں قبول کیا اور اپنے باپ دادا کے مذہب پر مر رہے ہو۔ ابو طالب نے قسم کھائی کہ محمدؐ کے دین کو قبول نہیں کیا اور اپنے باپ دادا کے مذہب پر اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔

اگر حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب حضرت محمدؐ کے ساتھ گھاٹی میں نہ جاتے اور وہاں بھوک کی شدت اور دوسری تکلیفیں نہ جھیلتے تو ممکن تھا کہ کچھ دن اور زندہ رہتے۔ حضرت محمدؐ کے لئے حضرت خدیجہؓ کی فداکاری زیادہ تعجب خیز نہیں ہے کیونکہ وہ ان کے شوہر اور پیغمبر تھے۔ لیکن اپنے بھتیجے کے لئے ابو طالب کی جاں نثاری حیرت انگیز اور قابل تعریف ہے کیونکہ ابو طالب دین اسلام پر عقیدہ نہ رکھتے تھے اور حضرت محمدؐ کو پیغمبر نہ جانتے تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنے بھتیجے کے لئے جان قربان کرنے پر تیار ہو گئے تاکہ عصبیت کا وظیفہ مکمل ہو جائے۔

عرب بادیہ میں تعصب کا جذبہ اس قدر قوی تھا کہ ابو طالب جیسے رئیس قبیلہ بھی اس بات پر تیار ہو گئے کہ ایسے شخص کے لئے جس کی پیغمبری پر انھیں یقین نہیں ہے مکہ میں آرام کی زندگی چھوڑ دیں۔ انھوں نے بڑھاپے کے عالم میں گھاٹی میں زندگی گذاری تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان کے قبیلہ کا ایک آدمی بے مدد رہ جائے۔

ابو طالب کی وفات کے بعد قبیلۂ ہاشم والے مجبور ہوئے کہ قبیلہ کے لئے کوئی دوسرا رئیس مقرر کریں۔ چار و ناچار رسم و رواج کے مطابق ابو طالب کے بھائی ابو لہب کو رئیس منتخب کیا۔ ابو لہب

مکہ میں پیغمبر اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ ابوطالب کی وفات کے بعد اتفاقاً مکہ والوں کو معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ کا صحیفہ (تحریر) دیمک کھا گئی ہے۔ اور اس کلمہ کے سوا کچھ باقی نہیں ہے کہ "اے اس گھر والے تیرے نام سے"۔ گھر سے مقصود خانہ کعبہ ہے اور گھر والے سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ایسی ہستی ہے کہ جماعت قریش اپنے احکامات اسکے نام سے جاری کرتے تھے۔

گرم ملکوں میں جن میں ایک عرب بھی ہے دیمک زیادہ پائی جاتی ہے اور لکڑی و کاغذ کھانے سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ آج بھی اگر کوئی شخص ایک کتاب مکہ میں کسی جگہ چھوڑ دیتا ہے اور اس کی جگہ نہیں بدلتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ جلد کے سوا اس میں کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ دیمک تمام صفحے کھا گئی ہے

جماعت قریش نے جب دیکھا کہ دیمک اس صحیفے کو جو کہ حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے نکالنے کے لئے تھا کھا گئی ہے لیکن گھر والے کا نام چھوڑ دیا ہے تو وہ خوفزدہ ہوئے۔ یہ واقعہ اسی موقع پر ہوا جب ابوطالب کی وفات ہوئی اور ابولہب قبیلۂ ہاشم کا رئیس ہو گیا۔

جس وقت ابولہب قبیلے کے سردار ہو گئے تو چونکہ سرداری حاصل ہو گئی تھی اس لئے انھوں نے بھی اپنا وظیفہ سمجھا کہ حضرت محمدؐ کی حمایت کریں۔ قریش کے لوگ بھی اس بات سے کہ دیمک نے صحیفہ کو کھا لیا تھا اور صرف خدا کا نام باقی تھا خوف زدہ تھے۔ اسی وجہ سے جب ابولہب نے کہا کہ حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھی گھاٹی سے نکل آئیں اور مکہ واپس آجائیں تو تمام لوگوں نے موافقت کی۔ تین سال کے بعد مسلمان گھاٹی سے پھرے اور مکہ میں قدم رکھا۔

یہ بات معلوم ہے کہ اس طویل عرصہ میں ان مسلمانوں کو جو سوداگر تھے کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اکثر لوگ تباہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ جن کے متعلق لوگ کہتے تھے کہ قارون کی دولت رکھتے ہیں ان کے پاس بھی پانچ ہزار درہم سے زیادہ باقی نہ رہے۔ جس وقت مسلمان گھاٹی سے طویل عرصہ تک بھوک کی شدت برداشت کرنے کے بعد واپس ہوئے تو بہت ہی کمزور دکھائی دیتے تھے۔ ان کے چہروں پر کی ہڈی نمایاں تھی جس کی کھال کو دھوپ نے سیاہ کر دیا تھا۔

ابولہب سے لوگوں نے پوچھا کہ تو حضرت محمدؐ کے سخت مخالفوں میں تھا پھر یہ بات کیسے

مان لی کہ وہ گھاٹی سے واپس ہوں۔ ابولہب نے جواب دیا کہ میں چونکہ قبیلے کا رئیس ہوں اس لئے میرا یہ وظیفہ ہے کہ انکی حمایت کروں۔ لیکن ان کے مذہب کی مخالفت کروں گا۔ ہماری حمایت اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک وہ ہمارے قبیلے کے ساتھ خیانت نہ کریں۔ اگر وہ ہمارے قبیلے کے ساتھ خیانت کریں گے تو ہم انھیں نکال باہر کریں گے نہ یہ کہ ابوطالب کی طرح ان کے ساتھ جائیں اور ان کی حمایت کریں۔

زیادہ دن نہیں گزرے کہ ابولہب نے جو اسلام کی مخالفت سے چشم پوشی نہیں کر سکا، حضرت محمدؐ کے اخراج کے لئے ایک ایسا وسیلہ نکالا جو حضرت محمدؐ کی معنوی زندگی پر بہت زیادہ اثرانداز ہوا۔ اِس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن ابولہب نے قبیلۂ ہاشم کے لوگوں کو دعوت دی کہ اسکے گھر میں جمع ہوں اور حضرت محمدؐ کو بھی دعوت دی کہ وہاں تشریف لائیں۔ سب لوگ جب جمع ہوئے تو ابولہب نے حضرت محمدؐ سے کہا "میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کے سامنے آپکے دادا عبدالمطلب کے بارے میں آپؐ کے نظریات معلوم کروں اور سوال کروں کہ آپ جو فرماتے ہیں کہ مشرکین جہنم میں داخل ہوں گے تو آپ کے دادا عبدالمطلب کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے۔ آیا وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں؟"

حضرت محمدؐ نے قرآن شریف کی نویں سورہ یعنی سورہ توبہ کی ایک سو چودھویں آیت پڑھ کر سنائی وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ "پیغمبر اور ایمان لانیوالوں کو مشرکین کیلئے خدا سے مغفرت نہیں مانگنی چاہئے کہ اے اللہ ان کے گناہ بخش دے۔ اگرچہ مشرکین پیغمبر اور مسلمانوں کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں"۔ تمام مسلمان علماء کا عقیدہ ہے کہ اس آیت کے مطابق اگر مسلمان جان لے کہ اس کا عزیز (بشرطیکہ مشرک ہو) جہنم میں ہے تو اس کے گناہوں کی بخشش کے لئے خدا سے دعا نہ مانگے۔ کیونکہ مشرک سزا کا مستحق ہے اسے جہنم میں جلنا چاہئے

ابولہب نے ابوطالب کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے کہا کہ میرے بھائی ابوطالب

بخشے گئے ہیں یا نہیں ؟ حضرت محمدؐ نے جواب دیا کہ جس وقت ابوطالب دنیا سے رخصت ہوئے اس وقت انھوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا۔ اور اپنے باپ دادا کے دین پر قائم تھے۔ لہٰذا وہ بھی بخشے نہیں گئے۔ پھر ابولہب نے اپنے اجداد میں سے چند لوگوں کے نام لئے جو حضرت محمدؐ کے بھی اجداد تھے۔ اور پیغمبر اسلام سے پوچھا کہ آیا ان کی بخشش ہوگی یا نہیں ؟ حضرت محمدؐ نے پھر قرآن کی آیت پڑھی اور فرمایا کہ یہ خدا کا قطعی حکم ہے اس میں کسی طرح کا استثنا نہیں ہے۔ تھوڑی دیر تک سکوت رہا اور کسی کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی کیونکہ حضرت محمدؐ کی بات سے سب لوگ متحیر ہوگئے۔ عرب بادیہ میں اجداد کی بڑی اہمیت تھی۔ عرب کے اجداد قبیلہ کے لوگوں میں صرف محترم ہی نہ تھے بلکہ عرب بادیہ کے تمام قوانین، رسم اور آداب کا سرچشمہ تھے۔ جب کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تھا جس کے حل کرنے سے عرب بادیہ قاصر رہتے تھے تو اپنے اجداد کی روش کی طرف رجوع کرتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ ان کے بزرگ ایسے دشوار مسائل کس طرح حل کرتے تھے اور اس بارے میں وہ کیا نظریہ رکھتے تھے۔

آباؤ اجداد کو گمراہ بتانا ان کی بے حرمتی کے علاوہ عرب بادیہ کے تمام قوانین و رسوم کا انکار شمار ہوتا تھا۔ اب تک تو یہ ہوا تھا کہ حضرت محمدؐ نے ایک نیا دین پیش کیا تھا اور عربوں کو دعوت دی تھی کہ جدید مذہب قبول کریں۔ اس صراحت سے آباؤ اجداد کو غلط کار نہیں بتایا تھا لیکن اس روز اس مجلس میں قبیلۂ ہاشم کے تمام اجداد کو غلط کار بتلایا۔

حضرت محمدؐ ایک عربی تھے۔ آپ حیلہ اور ظاہرداری نہ کرسکے۔ اگر آپ حیلہ حوالہ سے کام لیتے تو ان تمام مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوتے۔ حضرت محمدؐ صاف صاف اپنا عقیدہ بیان کرتے تھے۔ آپ یہ خیال نہ کرتے تھے کہ دوسروں کو اس سے رنجش ہوگی۔ عرب بادیہ جیسی صاف گوئی قدیم دنیا کی کسی قوم میں نہ تھی۔ وہ جو کچھ کہتے تھے ان کے دل کی آواز ہوتی تھی۔ ان میں یہ قدرت نہ تھی کہ زبان کو دل کے خلاف حرکت دیں۔ یہ صاف گوئی ہماری نظر میں آج بھی جلوہ گر ہے کیونکہ ہم نے تربیت کے مطابق جو متعدد قرنوں کی میراث ہے یہ عادت پکڑلی ہے کہ مافی الضمیر

بیان کرتے وقت لوگوں کی رعایت کریں اور اس طرح بات بیان کریں کہ کوئی شخص نہ مستفید ہو اور نہ متاثر ہو۔

ہم گفتگو یا تحریر کے وقت بعض الفاظ جن میں عورت و مرد کے بدن کے اعضا بھی ہیں زبان پر نہیں لاتے ہیں اور ان کے بیان کے لئے استعارہ کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں لیکن اعراب وہ الفاظ زبان پر لاتے ہیں اور قرآن میں بھی وہ کلمات ہیں۔ بعض عرب بادیہ مردوں کے بدن کے بعض اعضا کا نام اپنے قبیلہ کے لئے رکھتے تھے۔ عربی زبان جاننے والے واقف ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں بعض عربی قبیلوں کے نام مردوں کے بعض جسمانی اعضا کے نام پر ہوتے تھے۔

حضرت محمدؐ نے جب اس مجلس میں ہاشمی قبیلے کے بڑے بڑے لوگوں کے سامنے انکے اجداد کی تغلیط کی تو ابولہب نے جو قبیلہ کا سردار تھا دوسروں سے پوچھا کہ آیا مجھے یہ حق ہے کہ محمدؐ کو قبیلہ سے نکال دوں ؟ سب نے تصدیق کی کہ رئیس قبیلہ کو حضرت محمدؐ کے اخراج کا حق حاصل ہے کیونکہ قبیلہ کے قانون کے مطابق وہ مجرم ہیں۔ انھیں بخشا نہیں جا سکتا۔

ابولہب نے کہا کہ میں انھیں قبیلہ سے نکال دوں گا۔ اس کے بعد جلسہ ختم ہو گیا اور حاضرین منتشر ہو گئے۔ پہلی بار حضرت محمدؐ قریش کی جانب سے نکالے گئے تھے اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا قبیلہ ہاشم نے انھیں خارج نہیں کیا تھا۔ ابوطالب جو رئیس قبیلہ تھے اپنے برادر زادہ کی حمایت کے لئے خود مکہ سے نکل گئے تھے اور گھاٹی میں سکونت اختیار کی تھی۔ اور وہیں انکی وفات ہو گئی لیکن اس دفعہ قبیلہ ہاشم نے آپکو خارج کیا اور کہا کہ پیغمبر اسلام کو قبیلہ سے نکال دینا چاہیئے۔

جس وقت سے رئیس قبیلہ ہاشم نے حضرت محمدؐ کے اخراج کا پختہ ارادہ کر لیا اسی وقت حضرت محمدؐ میں بھی مستعدی آ گئی۔ فرانس کے انقلابی لوگوں نے ان کے لئے ایک اصطلاح (قانونی دائرہ سے خارج) نکالا تھا۔ یعنی جس شخص نے قوم کے بنیادی قوانین کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ دوبارہ قانون کی حمایت سے مستفید نہیں ہو سکتا قبیلہ سے اخراج کے بعد حضرت محمدؐ کی کیفیت ان لوگوں سے بڑھی ہوئی ہے جو انقلاب فرانس کے زمانہ میں (قانونی دائرہ سے خارج)

مشہور ہوئے تھے۔ کیونکہ فرانس کی حکومت میں اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کو قتل کر ڈالتا تھا تو وہ سزا کا مستحق ہوتا تھا۔ لیکن صرف انقلابی عدالت ہی ان لوگوں سے باز پرس کر سکتی تھی مگر مکہ میں جو شخص اپنے قبیلہ سے نکال دیا جاتا تھا اس کا خون معاف ہوتا تھا اور ہر شخص کو یہ حق حاصل تھا کہ چاہے اسے قتل کرے یا فروخت کرے یا غلام بنالے۔ یہاں تک کہ خارج کئے ہوئے آدمی کو اگر کوئی شخص زندہ جلا دے تب بھی اسے کوئی مجرم یا سزا کا مستحق نہیں سمجھتا تھا۔ جو شخص اپنے قبیلے سے نکالا جاتا تھا وہ اس قدر حقیر شمار ہوتا تھا کہ کہیں اسکی شنوائی نہ ہوتی تھی حتیٰ کہ لوگ اسے جانوروں کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے۔

ہندوستان کا پس ماندہ طبقہ اس سے قبل کہ نیا قانون بنے اور سارے ہندوستانیوں کو برابر سمجھا جائے عرب کے اخراج کردہ شخص کی بہ نسبت بہتر حالت میں ہے کیونکہ کوئی شخص اگر ان کے معاشرہ اور مجالس میں شریک نہ ہو تو وہ بھوکا نہیں رہے گا اور کوئی نہ کوئی کام کر کے اپنی روزی حاصل کر لے گا۔

ابولہب نے حضرت محمدؐ کو قبیلہ ہاشم سے خارج کر دیا ایک مرتبہ پھر موجودات اور زندہ چیزوں سے علٰحدہ کر دیا۔ اور ایک خشک بیابان ناقابل کاشت زمین کے سپرد کر دیا۔ جب ابولہب نے پیغمبر اسلام کو خارج کر دیا تو آپ بالکل تنہا رہ گئے۔ گذشتہ زمانہ میں جب بھی آپکو جسمانی یا روحانی تکلیف ہوتی تھی تو حضرت خدیجہؓ آپکی زوجہ زخم دھوتیں اور مرہم پٹی کرتی تھیں اس طرح آپکی روحی تکلیف کو گھٹا کر تسکین کا ذریعہ بن جاتی تھیں۔ یا آپؐ کے چچا ابوطالب آپؐ کی دلداری کرتے تھے۔ لیکن اس موقع پر نہ خدیجہؓ تھیں نہ ابوطالب۔

پیغمبر اسلام نے جب اپنے کو بالکل تنہا دیکھا تو دوبارہ خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا سے درخواست کی کہ ہمیں اپنی حمایت میں لے لے۔ اس دفعہ خدا نے آپؐ کو نہ صرف اپنی حمایت میں لیا بلکہ آپکو اپنی طرف بلا لیا یعنی پیغمبر اسلام کو زمین سے آسمان پر پہونچا دیا مسلمان اس سفر کو معراج کہتے ہیں۔ (معراج کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ خدا اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے جیسا کہ خود قرآن میں مذکور ہے)

معراج کی علمی توضیح

پیغمبر اسلام کی معراج کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ مسلمانوں نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ذکر کروں۔ حضرت محمدؐ کی معراج کے بیان کے لئے ہمارے ماخذ ابن ہشام، بخاری، حمید اللہ سہیلی، طبری، کنانی اور اسد بیگ کی کتابیں ہیں۔ یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ معراج رجب کے مہینے میں ہوئی جو عربی کا ساتواں مہینہ ہے۔ اور جس رات میں حضرت محمدؐ آسمان پر گئے وہ اس مہینہ کی ستائیسویں تاریخ تھی۔

مسلمانوں کی روایت کے مطابق حضرت محمدؐ کے آسمانی سفر میں جسے معراج کہتے ہیں دو مرحلے ہیں پہلے مرحلہ سے مراد حضرت محمدؐ کا مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر ہے اور دوسرے مرحلے سے مراد بیت المقدس سے آسمان تک کا سفر ہے۔

مسلمان مورخین اس رات کے کچھ واقعات حضرت محمدؐ کی زبانی اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

حضرت محمدؐ فرماتے ہیں کہ اس رات کو میں مکہ میں سویا ہوا تھا اور قبیلہ سے میرے اخراج کا فیصلہ ابھی جاری نہ ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مکان کی چھت پھٹ گئی اور وہاں سے حضرت جبرئیل داخل ہوئے۔ حضرت جبرئیل نے میرا سینہ چاک کیا پھر آب زمزم سے اسے دھویا۔ اسکے بعد ایک لوٹا لائے جو حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ لوٹے میں جو کچھ تھا اسے میرے سینے کے شگاف میں ڈال دیا۔ اور اسے بند کر دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور کہا اٹھو۔ مجھے براق (بالدار گھوڑے) پر سوار کیا (یہ شق صدر کا چوتھا واقعہ ہے مگر معلوم نہیں مصنف نے اس سے قبل والوں کا کیوں ذکر نہیں کیا)

براق (بالدار گھوڑا) جس پر حضرت محمدؐ اس رات سوار ہوئے ایسی سواری تھی جو گھوڑے اور خچر کے درمیان تھی۔ صورت عورت کی طرح تھی اور بجلی کی طرح حرکت کرتی تھی۔ جب حضرت محمدؐ

اِس پر سوار ہوئے تو آپؐ پر خواب و بیداری کی درمیانی حالت طاری تھی۔ حضرت محمدؐ براق پر سوار ہو کر چل پڑے پہلی بار شہر حبرون میں توقف کیا کیونکہ وہاں حضرت ابراہیم کی قبر تھی اور حضرت محمدؐ نے ان کی قبر پر دعا پڑھی۔

اس کے بعد آپؐ براق پر سوار ہو کر وہاں سے آگے چلے۔ دوسری بار بیت اللحم میں جو حضرت عیسٰی کی پیدائش کا مقام ہے توقف کیا اور وہاں بھی دُعا پڑھی۔ پھر براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے اور مسجد اقصٰی پہونچے۔ یہاں حضرت محمدؐ کے سفر کا پہلا حصّہ یعنی خاکی سفر ختم ہوا۔ سفر کا دوسرا حصہ یا آسمانی سفر مسجد اقصٰی (جو بیت المقدس میں ہے) سے شروع ہوا۔ اس سے پہلے کہ حضرت محمدؐ آسمان کی طرف حرکت کریں اپنے پیر کا نشان قبۃ الصخرہ (گنبد سنگی) پر جو بیت المقدس میں واقع ہے باقی چھوڑ دیا جس طرح کہ حضرت ابراہیم نے اپنی زندگی میں اپنے پیر کا نقش مقام ابراہیم پر باقی چھوڑا تھا۔

حضرت محمدؐ براق پر سوار ہو کر زمین سے آسمان کی طرف چلے۔ اور فلک قمر میں جو زمین سے بہت قریب ہے داخل ہوئے۔ وہاں حضرت محمدؐ نے حضرت آدم کو پایا اور دیکھا کہ آدم آدمیوں کے دو گروہوں کے درمیان ہیں جو زمین سے آئے ہوئے ہیں کچھ لوگ دائیں طرف ہیں اور کچھ لوگ بائیں طرف۔ جو لوگ دائیں طرف ہیں وہ جنت میں داخل ہونیوالے ہیں اور جو لوگ بائیں طرف ہیں وہ جہنم میں جائیں گے۔ حضرت آدم چونکہ انسان ہیں اس لئے جب وہ پہلے گروہ کو دیکھتے تھے تو مسکراتے تھے۔ جب دوسرے گروہ کو دیکھتے تھے تو روتے تھے۔ کیونکہ حضرت آدم تمام انسانوں کے باپ ہیں لہٰذا ایک باپ کی طرح اپنے لڑکوں کی خوشحالی سے خوش اور بدبختی سے رنجیدہ ہوتے تھے۔

حضرت محمدؐ پہلے آسمان سے گذر کر دوسرے آسمان پر پہونچے۔ وہاں حضرت عیسٰی اور یوحنا سے ملاقات ہوئی۔ پھر تیسرے آسمان کا سفر کیا اور مشاہدہ کیا کہ وہاں حضرت یوسف ہیں۔ حضرت محمدؐ نے چوتھے آسمان میں اور یس پانچویں میں ہارون اور چھٹے میں موسٰی اور ساتویں میں حضرت ابراہیم کو پایا۔ اس سے بلند کوئی آسمان نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم ساتویں آسمان میں ایک مکان کی دیوار سے جس کے متعلق معلوم ہوا کہ فرشتوں کا مکان ہے تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس مکان کی ساخت کا خاکہ کعبہ کی ساخت کے خاکے کے مانند ہے۔ ساتویں آسمان کے بعد ایسی جگہ ہے جو اطراف کعبہ یعنی حرم کے مانند ہے جبکہ آخر میں سدرۃ المنتہیٰ ہے اور یہ ایسا درخت ہے جس کے بعد کی حالت بالکل نامعلوم ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کے بعد ملکوت کی کیا وضع ہے۔

وہاں پیغمبر اللہ تعالیٰ سے اس قدر نزدیک ہو گئے کہ ان کے قلم کی آواز سنتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ انسانی افراد کے حساب کی نگرانی میں مشغول ہے۔ قلم کی آواز سننے کے باوجود خدا کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ کوئی شخص خدا کو نہیں دیکھ سکتا اگرچہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔

جب پیغمبر اسلام آسمان پر جا رہے تھے تو آپ نے فلک اول یا فلک قمر پر فرشتوں کو دیکھا جو لوگوں کی ہیئت دیکھتے تھے اور معائنہ کرتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ آسمان کی طرف کون لوگ آرہے ہیں۔ حضرت محمدؐ پیغمبر تھے مگر اس کے باوجود خدا کی آواز بلاواسطہ نہیں سن سکے بلکہ یہ خدائی آواز حضرت جبرئیل کے ذریعہ آپؐ کے کان میں پہونچتی تھی۔ کیونکہ کوئی کان اگرچہ پیغمبر کا کان ہو یہ طاقت نہیں رکھتا کہ بلاواسطہ خدا کی آواز سن سکے۔ (طبرانی کی روایت کے مطابق رسول اللہ نے نور اعظم کا مشاہدہ کیا اور اللہ نے بلاواسطہ آپؐ سے کلام کیا)

اللہ تعالیٰ نے وہاں حضرت جبرئیل کے ذریعہ حضرت محمدؐ سے گفتگو کی اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں نے آپؐ کو قبیلہ سے خارج کر دیا ہے مگر آپ کو صبر کرنا چاہئے اور معلوم ہونا چاہئے کہ آپ سے پہلے بھی پیغمبر تھے جنھوں نے آپ سے زیادہ مصائب جھیلے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے شکنجہ میں دبائے گئے کہ مر گئے۔ پھر خدا نے حضرت محمدؐ سے آئندہ کے بارے میں گفتگو کی اور کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ اپنے ساتھیوں کو لیکر مصر سے ہجرت کر گئے آپؐ بھی اپنے ساتھیوں کو لیکر مکہ سے ہجرت کر جائیے۔ یہ فطری بات ہے کہ یہ کام ارادہ و استقامت سے تعلق رکھتا ہے۔ آپؐ کے ارادہ و استقلال کو تقویت دینے کیلئے ہم آپؐ کو آسمان پر لائے ہیں۔

جب حضرت محمد بارگاہِ الٰہی سے دنیا کی طرف رخصت ہوئے تو آپؐ کو بارہ فرمان حاصل ہوئے (جیسا کہ حضرت موسیٰ کو دس فرمان حاصل ہوئے تھے) اور حکم ہوا کہ مسلمانوں میں ان کی تبلیغ کریں۔ بارہ فرمان یہ ہیں:۔

(۱) مسلمانوں کو خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہیئے۔ (۲) اپنے والدین سے محبت رکھیں اور ان کا احترام کریں (۳) صلہ رحمی کریں (۴) کمزور، مسافر اور بیگانے جو پناہ میں آئیں انکی مدد کریں۔ (۵) فضول خرچی نہ کریں (۶) بخل نہ کریں (۷) زنا کی طرف قدم نہ بڑھائیں (۸) قتل سے پرہیز کریں (۹) دوسروں کا مال خصوصاً یتیموں کا مال غصب نہ کریں (۱۰) وزن کے باٹ اور ناپ کے پیمانے ٹھیک رکھیں دھوکہ بازی نہ کریں (۱۱) خلاف عقل کاموں کی طرف سبقت کرنے سے پرہیز کریں (۱۲) غرور نہ کریں۔

حضرت محمدؐ نے معراج کے بعد ان تمام لوگوں کے متعلق بیان فرمایا جنھیں آپؐ نے آسمان میں دیکھا تھا۔ نامناسب نہ ہوگا اگر میں کہوں کہ دانتہ مولف کتاب کمدی خدائی نے اپنی کتاب میں معراج کے واقعہ کا بیان اور لوگوں کی تعریف اسی طرح کی ہے جس طرح حضرت محمدؐ نے بیان فرمایا ہے۔ حضرت محمدؐ نے معراج کے سفر میں نوع انسان کی تمام ممتاز ہستیوں کو دیکھا اور سب کو پہچان لیا۔ آپ نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو نیزے اور قلم لئے ہوئے تھے۔ یعنی لڑنے والے شمار ہوتے تھے اور اہل قلم بھی تھے اور آجکل کی زبان میں صاحب السیف والقلم شمار ہوتے تھے۔

حضرت محمدؐ نے آسمان میں ان تمام بڑے پیغمبروں اور علم والوں کو دیکھا جو گذشتہ زمانہ میں اس دار فانی کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ یہ چیز آپ کے لئے بہت بڑی توفیق تھی۔ کیونکہ آپ سب کو قریب سے پہچان سکے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت محمدؐ نے سات آسمان طے کئے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچ گئے۔ وہاں خدائے تعالیٰ سے گفتگو کی لیکن اس کے باوجود جب واپس ہوئے اور اپنے گھر پہنچے تو دروازے کی زنجیر جو جاتے وقت کھولی گئی تھی اسی طرح حرکت کرتی تھی۔

انشتین کے فرضیۂ نسبی (نظریۂ اضافت) سے جو اس زمانہ میں بہت مشہور ہے واقفیت

کے بعد یہ بات زیادہ تعجب انگیز نہیں رہ جاتی کیونکہ اس نظریہ میں بیان کیا گیا ہے کہ زمانہ ایسے دو شخصوں کے اعتبار سے جن میں ایک ساکن اور دوسرا متحرک ہے یکساں جلوہ گر نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بات مان سکتے ہیں کہ ایک شخص مکان سے آسمانوں میں جائے اور پھر واپس آئے لیکن اسکے دروازے کی زنجیر واپسی تک اسیطرح ہلتی رہے۔ چونکہ زمانہ کے نسبی ہونے کے متعلق کافی بحث کی گئی ہے اور سب کو معلوم ہے اس لئے میں اس بحث میں نہیں پڑتا۔

حضرت محمدؐ کی معراج میں یہ بات زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے بلکہ جو چیز تعجب پیدا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آیا حضرت محمدؐ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر جا سکے جو گوشت، خون، ہڈی اور پوست سے بنا ہے؟

علماء اسلام حضرت محمدؐ کی معراج کے بارے میں دو نظریہ رکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر گئے تھے۔ بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ کی روح آسمان کی طرف پرواز کر گئی لیکن علماء اسلام میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ حضرت محمدؐ نیند کی حالت میں آسمان پر گئے اور خواب میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچے۔

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کا جسم آسمان پر گیا وہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ پیغمبر تھے اس لئے وہ سب کام کر سکتے تھے لہٰذا وہ اس پر بھی قادر تھے کہ اسی جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر جائیں اور ساتویں آسمان کو طے کریں۔ لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گئے کیونکہ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر جانا ضروری نہ تھا بلکہ وہ اپنی روح کے ساتھ آسمان پر گئے۔ ساتویں آسمان دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ پر پہونچے اور خدا سے گفتگو کی۔

اِن کے عقیدہ کے مطابق ہم پیغمبر نہ ہوتے ہوئے بھی خواب کی حالت میں ایسی جگہوں پر پہونچتے ہیں جو ہزاروں میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اور ایسے لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں جو مردہ ہیں۔ ہم صرف انھیں مُردوں سے گفتگو نہیں کرتے جنھیں پہچانتے ہیں بلکہ نیند میں ایسے لوگوں سے بھی گفتگو کرتے ہیں جنھیں مرے ہوئے سینکڑوں سال گذر چکے ہیں۔ جب ہم ان مُردوں سے گفتگو کرتے ہیں تو جانتے ہیں کہ وہ مردہ ہیں لیکن اس کے باوجود ان سے گفتگو کرنے میں ہمیں حیرت نہیں ہوتی اور ہماری نظر میں ایک معمولی سی چیز معلوم ہوتی ہے۔ انھیں رنج سے بچانے کے لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ تم مردہ ہو۔ جب ہم خواب دیکھتے ہیں

تو ہمارے خاکی بدن کو حرکت نہیں ہوتی۔ اسی طرح بستر پر پڑے رہتے ہیں لیکن اس قدر آزاد ہوتے ہیں کہ جہاں چاہیں جا سکیں۔ ایسی حالت میں بقول قدما، روح بدن سے نکل جاتی ہے اور فضا میں گھومتی رہتی ہے۔ دور دراز شہروں میں جاتی ہے اور ایسے لوگوں سے ملتی ہے جو ہم سے سینکڑوں برس پہلے مر چکے ہیں۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ہم ان لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں جو ہم سے پہلے دوسرے ملکوں میں زندہ رہے ہیں۔ نہ وہ ہماری زبان جانتے ہیں اور نہ ہم ان کی زبان جانتے ہیں لیکن یہ عدم واقفیت گفتگو میں مانع نہیں ہوتی۔ ہم انکی بات سمجھ لیتے ہیں اور وہ ہماری بات سمجھ لیتے ہیں

یا بخیال دیگر روح ہمارے بدن سے خارج نہیں ہوتی ہے بلکہ خواب کی حالت میں ہمارے وجود میں (جیسا کہ آج ہم کہتے ہیں ہمارے اعصاب اور مغز کے حصوں میں) ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ تمام درمیانی پردے ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ طویل فاصلے کم ہو جاتے ہیں خود اپنے کو ایسا شخص پاتے ہیں جو تمام جگہوں کو پہچانتا ہے اور تمام لوگوں سے واقف ہے

بیداری کی حالت میں ہم ایک ایسی نہر کو جو ذرا چوڑی ہے پار نہیں کر سکتے لیکن خواب کی حالت میں درّوں کے اوپر اڑتے ہیں اور پہاڑی چوٹیوں سے گذرتے ہیں۔ یہ پرواز ایسی عادی ہے جیسے کہ شہر کے کسی باغ سے گذر رہے ہوں۔ خواب میں بہت سی ناممکن چیزیں ہمارے لئے بالکل ممکن ہو جاتی ہیں۔ ہم خواب دیکھنے کی حالت میں اس بات پر قادر ہوتے ہیں کہ اپنے گھر میں رہیں اور اس جگہ بھی جو ہزاروں کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اس فاصلہ کے باوجود ہم اپنے وجود کو دونوں جگہ محسوس کرتے ہیں۔

خواب کی صورت میں ہم بیگانوں کی زبان سمجھنے پر قادر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ (خواب کی حالت میں) جس وقت کسی اجنبی ملک میں پہونچتے ہیں تو ہماری نظر میں ساری زمین ایسی آشنا ہوتی ہے کہ گویا ہم وہاں پیدا ہوئے ہیں اور وہیں میری نشو و نما ہوئی ہے۔

خواب کی حالت میں ہمارے دوست و آشنا بھی ہوتے ہیں کہ بیداری کی حالت میں ان

میں سے کسی کو نہیں پہچانتے ہیں لیکن جب تک سوتے رہتے ہیں وہ ہمارے پاس ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض ہم سے محبت کرتے ہیں اور بعض ایسے وحشت انگیز ہوتے ہیں کہ ہم انھیں دیکھ کر فریاد کرتے ہیں اور خوف کے باعث ہماری نیند ٹوٹ جاتی ہے۔

ہم خواب کی صورت میں آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر جا سکتے ہیں اور اس کے مرکز تک پہونچ کر بغیر جلے ہوئے باہر آسکتے ہیں۔ اسی طرح جان سے ہاتھ دھوئے بغیر سخت سردی برداشت کر سکتے ہیں۔ خواب کی حالت میں وقت کا اندازہ لگانے کے لئے ایک دوسرا مقیاس ہوتا ہے۔ ہم خواب کی دنیا کے زمانہ کا اندازہ دن اور گھنٹے سے نہیں لگا سکتے۔ بہت سے لوگوں کو ایسا اتفاق ہوا ہے کہ رات یا دن کے وقت خواب کی حالت میں اپنے کو اجنبی حکومت میں دیکھا ہے۔ وہاں سالہا سال بسر کئے ہیں۔ حوادثات کا سلسلہ بھی پیش آیا ہے۔ ہر حادثہ نے ایک مدت تک طول کھینچا ہے لیکن جب بیدار ہوئے ہیں اور وقت کا اندازہ لگایا ہے تو معلوم ہوا کہ چند منٹ سے زیادہ خواب کی حالت میں نہیں رہے۔

یہ ایسے مسائل ہیں کہ جن کے ثبوت کے لئے زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جس نے اپنی زندگی میں ان مسائل کو آزمایا ہے وہ جانتا ہے کہ خواب کی حالت میں تمام فاصلے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ انسان آن واحد میں ہر جگہ پہونچ جاتا ہے اور ہر چیز کو سنتا ہے۔ اجنبی قوموں کی زبان سمجھتا ہے حتیٰ کہ اس زبان میں گفتگو بھی کرتا ہے۔

انسان خواب کی حالت میں ایسی آوازیں سنتا ہے کہ بیداری میں ویسی آوازیں نہیں سنتا گویا وہ نغمے دوسری دنیا سے کانوں میں پہونچتے ہیں۔ بعض مصنفین موسیقی نے اپنے دلربا نغمے خواب کی حالت میں سنے ہیں اور جب بیدار ہوئے ہیں تو اس کو نوٹ کر لیا ہے تاکہ فراموش نہ کریں۔

خواب کی دنیا میں گذشتہ وحال اور آیندہ سب زمانے انسان کیلئے ایک ہیں۔ کبھی میلانِ نفس ہزار دو ہزار سال قبل کی طرف منتقل ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ بات چیت کرتا ہے جو زمانہ گذشتہ میں تھے یا آئندہ میں ہوں گے۔ بعض حکیموں نے ایسے مشکل مسائل جنھیں

بیداری میں حل نہ کر سکے خواب کی حالت میں انھیں حل کیا ہے۔ جو قیودات عالم بیداری میں مغز کو پریشان کرتی ہیں اور طبیعت کو اپنے جوہر بروئے کار لانے سے روکتی ہیں عالم خواب میں معدوم ہو جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں کیا ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت محمدؐ جیسا ایک شخص جو اسلام کا پیغمبر ہے بیداری کے عالم میں اپنی روح کو ایسے عالم میں بھیجے جسے ہم عالم خواب کی شکل میں تصور کر سکیں؟

کیا یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ جو کیفیت عالم خواب میں ہمارے اعصاب اور مغز کی رگوں میں نمایاں ہوتی ہے وہی حالت حضرت محمدؐ کے اعصاب اور رگوں میں بیداری کی حالت میں پیدا ہو گئی ہو اور ایسی دنیا میں لے گئی ہو جسے ہم عالم رویا کی شکل میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ چونکہ خواب کی حالت میں یا تو روح ہمارے بدن سے خارج ہو جاتی ہے اور دوسری دنیا میں پہونچ جاتی ہے (جیسا کہ قدماء کا عقیدہ تھا) یا ہمارے اعصاب اور مغز میں ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو زمان و مکاں کے قیود سے آزاد کر دیتی ہے۔ ہم اپنے کو ازلی و ابدی سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز میں شریک ہیں۔ کبھی پہاڑ، گھاس وغیرہ کی آواز سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر یہی کیفیت بیداری کے عالم میں حضرت محمدؐ کے اعصاب اور مغز میں موجود ہو گئی ہو تو ان کی معراج عقلی اعتبار سے قابل قبول ہے۔ اور یہ بھی تسلیم کر سکتے ہیں کہ آپؐ کا سفر اس قدر تیز تھا کہ جس وقت آپؐ واپس تشریف لائے تو دروازے کی زنجیر ہل رہی تھی۔ آخری بات بطور ضرب المثل بیان کی گئی ہے بطور روایت نہیں؟

لیکن اسلامی موخوں کا ایک گروہ اس بات کا معتقد ہے کہ حضرت محمدؐ کی روح آسمان پر نہیں گئی ہے بلکہ حضرت محمدؐ اسی خاکی جسم کے ساتھ خلاف عادت تیزی سے آسمان پر تشریف لے گئے اور واپس آئے۔ اگر تذکرہ نویسوں کی اس روایت کا مطالعہ کیا جائے تو طبعی طور پر دو بحثیں پیش آتی ہیں۔ ایک تو سفر کی سرعت کا مسئلہ۔ دوسرے یہ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جسم نور سے زیادہ

یا اس کے برابر تیزی رکھ سکے جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے معراج کے سفر میں حضرت محمدؐ کے سفر کی تیزی نور کی تیزی سے زیادہ اور قوت جاذبہ کی سرعت امواج کے موافق ہوئی ہے کیونکہ حضرت محمدؐ چند منٹ میں فضائے بیکراں کے دُور ترین مقام پر تشریف لے گئے ہیں اور واپس آئے ہیں۔ آج ہمیں معلوم ہے کہ اس دنیا کی وسعت انیشتن کے قول کے مطابق اتنی ہے کہ اس کا قطر تین ہزار میلین سال نوری ہوتا ہے۔ یعنی سرعت ثانیہ (تیس لاکھ کیلومیٹر) سے حرکت کرنیوالا نور اگر اس دنیا کا چکر لگائے تو ایک طرف سے دوسری طرف تین ہزار میلین سال کے بعد پہونچے گا۔ لیکن ایک سرعت اور ہے جو آنی ہے اور ایک لمحہ میں دنیا کے گرد چکر لگاتی ہے۔ یہ قوت جاذبہ کی لہروں کی تاثیر ہے۔ کہکشاں جو کہ دسیوں میلین دھوپ رکھنے والا ہے اگر اچانک ٹکڑے ٹکڑے ہو کر موجوں سے بدل جائے تو دنیا کی قوت جاذبہ کے ردعمل کا اس طرح پتہ دیگا کہ فوراً دنیا کا نظام بدل جائیگا اور اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم اس وقت اس دنیا سے دھوپ رخصت ہو جائے گی

قوت جاذبہ کا اثر جسے نیوٹن نے نکالا ہے ساری دنیا میں فوراً ظاہر ہوتا ہے اسی طرح قوت جاذبہ کے ردعمل کی سرعت بھی آنی ہے۔ اسلامی مؤرخوں کی روایت کے مطابق حضرت محمدؐ کے آسمانی سفر کی رفتار نور کی رفتار سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ پس اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت محمدؐ نے بیداری کی حالت میں اپنی روح کے ساتھ آسمانوں پر پرواز کی ہے تو کوئی طبیعاتی مسئلہ نہیں پیدا ہوتا لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ آپؐ نے خاکی جسم کے ساتھ آسمانوں پر پرواز کی ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جسم نور کی تیز رفتاری کو (جو تین ہزار کیلومیٹر فی سکنڈ ہے) برداشت کر سکتا ہے؟ علم طبیعات بتاتا ہے کہ مادہ تین ہزار کیلومیٹر کی تیز رفتاری کو اس صورت میں برداشت کر سکتا ہے جبکہ نور میں تبدیل ہو جائے۔ لیکن تین ہزار کیلومیٹر سے زیادہ تیز رفتاری کو نور بھی برداشت نہیں کر سکتا لیکن بعض اسلامی مؤرخ کہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ اسی جسم خاکی کیساتھ نور سے زیادہ تیز رفتاری پر قادر تھے اور اپنا سفر ایسی سرعت کیساتھ کر سکتے تھے جو قوت جاذبہ کے ردعمل کے مثل ہے۔ اگرچہ علم طبیعات اس بات کو قبول نہیں کرتا لیکن میں چونکہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا احترام کرتا ہوں اس لئے مذہبی نظر سے اسے قبول کرتا ہوں۔ ہم لوگ (عیسائی) بھی اپنے مذہبی معتقدات میں ایسے مسائل رکھتے ہیں جنہیں علم طبیعات تسلیم نہیں کرتا لیکن مذہبی عقیدہ کی بنا پر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔

غیر مرئی افراد کا ایمان لانا

(یعنی جنوں کا مسلمان ہونا)

آسمان سے واپسی کے بعد حضرت محمدؐ نے دیکھا کہ مکہ والے اسی طرح دشمنی پر قائم ہیں اور دشمن بھی ایسے کہ بلا خوف قصاص آپکو قتل کر سکتے ہیں۔ اتفاق سے اس وقت قبیلہ بنو خیفہ کے کچھ لوگ حج (عمرہ) ادا کرنے کے لئے مکہ آئے۔ قریش والوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک شخص کو مزدوری دے کر حضرت محمدؐ کے قتل کے لئے مقرر کیا۔ حضرت محمدؐ کو یہ بات معلوم ہو گئی۔ چونکہ خدا نے آپؐ کو حکم دیا تھا کہ مکہ سے نکل جائیں لہٰذا آپ رات کے وقت مکہ سے روانہ ہوئے اور طائف کا راستہ اختیار کیا۔

طائف ایک شہر ہے۔ یہ مکہ کے جنوب میں واقع ہے۔ مکہ سے طائف پہونچنے کے لئے اگر اونٹ سے سفر کرتے تھے تو دو دن لگتے تھے اور اگر خچر سے سفر کرتے تھے تو یہ راستہ ایک ہی دن میں طے ہو جاتا تھا۔

چونکہ طائف سمندر کی سطح سے ایک ہزار آٹھ سو فیٹ بلند اور آب دار ہے اس لئے وہاں بارش بھی ہوتی ہے اور نہایت سرسبز و شاداب شہر ہے۔ مکہ کے تمام دولتمند وہاں اپنا مخصوص باغ رکھتے ہیں۔ آج بھی کوئی شخص جب عرب کے بیابان سے گذر کر طائف پہونچتا ہے تو وہاں کے باغوں کو دیکھتا ہے اور ٹھنڈی ہوا سے مستفید ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے دوسری دنیا میں قدم رکھا ہے۔

طائف کے باشندے دولتمند تھے اور ان کا اصلی پیشہ سود خوری تھا۔ سرمایہ کا سو فیصدی سود لیتے تھے۔ کچھ لوگ غلام رکھتے تھے جن سے کھیتی کراتے تھے۔ طائف کے باشندوں کی خصوصیت

یہ تھی کہ وہ روٹی کھاتے تھے۔ اسی لئے اونٹ کے دودھ کی پہچان میں کوئی مہارت نہیں رکھتے تھے لیکن عرب بادیہ (جنکی غذا اونٹ کا دودھ تھی) جس وقت اونٹ کا دودھ پیتے تھے تو یہ تبلا دیتے تھے کہ جس اونٹنی کا یہ دودھ ہے وہ کتنے سال کی ہے اور اس نے کون سی گھاس کھائی ہے جس سے یہ دودھ بنا ہے۔

عرب میں میں نے خود اس بات کو آزمایا ہے۔ ایک عرب بادیہ اونٹ کا دودھ پی رہا تھا میں نے اس سے دریافت کیا اس نے بلا تامل اونٹنی کا سن بتلا دیا اور تعین کے ساتھ بولا کہ کس جگہ یہ اونٹنی چری ہے۔ کیونکہ جنگل کا ہر حصہ ایک خاص قسم کی گھاس رکھتا ہے جو دوسری جگہ نہیں پائی جاتی۔ اور عرب بادیہ جنگل کے مختلف حصوں کی گھاس پہچانتے ہیں۔ چونکہ طائف کے باشندے مالدار تھے لہٰذا اپنا کچھ وقت علم و ادب اور ہنر میں خرچ کر سکتے تھے۔

جزیرۃ العرب کے شمال کا یکتا حکیم طائف میں رہتا تھا۔ ان کا نام حارث بن کلدہ تھا مشہور مورخ ابن خلقان کہتا ہے کہ حکیم مذکور نے علم طب ایرانیوں سے سیکھا تھا۔ اس زمانے میں ایرانی طب بہت مشہور تھی۔ بڑے بڑے حکیم ایران میں رہتے تھے۔ شمالی عرب کا یکتا نجومی جو علم نجوم کو بطور علم جانتا تھا اور ستاروں کی حرکت سے واقف تھا وہ بھی طائف ہی میں رہتا تھا اور عمرو بن امیہ کے نام سے مشہور تھا۔

عربی زبان میں طائف دیوار کو کہتے ہیں۔ طائف عرب کا واحد شہر تھا جو قلعہ رکھتا تھا۔ اس قلعہ کو بھی عربوں نے نہیں بنایا تھا۔ بلکہ ایک مہندس اور چند ایرانی معماروں نے بنایا تھا۔ طائف کے ایک شخص نے ایرانی بادشاہ کی بڑی خدمت کی۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میری درخواست یہ ہے کہ آپ اپنا مہندس اور معمار میرے یہاں بھیجدیں تاکہ میرے شہر یعنی واج میں (کیونکہ قلعہ بننے سے پہلے طائف واج کے نام سے موسوم تھا) ایک قلعہ تعمیر کروائیں۔ ایرانی بادشاہ نے اس کی درخواست قبول کرلی اور شہر واج میں ایک قلعہ تعمیر ہوگیا۔ قلعہ کی تعمیر کے بعد لوگ اسے طائف کہنے لگے۔

طائف میں ایک پتھریلا ٹیلا تھا۔ اور لات کا مجسمہ اس پر نصب تھا (لات عرب کے تین بڑے بتوں میں سے ایک بت تھا) وہ ٹیلہ اور اس کے اطراف کی زمین پست شمار ہوتی تھی جو شخص یہاں پہونچ جاتا تھا (اگرچہ قاتل ہی کیوں نہ ہو) سزا سے محفوظ ہو جاتا تھا۔ حضرت محمدؐ طائف تشریف لے گئے اور ایک ایسے رشتہ دار کے مکان کی طرف گئے جو عبدالمطلب کا چچازاد بھائی شمار ہوتا تھا۔ اس شخص کا نام عبد یالیل تھا۔ جس وقت اس شخص نے سنا کہ حضرت محمدؐ تشریف لائے ہیں تو اس نے قبول نہ کیا اور اپنے چند غلاموں کو بھیجا تاکہ حضرت محمدؐ پر پتھر برسائیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ قبیلۂ ہاشم نے آپؐ کو خارج کر دیا ہے۔

عبد یالیل کے غلاموں نے حضرت محمدؐ کا پیچھا کیا اور آپؐ کی طرف پتھر پھینکنا شروع کر دیا۔ آپؐ نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اور طائف کے ایک باغ میں پوشیدہ ہو گئے۔ عبد یالیل کے غلاموں نے اگرچہ آپؐ کو کھو دیا تھا لیکن طائف کی گلیوں میں برابر آپؐ کی تلاش جاری تھی۔ حضرت محمدؐ اس باغ میں ٹھہرے رہے۔ اس باغ کے مالک مکہ کے باشندے تھے وہ حضرت محمدؐ کو پناہ دینا نہیں چاہتے تھے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وہ پتھر کی ضربوں سے زخمی اور خون آلود ہو گئے ہیں تو انھیں رحم آگیا اور اپنے عیسائی غلام سے کہا کہ حضرت محمدؐ کو انگور کا ایک خوشہ دیدو۔ غلام نے انگور کے درخت سے خوشہ توڑا اور لیجا کر حضرت محمدؐ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ تناول فرمائیے۔

حضرت محمدؐ نے انگور کو منھ لگانے سے پہلے بسم اللہ پڑھا۔ عیسائی غلام کو اس بات سے حیرت ہوئی۔ اس نے دریافت کیا "اے زخمی انسان کیا تو عیسائی ہے؟" حضرت محمدؐ نے فرمایا "نہیں"! غلام نے کہا کہ یہ کلام جو آپؐ نے پڑھا ہے اسے عیسائی لوگ کھانے سے پہلے پڑھتے ہیں۔ اگر آپؐ عیسائی نہیں ہیں تو کیوں یہ الفاظ زبان پر لاتے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں (جس خدا نے مجھے بھیجا ہے وہ واحد ہے) اسی وجہ سے لوگ مجھے پتھر مارتے ہیں اور قتل کرنا چاہتے ہیں۔ غلام نے کہا کہ میں بھی خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوں کیونکہ میں عیسائی ہوں۔

عیسائی غلام (موسوم بہ عداس) اور پیغمبر اسلام کے درمیان دوستی ہوگئی۔ اس نے پیغمبر اسلام سے کہا کہ یہ باغ دو بھائیوں کا ہے۔ ایک کا نام عتبہ اور دوسرے کا شیبہ ہے (یہ دونوں اُس ربیعہ کے لڑکے ہیں جو طائفہ قریش کا ایک فرد تھا)۔ اگرچہ میرے مالک (عتبہ) نے آپکو انگور کھلانے کا حکم دیا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ آپ کی حفاظت نہیں کرے گا۔ میں آپکو رات کے وقت اس باغ اور طائف سے ایسے طریقہ سے باہر لیجا سکتا ہوں کہ آپکی گھات میں جو لوگ لگے ہوئے ہیں انھیں آپ کے نکلنے کی خبر نہ ہو اور نہ وہ آپ کو دیکھ سکیں۔

عیسائی غلام (عداس) نے اپنے وعدہ پر عمل کیا اور رات کے وقت پیغمبر اسلام کو عتبہ و شیبہ کے باغ سے باہر نکالا۔ پھر طائف سے باہر لیجا کر اس طرح عرض کیا "اے خدا پرست انسان اس شہر سے دور رہو کیونکہ یہاں آپ کی جان خطرے میں ہے"۔ حضرت محمدؐ نے طائف سے نکل کر مکہ کی راہ لی اور ایسی جگہ کی طرف روانہ ہوگئے جو وہاں سے دور تھی۔

پیغمبر اسلام کا تمام بدن پتھر کی ضربوں سے درد کرتا تھا۔ وہ بھوکے اور پیاسے تھے لیکن بھوک پیاس اور درد کی پروا کئے بغیر برابر راستہ طے کر رہے تھے۔ رنج و تکلیف برداشت کرنا بھی عرب بادیہ کی جسمانی اور روحانی خصوصیات میں شامل ہے۔ اگر عربی انسان رنج برداشت نہ کرے اور صابر نہ ہو تو عرب کے جزیرہ میں زندگی نہیں گذار سکتا۔ الصبر مفتاح الفرح (صبر آرام کی کنجی ہے) عربی کی مشہور ضرب المثل ہے۔ یہ ایک ایسی مثل ہے جسے عرب بادیہ نے خود اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ ایک عرب جس دن سے داہنا بایاں ہاتھ پہچاننے لگتا ہے اسی دن سے اس ضرب المثل کا مفہوم سمجھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔

عرب کے جو بچے بکریاں چراتے تھے کبھی کبھی ایک ماہ تک بکریوں کے ساتھ اپنے ماں باپ سے دور رہتے تھے۔ اس مدت میں اگر انھیں بھیڑ بکری کا دودھ میسر نہ ہوتا تھا تو بھوکے رہتے تھے۔ ایک دس سالہ عربی لڑکا پینتالیس روز تک عرب کے جنگلوں میں والدین سے دور پڑا رہا اس طویل مدت میں اسے خوراک نہ پہونچی۔ پینتالیس روز کے بعد جب لوگوں سے ملاقات ہوئی

تو اسے نہ کوئی وحشت تھی نہ شکایت۔ اس نے کہا میں نے صبر کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ آخر کار اپنے والدین کو پاؤں گا۔

ایک عرب بدوی اگر صبر نہ کر سکے تو وہ عرب نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ چونکہ عرب بادیہ تھے اس لئے روحانی اور جسمانی تکلیف صبر کے ساتھ برداشت کر سکے۔ حضرت محمدؐ نے رات کے وقت بطن نخلہ میں قیام کیا اور سوز کے ساتھ بلند آواز سے قرآن کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اس تلاوت کا جنوں پر ایسا اثر پڑا کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ قرآن شریف کی چھیالیسویں سورہ کی تیسویں آیتہ میں یہ بات مذکور ہے۔ خدا اس طرح فرماتا ہے" وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا" (جبکہ جنوں کے ایک گروہ کو آپؐ کی طرف متوجہ کیا تاکہ قرآن سنیں اور جس وقت حاضر ہوئے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ چپ رہو اور سنو)

جنوں سے مراد بیابان کے رہنے والے ہیں جو رات میں دکھلائی نہیں دیتے یا دن میں شہر والوں کو نظر نہیں آتے۔ مشرقی زمین کے بیابانوں میں جن میں جزیرۂ عرب بھی شامل ہے اکثر ایسا اتفاق پڑتا ہے کہ ایک مقام پر رات کے وقت دو گروہ رہتے ہیں اس طرح کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں۔ اگر اونٹوں کی آواز کان میں نہ پہونچے، آگ روشن کرنا نظر نہ آئے، قافلہ کے کتے نہ بھونکیں تو ممکن ہے کہ مسافروں کے دو گروہ چند میٹر کے فاصلہ پر ایک دوسرے کو دیکھے بغیر زندگی بسر کر سکیں۔

حضرت محمدؐ اس رات میں تنہا راستہ طے کرتے تھے۔ جس وقت آپ بطن نخلہ میں پہنچے کچھ رات گذر چکی تھی۔ جو لوگ وہاں رہتے تھے وہ بیدار نہ تھے یا بیدار تھے مگر راہ گیر کو دیکھ نہ سکے لیکن اسکی آواز سنی اور بیان سے متاثر ہوئے اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے مسلمان ہو گئے قرآن کی آیتوں اور روایتوں سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ آیا جو لوگ اس رات میں جن تھے یعنی دیکھے نہیں جاتے تھے وہ قافلہ والے تھے یا بطن نخلہ کے باشندے تھے۔ یہ امر مسلم ہے کہ جو لوگ اس رات میں حضرت محمدؐ کو تاریکی کے باعث نظر نہیں آتے تھے انھوں نے آپکی آواز سنی، اس

سے متاثر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

عربی زبان میں جن ایسی چیز کو کہتے ہیں جو پوشیدہ ہو اور دیکھی نہ جا سکے۔ اسی وجہ سے اس بچہ کو جو ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے جن کہتے ہیں اور زیادہ تر لوگ جنین کہتے ہیں یہ لفظ بھی جن ہی سے بنا ہے۔ عربی میں لفظ جن مذکورہ بالا مفہوم کے علاوہ ایک دوسرے معنی بھی رکھتا ہے اور وہ وحشت ہے یعنی دوسروں کا خوف۔ اسی وجہ سے یہ کلمہ عربوں کے درمیان کلمہ اِنس کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اِنس ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد ایک دوسرے سے الفت اور محبت رکھتے ہیں اور جن ایسی جماعت جس کے افراد ڈرتے اور بھاگتے ہیں۔

چونکہ شہر کے رہنے والے تمدن کے باعث آپس میں محبت رکھتے ہیں لہذا عرب والے قدیم زمانے میں شہر کے باشندوں کو اِنس اور بیابان کے باشندوں کو جن کہتے تھے۔ آج ہم ان دونوں لفظوں کو دو لفظوں (اہلی اور وحشی) یا (متمدن اور وحشی) سے بدل سکتے ہیں لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ چودہ سو برس پہلے عربوں کا استنباط انس وجن کے موقع پر انسان متمدن و انسان وحشی سے کرنا ان دونوں قسموں کے بارے میں ہمارے آج کل کے استنباط سے مختلف ہوگا کیونکہ آج ہماری نظر میں وحشی انسان وہ شخص ہے جو شہر میں زندگی نہ گذارے، ہماری طرح کا لباس نہ پہنے، موٹر پر سوار نہ ہو۔ ٹیلیفون۔ ٹیلی گراف وغیرہ سے استفادہ نہ کرے اور اپنے کو ہمارے جماعتی نظام کا تابعدار نہ جانے لیکن چودہ سو برس پہلے عرب میں شہر اور دیہات کے باشندوں میں اس قدر فرق نہ تھا جتنا کہ آج ایک متمدن شخص اور ایک وحشی شخص میں موجود ہے۔ کیونکہ کلی طور پر سارے عرب بادیہ نشیں تھے ایسے سلسلۂ قوانین کی پیروی کرتے تھے جن سے قبیلوں میں اختلاف نہ ہوتا تھا۔

عرب بادیہ اور مکہ کے باشندوں میں جو فرق محسوس ہوتا تھا وہ یہ تھا کہ مکہ والے کبھی گوشت کھاتے تھے اور ایک مدت تک انھیں روٹی نصیب ہوتی تھی۔ اپنا لباس تبادلہ سے

حاصل کرتے تھے۔ تجارت سے پیسہ کماتے تھے۔ پیاس کے وقت پانی پیکر پیاس بجھا سکتے تھے۔ اس سے قطع نظر مکہ کے باشندے بھی عرب بادیہ کی طرح زندگی گذارتے تھے اور معتقدات کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہ تھا۔ مکہ کے باشندے بیابان کے باشندوں کو وحشی نہیں سمجھتے تھے کہ انھیں وحشی انسان کہیں لیکن چونکہ انھیں نہیں دیکھتے تھے اور عرب بادیہ کے شہر میں آنے کا اتفاق کم ہوتا تھا لہذا ان کو جن کہتے تھے۔ یہ بات قرآن کے بھی خلاف نہیں ہے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ جن ایک مخلوق ہے جو آگ سے پیدا ہوئی ہے۔

آج کل کا یہ نظریہ کہ کرۂ خاک آگ سے بنا ہے پتہ دیتا ہے کہ زمین کی بہت سی چیزیں آگ سے بنی ہیں۔ اور چار ہزار یا پانچ سو میلین سال کے طویل انقلابی زمانے کے بعد زمین نے موجودہ شکل اختیار کی ہے۔ میرے لئے ضروری نہیں کہ قرآن کی آیتوں سے اس کا رد کروں۔ بحث سے میرا مقصد صرف ایسے لوگوں کو اطلاع دینا ہے جو نہ عربی جانتے ہیں اور نہ قرآن پڑھ سکتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ قرآن کے ان ترجموں کو پڑھتے ہیں جو یوروپی زبان میں کئے گئے ہیں اور سارے ترجمے کرنے والے عربی زبان کے رموز سے واقف نہیں ہوتے اس لئے ممکن ہے کہ شبہ میں پڑ جائیں اور کہیں کہ کیسے ممکن ہے کہ جن قرآن سنیں۔ لہذا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے میں نے یہ توضیح کی ہے۔

پیغمبر اسلام مکہ پہونچنے کے لئے روانہ ہوئے اور شہر کے قریب پہونچ گئے۔ دس سال پہلے حضرت محمدؐ اس شہر میں آرام سے زندگی گذارتے تھے۔ امتیازی لباس پہنتے تھے۔ بھوک کے وقت کھانا کھاتے تھے۔ اور پیاس کے وقت پانی پیتے تھے (ہر طرح کا آرام تھا) لیکن اس وقت جب مکہ سے قریب ہوئے تو آپؐ زخمی تھے تھکے ہوئے اور بھوکے تھے۔ ممکن ہے یہ پوچھا جائے کہ جب مکہ والوں نے حضرت محمدؐ کو شہر سے خارج کر دیا تھا اور قبیلۂ ہاشم نے ان کا بائیکاٹ کیا تھا تو پھر پیغمبر اسلام کس لئے مکہ تشریف لے گئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت محمدؐ ایک عرب تھے اور عربی شخص قبیلہ کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتا۔ جب اسے ایک قبیلہ سے نکال دیتے تھے تو مجبوراً دوسرے قبیلے میں پناہ

لیتا تھا۔ عرب بادیہ ایک عنصر کے مانند تھا کہ تنہا زندگی نہیں گذار سکتا تھا۔ ہر عنصر کو چاہئے کہ دوسرے عنصر سے وحدت پیدا کرے تاکہ ایک مرکب جوہر بن جائے جو ہمیشہ اسے برقرار رکھ سکے۔ عرب بادیہ شہد کی مکھی کے مثل شمار ہوتا تھا اور قبیلہ مثل چھتہ کے تھا۔ شہد کی مکھی چھتہ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور اگر ایک مدت تک اس سے دُور رہے تو اس کا تعلق منقطع ہو جائیگا۔

خدا نے حضرت محمدؐ سے فرمایا تھا کہ مکہ سے باہر جاؤ۔ لہذا آپؐ مکہ سے طائف چلے گئے تاکہ یہ معلوم کریں کہ اپنے پیروؤں کو لے کر اس جگہ رہ سکتے ہیں۔ لیکن آپؐ سمجھ گئے کہ شہر طائف مسلمانوں کو قبول نہیں کرتا۔ لہذا آپؐ مکہ واپس چلے آئے تاکہ وہاں سے مسلمانوں کو نکالنے کے لئے کوئی بہتر راستہ تلاش کریں۔ چونکہ کسی نہ کسی قبیلہ سے متعلق ہونا ضروری تھا لہذا آپؐ نے اخنس بن شریق کے پاس (جو قبیلہ زہرہ کا رئیس تھا) ایک آدمی بھیجا تاکہ وہ اپنی جوار میں لے لے۔ جوار کی شرح گذر چکی ہے۔

اخنس بن شریق نے حضرت محمدؐ کو جواب دیا کہ وہ جوار دینے پر مائل ہے مگر یہ کام نہیں کرسکتا کیونکہ وہ قبیلۂ قریش سے ملا ہوا ہے اور جو شخص کسی قبیلہ سے متحد ہوتا ہے اسے یہ مجال نہیں ہوتی کہ قبیلہ سے نکالے ہوئے شخص کو قبول کرلے۔

حضرت محمدؐ نے اس وقت سہیل بن عمرو کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے قبیلہ میں قبول کرلے۔ سہیل بن عمرو قبیلہ قریش کا تھا لیکن اس کی اصلی شاخ سے نہ تھا۔ باوجودیکہ وہ فرعی شاخ سے شمار ہوتا تھا مگر حضرت محمدؐ کو پناہ نہ دی۔ حضرت محمدؐ مکہ سے باہر ایک بیابان میں ٹھہرے رجب کا مہینہ تھا اور چاند کے حساب سے مہینہ شمار ہوتا تھا۔ اعراب رجب کے مہینے میں حج (عمرہ) کرتے تھے۔ قربانی والے حج کی نسبت یہ حج چھوٹا ہوتا تھا۔

جب حج کا موسم آیا تو عربی قبیلوں کی ایک بڑی تعداد حج (عمرہ) ادا کرنے کے لئے مکہ آئی حضرت محمدؐ نے قبیلوں کے سرداروں سے ملنا شروع کیا تاکہ کسی قبیلہ میں داخل ہو جائیں۔ حضرت محمدؐ جب کسی قبیلہ کے سردار سے ملتے تھے تو اس سے کہتے تھے کہ مجھے اپنے قبیلہ میں شامل کرلو اور

میرا کہنا مانو۔ میں تمہیں اطمینان دلاتا ہوں کہ آئندہ پاس پڑوس کی حکومتوں کے حاکم بن جاؤ گے لیکن کوئی بھی سردار آپؐ کی درخواست قبول کرنے کو تیار نہ ہوا۔ بعض لوگ ہنستے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ حضرت محمدؐ دیوانہ ہیں۔ کیونکہ ابولہب، ابوسفیان اور ابوجہل نے مشہور کر رکھا تھا کہ محمدؐ مجنون ہیں انکی باتیں نہ سننی چاہئے۔ باوجودیکہ حضرت محمدؐ پندرہ سرداروں سے منفی جواب سُن چکے تھے پھر بھی آپ سولھویں سردار کے پاس گئے۔

حضرت محمدؐ جس رئیس کے پاس گئے تھے وہ اپنے قبیلے کے پانچ آدمیوں کے ساتھ حج (عمرہ) ادا کرنے کے لئے یثرب سے (جس کا نام بعد میں مدینہ ہوگیا) مکہ آیا تھا۔ وہ حضرت محمدؐ پر نہ ہنسا بلکہ اس نے غور سے آپکی باتیں سنیں اور جیسے حضرت محمدؐ نے قرآن کی آیتیں پڑھنا شروع کیں وہ شخص گرویدہ ہوگیا۔ پھر اپنے قبیلے کے پانچوں آدمیوں کو جو اس کے ساتھ مکہ آئے تھے پکارا اور پیغمبر اسلام نے پھر کچھ قرآن کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔ وہ پانچوں شخص بھی اپنے سردار کی طرح بدل گئے۔ یہ چھ آدمی مسلمان ہوگئے۔ عمرہ کرنے کے بعد جب انھوں نے مدینہ واپس ہونے کا ارادہ کیا تو وعدہ کیا کہ وہ دوسروں کو مسلمان کرنے کی کوشش کریں گے۔

مکہ سے باہر زندگی گذارنے کے بعد قبیلہ نوفل (جو قریش کے دس قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا) کا سردار حضرت محمدؐ کو پناہ دینے پر تیار ہوگیا۔ جب ایک قبیلے نے آپکی حمایت کی تو آپؐ نے مکہ میں قدم رکھا اور اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ اسی زمانے میں حضرت محمدؐ نے سودہؓ نامی ایک عورت سے (جو حبشہ سے واپس ہوکر آئی تھی) نکاح کرلیا۔ حضرت سودہؓ مسلمان تھیں اور اپنے شوہر کے ساتھ (کہ وہ بھی مسلمان تھے) ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی راہ لی تھی۔ حبشہ میں سودہؓ کے شوہر اور عبیداللہ بن جحش (کہ دونوں مسلمان تھے) اسلام سے پھر گئے تھے اور عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔

حضرت سودہؓ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر وہ حبشہ میں رہیں تو ممکن ہے ان کا شوہر انھیں بھی عیسائی بنالے۔ لہذا انھوں نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی اور مکہ کی طرف چل پڑیں۔ مکہ پہونچ

کر حضرت محمدؐ کی زوجہ ہو گئیں۔ حضرت سوؓدہ نہ جوان تھیں نہ خوبصورت۔ حضرت محمدؐ فرماتے تھے کہ ان سے اس لئے نکاح کیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بچے بغیر سرپرست کے نہ رہ جائیں۔

حضرت محمدؐ کے حضرت سوؓدہ سے نکاح کرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے جو پیغمبر اسلام کے مخلص دوست تھے پیغمبر اسلام سے درخواست کی کہ انکی لڑکی عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت محمدؐ سے عرض کیا کہ میری لڑکی عائشہ سب سے پہلی عورت ہے جس نے مسلمان ہو کر دنیا میں قدم رکھا ہے لہذا وہ اس لائق ہے کہ آپکی زوجہ بنے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ آپؐ کی لڑکی کمسن ہے۔ اس وقت اس کی عمر سات سال سے زیادہ نہیں تھی حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ آپ نامزد فرمائیں اور ہم لوگ صبر کرتے ہیں۔ جب وہ بڑی ہو گی آپؐ سے نکاح کر لے گی۔ یہ نامزدگی ۶۲۰ء میں عمل میں آئی اور سب سے پہلی عورت جو پیدائشی مسلمان تھی پیغمبر اسلام کی زوجیت کے لئے نامزد ہو گئی (یہ صرف خطبہ منگنی نہیں ہے بلکہ نکاح کی ایک صورت ہے جس میں لڑکی اپنے شوہر کے گھر نہیں بھیجی جاتی)

مذہب اسلام میں اُمّت

حضرت محمدؐ تمام تکلیفوں کے باوجود مزید ایک سال مکہ میں ٹھہرے رہے۔ آپؐ موت کے خواہاں نہ تھے تاہم موت سے ڈرتے بھی نہیں تھے۔ عرب بادیہ اس وقت کہتے تھے اور آج بھی کہتے ہیں کہ جس دن سے ہم نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے کسی نے ہم سے یہ نہیں پوچھا کہ دنیا میں آنے کے خواہاں ہو یا نہیں؟ اگر ہم سے پوچھتے کہ کیا دنیا میں آنا چاہتے ہو تو شاید ہم منفی میں جواب دیتے اور کہتے کہ ہمیں دنیا میں قدم رکھنے کی خواہش نہیں ہے۔ جس روز مجھے اس دنیا سے اٹھائیں گے کوئی ہم سے یہ نہیں پوچھے گا کہ مرنے کی خواہش رکھتے ہو یا زندہ رہنے کی۔ ہماری زندگی خدا کے قبضہ میں ہے وہ جس وقت چاہتا ہے ہمیں اس دنیا میں لاتا ہے (پیدا کرتا ہے) اور جس وقت چاہتا ہے ہمیں اس دنیا سے لیجاتا ہے (مار ڈالتا ہے) ہمیں یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ اس دنیا میں آئیں یا اس دنیا سے جائیں۔ (یعنی زندگی اور موت ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔)

زندگی مثل سرمایہ کے ہے جسے خدا نے ہمیں دیا ہے۔ ہم صرف اس کے نفع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اصل سرمایہ سے نہیں۔ کیونکہ اصل سرمایہ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی لئے موت کی خواہش نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ موت ہمارے اختیار میں نہیں ہے لیکن جب موت آجائے تو ڈرنا نہیں چاہیئے کیونکہ خوف موت کی آمد کو نہیں روک سکتا۔ حضرت محمدؐ بھی عربی تھے اور موت کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ آپؐ موت سے نہیں ڈرتے تھے لیکن اس کے خواہاں بھی نہ تھے۔ آپؐ محنت اور مشقت کے ساتھ زندگی گذارتے چلے جاتے تھے۔

ایک سال بعد یعنی ۶۲۱ء میں مدینہ کے کچھ لوگ عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ آئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مسلمان زیارت کعبہ کیلئے آئے ہیں۔ ان کی تعداد بارہ ہوگئی ہے۔ دس ایک قبیلہ کے ہیں اور دو دوسرے قبیلے کے ہیں۔ یہ بارہ آدمی مکہ پہونچنے کے بعد حضرت محمدؐ کے ساتھ عقبہ (گھاٹی) نامی ایک مقام پر بیٹھے اور مشورہ کیا۔ یہ گھاٹی مکہ اور منیٰ کے درمیان ہے۔ قدیم زمانے میں یہ مقام ابلیس اور موذی ارواح کی گذرگاہ شمار ہوتا تھا۔

بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت ابراہیم نے اپنے کو مسلمان (خدا کا تابعدار) ثابت کرنے کے لئے خدا کی راہ میں اپنے لڑکے کو قربان کرنا چاہا تو شیطان اس گھاٹی میں پہونچا اور حضرت ابراہیم کو خدا کی راہ میں اپنا لڑکا قربان کرنے سے باز رکھنے کے لئے پوری کوشش کی۔ مجبوراً حضرت ابراہیم نے شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اس پر پتھر پھینکنا شروع کر دیا۔ آج کل بھی جو لوگ حج کرنے جاتے ہیں وہ جب اس مقام پر پہونچتے ہیں تو رمی کرتے ہیں یعنی پتھر پھینکتے ہیں۔

مدینہ کے بارہ مسلمان کہ تاریخ اسلام انھیں اور مدینہ کے سارے مسلمانوں کو انصار کہتی ہے جب اس گھاٹی میں پہونچے تو حضرت محمدؐ کو خبر دی کہ گذشتہ سال سے لے کر اس وقت تک مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے اور انکی زیادتی کا سبب قرآن ہے انصار کہتے تھے کہ یہودی بہت دنوں سے انتظار کرتے تھے کہ اس طرف ایک پیغمبر آئے گا۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ انکی پیش بینی صحیح ثابت ہوئی۔ اس بار اس کے بجائے کہ ایک پیغمبر یہودی قوم سے پیدا ہو ایک پیغمبر ہماری قوم یعنی عرب سے ظاہر ہوا اور وہ بھی اس طائفہ قریش سے جس کی اصالت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہم لوگوں (یعنی عرب) نے آج تک عیسائیوں اور یہودیوں کے مقابلہ میں اس وجہ سے شکست کھائی ہے کہ ان کے پاس آسمانی کتاب ہے اور ہمارے پاس نہیں ہے۔ بڑی تمنا تھی کہ ان کی طرح ہمارے پاس بھی کتاب ہو۔ آج ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمارے پاس پیغمبر ہے جو ہمارے لئے کتاب

لایا ہے ۔ اور کتاب بھی قرآن جیسی کہ جس وقت اس کا کلام کان میں پہونچتا ہے تو دل کانپ اٹھتا ہے اور انسان کی حالت دگرگوں ہوجاتی ہے ۔

اس وقت انصار نے (جو اس گھاٹی میں بارہ آدمی تھے) مدینہ کے سیاسی مسائل پر گفتگو کی ۔ انھوں نے بتایا کہ مدینہ کے قبیلوں میں ایک بادشاہ کے انتخاب کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے ۔ اگرچہ ایک زرگر نے مدینہ کے ایک بزرگ عبداللہ بن ابی کے سر کی ناپ لی ہے تاکہ اس کے لئے ایک تاج بنائیں لیکن مدینہ کے سرداروں کی کثیر تعداد اس کی سلطنت کے موافق نہیں ہے بلکہ اس کے عوض اس بات پر متفق ہیں کہ اپنے اختلاف کو دور کرنے کے لئے بادشاہ کے بجائے ایک پیغمبر منتخب کریں ۔ چونکہ حضرت محمدؐ طائفہ قریش کے ہیں اور ان کے باپ عبداللہ مدینہ کے پاس مدفون ہیں ۔ اور آپؐ خود ایک پیغمبر ہیں ۔ لہٰذا مدینہ کے باشندے اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ حضرت محمدؐ کو اپنے درمیان قبول کرلیں ۔ انھیں اس بات کا علم ہے کہ پیغمبر بادشاہ پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ پیغمبر خدائی امداد سے مستفید ہوتا ہے ۔

حضرت محمدؐ نے انصار سے فرمایا کہ کیا آپؐ لوگ میرے ساتھ بیعت النساء کرنے پر تیار ہیں ؟ بیعت النساء ایک قسم ہے جو وفاداری ظاہر کرنے کے پناہ دینے والے قبیلے اور پناہ یافتہ شخص کے درمیان ہوتی ہے ۔ یا اس سے مراد چند قبیلوں کی آپس میں وفاداری کی قسم ہے ۔ اس گھاٹی میں دو قبیلوں کے نمایندوں نے حضرت محمدؐ کے ساتھ بیعت النساء کیا (یعنی آپؐ کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا) عرب والے اس بیعت کو بیعت النساء اس وجہ سے کہتے تھے کہ بیعت کرنے والا قسم کھاتا تھا کہ وہ جس شخص کی بیعت کر رہا ہے اس پر ایسا فدا ہوگا جیسے اپنی عورت اور بچوں پر (حفاظت کرنے میں) فدا ہوتا ہے ۔

ان لوگوں کے قسم کھانے کے بعد حضرت محمدؐ نے ان سے فرمایا کہ اگر آپؐ لوگ اپنی قسم پوری کریں گے تو جنت میں داخل ہوں گے اور اگر پوری نہ کریں گے تو معاملہ خدا پر ہے چاہے وہ آپ کو گوں کو بخشے چاہے سزا دے ۔ جب وہ بارہ آدمی مدینہ واپس ہونے لگے تو حضرت

محمدؐ نے ایک مسلمان (موسوم بہ ابن عمیر) کو ان کے ساتھ بھیج دیا تاکہ مسلمانوں کو قرآن سکھائیں ابن عمیر تجربہ کار شیریں زبان آدمی تھے اور قرآن شریف خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے جب وہ مدینہ پہونچ گئے تو انکے ذریعہ بہت سے مشرکین اسلام میں داخل ہوگئے۔ مدینہ میں اسلام نے ایسی ترقی حاصل کی کہ ۶۲۱ء کے آخر میں یہودیوں کے سوا تمام باشندے مسلمان ہوگئے۔

باوجودیکہ یہودی اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے مگر مدینہ میں حضرت محمدؐ کی تشریف آوری سے متفق تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضرت محمدؐ ان کے اختلافات کو حل کردیں گے۔ حضرت محمدؐ نے مکہ میں رہتے ہوئے مدینہ والوں کا طور وطریقہ معلوم کرلیا۔ اور ہجرت کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ کیونکہ آپؐ سمجھتے تھے کہ ایک بڑے کام کیلئے سبقت کررہے ہیں۔

اس وقت تک تمام تکلیفوں کے باوجود (جنھیں حضرت محمدؐ نے مکہ میں برداشت کیا تھا) آپؐ قبیلۂ قریش سے جدا نہ ہوئے تھے۔ آپؐ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ اگر مکہ سے ہجرت کریں گے تو قریش کا تعلق ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا۔ عربی زبان میں اس قطع تعلق کے لئے ایک خاص اصطلاح ہے جسے دوسرے لوگوں نے اصلی مورد کے علاوہ دوسرے مقاموں میں بھی استعمال کیا ہے۔ یہ اصطلاح کلمۂ فتنہ ہے۔

عربی زبان میں فتنہ قطع تعلق کو کہتے ہیں یعنی کوئی شخص اپنی ساری چیزیں اپنے قبیلے سے منقطع کرلے۔ چونکہ یہ اصطلاح غیر مورد میں بھی استعمال ہوئی ہے اس لئے لوگ تصور کرتے ہیں کہ یہ فساد پیدا کرنے کے معنی میں ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

پیغمبر اسلام جانتے تھے کہ مکہ سے انکی ہجرت فتنہ (یعنی قطع تعلق) ہے۔ اس ہجرت سے عربوں میں ایک جدید جماعت عمل میں آئی ہے جو قدیم طرز کے بالکل خلاف ہے۔ اس جدید جماعت میں حسب ونسب، ثروت وشجرۂ خاندانی کسی شخص کی ملکیت نہیں ہے۔ کالے گورے، امیر وغریب، شریف وعوام سب برابر ہیں۔ وہ لوگوں کو امت کہتے ہیں اور

اس میں سب برابر ہیں کیونکہ سبھی مسلمان شمار ہوتے ہیں۔ اس جدید جماعت کا سردار خدا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اس جماعت میں پیغمبر خدا کا نمائندہ ہے۔

اس جدید جماعت کے تمام افراد خواہ ایک دوسرے کے روبرو ہوں یا خدا کے روبرو برابر ہیں۔ حتیٰ کہ عورت و مرد میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ انھیں چاہئے کہ حقوق سے برابر فائدہ اٹھائیں۔ امت، قبیلہ اور طائفہ کے مانند نہیں ہے۔ حسب ونسب وخون کی بنیاد پر تمام افراد سے جدا ہے۔ جو چیز امت کو تمام افرادِ بشر سے جدا کرتی ہے وہ قانون ہے۔ امت اور تمام افراد بشر کے درمیان ایک دیوار ہے اور وہ وہی قانون ہے۔ مگر یہ دیوار ہر نسل و ہر ملت و ہر طائفہ اور ہر قبیلہ کے کسی بھی فرد کے لئے ناقابلِ عبور نہیں ہے۔ سب لوگ اس امت میں داخل ہو سکتے ہیں اور خدا کی سرداری قبول کر سکتے ہیں (یعنی مسلمان ہو سکتے ہیں) جب ایک شخص اس امت میں قدم رکھتا ہے تو فوراً امت مسلمہ کے تمام افراد کے مساوی ہو جاتا ہے۔

اس وقت تک حضرت محمدؐ سمجھتے تھے کہ اس جدید مذہب کے وجود میں آنے سے (جس میں حسب ونسب، خون وطائفہ، دولت ونسل، رنگ و پوست و بدن کوئی چیز فوقیت کی باعث نہیں ہے) کس قدر عظیم اجتماعی انقلاب عربستان میں اور پھر ساری دنیا میں پیدا ہوگا۔ حضرت محمدؐ اس وقت عرب میں جو انقلاب لانا چاہتے تھے وہ عربوں کے رسم و رواج، قبیلے کے سرداروں کے خلافِ عادت اثر اور ہر قبیلہ کے ایک بڑے اجتماع کی تشکیل سب کے خلاف تھا ان تمام چیزوں کی معلومات کے بعد پتہ چلتا ہے یہ انقلاب فرانس سے بہت بڑا تھا کیونکہ انقلابِ فرانس فرانسیسیوں کے درمیان مساوات پیدا نہ کر سکا لیکن حضرت محمدؐ کے انقلاب نے مسلمانوں میں مساوات پیدا کر دی اور خاندانی وطبقاتی و مادی امتیاز بالکل ختم کر دیا۔

۶۲۲ء میں مدینہ والے دوبارہ عمرہ کرنے کے لئے مکہ آئے۔ رات کے وقت حضرت محمدؐ نے اسی گھاٹی میں ان لوگوں سے ملاقات کی۔ اس وقت ان بارہ آدمیوں کے علاوہ جنھوں نے بیعت النساء کیا تھا مدینہ کے بہت سے دوسرے آدمی جن کی تعداد تہتر ۷۳ تھی اس گھاٹی

میں موجود تھے۔ گھاٹی میں جمع ہونے کے بعد حضرت محمدؐ نے قرآن کی چند آیتیں پڑھیں پھر نئے لوگوں سے (یعنی جنھوں نے بیعت النساء نہ کیا تھا) فرمایا کہ بیعت النسا کے لئے سبقت کریں۔ انھوں نے بھی قسم کھائی کہ اپنے بال بچّوں کی طرح حضرت محمدؐ کی مدافعت کریں گے۔

اس کے بعد حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے مجھ سے بیعت کی ہے کہ اگر میں خطرے میں پڑوں تو اپنے بال بچّوں کی طرح میری جانب سے مدافعت کریں گے لیکن ممکن ہے کہ ایسی بھی صورت پیش آجائے کہ میں اسلام کی ترقی کے لئے جنگ کرنے پر مجبور ہوجاؤں تو کیا آپ لوگ خدا کی راہ میں جنگ کرنے پر تیار رہیں (یعنی جنگ میں پیش قدمی کریں گے) کیا آپ لوگ میرے ساتھ بیعت حرب کرنے کو تیار رہیں؟

بیعت حرب اور بیعت النساء میں ایک فرق ہے۔ اگر ہم ان دونوں عربی اصطلاحوں کو آجکل کی اصطلاح پر منطبق کرنا چاہیں تو ہمیں کہنا چاہئے کہ بیعت الحرب حملہ کرنے کا معاہدہ ہے اور بیعت النساء دفاع کرنے کا معاہدہ ہے۔ جو شخص کسی سے بیعت النساء کرتا تھا وہ اگر کسی پر حملہ آور ہوتا تھا تو بیعت کرنے والا اس کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوتا تھا لیکن اگر دوسرے اس پر حملہ آور ہوتے تھے تو بیعت النساء کرنے والا پوری قوت کے ساتھ اسکی مدافعت کرتا تھا۔ حضرت محمدؐ نے مدینہ کے مسلمانوں کو (جن سے آپؐ بیعت الحرب لینا چاہتے تھے) یہ سمجھایا کہ ممکن ہے کہ ضرورت پڑنے پر مسلمان جنگ چھیڑ دیں مفہوم کے اعتبار سے بیعت الحرب بیعت النساء سے زیادہ بڑی ہے۔ جو شخص بیعت حرب کرتا ہے وہ حملہ اور مدافعت دونوں جنگوں میں شریک ہوتا ہے۔

مدینہ کے مسلمان حضرت محمدؐ کے ساتھ بیعتِ حرب کرنے پر تیار ہوگئے (یعنی آپؐ سے ایسا عہد کیا جو حملہ کے لئے بھی تھا اور مدافعت کے لئے بھی تھا) لیکن بیعت سے قبل عرض کیا کہ اے خدا کے رسول ہمیں خوف ہے کہ جنگ فتح کرنے کے بعد کہیں آپؐ ہمیں چھوڑ کر مکہ نہ چلے جائیں اس پر حضرت محمدؐ نے بھی ان لوگوں سے وفاداری کی قسم کھائی اور اس طرح فرمایا "اے مدینہ کے

مسلمانو! تمہارا خون میرا خون ہے اور میرا خون تمہارا خون ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جو تم سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا۔ تم خدا کی راہ میں جس سے لڑائی کرو گے میں بھی لڑائی کرونگا اس وقت تہتر آدمیوں نے جو وہاں حاضر تھے حضرت محمدؐ سے بیعتِ حرب کی۔ حضرت محمدؐ نے ان پچھتر شخصوں (یعنی تہتر مردوں اور دو عورتوں) کے لئے بارہ سردار منتخب فرمائے جس میں نو سردار ایک طائفہ لیکن نو قبیلوں کے تھے اور تین سردار دوسرے طائفہ کے تھے حضرت محمدؐ نے ان بارہ آدمیوں سے فرمایا تم میرے نمائندہ ہو۔ جب مدینہ واپس جاؤ تو اللہ کے احکام مسلمانوں کو سمجھاؤ۔ ان سے کہو کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے اللہ نے فرمایا ہے کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ" یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اگر بھائیوں میں جھگڑا ہو تو دوسروں کو چاہئے کہ ان میں صلح کرادیں۔ یہ آیت سورہ حجرات کا جزء ہے جو قرآن شریف کی انچاسویں سورہ کی بارہویں آیت ہے۔ سورہ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اس بنا پر حضرت محمدؐ اس آیت کو اس موقع پر نہ پڑھ سکے۔ مگر ہم یہ کہیں گے کہ اس آیت کا مضمون بیان فرمایا۔ نفس آیت کو نہیں پڑھا۔ بہر حال حضرت محمدؐ نے چاہے اس موقع پر اس آیت کو پڑھا ہو یا اس کے مضمون کو بیان کیا ہو۔ یہ امر مسلم ہے کہ حضرت محمدؐ نے جس وقت مکہ سے ہجرت کرنا چاہا تو طبقاتی اور طائفگی وغیرہ ہر قسم کے امتیازات کو ختم کر دیا۔

اسی طرح اسی سورہ حجرات کی تیرہویں آیت جو کہ مدینہ میں نازل ہوئی اس مضمون کی حامل ہے "يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ" یعنی اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد یعنی حضرت آدم اور ایک عورت یعنی حوا سے پیدا کیا ہے۔ اس بنا پر نسبی حیثیت سے آپس میں برابر ہو۔ کسی کو کوئی امتیاز نہیں ہے کیونکہ تمہارے باپ اور ماں ایک ہیں۔ جب لوگوں کی تعداد بڑھ گئی تو ہم نے طائفے اور قبیلے بنا دئے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو اور معاشرت

اور آشنائی کی بنا پر اپنی ضرورتیں پوری کر سکو۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

جو شخص عربی زبان جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ طائفوں اور قبیلوں میں نوع انسانی کی تقسیم اس لئے ہے کہ بعض لوگ دوسروں سے تکبر کریں۔ اور اپنے کو بڑا سمجھیں بلکہ اس لئے ہے کہ قومیں آپس میں مل کر معاشرت کریں۔ جو شخص عربی زبان سے آشنا ہے وہ سمجھتا ہے کہ لفظ تعارفوا جو اس آیت میں مذکور ہے اس کے مجازی معنی مراد ہیں۔ اس سے صرف عادی شناسائی مقصود نہیں ہے بلکہ ایسی شناسائی جس کا تعلق ایک دوسرے کے احوال اور اوضاع سے ہو اور آشنائی ایک دوسرے کی حاجت رفع کرنے کے لئے ہو۔

حضرت محمدؐ نے بارہ سرداروں کو سمجھایا کہ وہ عرب میں ایک نئی اور بہت بڑی تحریک چلانے والے ہیں۔ انھیں چاہئے کہ آخر دم تک یہ وظیفہ جاری رکھیں۔ اس روز تک حضرت محمدؐ ایک پیغمبر تھے لیکن اس کے بعد رسالت کے علاوہ ایک قوم کی پیشوائی کا رتبہ بھی آپؐ کے ہاتھ آگیا۔ اسی وجہ سے قرآن شریف میں حضرت محمدؐ سے کہا جاتا ہے کہ پیشوائی یا زمام داری میں حضرت موسیٰؑ کا طریقہ اختیار کرو کیونکہ حضرت موسیٰ ایک لائق زمامدار (پیشوا) تھے۔ وہ گھاٹی جس میں حضرت محمدؐ نے متواتر دو سال تک مدینہ کے مسلمانوں سے بیعت لی آج کل موجود نہیں ہے۔ وہاں صرف ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔

ہجرت

تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ

ماہ رجب ۶۲۲ء میں بیعت الحرب مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد دو اصطلاحیں عربی زبان میں اور خصوصاً مسلمانوں کی زبان میں داخل ہوئیں۔ ایک انصار دوسرے مہاجرین۔ انصار سے مراد مدینہ کے وہ مسلمان ہیں جنھوں نے ۶۲۱ء اور ۶۲۲ء کے رجب کے مہینے میں حضرت محمدؐ سے بیعت کی۔ اور مہاجرین سے مراد مکہ کے مسلمان ہیں جنھوں نے حضرت محمدؐ کے حکم کے مطابق قریش کے مظالم سے بچنے کے لئے مدینہ کا راستہ اختیار کیا۔ تاریخ اسلام میں یہ دونوں گروہ ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے کیونکہ اسلام کی راہ میں دونوں نے تکلیفیں اٹھائی ہیں۔

ابتدا میں انصار کا لفظ صرف ان مسلمانوں پر بولا جاتا تھا جنھوں نے ۶۲۱-۲۲ء کے رجب کے مہینے میں حضرت محمدؐ سے بیعت کی تھی لیکن بعد میں یہ لفظ مدینہ کے تمام مسلمانوں کے لئے بولا جانے لگا۔ بیعت الحرب جو رجب ۶۲۲ء میں عمل میں آئی تھی پوشیدہ طور سے ہوئی تھی اس کے باوجود قریش والوں کو پتہ چل گیا کہ حضرت محمدؐ اور مدینہ سے آنے والے لوگوں کے درمیان گفتگو ہوئی ہے اور عہد و پیمان باندھے گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مدینہ کے باشندوں سے جو عمرہ کرنے کے لئے مکہ آئے ہوئے تھے تحقیق کرنے کے درپے ہوگئے ان لوگوں سے پوچھا کہ کس موقع پر کہاں پر حضرت محمدؐ سے آپ لوگ ملے اور آپ لوگوں

نے اِن سے کیا کہا ہے اور انھوں نے کیا فرمایا ہے ؟

مدینہ کے زائرین جو بت پرست تھے اور بتوں کی زیارت کے لئے مکہ آئے تھے حضرت محمدؐ اور مدینہ کے مسافروں کی گفتگو سے آگاہ نہ تھے اور ٹھیک بھی کہتے تھے کیونکہ کچھ تر آدمی جنھوں نے رات کے وقت حضرت محمدؐ سے گفتگو کی تھی صبح ہوتے ہی وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔ چونکہ طائفۂ قریش کی جانب سے تعاقب کئے جانے کا اندیشہ تھا اس لئے پیش بینی کے طور پر کبھی کبھی راستہ بھی بدل دیتے تھے۔

مدینہ کے مسلمانوں کے مکہ سے خارج ہونے کے تین دن بعد آخر کار قریش والے سمجھ گئے کہ حضرت محمدؐ اور مدینہ کے مسلمانوں کے درمیان لڑائی کے لئے عہد و پیمان ہو گیا ہے۔ لہٰذا انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو واپس کریں۔ عام طور پر قافلے والے مکہ اور مدینہ کا درمیانی راستہ گیارہ دن میں طے کرتے ہیں لیکن سفید اونٹ وہی راستہ تین دن (شب و روز) میں طے کرتے ہیں۔ قریش والوں نے بہت سے سفید اونٹ جمع کئے اور ان پر سوار ہو کر چل دئے تاکہ مدینہ کے مسلمانوں کو وہاں پہونچنے سے پہلے پکڑ کر واپس لے آئیں لیکن چونکہ مدینہ کے مسلمان راستہ تبدیل کر دیتے تھے اس لئے تیز رفتار اونٹ سوار بھی انھیں تلاش نہ کر سکے اور ان کے بجائے مدینہ کے ایک تاجر کو (جو مسلمانوں کے قافلہ کا جز تھا اور قافلہ سے پیچھے رہ گیا تھا) پکڑ لیا اور مکہ واپس لے آئے۔

مدنی تاجر سے پوچھنا شروع کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں مدینہ والے قافلے کے ساتھ تھا اور اسی شہر واپس جاتا تھا مگر میں نے کسی سے نہیں سُنا کہ قافلہ والوں نے مکہ میں حضرت محمدؐ کو دیکھا اور ان سے گفتگو کی ہے۔ مدنی تاجر صحیح کہتا تھا کیونکہ قافلہ والوں نے اپنا راز چھپا رکھا تھا اور کسی سے ظاہر نہ کیا تھا۔ چونکہ تاجر مذکور مالدار تھا اور عربوں کی طرح قبیلہ والا تھا اس لئے اگر قریش والے اسے تکلیف دیتے یا سختی کرتے تو اس کا قبیلہ قریش کا دشمن ہو جاتا۔ علاوہ ازیں مکہ میں بھی ذی اثر لوگ اس کے دوست تھے لہٰذا قریش والوں نے اسے چھوڑ دیا اور مدینہ

میں دو جاسوس بھیج دئے تاکہ وہاں مسلمانوں سے معلوم کریں کہ ان کے اور حضرت محمدؐ کے درمیان جو عہد و پیمان ہوا ہے وہ کیا ہے :

ممکن ہے کوئی شخص یہ سوال کرے کہ قریش والوں نے خود حضرت محمدؐ سے (جو مکہ میں موجود تھے) باز پرس کیوں نہ کی اور ان سے معاملہ کی تحقیق کیوں نہ کی گئی ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت محمدؐ مکہ میں ایک سردار کی حمایت کے تحت زندگی گذار رہے تھے (اسکی شرح گذر چکی ہے)۔ لہٰذا قریش والوں کی یہ مجال نہ ہوئی کہ ان سے مواخذہ کریں۔ اور انھیں تکلیف دیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کے اور مدینہ والوں کے درمیان کیا معاملہ ہوا ہے۔

جب مدینے کے بیشتر مسلمان اپنے شہر پہونچ گئے تو حضرت محمدؐ نے مکہ کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مدینہ ہجرت کر جائیں اور انصار کے مکانوں میں سکونت اختیار کریں۔ مکہ کے مسلمان چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر شہر سے خارج ہوتے تھے اور مدینہ کا راستہ لیتے تھے۔ اور بہت کوشش کرتے تھے کہ قریش کو انکی ہجرت کا پتہ نہ چلے۔ لیکن مکہ جیسا شہر جہاں سب لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے تھے راز چھپا کر رکھنا مشکل تھا۔ (آجکل بھی عرب کے شہروں میں یہاں تک کہ جدہ اور مکہ جیسے شہروں میں سب لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں تو اس وقت کا کیا کہنا)

ایک جماعت کا سفر اگرچہ پوشیدہ طور سے وہ شہر سے خارج ہوئے ہوں جاذب توجہ ہے۔ قریش والوں نے جان لیا کہ مسلمان مکہ سے جا رہے ہیں لہٰذا انھوں نے تعرض کرنے کا ارادہ کیا۔ تین مسلمانوں نے (ایک کا نام عیاش بن ربیعہ اور دو بھائی ہاشم اور آمہ جو عاص کے لڑکے تھے) ایک ساتھ مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا جس رات ہجرت کی بات چیت تھی ہاشم بن عاص غائب ہو گیا۔ مجبوراً دوسرے دو مسلمان ہاشم کے بغیر نکلے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ تمام مکے والے سمجھتے ہیں کہ ہاشم چونکہ مسلمان ہے اور مکہ سے بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا قریش والوں نے اسے پکڑ لیا ہے

اس وقت مکہ میں کوئی قید خانہ نہ تھا۔ عرب کا سب سے پہلا قید خانہ حضرت محمدؐ کی وفات

کے بہت دنوں بعد کوفہ میں بنایا گیا۔ اس زمانہ میں جسے گرفتار کیا جاتا تھا اسے زنجیر سے باندھ دیا جاتا تھا اور جنگل کی تپتی ہوئی زمین پر رکھدیا جاتا تھا۔ ہاشم کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا دو شخص دوسرے تھے جنھیں ہجرت کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ قریش کے لوگوں نے ان کا پیچھا کیا مگر گرفتار نہ کر سکے۔ قریش کے جاسوس روانہ ہوئے اور مدینہ پہونچنے کے بعد حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ مکہ میں تمہاری ماں لب گور ہے۔ اگر موت سے پہلے ماں کو دیکھنا چاہتی ہو تو اٹھو اور ہمارے ساتھ چلو ہم مکہ جا رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں مگر احتمال تھا کہ شاید سچ کہتے ہوں۔ لہٰذا اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو کہ موت سے پیشتر انکی ماں انھیں نہ دیکھ سکیں ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئیں ان کا مکہ پہونچنا تھا کہ انھیں بھی قید کر دیا اور ہاشم کے پاس جنگل میں چھوڑ دیا۔

ان دونوں (ہاشم و عائشہؓ) کی خوش قسمتی یہ تھی کہ جب انھیں قید کر کے جنگل میں چھوڑا گیا تھا اس وقت گرمی کا موسم ختم ہو رہا تھا اور آفتاب میں زیادہ تپش نہ تھی ورنہ دونوں گرمی سے ہلاک ہو جاتے۔ لیکن جب ہاشم اور عائشہؓ کے مقید ہونے کی خبر مدینہ پہونچی تو فوراً ہی انصار کے کچھ لوگ تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر مکہ پہونچے۔ ان دونوں کو زنجیر سے کھولا اور اونٹ پر سوار کر کے مدینہ کی طرف چل پڑے۔ ہاشم اور عائشہ کے بدن میں ہڈی چمڑے کے سوا کچھ باقی نہ تھا۔

ایک مالدار مسلمان (جس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی) نبوجاش کے نام سے مشہور تھا۔ جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ اس نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہے ابوسفیان نے اس کے بہت بڑے مکان پر قبضہ کر لیا۔ مکہ کا ایک دوسرا مالدار مسلمان جو مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ رکھتا تھا وہ صہیب بن سنان الرومی کے نام سے مشہور تھا۔ قبل اس کے کہ وہ شہر سے نکلے قریش کے لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا اے صہیب جس روز تم مکہ میں آئے تھے ایک فقیر آدمی تھے۔ اور اس شہر میں سوداگری کر کے ہمارے استفادہ اور اس شہر کی سہولتوں سے مالدار ہو گئے ہو۔ اب

ارادہ کرتے ہو کہ جو دولت اس شہر میں جمع کی ہے اسے باہر لیجاؤ! ہم تمہیں ہرگز نہ چھوڑیں گے کہ تم اس شہر سے نکلو اور مدینہ چلے جاؤ۔

صہیب بن سنان الرومی نے مکہ کی اپنی تمام دولت سے آنکھیں پھیر لیں اور مدینہ کا راستہ اختیار کیا۔ اسی وجہ سے خدا نے قرآن شریف کی دوسری سورہ (یعنی سورہ بقرہ) کی دوسو پانچویں آیت میں انکو مثال قرار دیا ہے۔ اگرچہ آیت مذکور میں انکا نام نہیں لیا گیا ہے لیکن تمام علماء اسلام کی تصدیق کی بنا پر اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس سے مراد صہیب رومی ہیں آیت مذکور یہ ہے "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ" یعنی "مکہ کے مہاجرین میں ایسے لوگ ہیں جو خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دنیا کی دولت چھوڑ دیتے ہیں اور دنیا کی دولت کے بدلے اپنی جان لے لیتے ہیں (یعنی اپنی جان کو دنیا کی دولت سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں) اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر رحمت کرتا ہے"۔

صہیب کے اس ایثار پر قبیلۂ قریش کو سخت حیرت ہوئی کیونکہ اس بات کا وہم بھی نہیں ہوتا تھا کہ کوئی شخص اپنے مذہب سے وفاداری کے لئے دنیا کی دولت کو ٹھکرا دے گا۔ مکہ میں قریشیوں کے درمیان دولت سے زیادہ قابل قدر کوئی چیز نہ تھی۔ وہ لوگ اسی سے زندہ تھے کہ نفع حاصل کریں اور اپنی دولت بڑھائیں۔ قبیلۂ قریش نے صہیب ابن سنان الرومی کو دیوانہ سمجھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جب تک انسان دیوانہ نہ ہو دین کے لئے دنیا کی دولت نہیں چھوڑ سکتا۔

حضرت صہیب کے بعد بہت سے مسلمانوں نے مکہ میں اپنا مکان چھوڑ دیا اور مدینہ کی راہ لی حالانکہ انھیں یقین تھا کہ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد قریش والے ان کے گھروں پر قبضہ کرلیں گے۔ مکہ سے مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت نے اس قدر وسعت اختیار کی کہ قریش کی جماعت کو یہ محسوس ہوا کہ اس نے ایک ایسے دریا کی شکل اختیار کرلی ہے جس کا پانی سیلاب کے وقت اوپر چڑھ آتا ہے اور بطن دریا سے تجاوز کرکے چاروں طرف پھیل جاتا ہے اور

لوگ اسے روکنے سے قاصر رہتے ہیں۔

یہ دیکھ کر قریش کی جماعت نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کوئی تدبیر سوچیں اور حضرت محمدؐ کے خطرے کو دور کریں۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ قریش دس قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے وہ سب کے سب مکہ میں زندگی گذارتے تھے۔ ان کا مسکن تقریباً دو سو کیلو میٹر وسیع تھا (یہی مکہ کی وسعت تھی) لوگ روایت کرتے ہیں کہ اس دو سو مربع کیلو میٹر کو حضرت ابراہیم نے کعبہ کے لئے رکھا تھا اور حدیں مقرر کی تھیں (یہ بات معلوم ہے کہ اس وقت کیلو میٹر کی ناپ نہ تھی میں نے سمجھنے کی آسانی کے لئے اسے اختیار کیا ہے)۔

قریش کے دس قبیلوں سے ہر ایک قبیلہ ایک مخصوص حصے میں زندگی بسر کرتا تھا اور ہر قبیلہ مکہ سے باہر ایک پہاڑی علاقہ (گھاٹی) رکھتا تھا جس میں باہری اور قبیلے کے غلام رہتے تھے۔ ہر قبیلہ میں اس قبیلے کے افراد کے علاوہ تین طبقے زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مولا جس کے لفظی معنی مشتری کے ہیں اور مجازی طور پر ارباب سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ مولا کی جمع موالی ہے اور ہر قبیلے کے افراد میں بھائیوں کے لئے بولا جاتا ہے لیکن حقیقی بھائیوں کے لئے نہیں بلکہ رضاعی بھائیوں کیلئے جس کی شرح شرزع میں گذر چکی۔

چونکہ قریش میں یہ رسم جاری تھی کہ عورتیں اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں بلکہ دایہ کے حوالے کر دیتی تھیں۔ اگر دایہ کے بھی لڑکا ہوتا تھا تو وہ قریش کا رضاعی بھائی ہو جاتا تھا دوسرا طبقہ حلیفوں کا تھا۔ حلیف ایسے شخص کو کہتے ہیں جو خارجی ہو اور قبیلے میں پناہ لی ہو اور قبیلے ہی میں زندگی گذارنا چاہتا ہو۔

تیسرے طبقہ کو جار کہتے تھے۔ جار ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے قبیلے میں پناہ لی ہو اور عارضی طور پر اسی میں زندگی گذارتا ہو کیونکہ دائمی طور پر زندگی گذارنے والے کو حلیف کہتے تھے۔

یہ لوگ قریش کے دس قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلہ کا جزء تھے۔ یہ لوگ غلام،

اور کنیزیں سب گھاٹی میں زندگی گذارتے تھے۔ مگر اپنے مسکن میں قبیلہ نہیں شمار ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا ان تین طبقوں میں سے غلام کسی کا جزء نہ تھے۔ کیونکہ یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ ان تین طبقوں یعنی مولا، حلیف وجار میں سے کسی کا جزء شمار کئے جائیں۔ قبیلۂ قریش والے غلاموں کو گھریلو سامان یا جانوروں کی مانند سمجھتے تھے۔ قریش کا ہر قبیلہ ایک مجلس شوریٰ رکھتا تھا جسکو نادی کہتے تھے۔ دارالندوہ میں وہی لوگ شریک ہوسکتے تھے جو مجلس نادی کے سردار ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں قبیلۂ قریش کے وہ لوگ دارالندوہ میں شریک ہوسکتے تھے جنکی عمر چالیس سال سے زیادہ ہوتی تھی لیکن ابولہب استثنائی طور پر چالیس سال کی عمر سے پہلے ہی دارالندوہ کے جلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ ہوش والا ذی استعداد آدمی تھا۔ اور قریش اس کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کے خواہشمند تھے۔

دارالندوہ کا جلسہ ایک بڑے میدان میں منعقد ہوتا تھا جس میں شادی بیاہ کی رسمیں بھی ادا ہوتی تھیں شادی کے موقع پر قریش کی تمام عورتیں بہترین زیورات سے مزین ہوکر (جس میں اکثر سونے اور جواہرات کے زیورات ہوتے تھے) اس میدان میں حاضر ہوتی تھیں۔ جن کے پاس موتی نہ ہوتے تھے وہ خیبر جاکر گوہر فروشوں سے کرایہ پر زیورات لاتی تھیں (ہم اسی بحث میں لیکن آئندہ فصل میں یہ بتائیں گے کہ خیبر کہاں ہے اور وہاں کیا واقعہ پیش آیا تھا)

جس وقت قریش کے سرداروں کو معلوم ہوا کہ مکہ سے مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت نے خطرناک صورت اختیار کرلی ہے تو وہ سب دارالندوہ میں جمع ہوئے تاکہ اسے روکنے کی کوئی تدبیر نکالیں۔ سب سے پہلے یہ بات زیر غور آئی کہ حضرت محمدؐ کو مثل ہاشم وعائشہ زنجیروں سے جکڑ دیں اور جنگل میں چھوڑ دیں لیکن یہ محسوس ہوا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہوجائے گی۔ وہ فوراً آئیں گے اور حضرت محمدؐ کو اسی طرح آزاد کرلیں گے جس طرح انھوں نے ہاشم وعائشہ کو آزاد کرلیا ہے۔

پھر یہ تجویز ہوئی کہ حضرت محمدؐ کو مکہ سے نکال دیا جائے لیکن اسے بھی خطرناک سمجھا گیا

کیونکہ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ مکہ سے خارج کئے جانے کے بعد مجبوراً حضرت محمدؐ مدینہ جائیں گے۔ وہاں انکے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لئے ممکن ہے ایک فوج جمع کر کے مکہ پر حملہ کر دیں اور اس پر قبضہ کر لیں۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ حضرت محمدؐ کے خطرے سے بچنے کے لئے انھیں قتل کر دیا جانا چاہئے۔ یہ وہی نقشہ تھا جسے ابتداء میں تیار کیا گیا تھا لیکن عملی جامہ پہنانے میں تاخیر کر دی گئی تھی۔

عرب میں کسی شخص کو قتل کر دینا نہ تو مذہبی اعتبار سے برا سمجھا جاتا تھا نہ اخلاقی اعتبار سے۔ صرف مال کا نقصان ہوتا تھا۔ (یعنی دیت دینا پڑتی تھی) لیکن اسلام شروع ہونے کے بعد اسے گناہ سمجھا جانے لگا۔ اور اخلاقی و مذہبی دونوں اعتبار سے مذموم قرار دیا گیا) کیونکہ عرب والے آدمی کو دنیاوی دولت کے مانند سمجھتے تھے۔ جب کوئی شخص مارا جاتا تھا تو اس کے خون کے بدلے میں قاتل اس کی قیمت یا اونٹ یا بکریاں دیدیتا تھا۔ اس کے علاوہ اس پر کوئی دوسری ذمہ داری نہ ہوتی تھی۔

خونبہا کی انتہا لوگوں کی چھوٹائی اور بڑائی اور اسی طرح قبیلہ کی چھوٹائی بڑائی کے اعتبار سے فرق رکھتی تھی۔ قریش کے لئے حضرت محمدؐ کو قتل کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ لیکن جب ابولہب فوت ہو گیا اور دوسرا آدمی ہاشمی خاندان کا سردار ہو گیا تو یہ کام مشکل ہو گیا کیونکہ ممکن تھا کہ وہ شخص قریش سے حضرت محمدؐ کا خونبہا طلب کرے۔ (میں بیان کر چکا ہوں کہ ابولہب نے حضرت محمدؐ کو قبیلۂ ہاشم سے نکال دیا تھا۔ لہٰذا نتیجہ کے طور پر ان کا خون مباح ہو گیا تھا۔ اگر قریش والے حضرت محمدؐ کو قتل کر دیتے تو انھیں خونبہا نہ دینا پڑتا لیکن حضرت محمدؐ ایک مقامی شخص کی پناہ میں تھے۔ اور یہ ممکن تھا کہ وہ شخص انکی حمایت کرنا چھوڑ دے تاکہ قریش انھیں قتل کر سکیں)

بہر حال جو شخص حضرت محمدؐ کی حمایت کرتا تھا اس نے آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیا اور کہا کہ میں مزید آپؐ کی حمایت نہیں کروں گا۔ اُس وقت دار الندوہ کے اراکین نے حضرت محمدؐ کے

قتل کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ چونکہ ابولہب کی موت کے بعد دوسرا شخص قبیلہ کا سردار ہو گیا تھا اور اس فیصلہ میں قریش کے ساتھ تھا اس لئے یہ خوف نہ رہا کہ آئندہ کوئی شخص آپؐ کا خونبہا طلب کرے گا۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حضرت محمدؐ کو قریش کے دس قبیلے مل کر قتل کریں اور قبیلۂ ہاشم کا سردار بھی اس میں شرکت کرے۔ کیونکہ جب دس قبیلے حضرت محمدؐ کے قتل میں شریک ہوں گے اور خود قبیلۂ ہاشم بھی شامل ہوگا تو پھر آئندہ کوئی قریش سے خونبہا کا مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ قتل میں دس قبیلوں کی شرکت سے حضرت محمدؐ کا قاتل معلوم نہ ہوگا۔ اور آئندہ کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ حضرت محمدؐ کو کس نے قتل کیا۔ اور اگر اتفاق سے کوئی ایسا شخص نکل آئے جو خونبہا کا مطالبہ کرے تو اسے اتنی جرأت نہ ہوگی کہ اپنے کو دس قبیلوں کے ساتھ جنگ پر آمادہ کرے۔

جب لوگوں نے متفقہ طور سے یہ بات منظور کر لی کہ حضرت محمدؐ کے قتل میں دس قبیلے شامل ہوں تو قتل میں شریک ہونے والے لوگوں اور قبیلے کے بزرگوں کی فہرست تیار کی گئی۔ کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ جس قدر قاتلوں کی تعداد زیادہ ہوگی اسی قدر (اگر خونبہا دینے کا مسئلہ پیش آیا تو) ہر ایک کا نقصان کم ہوگا۔

آج ہم اس پیش بینی سے حیرت کرتے ہیں لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ مکہ کے باشندے تاجر تھے اور تاجر ہمیشہ مآل اندیش ہوتے ہیں۔ وہ ہر حال میں نفع و نقصان کا حساب کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے حضرت محمدؐ کے قتل کے وقت بھی حساب لگایا کہ اگر خونبہا ادا کرنے کے لئے مجبور ہوں تو دس قبیلے مل کر خونبہا ادا کریں گے۔ (اس صورت میں ہر شخص کو کم رقم دینا پڑے گی)۔

حضرت محمدؐ کی ایک پھوپھی تھیں جن کا نام رقیہ بنت ابی سیف تھا انھیں اس بات کا پتہ چل گیا کہ قبیلۂ قریش نے پیغمبر اسلام کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہ لوگ کل (آئندہ) رات کو حضرت محمدؐ کو قتل کر دیں گے۔ قتل کا نقشہ بھی اس طرح بنایا گیا ہے کہ

سب لوگ رات کے وقت حضرت محمدؐ کے گھر پر حملہ کر دیں اور ان کو تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔

حضرت محمدؐ کی پھوپھی رقیہ تیزی کے ساتھ آپؐ کے پاس آئیں اور کہا کہ کوئی تدبیر کرو ورنہ اگر کل رات تک اپنے بچاؤ کے لئے کوئی تدبیر نہ کروگے تو قتل ہو جاؤ گے۔

حضرت محمدؐ نے محسوس کر لیا کہ خطرہ بڑھتا جاتا ہے۔ لہٰذا جیسے ہی آپ نے سنا کہ لوگ آئندہ شب آپؐ کو قتل کر دیں گے ویسے ہی حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہونچے اور سارا واقعہ بیان فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسی رات کو (جو رات قتل کے لئے مقرر تھی اس سے قبل کی رات) حضرت محمدؐ کو مکہ سے باہر نکالا اور غار ثور میں (جو مکہ سے باہر تھا) چھپا دیا اور تاکید کی کہ وہاں سے باہر نہ نکلیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ میرے پاس دو سفید اونٹنیاں ہیں (سفید اونٹنی بہت تیز رفتار ہوتی تھی) میں ان کے ذریعہ آپؐ کو باہر لے چلوں گا۔ لیکن اگر اس وقت اونٹوں کو شہر سے بلواتا ہوں تو لوگ ہوشیار ہو جائیں گے اور جان جائیں گے۔ ہمیں ایسا کام کرنا چاہئے کہ قریش یہ نہ سمجھ سکیں کہ میں آپؐ کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

حضرت محمدؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ میرے چچا زاد بھائی علیؓ کو بلا دیں۔ حضرت علی غار میں پہونچے۔ حضرت محمدؐ نے ان سے فرمایا کہ میری چادر پہن لو اور تمام دن گھر میں رہو تاکہ قریش والے سمجھیں کہ میں گھر میں ہوں۔ اور اسی طرح رات کے وقت بھی میرے بستر پر سو جانا۔

حضرت علی نے حضرت ابو بکرؓ کے سامنے عرض کیا اے محمدؐ آپؐ نے میرے ساتھ بہت نیکی کی ہے۔ مجھے اپنے لڑکے کی طرح پالا ہے۔ اگر آپؐ کے بچاؤ کے لئے اپنی جان قربان کر سکوں تو اپنے کو بہت خوش بخت سمجھوں گا۔ حضرت محمدؐ و علیؓ و ابو بکرؓ کے اتفاق سے مکہ سے رخصتی کا نقشہ اس طرح تیار کیا گیا کہ آئندہ رات کو حضرت محمد و ابو بکر اس غار میں (جو کوہ ثور سے زیادہ مکہ سے فاصلہ رکھتا تھا) پہونچ جائیں اور چند روز رات دن وہاں قیام کریں۔ کیونکہ جس وقت قریش والے حضرت محمدؐ کے مکہ سے رخصت ہو جانے کی خبر سنیں گے تو بلاشبہ تیز اونٹ

لے کر مکہ کے چاروں طرف تمام بیابان میں انھیں تلاش کریں گے۔

پس حضرت محمدؐ و ابوبکرؓ اس غار کی طرف ایسے موقع پر کوچ کریں کہ قریش والے ڈھونڈ کر تھک جائیں اور اس طرح نا امید ہو جائیں کہ جنگل میں دوبارہ آپؐ کی یافت کی امید انھیں بالکل نہ رہے۔

جب وہ لوگ تھک جائیں گے تو حضرت علی دو قابل اعتماد آدمیوں کے ذریعہ دو سفید اونٹنیاں غار کے پاس لے جائیں گے اور حضرت محمدؐ و حضرت ابوبکرؓ سوار ہو کر مدینہ کا راستہ اختیار کریں گے۔

اس روز حضرت علیؓ نے پیغمبر اسلام کی چادر کندھے پر ڈال لی اور اپنی پیٹھ قریش والوں کی طرف کر لی۔ اسی روز صبح کے وقت حضرت محمدؐ اور ابوبکرؓ غار ثور سے باہر آئے اور جنگل میں ایک دوسری پناہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ پیغمبر اسلام کو بے راہ لے جاتے تھے تاکہ مسافروں اور قافلہ والوں سے ملاقات نہ ہو۔ اس روز دونوں شخص رات تک چلتے رہے یہاں تک کہ دوسرے غار میں پہونچے۔ چونکہ راستے کا کچھ حصہ پتھریلا تھا اس لئے حضرت محمدؐ کے پائے مبارک زخمی ہو گئے تھے مگر پیغمبر اسلام نے درد کی طرف، کوئی توجہ نہ دی۔ حضرت ابوبکرؓ دیکھتے تھے کہ پیغمبر اسلام متفکر ہیں کوئی لفظ نہیں فرماتے ہیں مگر وہ جانتے تھے کہ حضرت محمدؐ کو کیا فکر ہے؟

فداکاریِ محمدؐ

یعنی حضرت محمدؐ کی سب سے بڑی قربانی کیا تھی؟

جو چیز پیغمبر اسلام کو فکر میں ڈالتی تھی وہ یہ تھی کہ آپؐ سمجھ رہے تھے کہ اسی دن سے آپؐ کا تعلق اپنے رشتہ داروں اور خاندانی شجرے سے منقطع ہو رہا ہے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ آباؤ اجداد جن سے خاندانی شجرہ بنتا تھا ایک عرب بدوی کے لئے آجکل کے

نسب ناموں سے زیادہ قیمتی تھے۔ کیونکہ آجکل اگر ہم اپنا نسب نامہ گم کر دیں تو دوسرا نسب نامہ مل سکتا ہے لیکن جس وقت ایک عرب بدوی کا تعلق اپنے خاندانی شجرہ سے منقطع ہوتا تھا تو وہ ایسے شخص کے مانند ہو جاتا تھا جس کا ذریعہ معاش بھی ختم ہو چکا ہو۔

خاندانی شجرہ اور قبیلہ دونوں ایک چیز شمار ہوتے تھے۔ جو شخص اپنے قبیلے سے تعلق منقطع کر لیتا تھا وہ اپنی سب سے بڑی مادی اور معنوی ملکیت کھو دیتا تھا۔ میں اس بحث کو اس وجہ سے طویل کر رہا ہوں کہ مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر حضرت محمدؐ نے جو فداکاری دکھلائی ہے اس کی اہمیت بتلانے پر مسلمان مورخوں نے توجہ نہیں دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایمان کی راہ میں حضرت محمدؐ کی سب سے بڑی فداکاری یہی تھی کہ اپنے قبیلے سے تعلق منقطع کر لیں اور ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں۔

حضرت محمدؐ نے ہاتھ میں ایک آرہ لیا اور اسلام کی ترقی کے لئے اپنے خاندانی شجرہ کو منقطع کر دیا۔ یعنی ایسے درخت کو کاٹ دیا کہ جس کے بغیر دو لامحدود وسعتوں (یعنی عرب کا جلتا ہوا بے پایاں جنگل دوسرے آتشیں آسمان کا میدان) میں زندگی گذارنا مشکل تھا۔ تین میلین کیلومیٹر آراضی پر عرب کے جلتے ہوئے جنگلوں میں خاندانی شجرے کے سوا کوئی درخت نہیں اگتا ہے جو ان کے آباو اجداد کو مربوط کرتا ہو اور زندگی کے لئے اجداد و رشتہ داروں سے مدد لیتا ہو جس وقت وہ درخت کٹ جاتا ہے تو پھر نہ اجداد عرب بادیہ کی پرورش کرتے ہیں نہ رشتہ دار اس کی امداد کرتے ہیں۔

عرب بادیہ بہت بخشش کرتے تھے اور اس سے کافی لطف اندوز ہوتے تھے۔ حضرت محمدؐ بڑی بڑی قربانیاں پیش کرتے تھے۔ آپؐ بڑے خوش قسمت تھے کیونکہ خدا کی تابعداری کے لئے اپنے قبیلے سے تعلق منقطع کر لیا تھا لیکن قبیلے کے قطع تعلق سے بے فکر نہ ہو سکے۔

رات ہو گئی لیکن اسکے بعد بھی حضرت محمدؐ اور ابوبکرؓ سفر کرتے رہے۔ جب پتھریلی زمین سے نکل گئے تو اس قابل ہوئے کہ آسانی سے راستہ چل سکیں۔ آخر کار جب صبح کی روشنی معلوم

ہوئی تو ایک غار میں پہونچے جس میں حضرت ابوبکر حضرت محمدؐ کو چھپانا چاہتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ حضرت محمدؐ سے تین سال بڑے تھے (اس پر نوٹ پہلے گذر چکا) اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا حضرت ابوبکرؓ مکہ کے مالدار آدمی شمار کئے جاتے تھے۔ چونکہ انھوں نے اپنی تمام دولت اسلام کی راہ میں صرف کردی تھی اس لئے تہی دست ہوگئے تھے۔

باوجودیکہ حضرت ابوبکرؓ سن کے لحاظ سے بڑے اور مالدار تھے لیکن جس وقت اس غار میں پہونچے تو خود اپنے ہاتھ سے اسے صاف کیا۔ پھر اپنی چادر کو پھاڑا اور چادر کے ٹکڑوں سے غار کے سوراخ بند کئے تاکہ سانپ سوراخ سے نکل کر حضرت محمدؐ کو نہ کاٹ لے جب انھیں اطمینان ہوگیا کہ غار حضرت محمدؐ کے لائق ہوگیا (یعنی صاف و محفوظ ہوگیا) تو پیغمبر اسلام کو بلایا کہ اس میں قدم رکھیں۔ غار میں داخل ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت محمدؐ کے پیروں کو زخمی ہونے کی وجہ سے پٹی باندھی۔ چونکہ وہاں کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی کہ پیغمبرؐ اسے تکیہ بنائیں اور اس پر سر رکھکر سو جائیں لہٰذا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت محمدؐ سے درخواست کی کہ میرے زانو پر سر رکھیں اور آرام فرمائیں۔ لیکن حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ ابوبکرؓ بھی خستہ حال ہیں۔ انھیں بھی آرام کی ضرورت ہے۔ اس لئے انکی درخواست قبول نہ کی اور اپنا سر زمین پر رکھا۔

روایت کرتے ہیں (میں نے پہلے بیان کیا کہ اس بحث میں جہاں روایت ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ہے تاریخ نہیں ہے) حضرت ابوبکرؓ کو سونے سے قبل یہ محسوس ہوا کہ چونکہ چادر تمام سوراخ بند کرنے کے لئے ناکافی ہے اور غار کا ایک سوراخ کھلا رہ گیا ہے اس لئے وہ اس سوراخ میں اپنے پیر کا انگوٹھا لگا کر سو گئے۔ اس سوراخ میں ایک سانپ تھا اس نے باہر نکلنا چاہا تو حضرت ابوبکرؓ کے پیر کے ٹکرا گیا اور کاٹ لیا۔ درد کی زیادتی سے حضرت ابوبکرؓ اٹھ بیٹھے۔ آپ کے چہرہ سے پسینہ بہنے لگا اور سوتے ہوئے حضرت محمدؐ کے چہرہ قطرہ ٹپک پڑا جس سے وہ بیدار ہو گئے۔

حضرت محمدؐ نے جس وقت حضرت ابو بکرؓ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ حالت بدلی ہوئی ہے سبب پوچھا اور جیسے ہی معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کے پیر میں سانپ نے کاٹ لیا ہے تو حضرت محمدؐ نے سانپ کے کاٹنے کی جگہ کو چوس لیا تاکہ اس کا زہر نکل جائے اور حضرت ابو بکرؓ آسام کر سکیں۔ (آپؐ نے سانپ کے کاٹے ہوئے مقام پر اپنا لعاب دہن لگا دیا تھا جس سے سانپ کا اثر زائل ہو گیا اور یہ آپؐ کا معجزہ تھا)

جس رات کو حضرت محمدؐ اور ابو بکرؓ غار ثور پہونچنے کے لئے سفر کر رہے تھے قریش والوں نے مکہ میں حضرت محمدؐ کے مکان پر یورش کی تاکہ انھیں قتل کر دیں لیکن حضرت محمدؐ کو مکان میں نہ پایا۔ حضرت علی سے پوچھا کہ کیا محمدؐ مکہ سے باہر چلے گئے ہیں؟ حضرت علی راست گو آدمی تھے جھوٹ نہ بول سکے اور فرمایا کہ ہاں مکہ سے نکل گئے ہیں۔

قریش والے رات ہی کے وقت حضرت محمدؐ کی جستجو میں مکہ سے نکل پڑے اور آس پاس کے بیابانوں میں تلاش کرنے لگے۔ مکہ میں اعلان کیا جو شخص حضرت محمدؐ کو ہمارے حوالے کرے گا یا ان کے پوشیدہ ہونے کی جگہ اس طرح بتائے گا کہ ہم انھیں پکڑ سکیں تو سو اونٹ انعام پائے گا۔ قریش کے بہت سے لوگ جنکے پاس تیز رفتار اونٹ تھے دوسرے روز اس مقام پر پہونچے جہاں غار کے پاس سے گذرے اور اس کے مدخل (داخل ہونے کی جگہ) کو بھی دیکھا لیکن اس میں داخل نہ ہوئے۔

روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکڑیوں کو مامور کیا تھا کہ اپنے جالے سے غار کے منہ پر جالا تن کر ایک پردہ بنا دیں۔ قریش کے لوگوں نے جب دیکھا کہ اس غار کے مدخل پر مکڑی کا جال تنا ہوا ہے تو مطمئن ہو گئے کہ حضرت محمدؐ اس غار میں داخل نہیں ہوئے ہیں کیونکہ اگر اس میں داخل ہوتے تو مکڑی کا جالا ٹوٹ جاتا۔ قریش کا پہلا دستہ جب غار کے پاس سے گذر گیا تو دوسرا دستہ غار کے پاس پہونچا اور دیکھا کہ غار کے مدخل میں ایک پرندہ نے گھونسلہ بنایا ہے اور انڈا دیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ بلاشبہ حضرت محمدؐ اس

غار میں داخل نہیں ہوئے ہیں۔ اگر اس غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا جالا ٹوٹ جاتا اور یہ پرندہ غار کے منہ پر گھونسلا نہ بناتا۔

روایت ہے کہ قریش کے دو سو سوار دستے کے گذر جانے کے بعد خدا نے پہاڑ سے پتھر اتارے اور غار کا منہ بند کر دیا تاکہ اس میں کوئی داخل نہ ہو سکے۔ حضرت ابوبکرؓ خستہ تھے اور سانپ کے کاٹنے سے وحشت میں پڑ گئے تھے پیغمبر نے ان کو تسلی دی اور خدائی امداد کی امید دلائی۔ چنانچہ قرآن کی نویں سورہ (سورہ توبہ) کی انتالیسویں آیت میں اس بارے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔ "اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ الخ

"یعنی اگر تم نے اسکی (پیغمبر) کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انکی اس وقت مدد کی جبکہ کافروں نے انکو خارج کیا (یعنی مکہ سے خارج کیا) غار میں رہنے والے دو آدمیوں میں سے وہ (ابوبکر) بھی ایک شخص تھے۔ پیغمبر نے اپنے ساتھی سے کہا کہ رنجیدہ نہ ہو کیونکہ خدا ہمارے ساتھ ہے ایسا ہی ہوا۔ خدا نے ان پر (ابوبکر پر) تسکین نازل فرمائی اور انھیں آرام حاصل ہو گیا۔"

حضرت محمدؐ اور حضرت ابوبکرؓ تین روز (رات دن) اس غار میں رہے۔ روایت کے مطابق غار کے مقابل ایک درخت بھی اُگ آیا تھا۔ جب حضرت محمدؐ و ابوبکرؓ نے غار سے نکلنا چاہا تو مکڑی جالا، گھونسلا، اس کا انڈا، پتھر اور نئے درخت کو دیکھ کر انھیں یقین ہو گیا کہ خدا تعالیٰ انکی نگہبانی کرتا ہے۔

تین روز کے بعد (جبکہ قریش تلاش کرتے کرتے تھک گئے اور مکہ واپس ہو گئے) ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ دو سفید اونٹ لے کر اس غار کے پاس پہونچا۔ حضرت محمدؐ اور ابوبکرؓ ان پر سوار ہوئے اور مدینہ کی راہ لی۔ چونکہ اس بات کا خوف تھا کہ تعاقب کرنے والے گرفتار کر لیں گے اس لئے سمندر کے کنارے کنارے سفر کرنا بہتر سمجھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس چادر نہ تھی۔ اور اسی طرح حضرت محمدؐ کے پاس بھی کپڑے نہ تھے کیونکہ ابوبکرؓ کے گھر پہونچنے میں

جلد بازی سے کام لیا تھا اور انھیں کپڑے لینے کا موقع نہ ملا تھا۔

دونوں شخص معمولی لباس پہنے ہوئے تھے اور جو شخص راستہ میں انھیں دیکھتا تھا وہ حیرت کرتا تھا کہ کس طرح یہ معمولی لباس والے لوگ سفید اونٹوں پر (جو عرب کی سب سے زیادہ قیمتی سواری تھی) سوار ہیں۔ قریش نے آدمی بھیج کر ہر جگہ اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص حضرت محمدؐ کے ملنے کے اسباب مہیا کرے گا یا ان کو پکڑ کر ہمارے حوالے کرے گا وہ ایک سو اونٹ انعام پائے گا۔

ایک دن سراقہ بن مالک قبیلہ بنی مدلج کا سردار اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا گفتگو کر رہا تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا "اے سراقہ میں نے آج دو اونٹ سوار دیکھے ہیں۔ وہ سفید اونٹوں پر سوار تھے اور دریا کے کنارے کنارے جا رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک شخص محمدؐ ہیں۔ قبیلۂ مدلج کے سردار سراقہ نے جیسے ہی یہ بات سنی فوراً ہی اس آدمی کی بتائی ہوئی نشانیوں سے سمجھ گیا کہ بلاشبہ ان میں سے ایک شخص محمدؐ ہیں، جن کے سر کے لئے ایک سو اونٹ انعام مقرر کیا گیا ہے۔ مگر سراقہ نے بات پھیر دی تاکہ وہ شخص انعام میں شریک نہ ہو سکے اور کہا کہ تم کو اشتباہ ہو گیا ہے۔ یہ دونوں شتر سوار میرے مہمان تھے۔ آج یہاں سے روانہ ہوئے ہیں۔

جیسے ہی وہ شخص چلا گیا سراقہ اپنے قبیلے کے چند افراد کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوا اور حضرت محمدؐ کو پکڑنے و انعام حاصل کرنے کے لئے چل پڑا۔ چونکہ گھوڑے پر سوار ہو کر مسافت طے کر رہا تھا لہٰذا حضرت محمدؐ و ابوبکرؓ کے پاس پہونچ گیا۔ گھوڑے کو تیز کیا تاکہ حضرت محمدؐ کے قریب پہونچ جائے لیکن گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نے حضرت محمدؐ تک پہونچنے کی تین مرتبہ کوشش کی لیکن تینوں بار اس کے پیر زمین میں دھنس گئے۔

اعراب زمانۂ جاہلیت میں فال پر عقیدہ رکھتے تھے۔ جب سراقہ کا گھوڑا تین دفعہ دھنسا تو اس نے فال نکالا کہ آیا حضرت محمدؐ کو قریش کے حوالے کرنے کی کوشش وہ کرے یا نہ کرے؟ اس کا فال برا نکلا لیکن اس کے باوجود اس نے چوتھی دفعہ گھوڑے کی لگام

کھینچی، پھر گھوڑے کے پیر زمین میں دھنس گئے اور حضرت محمدؐ اور ابوبکرؓ کے اونٹوں سے قریب نہ ہو سکا۔

بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ عامر بن فہیرہ (یعنی ابوبکرؓ کا غلام) اور ایک دوسرا غلام جو آزاد شدہ شمار ہوتے تھے اس سفر میں حضرت محمدؐ و ابوبکرؓ کے ساتھ تھے۔ ان مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عامر بن فہیرہ رہنما بھی تھا۔ چونکہ وہ راستوں سے واقف تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

جب سراقہ نے دیکھا کہ اس کا گھوڑا چار مرتبہ ٹھوکر کھا چکا اور حضرت محمدؐ کو پکڑنے کے لئے فال بھی برا نکلا تو وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور فریاد کرنے لگا کہ اے محمدؐ ٹھہرو میں آپؐ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ سراقہ نے اپنی سواری کا گھوڑا اپنے ایک ساتھی کے حوالے کیا اور حضرت محمدؐ و ابوبکرؓ کی طرف پیدل جا کر عرض کیا کہ اے محمدؐ میں قریش سے متفق ہوں۔ میں نے آپؐ کو گرفتار کرنا چاہا تھا تاکہ قریش کے حوالے کر دوں اور ایک سو اونٹ انعام حاصل کروں لیکن اس وقت میری سمجھ میں آ گیا کہ آپؐ برحق ہیں۔ کیونکہ میرے گھوڑے نے چار مرتبہ ٹھوکر کھائی مگر آپؐ کے قریب نہ جا سکا۔ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ آپؐ ضرور ایک دن قریش پر غالب ہو جائیں گے ہم آپؐ سے اس وقت کی امان مانگتے ہیں۔

حضرت محمدؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا مقصد کیا ہے؟ سراقہ بن مالک نے کہا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ جس روز آپؐ قریش پر غالب ہوں تو مجھے قریش کی دوستی کے باعث قتل نہ کریں۔ اور میرے قبیلے کو نیست و نابود نہ فرمائیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا اس دن تمہیں امان ہوگی کوئی شخص تمہیں یا تمہارے قبیلہ کو نقصان نہیں پہونچائے گا

سراقہ بن مالک جو بعد میں مسلمان ہو گیا اور اسلام کا ایک مشہور سردار بن گیا اسی دن سے قریش والوں کو پیغمبر اسلام کی جستجو سے روکنے لگا۔ جس دستہ کو آتے ہوئے دیکھتا تھا اُسے واپس کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ حضرت محمدؐ دوسرے راستہ سے گئے ہیں۔ دو روز بعد حضرت

محمدؐ و ابو بکرؓ ایک قافلہ سے ملے۔ زبیر بن العوام آپؐ کے چچازاد بھائی اس قافلہ کی قیادت کر رہے تھے۔ آپؐ کو زبیر سے کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں مل گئیں۔

دو روز بعد قبیلہ اسلم میں پہونچے۔ قبیلہ کے سردار اوس بن ہاجر نے پیشکش کی کہ مسعود نامی ایک رہنما کو حضرت محمدؐ کے ساتھ کر دے تاکہ انھیں مدینہ پہونچا دے۔ عرب کے جنگل میں ایک رہنما صرف راستہ دکھانے والا آدمی نہیں بلکہ ایک اجازت نامہ کے مانند ہے اور اسی طرح بھوک پیاس کے لئے بیمہ ہے۔ جو شخص عرب کے جنگلوں میں رہنما کے ساتھ سفر کرتا ہے وہ راستہ گم نہیں کرتا۔ ڈاکو اس پر حملہ نہیں کرتے اور وہ بھوکا پیاسا بھی نہیں رہتا ہے۔

چونکہ جنگل میں سب لوگ رہنما کو پہچانتے ہیں اور رہنما سب کو پہچانتا ہے اور دور ہی سے شور مچاتا ہے۔ اپنے کو مشہور کرتا ہے۔ لہٰذا مسافروں کو روکنے والے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ جو شخص عرب کے جنگل میں رہنما کے ساتھ سفر کرتا ہے وہ مشکلوں سے محفوظ رہتا ہے۔ کوئی شخص اس کے جان و مال کی طرف بری نظر نہیں کرتا۔ یہ حالت تھی اس لئے حضرت محمدؐ نے اوس بن ہاجر کی پیشکش کو قبول فرما لیا اور مسعود کو اپنی رہنمائی کے لئے ساتھ لے لیا۔ مسعود نے حضرت محمدؐ اور ابو بکرؓ سے عرض کیا کہ جہاں تک اس کے قبیلے والے رہتے ہیں اسکی انتہا تک وہ رہنمائی کرے گا اس کے بعد واپس چلا آئے گا۔ مدینہ تک باقی راستہ مسافروں کو خود طے کرنا چاہیئے۔ حضرت محمدؐ نے اس پیشکش کو بھی قبول کر لیا، اور راستہ پر چل پڑے۔

مسعود نے اپنے قبیلے کی آخری حد تک رہنمائی کی۔ اس کے بعد کہا کہ میں اس سے آگے نہیں جا سکتا کیونکہ اپنے قبیلہ کی سرحد سے باہر ہو جاؤں گا۔ حضرت محمدؐ نے اس کو رخصت کیا۔ اور وہ واپس ہو گیا۔ اس قبیلے کی حد سے گذرنے کے بعد آپؐ ایسی زمین میں پہونچے جو قبیلۂ قبا کی سرحد تھی۔ جب قبا پہونچے تو حضرت محمدؐ ٹھہر گئے اور ابو بکرؓ سے فرمایا کہ جس اونٹنی پر سوار ہیں اسے میرے ہاتھ فروخت کر دیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا کہ کیوں اس اونٹنی کو

فروخت کروں اور قصیہ آپکو دوں۔ قُصَیَّہ عرب میں اصلی اونٹنی کو کہتے ہیں اس پر بوجھ نہیں ڈھوتے بلکہ یہ سواری کے لئے مخصوص ہے۔ اور اسے اونٹوں کی دوڑ میں تیز رفتاری میں سبقت لیجانے کے لئے شریک کرتے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ (ابوبکرؓ) نے اپنی دولت کو خدا کی راہ میں دین کی ترقی کے لئے خرچ کیا ہے لیکن اس اونٹنی پر میں خود سوار ہونا چاہتا ہوں۔ آپؐ کو اسے صرف نہ کرنا چاہیئے۔ اس کی قیمت بتائیے تاکہ اسے ادا کردوں۔ عرب میں اصلی اونٹنیاں جو سواری اور دوڑ میں مسابقت کے لئے مخصوص ہوتی تھیں ان کے کان کا کچھ حصہ کاٹ دیتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر اونٹنی کے کان کا کچھ حصہ کاٹ دیا جائے تو وہ زیادہ تیز ہو جائے گی۔ اس قسم کی کان کٹی ہوئی اونٹنیاں قُصَیَّہ کہی جاتی تھیں۔

حضرت محمدؐ جس اونٹنی پر سوار تھے اس کے کان کٹے ہوئے تھے اس لئے لوگ اسے قُصَیَّہ کہتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ محسوس کرلیا کہ حضرت محمدؐ اس اونٹنی کو بطور ہدیہ لینے کو تیار نہیں ہیں تو اسے چار سو درہم کے عوض پیغمبر اسلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور وہ اونٹنی حضرت محمدؐ کی ملک ہوگئی۔ اس طرح اس کا نام اسلامی تاریخوں میں باقی رہ گیا۔ تمام مسلمان جو حضرت محمدؐ کی ہجرت سے واقف ہیں انھیں معلوم ہے کہ پیغمبر اسلام نے قصوہ اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہے۔

ہجرت کی اہمیت

اسلام بلکہ دنیا کی تاریخ میں ہجرت کی اہمیت کیوں ہے؟

حضرت محمدؐ کی ہجرت تاریخ اسلام کا بہت اہم واقعہ ہے کیونکہ اسکے بعد اسلامی جمعیت امت کی صورت میں تبدیل ہوگئی۔ نسلی اور طبقاتی اختلافات نیز قبیلوں کے اشراف اور سرداروں کی خصوصیات ختم ہوگئیں اور سارے مسلمان برابر ہوگئے۔

ہجرت قدیم اور جدید دنیا کے درمیان حد فاصل ثابت ہوئی اور زمانۂ جہالت کو زمانۂ اسلام سے جدا کردیا۔ قبیلہ اور طبقاتی خصوصیات کو اس طرح مٹا دیا کہ جب حضرت محمدؐ قبا میں داخل ہوئے تو حضرت عمر جیسا شخص (جو مکہ کے درجۂ اول کے ایک بزرگ تھے اور دو میٹر لمبے تھے انکی آواز بجلی کی طرح فضا میں گونج اٹھتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ حضرت عمر سے شیطان بھی گھبراتا ہے) مسجد بنانے کے لئے پتھر اور مٹی ڈھوتا تھا۔ حضرت عمر جو مٹی لاتے تھے اس سے حضرت محمدؐ و ابوبکرؓ مسجد کے لئے گارا بناتے تھے۔

حالانکہ اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی شخص انھیں پورے عرب کی دولت بھی دیدیتا اور کہتا کہ ایک پتھر یا مٹی ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لیجاؤ تو وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہ ہوتے کیونکہ مکہ میں بڑے لوگوں کے مکانوں میں معماری کا کام غلام کرتے تھے اور اشراف اپنے کو اس سے بالاتر سمجھتے تھے کہ اپنا ہاتھ گارا اور کیچڑ سے آلودہ کریں۔

قُبا مدینہ کے جنوب میں ہے اور حومہ کا جزء شمار ہوتا ہے۔ مغربی مورخین کہتے ہیں کہ حضرت محمدؐ ۸ ستمبر کو قُبا میں داخل ہوئے لیکن اسلامی مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت محمدؐ نے ۱۶ جون ۶۲۲ء کو قبا میں قدم رکھا۔ چونکہ وہ ماہ محرم کا پہلا دن تھا لہٰذا مسلمانوں نے یہ بہتر سمجھا کہ یکم ماہ محرم ۶۲۲ء

کو تاریخ جدید کا مبداء قرار دیں۔ آج بھی یہ تاریخ مسلمانوں کے درمیان ہجری کے نام سے جاری ہے۔ (مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ محرم کا نہیں ہے بلکہ ربیع الاول میں پیش آیا ہے)

اگر حضرت محمدؐ ماہِ جون کی سولہ تاریخ کو قبا میں داخل ہوئے ہیں (جیسا کہ اسلامی مورخوں نے لکھا ہے) تو اس موسم گرما کی مناسبت سے ہوا بہت گرم رہی ہوگی۔ قبا کے لوگوں نے سُنا تھا کہ حضرت محمدؐ وہاں تشریف لا رہے ہیں۔ لہٰذا صبح ہی سے گھروں سے نکل کر راستوں میں پیغمبر اسلام کی آمد کا انتظار کرتے تھے۔ جب آفتاب بلند ہو جاتا تھا اور ہوا گرم ہو جاتی تھی تو لوگ گرمی کی شدت کے باعث اپنے اپنے گھر واپس چلے جاتے تھے۔

ایک دن جب آفتاب بیچ آسمان میں پہونچ گیا اور دھوپ سے زمین اس قدر گرم ہو گئی کہ اگر انسان ننگے پیر زمین پر چلتا تو اس کے پیر جلنے لگتے اچانک اس وقت حضرت محمدؐ اور ابوبکرؓ قبا میں داخل ہوئے۔ اس وقت کوئی شخص راستہ میں نہ تھا جو آپکی تشریف آوری کو دیکھتا۔ صرف ایک یہودی نظر آتا تھا جس کا نام تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح اس یہودی کو بھی معلوم تھا کہ اس روز حضرت محمدؐ مدینہ میں تشریف لائیں گے۔ جب اس نے دو سواروں کو سفید اونٹوں پر آتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گیا کہ حضرت محمدؐ تشریف لائے ہیں۔ لہٰذا قبا کی گلیوں میں دوڑنے اور چلانے لگا "اے یہودیو ہوشیار ہو جاؤ تمہاری قسمت جاگ اٹھی"۔

ہم بیان کر چکے کہ مدینہ کے یہودی بھی مسلمانوں کی طرح حضرت محمدؐ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے تاکہ ان اختلافات کا خاتمہ ہو جائے جو ان کی زندگی میں پیدا ہو گئے تھے۔ جب لوگوں نے اس کی آواز سنی تو گھروں سے دوڑ پڑے۔ صرف عورتیں اور مرد ہی نہیں دوڑے بلکہ لڑکے بھی اس دوپہر کی گرمی میں گھر سے نکل پڑے تاکہ حضرت محمدؐ کی زیارت کریں اور دیکھیں کہ جو پیغمبر خدا کی طرف سے عربوں کے لئے بھیجا گیا ہے اسکی شکل و صورت کیسی ہے؟

حضرت محمدؐ اور ابوبکرؓ نے کھجور کے درختوں کے پاس اونٹ بٹھایا اور اتر کر کھجور کے سایہ میں ٹھہر گئے۔ قبا کے تمام مسلمان اور یہودی باشندے حضرت محمدؐ اور ابوبکرؓ کے پاس

جمع ہو گئے مگر انھیں معلوم نہ تھا کہ ان میں حضرت محمدؐ کون ہیں ؟ حضرت ابو بکرؓ چونکہ حضرت محمدؐ سے تین سال بڑے تھے، وہ سمجھ گئے کہ ممکن ہے لوگ شبہ میں پڑ جائیں کہ اسلام کے پیغمبر وہی ہیں اس لئے آپؓ حضرت محمدؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور اپنی چادر جسے زبیر بن العوام سے لیا تھا بدن سے کھول کر سائبان کی طرح حضرت محمدؐ کے سر پر پھیلایا تا کہ آپؐ کو دھوپ نہ لگے کیونکہ کھجور کا سایہ اتنا نہ تھا جو ان دونوں حضرات کو دھوپ سے بچا سکے۔ اور وہ سایہ بان حضرت محمدؐ کو دھوپ سے اچھی طرح بچاتا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے جب چادر سے سایہ کیا تو لوگوں نے حضرت محمدؐ کو اچھی طرح پہچان لیا اور عربوں کے رسم و رواج کے مطابق خوش آمدید کہنے کے لئے شور مچانا شروع کر دیا حضرت محمدؐ اور حضرت ابو بکرؓ جس جگہ اونٹ سے اترے تھے وہ محلہ بنی عمرو بن عوف کے نام سے مشہور تھا۔ پیغمبر اسلام نے پوچھا یہ کس کی جائداد ہے ؟

اس مجمع سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر عرض کیا "یہ میری زمین ہے اور کھجور کے ان درختوں کو میں نے لگایا ہے"۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس زمین کا مالک (میں جانتا ہوں کہ تو ہے) اجازت دیتا ہے کہ ہم ان درختوں کے نیچے ٹھہریں اور یہیں رات گذاریں اس جوان نے عرض کیا کہ یا محمدؐ جب تک آپ کی خواہش ہو یہاں بسر کریں۔ لیکن قبا کے ایک مسلمان نے جس کا نام کلثوم تھا حضرت محمدؐ اور ابو بکرؓ سے استدعا کی کہ میرے گھر تشریف لے چلیں اور آرام فرمائیں۔

حضرت محمدؐ نے ان کی دعوت قبول نہ کی اور فرمایا ہم تمہارے واسطے زحمت کا سبب نہیں بنینگے۔ لیکن کلثوم نے عرض کیا یا محمدؐ میرے گھر میں ایک کمرہ خالی ہے اس میں کوئی نہیں رہتا۔ اس سے ہم کسی قسم کا استفادہ نہیں کرتے۔ آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ اس میں رہ سکتے ہیں۔ ہم آپؐ کے اونٹوں کی حفاظت کریں گے اور ان کا پیٹ بھریں گے۔ تب حضرت محمدؐ نے کلثوم کی دعوت قبول فرمالی۔ آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے اور اس کمرہ میں

اقامت فرمائی۔ اسی روز مدینہ والوں کو آپؐ کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ سب سے پہلا شخص جو حضرت محمدؐ کو دیکھنے کے لئے مدینہ سے قبا آئے وہ عمر بن الخطابؓ تھے۔ اُن کے بعد تمام مسلمان آئے اور تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ سب لوگ اس کمرے میں نہیں سما سکے۔

اس کے بعد سعد بن خثیمہ نے ایک شخص نے (جو مسلمان تھے) اپنا مکان جو کافی وسیع تھا، حضرت محمدؐ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ وہاں مسلمانوں کو جگہ دیں۔ حضرت محمدؐ نے اس وسیع مکان کو قبول فرما لیا اور سب کے ساتھ وہیں نشست فرمانے لگے مگر سونے کے وقت کلثوم کے مکان میں واپس آجاتے تھے اور وہیں آرام فرماتے تھے۔

قُبا میں پہونچنے کے بعد تیسرے دن پیغمبر اسلام نے ارادہ فرمایا کہ وہاں ایک مسجد بنائیں۔ ایک مسلمان نے حضرت محمدؐ کو مسجد کے لئے زمین پیش کی لیکن پیغمبر اسلام نے اس کا ہدیہ قبول نہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں یہ زمین تجھ سے خریدوں گا اور اسے خرید لیا۔ اسلامی تاریخوں میں زمین کی قیمت مذکور نہیں ہے مگر تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت محمدؐ نے قُبا کی مسجد کے لئے زمین خریدی تھی۔

قبا کی مسجد سب سے پہلی مسجد ہے جسے مسلمانوں نے بنایا ہے۔ اس مسجد کے بنانے میں مدینہ کے تمام مسلمانوں نے (خواہ وہ مثل عمر کے ہوں کہ مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور مہاجرین کے نام سے مشہور ہوئے خواہ مدینہ کے مسلمان ہوں کہ انصار کے نام سے مشہور ہوئے) شرکت کی خود حضرت محمدؐ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مٹی سے گارا بناتے تھے اور اینٹ رکھتے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب اپنے کندھوں پر پتھر لاتے تھے یا مٹی سے بھرا ہوا برتن اپنے کندھے پر رکھ کر دور سے لاتے تھے تاکہ گارا بنایا جائے اور اینٹ جوڑی جائے۔

مسجد قُبا حقیقتاً مسلمانوں کی سب سے پہلی جامع مسجد ہے کیونکہ اس کی تعمیر میں تمام مسلمانوں نے شرکت کی اور عمر بن الخطابؓ، ابوبکرؓ اور صہیب بن سنان رومی جیسے بڑے لوگوں نے غریب مسلمانوں کی طرح اس مسجد کے بنانے کے لئے پتھر ڈھوئے اور اسکی تعمیر کی۔ خود حضرت محمدؐ بھی صبح سے شام تک

دوسروں کی طرح اس کی بنا میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے بیس روز تک قبا میں قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ مسجد مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ شہر میں قدم رکھا۔ یہ شہر پہلے یثرب کے نام سے مشہور تھا۔

یثرب عربی زبان میں ایسے شہر کو کہتے ہیں جو انسان کو تکلیف پہونچاتا ہے۔ یا ایسا مقام جو انسان کو ناخوش کرتا ہے۔ عرب بادیہ نے یہ لفظ اس شہر کے لئے انتخاب کیا تھا۔ کیونکہ وہ ایسے لوگ تھے جنھیں سوائے فصل بہار کے کبھی بارش نظر نہیں آتی تھی اور جب مدینہ پہونچتے تھے تو لگاتار بارش کے سبب بیمار ہوجاتے تھے۔ اسی وجہ سے مدینہ کو ایک خراب آب وہوا والا شہر سمجھتے تھے اور اسے یثرب کہتے تھے حالانکہ اس سرزمین والے اسے طیبہ (یعنی محبوب شہر) کہتے تھے۔ مدینہ کا پہلا نام طیبہ تھا کیونکہ جس وقت انسان عرب کے جنگلوں سے نکل کر اس شہر میں قدم رکھتا تھا تو گویا کہ وہ بہشت میں داخل ہوجاتا تھا۔ لیکن عرب بادیہ جنھیں ہر جگہ خشک ہوا سے سابقہ پڑتا تھا جب طیبہ میں داخل ہوتے تھے تو وہاں کی آب وہوا جو کسی قدر مرطوب تھی انھیں برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اور وہ بیماری میں مبتلا ہوجاتے تھے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد عادت ہوگئی اور پھر مدینہ کی مرطوب ہوا سے بیمار نہ پڑتے تھے۔

مکہ سے ہجرت کرنے والے لوگوں میں سے اکثر بیمار ہوگئے یہاں تک کہ حضرت محمدؐ ابوبکرؓ اور ان کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی مدینہ پہونچنے کے بعد بیمار ہوگئے۔ اسی بنا پر مدینہ کے دو گروہوں نے اس شہر کے دو نام انتخاب کئے جو متضاد تھے۔ حضرت محمدؐ نے اس شہر میں داخل ہونے کے بعد ان دو متضاد ناموں کو لغو قرار دیکر اس کا نام مدینہ (شہر) رکھا تاکہ انصار (مدینہ والے) اور مہاجرین (مکہ والے) میں اختلاف نہ پیدا ہو۔

مدینہ کا لفظ نہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شہر اچھا ہے نہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شہر خراب ہے۔ جب حضرت محمدؐ مدینہ میں داخل ہوئے تو اس کا رقبہ موجودہ پیمانہ کے لحاظ سے تیس مربع کیلومیٹر تھا

اس شہر میں معمولی گھروں کے علاوہ بہتر قلعے تھے۔ جن میں اٹھاسی قلعے یہودیوں کے تھے اور تیرہ عربوں کے تھے۔ یہ قلعے بہت مضبوط شمار ہوتے تھے۔ اور خطرے کے وقت یہودی اور عرب انھیں میں پناہ لیتے تھے تاکہ دشمن کے حملوں سے محفوظ رہیں۔

مدینہ شہر ایک سطح مرتفع پر واقع ہے۔ مسافر اونٹ کے ذریعہ اس کی لمبائی ایک دن میں طے کرتے تھے، اور چوڑائی ایک دن میں۔ اس کے شمال اور جنوب میں دو پہاڑ واقع ہیں مشرق، مغرب اور جنوب میں آتش فشاں مادہ کے تین جنگل ہیں۔ آجکل کی طرح اس وقت بھی مدینہ کی آب و ہوا معتدل تھی اور عرب کے دوسرے حصّوں کی بہ نسبت بارش بھی وہاں زیادہ ہوتی تھی۔ شہر کے کنارے ایک حوض تھا جو بارش کے پانی سے بھر جاتا تھا اور کبھی خشک نہ ہوتا تھا۔ حضرت محمدؐ نے بچپن میں (جیسا کہ اس بحث کے شروع میں ہم نے بیان کیا) اسی حوض میں تیرنا سیکھا تھا۔ جو بچہ مکہ میں نہ تیر سکا تھا اس حوض میں تیرنے اور بدن تر کرنے سے لذت اٹھاتا تھا۔

مدینہ کے باشندے بھی مکہ والوں کی طرح طائفہ اور قبیلہ سے متعلق تھے۔ ہر شخص کسی نہ کسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں بھی مکہ کی طرح نہ محل تھا نہ قید خانہ، نہ عدالت۔ اگر کسی شخص پر ظلم ہوتا تھا تو اس سے نجات پانے کے لئے مظلوم اپنے قبیلے سے مدد مانگتا تھا۔ مدینہ میں بھی مکہ کی طرح کسی کو قتل کرنا گناہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ ایک بڑا نقصان شمار ہوتا تھا اور قاتل کا قبیلہ مقتول کا خونبہا اس کے قبیلے کو ادا کرتا تھا۔ خونبہا کی مقدار کم سے کم سو اونٹ تھی لیکن بزرگوں کے لئے زیادہ خونبہا طلب کرتے تھے۔

مدینہ کے نصف باشندے عربی تھے اور نصف یہودی۔ مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے طائفے تھے اور عربوں کے بھی تین طائفے تھے۔ عربی لوگ مدینہ میں کاشتکاری کرتے تھے۔ جانور پالتے تھے۔ اور بعض لوگ تجارت کرتے تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کے تینوں طائفے کام کے لحاظ سے متفرق تھے۔ ایک گروہ کاشتکاری کرتا تھا دوسرا گروہ زرگری اور گوہر فروشی کرتا تھا۔

تیسرا گروہ دباغی کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کرتا تھا۔ عربوں کے طائفے مدینہ میں کبھی کبھی لڑائی کرتے تھے۔ اس نوعیت کے جھگڑے کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلام کے قبل مدینہ کے عربوں کے دو گروہوں میں جھگڑا ہوا۔ جھگڑے کا سبب یہ ہوا کہ ایک زمین کے بارے میں دو گروہوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس جھگڑے سے ان دونوں گروہوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ عبداللہ بن ابی نامی ایک شخص کو فائدہ ہو گیا کیونکہ مدینہ کے کچھ باشندوں نے اسے سلطنت کے لئے منتخب کر لیا اور سناروں نے تاج بنانے کے لئے اس کے سر کی ناپ بھی لے لی۔ لیکن جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت محمدؐ مدینہ تشریف لائیں گے اور سب کے درمیان حاکم ہوں گے اور لڑائی جھگڑے کو روکیں گے تو لوگ عبداللہ بن ابی کو بادشاہ بنانے سے باز رہ گئے۔

حضرت محمدؐ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل اس شہر میں اشفق نامی ایک شخص تھا وہ قتل کے موقع پر خونبہا کا اندازہ کرتا تھا اور جرم کے موقع پر دیت (جرمانہ) کی تعیین کرتا تھا مکہ میں حضرت ابوبکرؓ بھی ہجرت سے قبل یہی کام کرتے تھے۔ جب کوئی قتل ہوتا تھا یا آنکھ اندھی ہوتی یا دانت ٹوٹتا تو لوگ حضرت ابوبکرؓ کے پاس حاضر ہوتے تاکہ آپ اس کا خونبہا یا دیت مقرر کر دیں۔

مکہ اور مدینہ میں دیت اور خونبہا کے مابین کوئی فرق نہیں تھا کیونکہ مکہ کی طرح مدینہ میں بھی خونبہا کے لئے عام طور سے ایک سو اونٹ اور ایک آنکھ پھوڑنے کے بدلے میں پچاس اونٹ کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ لیکن دانت توڑنے کا بدلہ مجرم کا وہی دانت توڑنا تھا۔ جس شخص کے دانت توڑے جاتے تھے اسے بھی یہ حق ہوتا تھا کہ وہ اپنے دشمن کے دانت توڑ دے۔ مدینہ کے یہودی جو حضرت محمدؐ کی مدینہ تشریف آوری سے خوش قسمت ہو گئے تھے ایک بڑی امید رکھتے تھے اور وہ امید یہ تھی کہ حضرت محمدؐ ان کا مذہب قبول فرمائیں گے۔

حضرت محمدؐ نے احکام خداوندی کے مطابق مدینہ پہونچ کر ایسا طریقہ اختیار کیا کہ یہودیوں کی امید اور زیادہ ہو گئی۔ منجملہ یہ کہ جب آپؐ مسجد قبا بناتے تھے تو مسجد کا محراب بیت المقدس

کی طرف کیا تھا۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ مسجد قبا کی محراب بیت المقدس کی طرف بنائی گئی ہے اور قرآن میں گذشتہ پیغمبروں کے نام (جو کتاب رکھتے تھے) جیسے ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ بہت احترام کے ساتھ لئے گئے ہیں تو انھیں پورا یقین ہو گیا کہ حضرت محمدؐ ضرور حضرت موسیٰ کا دین قبول فرمالیں گے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ دنیا میں صرف یہودی ہی ایک ایسی قوم ہے جس میں پیغمبر ہونے کی صلاحیت ہے۔

حضرت محمدؐ جب قبا میں مسجد بنانے میں مشغول تھے تو یہودیوں کے چند علماء نے آپ سے گفتگو کی تاکہ انھیں یہ معلوم ہو کہ آپؐ کس وقت حضرت موسیٰ کا دین قبول فرمائیں گے۔ حضرت محمدؐ کے جواب سے یہودی علماء کو معلوم ہو گیا کہ آپؐ کو یہودی ہونے کی طرف رغبت نہیں۔ یہودی علماء نے کہا کہ اے محمدؐ اگر آپؐ پیغمبر ہونا چاہتے ہیں تو پہلے آپؐ کو یہودی ہونا چاہئے۔ ابھی تک دنیا میں جو بھی پیغمبر ہوا ہے وہ یہودی قوم میں ہوا ہے کیونکہ صرف یہودی ہی ایسی قوم ہے کہ اس کے برگزیدہ لوگوں میں خدا سے گفتگو کرنے کی صلاحیت ہے۔

ان کا خیال تھا کہ ممکن ہے کہ خداوند کبھی کبھی دوسری قوموں سے بھی گفتگو یا خطاب کرے مگر اس صورت میں بھی یہودی قوم کے واسطہ سے ہی خطاب کرتا ہے کیونکہ یہودیوں کا درجہ پہلا ہے اور دنیا کی اور قوموں کا دوسرا تیسرا اور چوتھا درجہ ہے۔ حضرت محمدؐ نے یہودی علماء سے فرمایا کہ میں نے خود پیغمبر ہونا نہیں چاہا بلکہ خدا نے مجھے پیغمبر بنایا ہے۔ خدا کی نظر میں کوئی قوم دوسری قوموں پر فضیلت نہیں رکھتی ہے۔ تمام قومیں اور تمام لوگ خدا کی نظر میں برابر ہیں وہ جس وقت مائل ہوتا ہے جس قوم سے چاہتا ہے خطاب کرتا ہے۔

پہلی بار مسلمانوں نے قبا میں جب جماعت سے نماز پڑھی تو جمعہ کا دن تھا۔ پیغمبر اسلام نے جمعہ کا دن عبادت کے لئے مقرر فرمایا۔ یہ بات بھی یہودیوں کو گراں معلوم ہوئی کیونکہ انھیں انتظار تھا کہ حضرت محمد سنیچر کا دن (جو یہودیوں کی عبادت کا دن ہے) مسلمانوں کی عبادت کیلئے مقرر فرمائیں گے۔ قبا میں کسی یہودی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ صرف ایک یہودی نے قبول کیا اور وہ

وہی شخص تھا جس نے قبا کے باشندوں کو حضرت محمدؐ کی تشریف آوری کی اطلاع دی تھی۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ تاریخ میں اس شخص کا نام مذکور نہیں ہے مگر بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ شخص سلوم کے نام سے مشہور تھا

جمعہ کے دن مسلمان جب مسجد قبا میں عبادت کے لئے جمع ہوئے تو کچھ یہودی بھی اس مسجد میں حاضر ہوئے۔ اس روز حضرت محمدؐ نے مسجد قبا میں یہودیوں سے کچھ بات چیت کی آپؐ نے انھیں یہ سمجھانا چاہا کہ دوسری قوموں کی بہ نسبت انھیں کچھ امتیاز حاصل نہیں ہے خدا نے کسی قوم کو دوسری قوم سے ممتاز نہیں بنایا ہے۔ خدا کی نظر میں سب برابر ہیں۔ خدا سے قریب ہونے کا دارومدار صرف پرہیزگاری پر ہے۔

یہودی جب مسجد سے نکلے تو انھیں یہ یقین ہو چکا تھا کہ حضرت محمدؐ یہودی نہ ہونگے اسی دن سے وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کے درپے ہو گئے۔ مخالفت کا آغاز پروپگنڈہ سے کیا اور مشہور کیا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی تمام عورتیں بانجھ ہوں گی جو عورت دین اسلام قبول کرے گی وہ بانجھ ہو جائے گی۔ یہ بات اس وقت مشہور کی گئی جب مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی اور اس شہر کی مرطوب آب وہوا کے باعث بیمار ہو گئے تھے۔ مسلمان عورتیں بھی مردوں کی طرح بیمار تھیں۔ جب اُنھوں نے سُنا کہ وہ بانجھ ہو جائیں گی تو بہت خوفزدہ ہو گئیں کیونکہ بیماری نے انکی روحوں کو کمزور کر دیا تھا۔

حضرت محمدؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مسجد میں جمع ہوں۔ پھر ان سے فرمایا کہ یہودیوں نے مسلمان عورتوں کے بارے میں جو خبر اڑائی ہے وہ خدا کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ مرد ہو عورتوں کو تسلی دو اور ان سے کہو کہ یہ بات ان لوگوں نے پھیلائی ہے جنکی خواہش ہے کہ خدا کا دین ترقی نہ کرے۔ جان لو جو شخص اچھی باتوں کے ذریعہ دوسروں کے دل کو آرام دیتا ہے وہ خدا کے نزدیک ثواب پائے گا۔

اس کے بعد خدا نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کا قبلہ (جو بیت المقدس کیطرف تھا)

بدل دیں۔ لہٰذا اس کے بعد خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہوگیا۔ مسجد قبا کا قبلہ بھی بدل دیا گیا کیونکہ اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اسلامی تذکرہ نویسوں نے اسے دو قبلہ والی مسجد بتایا ہے۔

ورودِ مدینہ

مسجد قبا کی تکمیل کے بعد حضرت محمدؐ نے مدینہ کا قصد کیا۔ آپؐ قصوہ نامی اونٹنی پر سوار ہوئے اور مدینے کی راہ لی۔ حضرت محمدؐ جب مدینہ پہونچے تو تمام مسلمان مدینہ کی گلیوں میں موجود تھے۔ لوگ پیغمبر اسلام کے اونٹ کی طرف دوڑتے تھے۔ اونٹ کی نکیل پکڑتے تھے اور حضرت محمدؐ سے درخواست کرتے تھے کہ میرے گھر تشریف لے چلیں یا کم از کم میرے محلہ کی طرف تشریف لائیں۔ حضرت محمدؐ نے محسوس کیا کہ اگر کسی مسلمان کے گھر جاتے ہیں یا کسی خاص محلہ میں ٹھہرتے ہیں تو ممکن ہے کہ دوسروں کو کدورت پیدا ہو اور انھیں یہ خیال ہو کہ پیغمبر اسلام اس پر خاص نظر رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپؐ نے فرمایا کہ میرے اونٹ کی نکیل چھوڑ دو۔ اسے آزادانہ چلنے دو۔ میں جانتا ہوں کہ میرا اونٹ مجھے ایسی جگہ لے جائے گا جہاں خدا کی مرضی ہے۔

حضرت محمدؐ کی اونٹنی قصوہ مدینہ کے چند محلوں سے گذر کر محلہ النجار میں پہونچی۔ سامنے سفید عمارت ظاہر ہوئی۔ حضرت محمدؐ نے پہچان لیا کہ عبدالمطلب کی ماں نے اسی گھر میں پرورش پائی ہے اور ہاشم کی زوجہ ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کو یہ بات معلوم تھی۔ انھیں خیال ہوا کہ قصوہ اسی گھر کے سامنے ٹھہرے گی لیکن اونٹنی وہاں بھی نہ رکی اور راستہ چلتی رہی۔ مدینہ کے تمام مسلمان پیغمبر کے اونٹ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ یہ جانور کہاں ٹھہرتا ہے۔

لوگ ایسی جگہ پہونچے جہاں عبداللہ یعنی حضرت محمدؐ کے والد کی قبر تھی۔ لوگ جانتے تھے کہ آپؐ کی ماں آمنہ کی قبر وہاں نہیں ہے کیونکہ انھیں مدینہ سے باہر دفن کیا گیا تھا۔ بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ اونٹ وہاں ٹھہرے گا لیکن قصوہ قبر کے کنارے سے گذری اور چلتی رہی اور ایسی جگہ پہونچی جہاں انیسہ نامی عورت کا گھر تھا۔ حضرت محمدؐ اپنی ماں کی زندگی میں جب مدینہ میں

رہتے تھے تو انیسہ نامی ایک کم سن بچی کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اس موقع پر ایک عورت وہاں مقیم تھی لیکن پیغمبر اسلام کی اونٹنی وہاں بھی نہ رکی مگر اونٹنی اس محلہ سے دور نہ ہوئی تھی۔

جب حضرت محمدؐ نے دیکھا کہ اونٹ اس محلہ سے باہر نہیں ہوتا ہے تو اپنی ماں کے خاندان کی یاد میں پڑ گئے کیونکہ حضرت محمدؐ کی ماں کے خاندان کے شجرہ کی ایک شاخ قبیلہ النجار سے پیوستہ تھی۔ ہم نے بیان کیا ہے کہ خاندانی شجرہ عربوں کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا تھا اگرچہ حضرت محمدؐ نے مکہ میں اپنے والد کی شاخ سے تعلق منقطع کر لیا تھا لیکن مدینہ میں آمد اور سکونت کے باعث مادری شاخ سے تعلق قائم ہو گیا تھا۔

قصوہ کچھ مدت تک محلہ النجار میں چلتی رہی اور ایک غیر آباد جگہ میں پہونچ کر کچھ آگے بڑھی پھر وہیں بیٹھ گئی۔ حضرت محمدؐ نے اس بات کا اطمینان کرنے کے لئے کہ آیا اونٹنی یہیں ٹھہرے گی یا عارضی طور پر بیٹھ گئی ہے اسے اٹھانا چاہا مگر وہ نہ اٹھی۔ جہاں اونٹنی بیٹھی تھی وہاں کوئی مکان نہ تھا۔ وہاں کھجوریں سکھلائی جاتی تھیں۔ جہاں اونٹنی بیٹھی تھی وہاں سے نزدیک ترین مکان تک کافی مسافت تھی۔ جو مسلمان پیغمبر کے ساتھ تھے انھوں نے عرض کیا کہ وہ مکان ابوایوب کا ہے۔

اونٹ کے اس مقام پر بیٹھ جانے سے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام وہاں عبادت کیلئے مسجد اور ایسے ہی اپنا مکان تعمیر فرمائیں گے (اور آجکل کی اصطلاح میں) وہ زمین قوت اسلام کا مرکز بن جائے گی۔ حضرت محمدؐ نے پوچھا یہ زمین کس کی ہے؟ ایک مسلمان نے آگے بڑھ کر عرض کیا یا محمدؐ یہ زمین دو کمسن یتیموں کی ہے۔ میرا نام اسعد بن زرارہ ہے میں ان کا سرپرست ہوں۔ میں یہ زمین آپؐ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آپؐ وہاں گھر اور مسجد بنا سکیں۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اگر یہ زمین دو یتیموں کے بجائے آپ کی ہوتی تو بھی میں اسے لینے کو تیار نہ ہوتا چہ جائیکہ اس کے مالک دو یتیم بچے ہیں۔ میں بچپن میں یتیم ہو گیا تھا۔ میرے ماں باپ

نہ تھے۔ میں جانتا ہوں کہ یتیموں کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے اور کتنا رنج اٹھانا پڑتا ہے۔ میں یہ زمین ایک شرط پر قبول کر سکتا ہوں کہ ایسی زمینوں کی معمولی قیمت سے کچھ زیادہ اسکی قیمت لے لیں۔ اسعد بن زرارہ نے کہا کہ اس زمین کی قیمت سات دینار ہے۔

حضرت محمدؐ نے زمین کی قیمت معلوم کرنے کے لئے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے یتیموں کے سرپرست کی تصدیق کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس زمین کو دس دینار میں خریدتا ہوں تاکہ اسعد بن زرارہ اس رقم سے یتیموں کے لئے اس سے بہتر زمین خرید لیں۔ اسلام کے خزانچی حضرت ابوبکرؓ نے (جو حضرت محمدؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے) فوراً اپنی تھیلی کھولی۔ اس سے دس سکے نکالے اور زمین کے مالک کے حوالے کر دئے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت دس سونے کے سکے بہت اہمیت رکھتے تھے۔

اس زمانہ میں نہ مکہ میں سکے رائج تھے نہ مدینے میں بلکہ ان دونوں جگہوں میں جو سکے رائج تھے وہ ایرانی اور رومی تھے۔ روم سے مراد رومۃ الصغریٰ ہے جس کا پایہ تخت بیزانس تھا۔ اسی وجہ سے اس حکومت کو بھی بیزانس کہتے تھے۔ بیزانس کو آجکل استنبول کہتے ہیں دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا۔ ایرانی دینار کو دینار خسروی یا دینار خسرواں کہتے تھے اور رومی دینار ہرقلی کہتے تھے یعنی روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف منسوب کرتے تھے۔

دوسرے دن پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کی مدد سے اسی جگہ مسجد بنانا شروع کر دیا۔ تمام لوگ (جن میں خود پیغمبر اسلام بھی شامل تھے) اپنے ہاتھ سے مٹی و پتھر لاتے، گارا بناتے اور مسجد تیار کرتے تھے۔ مسجد مذکور کا طرز تعمیر ایک ایسا نمونہ بن گیا کہ صدر اسلام میں تمام مسجدیں اسی طرح سے بنائی گئیں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ تین ہاتھ پتھر مسجد کے کاموں کے لئے چھوڑ دیا۔ دیواریں پختہ بنائیں اور مسجد کی چھت کو کھجور کے تنوں اور پتوں سے (جسے جرید کہتے تھے) ڈھک دیا۔ مسلمانوں نے مسجد مذکور کو (جسکے بنانے میں سات مہینے لگے تھے) مضبوط کر دیا کیونکہ مدینہ میں بارش ہوتی تھی اگر اسے مضبوط نہ بناتے تو بہت جلد گر جاتی۔

اس مسجد کا قبلہ بھی بیت المقدس کی طرف تھا کیونکہ خدا نے ابھی تک حضرت محمدؐ کو کعبہ کی طرف قبلہ بنانے کا حکم نہیں دیا تھا۔

ہجرت کر کے مدینہ جانے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس سونے کے لئے جگہ بھی نہ تھی۔ پیغمبر اسلام نے ایسے لوگوں کے لئے مدینہ کی مسجد میں اینٹ و گارا سے ایک چبوترہ بنوا دیا تاکہ یہ لوگ رات کو وہاں آرام کریں۔ دن کے واسطے بھی کھجور کی شاخوں اور پتوں سے اس پر ایک سایہ بان یا صفہ بنوا دیا تاکہ ان غریبوں کو دھوپ نہ لگے۔ چونکہ وہ جگہ صفہ کے نام سے مشہور تھی لہٰذا وہاں کے رہنے والوں کو اہل الصفہ کہتے تھے۔ بعد میں یہی لوگ (جو شروع میں غریب تھے) مشاہیر اسلام میں شمار ہوئے کیونکہ اہل الصفہ کا ہر شخص بزرگان اسلام کا جزو شمار ہوتا تھا۔

یہ صفہ (چبوترہ) جو ایک دن غریبوں کی خوابگاہ تھا مذہب اسلام کے لئے دارالعلم بن گیا۔ یہی اسلام کی اولین دانشگاہ (یونیورسٹی) ہے جہاں تعلیم کی ابتدا ہوئی۔

مدینہ میں اونٹ سے اترنے کے بعد حضرت محمدؐ نے خود اپنا سامان اونٹ سے اتارا اور چاروں طرف نظر دوڑائی تاکہ معلوم ہو کہ رات کہاں گذاری جا سکتی ہے۔ حضرت ایوب (جن کا پورا نام ابوایوب خالد بن زید تھا اور ان کا مکان تمام مکانوں سے زیادہ قریب تھا) خود حضرت محمدؐ کے پاس پہونچے اور آپؐ کے ہاتھ سے اونٹ کا سامان پکڑ لیا اور عرض کیا کہ اے محمدؐ آپ میرے مکان تشریف لے چلیں۔

حضرت محمدؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپؐ کے گھر میں اتنی وسعت ہے کہ مجھ کو وہاں جگہ دے سکیں؟ انھوں نے کہا ہاں اے محمدؐ! حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں ایک شرط پر تمہارے گھر رات بسر کروں گا۔ وہ یہ ہے کہ کھانے کا بوجھ تمہارے اوپر نہ پڑے۔ حضرت ابوایوب نے عرض کیا کہ اے محمدؐ آپؐ کتنا کھانا کھائیں گے کہ مجھ پر بوجھ پڑے گا؟ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں جتنا بھی کم کھاؤں تم پر بوجھ بن جاؤں گا۔

جب ابو ایوب نے جان لیا کہ حضرت محمدؐ کھانا نہ کھانے پر اصرار کر رہے ہیں تو انھوں نے اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ آپ رات کو ان کے گھر جاتے تھے اور سو رہتے تھے۔ جب آپ مدینہ کی مسجد بنا رہے تھے تو امت کی وضع زندگی کو درست کرنے کی سخت کوشش کرتے تھے جنھوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی ان میں سے اکثر لوگ نادار تھے۔ چونکہ انھوں نے اپنی جائے پیدائش کو چھوڑ دیا تھا اور اپنے قبیلوں سے علٰحدہ ہو گئے تھے اس لئے مدینہ میں رنج و غم کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہودیوں کے اس اشتہار نے کہ مسلمانوں کی عورتیں بانجھ ہونگی انھیں بچہ نہ پیدا ہوگا ان لوگوں کو اور زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ لیکن عبداللہ بن زبیر نامی ایک مسلمان کی بیوی کو ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔ اس سے مسلمانوں کو بیحد مسرت ہوئی اور وہ سمجھ گئے کہ مسلمان عورتیں بانجھ نہ ہوں گی۔

چونکہ مدینہ ہجرت کرنے والے مسلمان غریب تھے اس لئے پیغمبر اسلام نے انصار (مدینہ کے مسلمانوں) کو تلقین کی کہ ہر آدمی ایک مہاجر کو بھائی بنا لے۔ اپنے مکان میں رکھے اور ساتھ ساتھ روزی کمائے تاکہ مکہ والے مسلمانوں کی زندگی بہتر ہو جائے۔ جب وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنے لئے مکان بنا سکیں اور اپنی روزی حاصل کر سکیں تو مدینہ کے مسلمانوں سے علٰحدہ ہو جائیں گے۔

حضرت محمدؐ کی بات مدینہ کے مسلمانوں میں اس قدر اثر رکھتی تھی کہ سب نے آپکی تجویز قبول کر لی۔ ایک سو چھیاسی مہاجروں نے مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ بھائی چارگی کا عہد کر لیا اور ان کے گھروں میں رہنا شروع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آٹھویں سورہ (انفال) کی پچھترویں آیت میں مدینہ کے مسلمانوں کی (جنھوں نے مہاجرین مکہ کو گھر بانٹ کر دیدیا تھا) اس طرح سے قدردانی کی ہے۔ اسی آیت کے دوسرے جزء میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

یعنی جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین مکہ کو) مکان دیا اور انکی مدد کی وہ حقیقی مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے گا اور ان پر روزی کے دروازے کھول دے گا"

چونکہ مسلمانوں کو مدینہ کی مسجد بنانا ضروری تھا اس لئے مکہ و مدینہ کے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارگی ہو جانے کے بعد یہ بات طے پائی کہ جو شخص انصار کے گھر میں رہتا ہے، وہ ایک روز مسجد میں خدا کی راہ میں کام کرے اور دوسرے دن کسی کام میں مشغول ہو جائے تاکہ اپنے اور اپنے بھائی کے لئے روزی حاصل کرے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے بھی ایسا ہی عمل کیا۔ ہر مدنی مسلمان جس نے ایک مکی کو قبول کیا تھا ایک روز اپنی اور اپنے بھائی کی روزی حاصل کرنے کے لئے کام کرتا تھا اور ایک روز اللہ کے لئے مسجد میں کام کرتا تھا۔

حضرت محمدؐ کسی مدنی کے ساتھ روزی کمانے کے لئے بھائی چارگی کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ آپؐ نے خیال کیا کہ ممکن ہے ایسا کرنے سے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ پیغمبر اسلام نے انھیں بھائی چارگی کے قابل نہیں سمجھا ہے۔ لہذا حضرت محمدؐ نے اپنے چچازاد بھائی علی ابن طالب کے ساتھ بھائی چارگی کا عہد کیا اور ان سے فرمایا کہ اے علی ہم دونوں کے لئے ایک دن تم روزی کماؤ اور دوسرے دن میں کماؤں گا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ اے محمدؐ کام جاری رکھنے کے لئے مسجد میں آپکی حاضری ضروری ہے اور اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں کو آپؐ سے ضرورت نہیں ہوتی ہو (یعنی آپ کو کسی روز فرصت نہیں) اور لوگ اپنے مسائل آپؐ سے دریافت کرتے ہوں۔ لہذا آپ مسجد میں رہیں اور تعمیر کا کام دیکھیں نیز مسلمانوں کے مسائل کا جواب دیں۔ میں تنہا دونوں کی روزی کے لئے کام کروں گا۔

حضرت محمدؐ نے حضرت علی کی تجویز قبول فرمائی اور وہ روزانہ صبح روزی کمانے کے لئے نکل جاتے تھے۔ ممکن ہے کوئی شخص خیال کرے کہ جو کام حضرت علی مدینہ میں کرتے تھے وہ

ان کی خاندانی شرافت اور شان کے مطابق رہا ہوگا ؟

حضرت محمدؐ کی طرح حضرت علی بھی قبیلۂ ہاشم کے ایک فرد تھے ، اور مکہ کے بزرگوں میں شمار ہوتے تھے ۔ لیکن مدینہ میں روزی کمانے کے لئے پانی ڈھوتے تھے تاکہ مدینہ کا ایک مالدار (جو گھر بنا رہا تھا) محل کی تعمیر میں اپنے مکان کے لئے اینٹ و گارا بنا سکے ۔ کنواں اور مکان کے درمیان اس قدر زیادہ فاصلہ تھا کہ حضرت علی صبح سے شام تک سولہ ڈول سے زیادہ پانی نہ لا پاتے تھے ۔ پانی کے ہر ڈول کے لئے ایک خرما سے زیادہ مزدوری نہ ملتی تھی ۔ لہذا حضرت علیؓ کی دن بھر کی مزدوری سولہ خرما تھی جس کا نصف یعنی آٹھ دانہ حضرت محمدؐ کو دیدیتے تھے ۔ یہ دونوں حضرات ایک مدت تک آٹھ خرما پر زندگی گذارتے رہے ۔

یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے اسلام کی بنیاد کو مستحکم کیا ۔ مگر یہ خصلت جیسا کہ ہم نے اس بحث کے شروع میں کہا بچپن سے ان لوگوں میں موجود تھی ۔ اور انکی فطرت کا جزء ہوگئی تھی ۔ عرب بادیہ بچپن سے بھوک پیاس سہنے کی عادت بنا لیتے تھے اور بھوک پیاس کا برداشت کرنا ان کے لئے دشوار نہ ہوتا تھا ۔ مدینہ کے نصف باشندے یہودی تھے ۔ حضرت محمدؐ نے مدینہ پہونچ کر یہ کوشش کی کہ ان کو چھوڑے رکھیں تاکہ اسلام کے ساتھ تعاون کی صورت اختیار کریں ۔

علماء اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ اسلامی قوانین یکبارگی نازل نہیں ہوئے بلکہ تئیس ۲۳ سال کی مدت میں بتدریج نازل ہوئے ہیں ۔ جس باب میں جدید قوانین نہیں نازل ہوئے تھے اس میں حضرت محمدؐ کو اختیار تھا کہ جب تک جدید قوانین خدا کی جانب سے مقرر نہ ہوں وہ تورات کے قوانین کی رعایت کرتے رہیں (جو یہودیوں پر نازل ہوئی تھی)

اس تدریجی نزول کی علت بھی معلوم ہے ۔ اگر گذشتہ تمام قوانین یکبارگی لغو ہوجاتے اور جدید قوانین نازل ہوتے تو لوگ اپنے کو گم کردیتے اور جدید قوانین کو جاری نہ کرسکتے جدید قوانین تدریجی ہونے چاہئیں تاکہ لوگ ان سے مانوس ہوجائیں ۔

باوجودیکہ آجکل مغربی ملکوں کی عقل نے قدیم عربوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ترقی حاصل کرلی ہے

اور تبادلۂ خیال اور خبروں کے وسائل مثل اخبار، رسالہ، کتاب، ریڈیو، ٹیلی ویژن بہت زیادہ رائج ہوگئے ہیں۔ پھر بھی کسی حکومت میں یہ طاقت نہیں ہے کہ چند دنوں میں سارے قوانین بناکر جاری کردے۔ اگر کوئی اس کے لئے جلدی بھی کرے تو لوگوں کے دماغ اور قوتِ عمل سب بیکار ہوجائیں گے۔ لوگ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور بہت سے اجتماعی مفاسد پیدا ہوجائیں گے۔ اسی طرح عرب کے باشندوں میں بھی بطریق اولیٰ اس امر کی طاقت نہ تھی کہ وہ یکبارگی سارے قوانین سمجھ لیں اور انھیں قبول کرلیں۔

یہی سبب تھا کہ حضرت محمدؐ کی بعثت کے بعد دنیا کے گذشتہ قوانین لغو نہیں ہوئے بلکہ مسلمانوں میں باقی رہے اور اسی طرح بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا بھی باقی رہا کیونکہ خدا نے ابھی تک اس قانون کو باطل نہیں کیا تھا۔ انھیں چیزوں کو دیکھ کر یہودیوں نے یہ خیال کیا تھا کہ حضرت محمدؐ یہودی ہوجائیں گے۔ چنانچہ وہ آپؐ سے کہتے تھے کہ اے محمدؐ آپؐ پیغمبر نہیں ہیں کیونکہ آپؐ تو عربی ہیں (یہودی نہیں ہیں) اور گذشتہ تمام نبی یہودی قوم میں پیدا ہوئے ہیں۔ آپؐ کے لئے پیغمبری اسی وقت ممکن ہوسکتی ہے جبکہ آپؐ یہودی بن جائیں۔ پیغمبر ہونے کے لئے صرف یہی صورت ہے کہ آپؐ حضرت موسیٰ کا دین قبول فرمائیں۔

تحویل قبلہ سے بہت مدت پہلے قرآن شریف کی دوسری سورہ کی ایکسو نویں (۱۰۹) آیت حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی تھی کہ "مشرق و مغرب خدا ہی کے لئے ہے جدھر منہ کروگے خدا ہی نظر آئے گا" جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہودی مسلمانوں کے قریب آنے پر راضی نہیں ہیں تو خدا نے قرآن شریف کی دوسری سورہ کی ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۴ ویں آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ نماز پڑھنے کے وقت چہرہ خانہ کعبہ کی طرف پھیرلیں یعنی کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں۔

سورہ بقرہ کی ایکسو چھتیسویں آیت میں خدا تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے۔ "سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" یعنی "بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے

ان کو قبلہ سے پھیر دیا۔ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب سب خدا کا ہے خدا جسے چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت دیتا ہے"

مشرق و مغرب میں مرتبہ کے اعتبار سے فرق نہ ہونے کے بارے میں خدا نے جو آیتیں نازل فرمائی ہیں ان سے اسلامی عارفین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خدا کے لئے سب جگہ برابر ہے جن عارفوں کے اشعار (جن میں شیخ عطار و شیخ بہائی وغیرہ ہیں) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ گرجا، مندر اور کعبہ میں کوئی فرق نہیں ہے وہ انھیں آیتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن ان آیتوں میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ خدا کی نظر میں اگرچہ مشرق و مغرب یکساں ہیں مگر جب خدا نے اپنے بندوں کے لئے ایک حکم صادر فرما دیا کہ کعبہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھیں تو وہ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ مشرق و مغرب تو یکساں ہیں لہذا ہم ادھر رُخ کر کے نماز نہ پڑھیں گے۔

سورہ بقرہ کی جو آیتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں خدائے تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے قبلہ اس لئے بدل دیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون لوگ رسولِ خدا کی اطاعت کرتے ہیں اور قبلہ بدلتے ہیں اور کون لوگ ایسے ہیں جو رسول کی پیروی کے لئے تیار نہیں ہیں اور کفر میں پڑے رہتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں تحویل قبلہ کا حکم بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں سے بالکل جدا کر دیا ہے اور دین اسلام کو دونوں مذہبوں سے بالکل مستغنی کر دیا ہے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو عربی زبان میں عربی پیغمبر پر نازل ہوا ہے اور کعبہ بھی عربی گھر ہے کہ عربوں کے دادا ابراہیم نے بنایا تھا۔ جب خدا نے حکم کر دیا کہ مسلمان کعبہ کی طرف نماز پڑھیں تو یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام کسی مذہب (یہودی یا عیسائی) کا تابع نہیں ہے بلکہ خود ایک مستقل مذہب ہے۔

اسلام کا پہلا بنیادی قانون

قرآن میں خدا نے کئی بار ملتِ ابراہیم کا نام لیا ہے اور حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ سے پہلے گذرے ہیں۔ انھوں نے ہی حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی آمد سے پہلے خانۂ کعبہ کی بنیاد رکھی ہے لہٰذا ملت ابراہیم (جو دین اسلام کی بنیاد ہے) اس قابل ہے کہ دینِ عیسیٰ و موسیٰ دونوں کو شامل ہو۔ چونکہ اسلام کی بنیاد ملت ابراہیم پر تھی اسلئے اس نے عالمی اور عمومی پہلو پیدا کیا۔ یہودی مذہب نسلی برتری پر مبنی شمار ہوتا تھا اور یہودی کہتے تھے کہ بنی اسرائیل دنیا کے مالک ہیں اور جو نسل خدائی تعلق کی سزاوار ہے وہ صرف اسرائیلی نسل ہے اس لئے وہ ایک عالمی مذہب نہ بن سکا۔ عیسائی مذہب چونکہ یہودی مذہب کی تکمیل کے لئے آیا تھا اس لئے وہ بھی عالمگیر مذہب نہ ہو سکا۔

لیکن مذہب اسلام جب پوری طرح دین موسیٰ و عیسیٰ سے جدا ہو گیا اور اس نے اپنا مستقل قبلہ بنا لیا تو وہ عمومی اور عالمی پہلو اختیار کرنے کے قابل ہو گیا۔ اور دنیا کے ہر ملک اور ہر رنگ کا باشندہ دین اسلام میں داخل ہو سکا۔ ہجرت کرنے والے عرب خصوصاً مسلمان تحویل قبلہ (کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے) سے بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ سب کے نزدیک کعبہ ایک مقدس مقام تھا۔ اور ہجرت کرنے والوں نے اسے فراموش نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ خوش ہونے کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں لوگ اپنے اجداد کی تعظیم محسوس کرتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت (یعنی قبل اسلام) میں جو قصیدہ پڑھا جاتا تھا اسے فخر کہتے تھے۔ (یعنی اجداد کی مدح اور بڑائی کرنا) جب خدا نے یہ حکم دیا کہ مسلمان کعبہ کی طرف نماز پڑھیں

تو چونکہ خانۂ کعبہ کو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا اور ادھر نظر کرتے ہوئے عرب اپنے کو بنی اسمٰعیل سمجھتے تھے اس لئے جب وہ نماز پڑھتے تھے تو گویا ایسا تھا کہ اپنے اجداد ابراہیم و اسمٰعیل کی تعظیم و تکریم کو کھڑے ہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ اپنے تمام اجداد کی تعظیم کر رہے ہیں۔

جب حضرت محمدؐ مسلمانوں کی مدد سے مسجد بنانے میں مشغول تھے تو مسجد کے پاس مسلمانوں کے لئے چھوٹے چھوٹے مکان بھی بناتے تھے۔ بعض مسلمانوں نے (جن میں حضرت پیغمبر بھی ہیں) ہجرت کرتے وقت اپنے بال بچوں کو مکہ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ لوگ اپنے گھر کے افراد کو مدینہ لانا چاہتے تھے تاکہ اپنے خاندان کے سربراہ کے ساتھ مل کر رہیں کیونکہ ایک خانوادہ کے اعضا، درخت کی شاخوں کی مثل ہیں اور تمام شاخوں کو درخت کے تنہ سے ملا رہنا چاہئے اگر شاخیں تنہ سے علٰحدہ ہو جائیں تو اسکی مثال ایسی ہوگی جیسے بدن سے ایک ہاتھ جدا ہو جائے۔

حضرت محمدؐ نے ارادہ کیا کہ اپنے اہل و عیال کو مکہ سے مدینہ لے آئیں۔ چنانچہ چھوٹا سا گھر مکمل ہونے سے کچھ پہلے ایک روز حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ کے بازار گئے۔ آپؐ نے تین اونٹنیاں خریدیں اور حضرت ابوبکرؓ نے انکی قیمت ادا فرمائی۔ حضرت محمدؐ و ابوبکرؓ کے پاس جیسا کہ ہم نے بیان کیا مدینہ پہونچنے کے وقت دو اونٹنیاں تھیں۔ تین اونٹنیاں خرید لینے کے بعد پانچ کے مالک ہو گئے۔

پیغمبر اسلام نے اپنے چچازاد بھائی حضرت علی کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ اے علیؑ تم جانتے ہو کہ میری لڑکیاں اور اسی طرح میری زوجہ سودہؓ و عائشہؓ مکہ میں ہیں جاؤ انکو اونٹ پر سوار کر کے مدینہ لے آؤ۔ زید کو بھی اپنے ساتھ لے لو (زید وہی آزاد شدہ غلام ہیں جنھیں پیغمبر اسلام نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا) اور واپسی کے وقت ام ایمن (زوجہ زید) کو بھی لیتے آنا۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت محمدؐ کے چار بیٹیاں تھیں، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب ان میں سے رقیہ اپنے شوہر عثمانؓ کے ساتھ مدینہ آئی تھیں لیکن دوسری تین لڑکیاں مکہ ہی میں

تھیں۔ حضرت علیؓ زید کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے اور سودہ و عائشہ (پیغمبر کی دو بیویاں) ام کلثوم و فاطمہ (پیغمبر کی دو بیٹیاں) اور ام ایمن (زوجہ زید) کو اپنے ساتھ لیکر مدینہ واپس ہوئے۔ لیکن پیغمبر اسلام کی چوتھی لڑکی مکہ نہ چھوڑ سکیں کیونکہ ان کا شوہر ابوالعاص مسلمان نہ ہوا تھا۔ اس نے انھیں مدینہ جانے کی اجازت نہ دی کیونکہ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ اسکی رفیقۂ حیات مکہ سے چلی جائے۔ پیغمبر اسلام کے گھر والوں میں سے صرف زینب اپنے خاندان کے رئیس سے ملحق نہ ہو سکیں۔ بقیہ سارے کے سارے لوگ ان سے آکر مل گئے تھے۔ بعض دوسرے مسلمانوں میں بھی ایسی نظیریں پیش آئیں۔ زن و شوہر چونکہ ایک مذہب والے نہ تھے اس لئے آپس میں نہ مل سکے۔ یعنی جو عورت مسلمان نہ تھی مکہ میں رہ گئی اور مسلمان شوہر ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا۔ لیکن دوسرے لوگ جن کی عورتیں مسلمان تھیں وہ انھیں مدینہ لے آئے اور مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی۔

حضرت محمدؐ نے مکہ کے مسلمان خاندانوں کو مدینہ منتقل کرنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے اور اپنے پانچ اونٹوں کو مخصوص کر دیا۔ یہ پانچوں اونٹ جب مدینہ میں ہوتے تھے تو مسلمان ان کا اکرام کرتے تھے۔ کوئی شخص انھیں نہ پکڑتا تھا۔ جہاں چاہتے تھے گھاس چرتے تھے اور جس جگہ طبیعت مائل ہوتی تھی پانی پیتے تھے۔ جب مدینہ کی مسجد تیار ہو گئی اور لوگ اپنی عورتیں لے آئے تو حضرت محمدؐ نے مدینہ کے لئے (جو مستقل شہر تھا) ایک بنیادی قانون مرتب فرمایا۔

یہ بنیادی قانون جس میں باون ۵۲ اصول ہیں حضرت محمدؐ کی طرف سے مدون ہوا (یعنی قرآن کی طرح وحی نہیں ہے) اس میں پچیس ۲۵ مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ بقیہ ستائیس اصول دوسرے مذہب والوں کے لئے ہیں چاہے وہ یہودی ہوں یا بت پرست۔ مدینہ کا بنیادی قانون اس طرح مرتب ہوا کہ دوسرے مذہب والے بھی اس شہر میں زندگی گذار سکیں اور بلا مزاحمت دینی امور پر عمل کرتے رہیں۔ اس اساسی قانون کا اعلان ہجرت کے پہلے سال میں (یعنی ۶۲۳ء میں) کیا گیا۔

اس قانون کی رو سے مدینہ کے ہر باشندے کو اختیار تھا کہ اپنے مذہب کی حفاظت کرتے۔ مذہبی معاملات میں کوئی شخص کسی سے تعرض نہ کرے۔ لیکن دوسرے مذہب والے جو مدینہ میں رہتے تھے، لڑائی کے موقع پر (یعنی جب مدینے پر حملہ ہو) ان کا فرض ہوگا کہ دشمن کو بھگانے کے لئے متحد ہو جائیں۔

ہم اس بنیادی قانون کا مواد جسے حضرت محمدؐ نے مدینہ میں بنایا تھا پڑھنے والوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ہمیں کہنا چاہیئے کہ حضرت محمدؐ نے یہ قانون جس میں ہر مذہب کے لئے آزادی تھی قرآن شریف سے اخذ کیا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ سورۂ بقرہ کی انسٹھویں آیت میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی "جو لوگ دین اسلام پر ایمان لائے اور جو لوگ یہودی عیسائی یا صابی ہو گئے ہیں۔ جو شخص خدا و آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور نیک عمل کرے تو خدا کے نزدیک ثواب پائے گا۔ ان پر کوئی خوف نہیں، وہ رنجیدہ نہ ہوں گے۔"

صابئین (جن کا اس آیت میں ذکر ہے) وہ لوگ تھے جو ستاروں اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور خدا پر بھی عقیدہ رکھتے تھے، جیسا کہ اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے۔ خدا نے یہودی عیسائی حتیٰ کہ قوم صابئین کو بھی اپنی رحمت سے محروم نہیں کیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ایمان رکھتے ہوں اور ان سے نیک عمل سرزد ہو یعنی ان کا ایمان واقعی بناوٹی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ کی اکہترویں آیت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ" یعنی اگر یہودی اور عیسائی اپنی توریت اور انجیل پر عمل کرتے اور ایسے ہی جو کچھ خدا نے ان کے لئے نازل فرمایا ہے اس پر عمل کرتے (یعنی قرآن پر) تو اپنے اوپر سے اور

نیچے سے بھی خدائی نعمتوں سے مستفید ہوتے (یعنی آسمان سے بارش ہوتی اور زمین سے پیداوار ہوتی) ان میں کچھ لوگ عدل وانصاف والے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ برے فعل والے ہیں"

ان آسمانی آیتوں کے ذکر سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم بتادیں کہ حضرت محمدؐ نے جو بنیادی قانون مدینہ میں مرتب کیا تھا اور ہجرت کے پہلے سال میں شائع ہوا تھا وہ قرآن سے ماخوذ تھا لیکن آسمانی آیتوں کا جزء نہیں شمار ہوتا تھا۔ حضرت محمدؐ نے دوسرے مذہبوں کے ساتھ جو رواداری برتی ہے اس کی مثال گذشتہ زمانہ میں کہیں نہیں ملتی۔ کسی بانیٔ مذہب نے اس قدر رواداری کا ثبوت نہیں دیا ہے۔

حضرت محمدؐ بہت فراخ دل تھے۔ آپؐ کو یہ بات حد سے زیادہ پسند تھی کہ دوسرے مذاہب والے اسلام کی گود میں آزادی سے زندگی بسر کریں۔ آپؐ نے انھیں اطمینان دلایا کہ کوئی شخص ان سے مزاحمت نہ کرے گا کیونکہ حضرت محمدؐ سمجھتے تھے کہ ان کا دین جو آزادی ومساوات کی بنیاد پر قائم ہے دوسرے مذاہب سے کوئی خوف نہ رکھے گا۔ ممکن ہے اسلام اپنی شعاعوں کے تحت دوسرے مذاہب کو برقرار رکھے لیکن دوسرے مذاہب اسے نہیں پچھاڑ سکتے۔ میں پیشتر کہہ چکا ہوں کہ اس قانون کی پچیس دفعات مسلمانوں سے متعلق ہیں اور ستائیس دوسرے مذاہب سے۔

اساسی قانون کے پہلے اور دوسرے اصول میں پیغمبر اسلام مدینہ کے قبیلوں کے نام لینے کے بعد فرماتے ہیں کہ "مومنوں کو نہ چاہئے کہ ان میں سے کسی پر بھاری جرمانہ لاد دیں بلکہ مومن کا وظیفہ یہ ہے کہ بڑے جرم سے نجات پانے کے لئے صدق دل سے فدیہ دے یا اس کا خونبہا ادا کردے۔" اسلام سے قبل جیسا کہ بیان کیا عرب میں ہر شخص ایک قبیلہ کا جزء ہوتا تھا۔ جب کوئی مارا جاتا تو اس کے قبیلہ سے خونبہا وصول کرتے تھے حضرت محمدؐ نے اسلام لانے کے بعد سب کو مساوی قرار دیا اور قبیلہ جاتی امتیازات کو ختم کردیا لیکن مدینہ کے اساسی قانون کے بموجب دوسرا امتیاز نے جگہ لے لی اور وہ امتیاز مومن ہونا

تھا۔ یعنی امت کا عضو ہونا تھا۔ اگر کوئی شخص امت کا عضو یعنی مسلمان ہوتے ہوئے گرفتار ہو جائے اور لوگ اس کو آزاد کرنے کے لئے فدیہ طلب کریں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کا فدیہ ادا کر دیں۔ اور اس کو آزاد کرالیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قتل ہو جائے (بشرطیکہ یہ قتل جرم نہ ہو جیسا کہ تیرہویں قانون سے مستفاد ہوتا ہے) تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کے خونبہا کا مطالبہ پورا کریں۔

حضرت محمدؐ اسی قانون کی تیرہویں دفعہ میں اس طرح فرماتے ہیں۔

"جب کوئی مومن قہر و ظلم یا خیانت کے لئے ہاتھ بڑھائیگا یا کسی قسم کا حق پامال کرے گا یا مومنوں میں نفاق پیدا کرے گا تو وہ اصول اول و دوم کی رعایت سے مستفید نہ ہوگا۔ ایسے موقعوں پر سب مسلمانوں کے ہاتھ اس شخص کو گرانے کے لئے اٹھنے چاہئیں۔ اگرچہ گناہگار کسی مومن کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو۔"

بنیادی قانون کی پندرہویں دفعہ میں لکھا ہوا ہے "ہر ایسا حق کہ جس سے غریب سے غریب مومن مستفید ہوتا ہے ایسے حق کے برابر ہے جس سے مالدار مسلمان مستفید ہوتا ہے (یعنی امیر ہو یا غریب مومن کا حق برابر ہے)" سولہویں دفعہ میں ہے کہ قاتل سے بدلہ لیا جائے۔ حضرت محمدؐ فرماتے ہیں کہ جو شخص جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اسے قتل کر دینا چاہئے اور کسی کو اسکی حمایت کا حق حاصل نہیں ہے۔ تیسویں دفعہ میں مذکور ہے "ہر اختلاف میں خدا کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور خدا کے نمائندہ یعنی پیغمبر کے وسیلے سے اس اختلاف کو حل کرنا چاہئے۔" چھبیسویں دفعہ میں لکھا ہے۔ "یہودی اپنے دین کی حفاظت کر سکتے ہیں اور مسلمان بھی اپنے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں بھی جن کے آقا ہیں یا ان کے یہاں پناہ لیا ہے اسی ترتیب سے عمل ہوتا ہے۔ چونکہ آقا اور پناہ دینے والوں کے بارے میں گذشتہ فصلوں میں وضاحت کر چکے ہیں اس لئے یہاں ذکر نہیں کرتے۔ دوسری دفعہ میں لکھا ہے یہودی اپنے فرائض کو قبول کریں گے اور مسلمان بھی اپنے متعلق چیزوں کو قبول کرینگے لیکن

جو شخص بھی اس تحریر کے خلاف عمل کرے گا یہودی اور مسلمان دونوں متحد ہو کر اس سے لڑیں گے۔ یہودی اور مسلمان اس بات کے مکلف ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ اور آپس میں زیادتی نہ کریں۔ متینتالیسویں[۴۳] دفعہ میں مذکور ہے۔ مدینہ کے باشندے عام اس سے کہ مسلمان ہوں یا یہودی انکو قریش اور ان کے مددگاروں کی حمایت نہیں کرنا چاہیئے۔ یہاں قریش سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکے میں مسلمانوں کو ستاتے تھے اور انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ انھیں قریش کے ان افراد سے نہیں لڑنا چاہیئے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور مکے سے ہجرت کر گئے۔

بنیادی قانون کی دفعات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شہر مدینہ کی زمین حرم ہے یعنی مقدس سرزمین ہے وہاں لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے۔ مدینہ کے تمام باشندے اس نئے قانون سے بے حد مسرور ہوئے کیونکہ اس کے اعتبار سے انھیں برابر کا حق حاصل ہو گیا۔ جو عرب مدینے میں رہتے تھے وہ سب مسلمان تھے سوائے چند لوگوں کے کہ جنکی رہبری عبداللہ بن ابی کرتا تھا اور قرآن نے انھیں منافق کہا ہے۔

بعض تذکرہ نویسوں کے برعکس منافقون یا منافقین کے معنی اسلام کے مخالف کے نہیں ہیں۔ کیونکہ منافقین اسلام کے مخالف نہ تھے لیکن پوری طرح اسلام کی طرفداری بھی نہیں کرتے تھے بلکہ بیچ بیچ میں تھے۔ منافق وہ شخص ہے جو نفاق پیدا کرتا ہے لیکن عربی میں منافق کے لفظی معنی خرندہ یا ایسا جانور ہے جو لومڑی کی طرح سوراخ کھودتا ہے اور اسی میں رہتا ہے تاکہ خطرے سے محفوظ رہے۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف کی چوتھی سورہ نساء کی ایکسو پینتیس ویں آیت میں منافقین کے بارے میں فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا یعنی منافقین وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے اور ان کا کفر بڑھتا رہا۔ خدا ایسے لوگوں کی مغفرت نہیں کرتا اور

انھیں ہدایت نہیں دیتا۔" اسی سورہ کی ایکسو تینتالیسویں آیت میں دوبارہ خداوند تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِیْرًا ۔ یعنی منافقین کا مسکن جہنم کا سب سے نیچے والا طبقہ ہے (جہاں دوسرے طبقوں سے زیادہ عذاب ہے) اے محمدؐ آپ ان کے لئے وسیلہ نہ بنیں۔ کہ انکی مدد کیلئے دوڑیں اور انھیں نجات دیں"۔ یہاں پر ہمیں وضاحت کرنا چاہیئے کہ اللہ نے ایسا عذاب کافروں کے لئے بھی نہیں مقرر کیا ہے۔ یعنی ایک منافق کا عذاب ایک کافر کے عذاب سے بڑھا ہوا ہے۔

اٹلی کا مؤرخ ڈانٹے بھی جس نے اپنی کتاب "کمدی خدائی" کا اقتباس قرآن سے کیا ہے قرآن کی طرح بے طرف لوگوں کو جہنم کے نچلے طبقہ میں جگہ دیتا ہے۔ اللہ نے جو کلام محمدؐ پر نازل فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم خداوندی کے مطابق دین کے بارے میں غیر جانبداری بہت بڑا گناہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا قریش والوں کا ارادہ تھا کہ حضرت محمدؐ کو قتل کر دیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور حضرت محمدؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہونچ گئے اور ان کی دست رس سے بہت دور ہو گئے۔ جب حضرت محمدؐ مدینہ ہجرت کر گئے تو قریش کی دشمنی اور زیادہ ہو گئی اور قریش کے دو بزرگ یعنی ابوسفیان اور ابی بن خلف نے مندرجہ ذیل مضمون الٹی میٹم کی شکل میں انصار (مدینہ کے مسلمان) کے پاس بھیجا:۔

"ہمارا تم سے قطع تعلق کرنا ہمارے لئے عرب کے ہر قبیلے کے قطع تعلق سے زیادہ اثر انگیز ہے لیکن جو کام تم نے کیا ہے وہ تعلقات کی کشیدگی کا سبب بن گیا ہے۔ تم نے ایسے شخص کو پناہ دی ہے جو مکہ کا ایک بزرگ تھا۔ تمہارا اسے پناہ دینا ہماری مداخلت کا سبب ہوا ہے ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں کہ تم ہمارے بیچ میں نہ پڑو۔ اگر وہ نیکوکار ہیں (اور ہم آپ سے بہتر جانتے ہیں) تو ان کے وجود سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور اگر بدکار ہیں تو ہمیں ان کے عمل کی سزا دینا چاہیئے۔"

انصار نے یہ خط پا کر کعب بن مالک شاعر اسلام سے درخواست کی کہ قریش کی ہجو کریں میں ایک بار کہہ چکا ہوں کہ کلام نثر ہو یا نظم عرب میں بڑی اہمیت اور تاثیر رکھتا تھا حتیٰ کہ مسلمان عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک ہجو ایک مہلک تیر کی مانند ہے۔

کعب بن مالک نے قریش کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھ کر ان کے پاس بھیجا لیکن قریش والے قصیدہ پا کر بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے بلکہ دوبارہ مدینہ والوں کے پاس خط بھیجا۔ اس مرتبہ اپنا خط عبداللہ بن ابی (منافقوں کے رہبر) کے نام سے بھیجا اور اس میں عبداللہ ابن ابی سے خطاب کیا کہ تم نے ہمارے ایک آشنا کو جو مکہ چھوڑ کر مدینہ گیا ہے پناہ دی ہے۔ اگر تم نے اسے ہمارے حوالے نہ کیا تو ہم مدینہ پر حملہ کریں گے اور تم کو مار ڈالیں گے نیز تمہاری عورتوں پر بھی قبضہ کر لیں گے۔

لیکن عبداللہ بن ابی اور تمام بے طرف لوگوں نے اس خط پر کوئی رائے قائم نہ کی اگر کسی کے طرفدار ہو جاتے تو پھر بے طرف نہ رہتے اور ان پر منافق کا اطلاق صحیح نہ ہوتا۔ عرب کہتے ہیں کہ منافق وہ لوگ ہیں جو پوری عمر نہ مثبت صورت میں ایک طرف رہے نہ منفی صورت میں رہے ہمیشہ یہ سوچتے رہے کہ کدھر پختگی سے رہنا چاہیئے تا کہ نفع حاصل ہو لیکن رائے دہندگی کے وقت مثبت یا منفی رائے دینے سے خاموش رہے۔

جب قریش والوں کو معلوم ہو گیا کہ انصار اور منافقین کو خط بھیجنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو ایک خط مدینہ کے یہودیوں کے نام بھیجا اور ان سے مدد مانگی کہ حضرت محمدؐ کو ہمارے سپرد کر دیں۔ یہودیوں نے صاف جواب نہ دیا (پکا وعدہ نہ کیا) کہ حضرت محمدؐ سے لڑائی کریں گے یا انکو پکڑ کر حوالہ کریں گے لیکن وعدہ کیا کہ ضرورت کے وقت ممکن ہے کہ قریش کی مدد کریں۔ طائفہ قریش نے جب دیکھا کہ انصار، منافقین اور یہودیوں کے پاس خطوط بھیجنے کا وہ اثر نہ نکلا جسکی امید تھی تو پختہ ارادہ کر لیا کہ ہتھیار کے ذریعہ حضرت محمدؐ سے جنگ کریں۔

قریش والے سب تاجر تھے۔ تاجروں کا مؤثر ہتھیار اقتصادی جنگ ہے جس کا نتیجہ

اقتصادی محاصرہ ہوتا ہے۔ قریش کے (جیسا کہ بیان کیا گیا ہے) دس قبیلے تھے اور شمالی عرب کے تمام راستوں پر انھوں نے کنٹرول کر رکھا تھا۔ وہ اس پر قادر تھے کہ مدینہ کا ایسا اقتصادی محاصرہ کریں کہ کھانے پینے کی کوئی چیز مدینہ نہ پہونچے۔

اگر یہ واقعہ مکہ میں پیش آتا تو تمام باشندے بھوکوں مرجاتے کیونکہ مکہ میں کھیتی اور باغ نہ تھے۔ لیکن مدینہ کی سرزمین میں کھیتی اور باغ موجود تھے جس سے رسد پہونچتی تھی۔ اس کے باوجود رسد کی تنگی ہوگئی اور چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئیں پیغمبر اسلام مدینہ کی مسجد کے قریب اپنے گھر میں زندگی بسر کرتے تھے اور مدینہ کے اقتصادی محاصرہ سے بہت متاثر ہوگئے تھے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ قریش والے محض اسلام دشمنی کے باعث ایک شہر کے باشندوں کو بھوکا مار رہے ہیں۔ پیغمبر اسلام مدینہ میں بہت سادگی سے رہتے تھے۔ آپؐ کا گھر لکڑی اور کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا کھجور کے درختوں کی چھالیں لٹکا دی تھیں تاکہ راستہ چلنے والے اندر نہ دیکھ سکیں اور گھر والے آسودہ رہیں۔

اس گھر میں حضرت محمدؐ بکری کی کھال زمین پر بچھاتے تھے اور اسی پر سوتے تھے۔ کبھی کھجور کھاتے تھے اور کبھی روٹی۔ لیکن روٹی اور کھجور ساتھ نہ کھاتے تھے۔ پیغمبر اسلام کی زوجہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس زمانہ میں مدینہ اقتصادی محاصرہ میں گھرا ہوا تھا اور شہر میں چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئی تھیں اس زمانہ میں میں کھانا پکانے کے لئے گھر میں آگ نہ جلاتی تھی۔ اس وقت ہم نے کبھی بھی دو روز لگاتار روٹی نہیں کھائی۔ پیغمبر اسلام اہل وعیال والے ہونے کے باوجود گھر کا کام کرتے تھے۔ جھاڑو دیتے تھے۔ جب کھانا پکانے کی توفیق ہوتی تو حضرت محمدؐ آگ جلاتے تھے۔ گھر کے پکے ہوئے کھانے سے مراد ایک قسم کا سالن ہوتا تھا۔ چونکہ پیغمبر اسلام کی عورتیں گوشت سے پرہیز نہیں کرتی تھیں اس لئے گھر میں کبھی کبھی گوشت بھی پکتا تھا۔

پیغمبر اسلام اپنے کپڑے خود سی لیتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے جوتے بھی درست کرلیتے تھے چونکہ آپؐ بہت پاکیزہ طبیعت کے تھے کبھی کبھی اپنے کپڑے بھی دھولیتے تھے۔ روزانہ مسواک

کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ پیغمبر اسلام کی زندگی میں شائستگی کی یکتا علامت جسے تمام مورخین نے ذکر کیا ہے یہ تھی کہ آپؐ کے پاس ایک رومال تھا جس سے خرما ختم ہونے کے بعد ہاتھ صاف کرتے تھے اس کے سوا آپکی خانگی زندگی میں کوئی اور چیز نہ تھی جو آرائش کا پتہ دے۔

آپ اور آپکی عورتیں کھجور کی چٹائی یا بوریا پر بیٹھتی تھیں ان کا دسترخوان بھی کھجور کے پتوں کا تھا۔ جب مدینہ کے اقتصادی محاصرہ نے شدت پکڑی یعنی خورد و نوش کے اعتبار سے لوگوں کو بڑی تنگی ہو گئی تو حضرت محمدؐ جو پیغمبر تھے ایک سیاسی رہنما کے فرائض انجام دینے کے لئے مجبور ہوئے۔ جب سے سیاسی ذمہ داری وجود میں آئی ہے تب سے حریف سے مقابلہ کرنے کے لئے دو چیزیں بہت ضروری ہو گئی ہیں ایک سیاست دوسرے جنگ تاریخ اسلام کی ابتداء سے آج تک جو شخص کسی حکومت کا سربراہ ہوتا ہے اس کے لئے اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں ہے کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے ان دونوں وسیلوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرے۔ جیسے کہ انسانی تمدن کے آغاز سے اس وقت تک جو شخص لباس سینے کی خواہش کرتا ہے وہ سوئی تاگا اور قینچی کا محتاج ہوتا ہے بغیر اسکے لباس سینے کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔

حضرت محمدؐ کو محسوس ہو گیا کہ سیاسی راہ سے قریش سے پار پانا مشکل ہے لہذا دوسرے راستہ یعنی جنگ کو ترجیح دیا۔ اور پختہ ارادہ کر لیا کہ نیام سے تلوار نکال لیں۔ عرب کا ایک شاعر شمشیر کی تعریف کرتا ہے "لوہار نے تجھے چڑیا کے پر کی طرح ہلکا، خیزران (شاخ بید) کی طرح قابل انعطاف اور پتھر کی مانند سخت بنایا ہے۔ اور ایک دلیر جنگجو کی روح تیرے اندر اگائی ہے۔ اے میری شمشیر تیری تلوار اس قدر نرم ہے کہ جب اسے چھوتا ہوں تو تیرا قبضہ میری انگلیوں کے نیچے ایک پکے ہوئے میوہ سے زیادہ نرم ہوتا ہے۔" اس دن سے پیغمبر اسلام نے پختہ ارادہ کر لیا کہ خدا کے مذہب کی تائید کے لئے شمشیر بکف ہو جائیں (تاکہ دنیا کو شر و فساد سے پاک کریں)۔

مکہ کے قافلوں کو
مدینہ عبور کرنے سے روکنا

پیغمبر اسلام نے قریش کو پیغام بھیجا کہ چونکہ قریش نے مدینہ کا اقتصادی محاصرہ کیا ہے اس لئے اس محاصرہ کے بعد مکہ کے قافلوں کو مسلمانوں کی حکومت سے گذرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اگر وہ گذرنا چاہیں گے تو انھیں روکا جائے گا۔ ان خطروں کے بعد حضرت محمدؐ نے چالیس طاقتور مسلمانوں کو منتخب کیا اور حضرت حمزہ کو (جو مشہور مسلمان پہلوان تھے اور غضبناک آدمی شمار کئے جاتے تھے) ان کا سردار بنا دیا۔ آپؐ نے بیس اونٹ ان کے حوالے کئے اور انھیں حکم دیا کہ حمزہؓ کی سرداری میں مدینہ اور (سمندر) بحر احمر کے درمیان مکہ کے قافلوں کی گذرگاہ کی نگہبانی کریں۔

مقابلہ کرنے والے یہ چالیس آدمی مہاجر تھے اور ہجرت کرکے مدینہ آئے تھے۔ وہ جو بھی کام کرتے تھے اس کی مزدوری نہیں مانگتے تھے۔ ان کے پاس گھوڑے نہ تھے حالانکہ پیغمبر اسلام جانتے تھے کہ جنگی کاموں میں گھوڑا اونٹ سے زیادہ کارآمد ہوتا ہے لیکن مسلمان اتنے مالدار نہ تھے کہ گھوڑے خریدیں اور اپنے سواروں کے لئے گھوڑے فراہم کریں۔

عرب میں حجاز نامی ایک سرزمین ہے۔ حجاز عرب کا وہ حصہ ہے جو بحر احمر کے حاشیہ کی شکل میں ہے۔ شمال سے جنوب تک اسکی لمبائی ایک ہزار کیلو میٹر ہے۔ اس میں بہت سے پہاڑ موجود ہیں۔ گھوڑوں کی پرورش کیلئے حجاز دنیا کی بہترین سرزمین ہے۔ عربی گھوڑا جو دوڑنے میں بے مثل ہوتا ہے حجاز میں پالا جاتا ہے لیکن عربی گھوڑا خود حجاز میں ایک

شان و شوکت کا جانور شمار ہوتا ہے اور سب لوگ اسے خریدنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ دوسری بات یہ کہ عربی گھوڑا عرب کے جنگلوں میں نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ بھوک و پیاس کے تحمل پر قادر نہیں ہوتا۔ جس وقت عرب والے جنگل کے جنگی مقامات پر گھوڑوں کو لیجانا چاہتے ہیں تو انکے خورد و نوش کا سامان لادنے کے لئے کچھ اونٹ بڑھانے پر مجبور ہوتے ہیں تاکہ گھوڑے پیاسے نہ رہیں۔

جنگل میں گھوڑوں سے استفادہ حاصل کرنا صرف قیمت ہی کے اعتبار سے مشکل نہ تھا بلکہ ان کے لئے اونٹوں کے ذریعہ کھانا پانی لیجانا بھی مشکل تھا۔ جنگل میں اونٹ کانٹے کھاکر اپنی بھوک کو تسکین دے سکتا ہے اور چند دنوں میں ایک مرتبہ پانی پیتا ہے۔ اگر کہیں ایسی جگہ جائے جہاں اسے سبز گھاس مل جائے تو پھر پانی پینے کا بھی محتاج نہیں رہتا۔ ہر ایسے قافلہ میں جس میں گھوڑا ہوتا تھا قافلہ والے مجبور ہوتے تھے کہ پانی کی کمی کی صورت میں اپنا پانی گھوڑے کے لئے مخصوص کردیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ گھوڑا انسان کے برابر پیاس روکنے پر قادر نہیں ہے۔

لیکن جب جنگ کے میدان میں پہونچتے تھے اور لڑائی شروع ہوجاتی تھی تو گھوڑا بے نظیر سواری شمار ہوتا تھا اور سواری کا کوئی جانور سرعت اور فرمانبرداری میں گھوڑے کے برابر نہ ہوتا تھا۔ عرب کی روایتوں میں مذکور ہے کہ جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو ان کو تمام جانور بتلادئے کہ جس جانور کی خواہش ہو انتخاب کرلیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے گھوڑا انتخاب فرمایا۔ خدا اس انتخاب سے بہت خوش ہوا کیونکہ وہ خود گھوڑے کو تمام جانوروں پر ترجیح دیتا ہے۔

عربی شاعر گھوڑے کے بارے میں کہتا ہے "کیا ایسی عورت بتا سکتے ہو جسکے گیسو میرے گھوڑے کی ایال (گردن کے لمبے بال) سے زیادہ نرم ہوں؟ کیا ایسی کوئی عورت دیکھتے ہو جس کے پستان ہمارے گھوڑے کی زین کے قربوس سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیں۔ ایسی کونسی عورت دیکھتے ہو جسکی آنکھیں میرے گھوڑے کی آنکھوں سے زیادہ چمکدار ہوں؟ ایسی کوئی عورت

نہیں ہے جو میدان جنگ میں میرے گھوڑے کی طرح بے تاب ہو اور اس کا جسم جوش سے کانپ رہا ہو۔" پھر عربی شاعر گھوڑے اور اس کے سوار کے تعلقات کے بارے میں فرماتا ہے۔

"وہ رات ہے اور میں سویرا، وہ طوفان ہے میں اس کا آرام، وہ ویرانی ہے اور میں آبادی، وہ بدبختی ہے اور میں نیک بخت، بھوک پیاس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں۔ پختہ میوے اور لذت بخش باغ مجھے راستہ سے روک نہیں سکتے۔"

عربی زبان میں حملہ کے ساتھ غارت گری کو غزوہ کہتے ہیں۔ عربی شعراء نے ایک قسم کے اشعار میں جنھیں غزوات کہتے ہیں گھوڑے کی تعریف کی ہے اور ایسے تمام غزوات میں جنھیں شعرائے عرب نے بڑا سمجھا ہے گھوڑے کا ذکر موجود ہے۔ حضرت حمزہؓ اور چالیس مسلمان جنھیں مکہ کے قافلوں کا راستہ بند کرنے اور عبور کرنے سے منع کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا گھوڑا نہ ہونے کے باعث غمگین تھے۔ انھیں فکر تھی کہ اگر ان کے پاس گھوڑے ہوتے تو اپنا فرض عمدہ طریقہ سے انجام دے سکتے تھے۔

ایک اسلامی روایت میں کہا گیا ہے (لیکن دینی احکام کا جز نہیں ہے) کہ ہر مسلمان اگر ممکن ہو تو گھوڑے اور گھوڑیاں پالے اور گھوڑوں کو آختہ نہ کرے کیونکہ ان کی پرورش کا مقصد یہ ہے کہ انکی مفید اور نجیب نسل پھیلے۔ جب انھیں آختہ کر دیا جائیگا تو انکی نسل نہ پھیل سکے گی۔

حضرت حمزہؓ اور انکے ساتھیوں کے گشت کا رقبہ مدینہ اور بحر احمر کے درمیان تھا اور ایک سو تیس[۱۳۰] کیلومیٹر چوڑا تھا۔ مکہ کے قافلوں کو اس حصہ سے گذرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ حضرت حمزہؓ اور ان کے ساتھیوں کی نگرانی شروع ہو جانے کے چند روز بعد مکہ کا ایک قافلہ نمودار ہوا۔ جلد ہی معلوم ہوا کہ اس قافلہ کا سردار ابوجہل ہے جو پیغمبر اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ابوجہل وہ شخص ہے جو حضرت محمدؐ کو قتل کرنا چاہتا تھا اور آپؐ کے سر کے لئے قیمت مقرر کر رکھا تھا خانۂ کعبہ میں اونٹ کی اوجھڑی سے آپ کا سر اور چہرہ ڈھک دیا تھا۔ اور آپکی گردن باندھ دی

تھی تاکہ آپؐ کا گلہ گھونٹ دے۔ مسلمانوں کو جب معلوم ہوگیا کہ اس کا سردار ابوجہل ہے تو قافلہ پر حملہ کے لئے تیار ہوگئے۔

لیکن اس وقت جس سرزمین سے مکہ کا قافلہ گذر رہا تھا اس کا سردار (محمدؐ بن عمرو) نمودار ہوا اور حمزہ سے عرض کیا کہ قافلہ پر حملہ سے باز رہیں کیونکہ ہمارے اور قریش کے درمیان معاہدہ ہوگیا ہے کہ مکہ کے قافلے ہماری سرزمین سے بحفاظت گذریں گے۔ اس لئے مکہ کے قافلوں پر نہ ہم حملہ کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو حملہ کرنے دیتے ہیں۔ اس عہد کی رو سے جو ہمارے اور قریش کے درمیان ہوا ہے مکہ کے قافلوں کی حفاظت کے عوض سال میں دو مرتبہ قوّہ وصول کرتے ہیں۔ قوّہ ایک قسم کا ٹیکس ہے جو قافلوں کی طرف سے محلہ کے قبیلے کے سرداروں کو ادا کیا جاتا تھا۔ تاکہ قافلہ ان کی سرزمین سے بحفاظت گذر جائے۔

محمدؐ بن عمرو نے کہا ہم نے یہی عہد مدینہ والوں سے بھی کیا ہے اور مدینہ کے قافلے بھی ہماری سرزمین سے بلا خطر گذر جاتے ہیں اور یہاں ان پر کوئی حملہ نہیں کرتا۔ علاوہ اسکے ہم مدینہ والوں سے ٹیکس لیتے ہیں۔ ہم نے مدینہ کے قافلوں کی حفاظت کا عہد کیا ہے۔ عہد مقدس ہوتا ہے ہمیں اس کا احترام کرنا چاہیئے۔ حضرت حمزہ خود عرب تھے۔ جانتے تھے کہ عہد و پیمان کو پامال نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اگر مکہ کے قافلہ پر حملہ کرتے ہیں تو یہاں قافلہ سے جنگ کے علاوہ مدینہ کے قافلوں کا اس سرزمین سے گذرنا خطرے میں پڑ جائے گا۔

ابوجہل نے مکہ پہونچ کر سارا واقعہ بیان کیا لیکن قریش نے مسلمانوں کی روک ٹوک کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ اسی پر اڑے رہے کہ اپنے قافلے اس راستے سے گذاریں گے۔

اگر مکہ والوں کے لئے کوئی دوسری تدبیر ہوتی تو وہ اپنے قافلے اس راستہ سے نہ گذارتے لیکن مدینہ اور سمندر کے درمیان تنگ راستہ سے گذرنے پر وہ مجبور تھے۔ (کیونکہ دوسرا کوئی راستہ نہ تھا)۔ دوسری بار جب مسلمانوں نے مکہ کے قافلہ کو روکا تو ان کی تعداد ساٹھ ہوگئی تھی اور پہلے کی طرح اونٹ رکھتے تھے۔ اس مرتبہ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب نامی ایک شخص

(کہ وہ بھی پیغمبر اسلام کے چچا تھے) مسلمانوں کی سرداری کر رہے تھے۔ یہ ساٹھ آدمی پیشتر کے چالیس آدمیوں کی مانند (جنکی سرداری حضرت حمزہ کر رہے تھے) مہاجرین میں سے تھے یعنی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جانے والے لوگ تھے اور سب لڑنے والے شمار ہوتے تھے۔

دو ہفتہ کی دوڑ دھوپ کے بعد ان لوگوں نے مکہ کا ایک قافلہ ڈھونڈ نکالا اور معلوم ہوا کہ اس کا سردار ابوجہل کا بیٹا عکرمہ ہے۔ قافلہ والوں کی تعداد ایکسو چالیس تھی۔ یعنی مسلمانوں کے دوگنے سے بھی زیادہ طاقت تھی لیکن وہ مسلمانوں کو دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ صرف دو شخص نہ بھاگے بلکہ مسلمانوں سے مل گئے کیونکہ وہ خود مسلمان تھے۔ ان دونوں میں سے ایک کا نام مقداد بن عمرو تھا دوسرے غزوان کا لڑکا عتبہ تھا۔ یہ دونوں شخص حبشہ کی ہجرت کے وقت حبشہ چلے گئے تھے۔ کچھ روز وہاں رہنے کے بعد پھر مکہ واپس آگئے تھے جب یہ لوگ مکہ پہونچے تو حضرت محمدؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جا چکے تھے۔

کئی مرتبہ ان لوگوں نے چاہا کہ پیغمبر اسلام کے پاس مدینہ پہونچیں مگر اس کی توفیق نہ ہوئی یہاں تک کہ پتہ چلا کہ ایک قافلہ عکرمہ کی سرداری میں مکہ سے جا رہا ہے جو مدینہ کے قریب سے گذرے گا اس لئے مدینہ پہونچنے کے لئے اس قافلہ کے ساتھ نکل پڑے۔ قافلہ کے بھاگ نکلنے سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں سے مل گئے۔ ان دو مسلمانوں کے مدینہ پہونچنے سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ ان کے پہونچنے کے کچھ عرصہ بعد مسلمانوں کی تیسری جماعت اونٹ سواروں کی شکل میں سعد بن ابی وقاص کی سرداری میں روانہ ہوئی تاکہ مکہ والوں کا راستہ بند کرے۔

مقابلہ کرنے والی جماعت کے افراد میں تبدیلی کا باعث یہ تھا کہ ہر مسلمان چاہتا تھا کہ وہ اسلام کی راہ میں کچھ خدمت پیش کرے۔ حضرت محمدؐ مقابلہ کرنے والوں کو ادل بدل کرتے رہتے تھے تاکہ کوئی شخص خدمت گذاری سے محروم نہ رہ جائے۔ سعد بن ابی وقاص حضرت محمدؐ کی ماں آمنہ کے بھتیجے تھے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ سعد بن ابی وقاص پہلے مسلمان ہیں جنھوں

نے اسلام کی راہ میں سب سے پہلے ایک کافر کا خون بہایا تھا۔ (یہ بحث پہلے گذر چکی ہے)

سعد بن ابی وقاص خرار نامی مقام پر ایک مکی قافلہ کے پاس پہونچے اور اس پر حملہ کرنا چاہا مگر ایک مرتبہ پھر اس مقام کے قبیلے کا سردار مانع ہوا اور کہا کہ یہ مقام دارالامان ہے یہاں نہ ہم مکہ و مدینہ کے قافلوں پر حملہ کرتے ہیں نہ دوسروں کو حملہ کرنے دیتے ہیں کیونکہ ہم دونوں سے فوہ (محصول) وصول کرتے ہیں۔ لفظ فَوَّہٗ کو غلہ کے وزن پر تلفظ کرنا چاہیئے۔ یہ اخوت کے لئے ہوتا ہے لیکن اس کا واقعی مفہوم وہ محصول ہے جو قافلہ والے محفوظ رہنے کے لئے مقامی سرداروں کو ادا کرتے تھے۔

مقامی قبیلہ قافلوں سے محصول لینے کے علاوہ ضروریات وخورد ونوش کی چیزیں بھی فروخت کرکے فائدہ اٹھاتا تھا۔ اگر کسی قبیلہ کی سرزمین میں مکہ کے قافلہ پر حملہ ہوتا تھا تو وہ قبیلہ محصول سے بھی محروم ہوتا تھا اور ساز وسامان کی فروختگی کے فائدے سے بھی محروم ہوتا تھا۔ لہٰذا ایک مرتبہ پھر مسلمان قافلہ پر حملہ کئے بغیر مدینہ واپس آگئے اور سعد بن ابی وقاص نے پیغمبرؐ سے عرض کیا کہ اس کے لئے کوئی تدبیر غور فرمائیں۔ حضرت محمدؐ نے سعد بن وقاص اور تمام مسلمانوں سے فرمایا کہ جنگل کے بدو چونکہ مکہ والوں سے استفادہ کرتے ہیں اس لئے مکہ کے قافلوں پر حملہ کے لئے ہمارے اقدام کی موافقت نہیں کرتے ہیں۔ مکہ والوں سے جو کچھ ان کو ملتا ہے وہ محصول اور سامان کی فروختگی کا فائدہ ہے حالانکہ عرب بادیہ کو جو کچھ میں دوں گا اس کے مقابلہ میں یہ دونوں چیزیں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں۔

مسلمانوں نے حضرت محمدؐ سے دریافت کیا کہ آپؐ انھیں کیا دیں گے؟ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اس ناچیز پونجی کے عوض جو عرب بادیہ مکہ والوں سے لیتے ہیں میں انھیں جنت سپرد کروں گا۔

حضرت محمدؐ جب اس فکر میں پڑے تو اپنا ارادہ پورا کردیا اور عرب بادیہ سے گفتگو کرلی۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ یہ معمولی رقم جو مکہ والوں سے وصول کرتے ہو اس سے

سبکدوش ہوجاؤ۔ میں تمہیں اس کے بدلہ میں جنت دوں گا۔ میں جو کہ ایک یوروپی شخص ہوں اور معاملات کو اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق طے کرتا ہوں یہ کہوں گا کہ عرب بادیہ پیغمبر اسلام کی تجویز قبول نہ فرمائیں گے کیونکہ ہم لوگ اپنے کو عقلمند سمجھتے ہیں اور بہشت موعود کے مقابلہ میں موجودہ نقد کو نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن عرب بادیہ نے پیغمبر اسلام کی تجویز قبول کرلی۔ اور اس بات کے لئے تیار ہوگئے کہ مکہ والوں سے جو منافع ہوتا ہے اسے چھوڑ دیں تاکہ اس کے عوض مرنے کے بعد جنت نصیب ہو۔

حضرت محمدؐ کی تجویز کو عرب بادیہ نے دو وجہ سے قبول کرلیا۔ ایک قرآنی آیتیں جن کا تعلق بہشت سے ہے۔ انھیں میں سے وہ آیتیں ہیں جو قرآن کی چھہترویں سورہ (الانسان) میں ہیں۔ اس سورہ کی تیرہویں آیت میں اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا یعنی "جب انھوں نے بھوک اور پیاس پر صبر کیا (بھوک پیاس سے مقصود روزہ ہے) تو خدا اس کے بدلہ میں انھیں جنت میں داخل فرماتا اور ریشم پہناتا ہے"۔ اسی سورہ کی چودھویں آیت میں ہے مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا یعنی "جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہ وہاں تخت پر تکیہ لگائیں گے انھیں نہ گرمی کا احساس ہوگا نہ سردی کا"۔ پندرہویں آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا یعنی "اس بہشت میں درختوں کا سایہ انکے قریب ہوجاتا ہے (یعنی درختوں کا سایہ انکے چہروں پر پڑتا ہے) اور میوہ توڑنا بہشت والوں پر آسان ہوجاتا ہے"۔ سورہ الانسان کی پندرہویں آیت کی فصاحت کو ہم لوگ (یوروپ والے) نہیں سمجھ سکتے۔ صرف ایک عرب سمجھتا ہے کہ اس میں کس قدر فصاحت ہے۔ جس وقت اس قسم کی آیتیں خوش الحانی کے ساتھ عرب بدوی کے سامنے پڑھی جاتی ہیں (جبکہ وہ فطرتاً سخن شناس ہوتا اور فصاحت کو سمجھتا ہے اور برجستہ و عمدہ کلام کی تاثیر سے متاثر ہوتا ہے) تو اس وقت اسکی روح اس قدر خوش

ہوتی ہے کہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ اسی سورہ کی انیسویں آیت میں خدا فرماتا ہے۔
وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا "یعنی جو لوگ جنت میں رہیں گے انکی خدمت کیلئے ایسے نوجوان لڑکے مقرر کئے جائیں گے جو ہمیشہ نوجوان رہیں گے۔ آپ اے محمدؐ اگر ان لڑکوں پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ تازہ موتی ہیں جو ابھی سیپ سے نکلے ہیں (یعنی وہ لڑکے موتی کے مثل چمکیں گے)"

اگر اس سورہ کی تمام آیتیں جو جنت کی لذتوں سے معمور ہیں اور قرآن کی تمام آیتیں جو جنت سے متعلق ہیں بیان کروں تو بہت طول ہو جائے گا۔ خدا ان آیتوں میں مسلمانوں سے (جن میں اعراب بادیہ بھی ہیں جنھیں پیغمبر اسلام مسلمانوں سے ملانا چاہتے تھے) فرماتا ہے کہ تم جنت میں ریشم کے کپڑے پہنو گے اور شراب جو کافور کی طرح سرد ہے اور زنجبیل کے عطر سے معطر ہے وہاں پیو گے۔ اور خوبصورت عورتیں جو ہمیشہ دوشیزہ رہیں گی تمہارے ساتھ رہیں گی۔

خوبصورت عورت عرب بادیہ کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتی تھی۔ بھوک و پیاس کی آسودگی کے بعد عرب بادیہ کی سب سے بڑی لذت و سعادت یہ تھی کہ خوبصورت عورت کے ساتھ وہ زندگی بسر کرے۔

بعض عربوں کے لئے عورت پانی اور اونٹ سے بھی زیادہ قیمتی تھی کیونکہ ان میں سے بعض لوگ چونکہ ہمیشہ جنگل میں رہتے تھے اور شہر نہیں آتے تھے اس لئے عورت حاصل کرنے پر قادر نہ تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ شہر آنے کے بعد بھی دولت نہ ہونے کے باعث شادی نہیں کرسکتے تھے۔ عرب میں بیابان کے بعض مرد اپنی ماں کے سوا اور کوئی عورت نہیں دیکھتے تھے جس سے وہ سمجھ سکیں کہ دوسری عورت کس شکل کی ہوتی ہے۔ ایسا اتفاق پڑتا تھا کہ جنگل کے کچھ رہنے والے قدرت نہ ہونے کے باعث بغیر شادی کے بڈھے ہو جاتے تھے اور یوں ہی مرجاتے تھے۔ حیرت نہ کرنا چاہئے کہ کیوں

قرآن شریف میں ہر وقت بہشت کی لذتوں کا ذکر آتا ہے اور خدا خوبصورت عورتوں اور خوبصورت لڑکوں کا ذکر کرتا ہے۔

بہرحال قرآن کی تاثیر کا اعجاز دوبارہ ظاہر ہوا۔ بہشت میں جانے کی اُمید سے عرب بادیہ تیار ہو گئے کہ مکہ والوں سے محصول لینا چھوڑ دیں گے اور حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں گے۔ چونکہ یہ بات قرآنی آیتوں کی تاثیر اور حضرت محمدؐ کی شخصیت کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے اس لئے آئندہ صفحات میں ہم اسے زیادہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

حضرت محمدؐ بدوی قبیلوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملانے کے لئے ساٹھ طاقتور مسلمانوں کے ساتھ نکل پڑے۔ اس مرتبہ اس چھوٹی سی فوج کی سرداری خود حضرت محمدؐ فرما رہے تھے اس بار بھی مسلمانوں کے پاس گھوڑے نہ تھے۔ اونٹوں کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ مدینہ سے نکل کر حضرت محمدؐ اپنی فوج قبیلہ غفار کی طرف لے گئے۔ قبیلۂ غفار سب سے پہلا قبیلہ ہے جس نے اسلام قبول کیا۔ اس سے دس برس پہلے ابوذر غفاری جو ایک ڈاکو تھے اپنے کردار سے پشیمان ہوئے۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور رہزنی ترک کر دی۔ حضرت محمدؐ نے انھیں ان کے قبیلہ میں بھیجا تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت کریں۔

دس سال کی مدت میں سارا قبیلۂ غفار مسلمان ہو گیا اور راہزنی چھوڑ دی۔ قبیلۂ غفار کا مسکن وہ سرزمین تھی جو مدینہ اور ینبوع کے درمیان ہے۔ حضرت محمدؐ نے غفار کی سرزمین پر پہونچنے سے پہلے ابواء نامی مقام پر توقف کیا کیونکہ آپؐ کی والدہ آمنہ کی قبر وہیں تھی۔ جب پیغمبر اسلام اپنی ماں کی قبر کے پاس پہونچے تو اونٹ سے اتر پڑے اور قبر کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ قبر کے پاس دوزانو ہو گئے۔ سر کو قبر پر رکھا اور رونا شروع کیا۔ اگرچہ آپکی والدہ کے انتقال کو پچاس سال گذر چکے تھے لیکن پیغمبر اسلام ایک ایسے بچے کی مانند رو رہے تھے جو ابھی ماں سے بچھڑا ہو۔ کیونکہ آپؐ کی

پرورش میں جو تکلیفیں آپکی والدہ نے برداشت کی تھیں وہ سب یاد آرہی تھیں۔ جس وقت حضرت محمدؐ پیدا ہوئے تھے اُس وقت آپکے والد عبداللہ انتقال کر چکے تھے۔ آمنہ کیلئے اور کوئی دوسرا شخص کمانے والا نہ تھا۔ انھوں نے (آپکی والدہ نے) حضرت محمد کو یتیمی کی حالت میں پالا تھا یہاں تک کہ وہ خود بھی فوت ہوگئیں۔ حضرت محمدؐ اپنی ماں کی قبر پر بچپنے کی سختیاں یاد فرماتے تھے۔ انھیں یاد آتا تھا کہ جب تک ماں تھیں ہر سختی آسان معلوم ہوتی تھی کیونکہ جب بچہ تھے تو آپکی ماں گھر واپس آنے پر تسلی دیتی تھیں۔ ہاتھ پیر دھوتی تھیں۔ جو کچھ کھانا میسر ہوتا تھا پیش کرتی تھیں۔ کھانا کھانے کی ترغیب دلاتی تھیں۔ جب آمنہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت محمدؐ بالکل تنہا ہو گئے جس وقت ننگے پیر جنگل سے گھر واپس جاتے تھے تو کوئی نہ تھا جو ان کے ہاتھ پیر اور منہ دھوئے اور محبت کا ہاتھ ان کے سر پر پھیرے یہاں تک کہ انکی واپسی کا انتظار کرنے والا بھی نہ تھا۔

کون ہے جو ایک یتیم بے ماں باپ کے بچہ کی واپسی کا انتظار کرے گا اور واپسی سے پہلے کھانا پانی درست کرے گا کہ جب بچہ واپس ہو تو کھانا کھائے اور پانی پیئے۔ حضرت محمدؐ اپنی ماں کی قبر پر اس قدر روئے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جن سے شیطان بھی ڈرتا تھا اور انکی آواز بجلی کی طرح زوردار تھی عرض کیا کہ یا محمدؐ اتنا نہ روئیے کیونکہ بہت قریب ہے کہ میں بھی رو پڑوں۔

اسلامی مورخوں میں سے چند لوگوں (مثل ابن سعد نجاری، ابن ہشام) نے لکھا ہے کہ جس وقت حضرت محمدؐ نے اپنی والدہ کی قبر پر سے سر اٹھایا تو حضرت عمر بن الخطاب نے پوچھا کہ اے محمدؐ کیوں اس قدر روتے ہیں۔ دیکھئے میری آنکھوں میں بھی آنسو آگئے ہیں بہر حال پیغمبر اسلام اپنی ماں کی قبر پر اس قدر روئے کہ حضرت عمر جیسا شخص بھی رو پڑا یا رونے کے قریب ہوگیا۔

اپنی ماں کی قبر سے رخصت ہونے کے بعد حضرت محمدؐ قبیلۂ غفار پہونچنے سے پہلے

ودّان کی سرزمین پر پہونچے جہاں بنو اضمرہ رہتے تھے۔ اس قبیلہ کا کوئی شخص مسلمان نہ تھا۔

قبیلۂ بنو اضمرہ قبیلہ غفار کی ایک شاخ شمار ہوتا تھا۔ حضرت محمدؐ نے قبیلہ مذکور کے سرداروں سے گفتگو کرنے کے لئے ودان میں ایک ہفتہ قیام فرمایا۔ ایک ہفتہ کے بعد حضرت محمدؐ کے قبیلۂ مذکور کے ساتھ گفتگو کرنے اور قرآنی آیتوں کے پڑھنے کے نتیجہ میں قبیلۂ بنو اضمرہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر مہر لگائی گئی۔ یہ اولین انتظامی عہد نامہ ہے جو مسلمانوں اور بدوی قبیلہ کے درمیان طے پایا۔ اس عہد نامہ میں حضرت محمدؐ نے خدا کے بھیجے ہوئے اور مسلمانوں کے پیغمبر کی حیثیت سے وعدہ کیا کہ اگر بنو اضمرہ پر کوئی حملہ کرے گا تو وہ اس کی حمایت کریں گے اور اگر انھیں خود مدد کی ضرورت پڑی تو قبیلۂ بنو اضمرہ انکی مدد کرے گا۔

اس عہد نامہ کے مطابق قبیلۂ بنو اضمرہ کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ مکہ کے قافلوں کو اپنی سرزمین سے گذرنے دیں۔ ودان کی سرزمین جو بنو اضمرہ کا مسکن تھی مدینہ سے تین روز اور مکہ سے نو روز کی مسافت کے فاصلہ پر تھی۔ حضرت محمدؐ کے ساتھ قبیلۂ مذکور کے متحد ہونے کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مکہ دور تھا اور مدینہ قریب تھا لیکن مکہ کے دور ہونے کے باوجود مکہ والے طاقتور تھے اور بنو اضمرہ والے قریش سے حساب لیتے تھے قبیلہ مذکور کے قریش کو چھوڑنے اور حضرت محمدؐ کی طرفداری کرنے کا سبب وہ وعدہ تھا جو حضرت محمدؐ نے قبیلۂ مذکور کے سرداروں سے کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اگر تم مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کروگے تو جنت میں داخل ہوگے۔

قبیلہ بنو اضمرہ والوں نے جب سنا کہ جنت ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہمیشہ سعادت رہے گی اور جو شخص وہاں جائے گا ہمیشہ سعادت مند رہے گا تو جنگی اتحاد کے لئے حضرت محمدؐ کی تجویز قبول کرلی کیونکہ جنت ایک ایسی جگہ ہے جہاں اگر انسان قدم رکھے تو ہمیشہ خوشی وکامیابی کے ساتھ زندگی گذارے گا۔ لہٰذا جنت جانے کے لئے دنیا کی ہر قسم کی قربانی

جائز ہے۔ اس دنیا میں انسان کی عمر تھوڑی ہوتی ہے اور اس تھوڑی سی مدت میں بھی لگاتار مصیبتیں جھیلتا رہتا ہے۔ لیکن جنت میں دائمی عمر اور دائمی سعادت پائے گا۔ آخرت کے بدلے میں دنیا کو اس شرط سے فروخت کر دینا کہ انسان جنت میں داخل ہو ایک ایسا معاملہ ہے جو انسان کے لئے ہر اعتبار سے مفید ہے۔

جب حضرت محمدؐ نے بنو اضمرہ سے جنگی عہد کر لیا تو قبیلۂ غفار کی طرف متوجہ ہوئے۔ قبیلۂ غفار آج بھی عرب میں ہے۔ کرنل لورنس جو انگریز تھے اور میرے خیال میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ سب لوگ انھیں جانتے ہیں۔ اور پہلی جنگ عظیم میں وہ چاہتے تھے کہ تمام عربی قوموں کو متحد کر کے ایک بڑی عربی حکومت بنائیں پہلی جنگ عظیم میں ایک مدت تک وہ قبیلۂ غفار میں زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔

کرنل لورنس اپنی تحریروں میں لکھتا ہے کہ قبیلہ غفار کے لوگ روحانی و اخلاقی لحاظ سے آج بھی اسی مرتبہ پر ہیں جہاں چودہ سو برس پہلے صدر اسلام میں تھے۔ وہ لوگ ہر چیز کو جانتے ہیں کہ سفید ہے یا سیاہ۔ نیک ہے یا بد، سچ ہے یا جھوٹ۔ ان کے روحانی اور نظری اندازے میں کوئی حد اوسط نہیں ہے۔ کرنل لورنس قبیلۂ غفار کے آدمیوں کو عرب کے تمام بدوی قبائل سے زیادہ پاکیزہ سمجھتا ہے۔ چونکہ قبیلہ مذکور کے لوگوں کی زندگی میں حد اوسط موجود نہ تھی اس لئے اسلام سے قبل رہزنی کرتے تھے اور اسلام کے بعد سب لوگ ایسے پرہیزگار ہو گئے کہ کبھی رہزنی کا خیال بھی نہیں کرتے۔

قبیلۂ غفار کے بزرگوں میں سے ایک شخص مسلمان ہونے کے بعد محض عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوا یعنی ایسی عورت کے ساتھ غیر مشروع تعلق قائم کیا جو شوہر والی تھی۔ کسی شخص نے یہ فعل نہ دیکھا تھا تاکہ مجرم کو شرعی سزا دی جائے۔ اور اگر دیکھتا بھی تو مجرم پر تہمت نہیں لگا سکتا تھا تاوقتیکہ چار آدمی گواہی نہ دیں کہ اس مجرم کو جرم کرتے دیکھا ہے یعنی اس عورت اور مرد کا جرم دیکھا گیا ہے۔ اور واقعہ کی تصدیق بھی

ہوجاتی ہے لیکن جس شخص نے یہ جرم کیا تھا یہ جاننے کے باوجود کہ اس کو سنگسار کیا جائے گا (یعنی اس پر پتھر برسائے جائیں گے) کیونکہ مسلمانوں اور یہودیوں میں سے جو شخص بھی زنا کا مرتکب ہوتا تھا اسے سنگسار کیا جاتا تھا، وہ شخص پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اوپر تہمت لگاتے ہوئے عرض کیا کہ میں اس گناہ کا مرتکب ہوا ہوں لہٰذا مجھے سزا ملنی چاہیئے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسکی عقل میں کوئی فتور نہیں ہے یعنی مجنون نہیں ہے کہ اپنے اوپر جھوٹی تہمت لگائے تو اسے سزا دی گئی (یعنی سنگسار کیا گیا)

دوسری دفعہ ایک لڑائی میں اونٹوں کی تعداد کم تھی اور سب لوگ اونٹ پر سوار نہ ہوسکے اس لئے حضرت محمدؐ نے قبیلۂ غفار کے مسلمان سپاہیوں کو رخصت دیدی کہ تم اپنے قبیلے چلے جاؤ کیونکہ تمہیں میدان جنگ نہیں لے جاسکتے۔ غفار والوں کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ میدان جنگ میں جانے سے محروم ہوگئے تو رونے لگے اور اس قدر روئے کہ جیسے عورتیں رو رہی ہوں جنکے بچے مرگئے ہوں۔ اسی دن سے مسلمانوں نے شوخی سے قبیلہ غفار کا نام رونے والا قبیلہ رکھدیا۔

حضرت محمدؐ نے قبیلۂ غفار کے ساتھ بھی ایک جنگی عہد کیا۔ عہدنامہ میں یہ بات طے ہوئی کہ اگر قبیلۂ مذکور پر حملہ ہو تو مسلمان اس کی مدافعت کریں گے اور جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ قبیلہ مسلمانوں کے نفع کے لئے اور ان کی مدافعت کے لئے جنگ میں ساتھ دے گا۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام کو قبیلۂ غفار پر اس قدر اعتماد ہوگیا کہ ایک سفر میں جبکہ آپؐ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو مسلمانوں کے معاملات کی نگرانی کے لئے اپنی جگہ پر ابوذر غفاری کو مقرر فرمادیا۔

قبیلۂ غفار اور مسلمانوں کے درمیان جنگی معاہدہ ہوجانے کے بعد پیغمبر اسلام اس قبیلہ کی سرزمین سے روانہ ہوئے اور قبیلۂ جُھینہ کا راستہ اختیار کیا۔ یہ قبیلہ ولایت ینبوع

کے پہاڑی علاقہ ردوہ میں سکونت پذیر تھا۔ یہ قبیلہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل گیا اور قبیلہ والے مسلمانوں کے ٹھوس جزو بن گئے۔ انھوں نے مدینہ میں اپنے خرچ اور اپنی محنت سے ایک مسجد بنائی جو مسلمانوں کی دوسری مسجد تھی۔ (مسجد قبا کے علاوہ)

پیغمبر اسلام نے مسلسل سفر جاری رکھا۔ اور بنو مدلج کے قبیلے میں تشریف لے گئے یہ وہی قبیلہ ہے کہ جب حضرت محمدؐ مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہے تھے تو اس قبیلے کے سردار سراقہ بن مالک نے حضرت محمدؐ کو پکڑنا چاہا تھا تاکہ قریش سے اس کا انعام حاصل کرے۔ لیکن اسکے گھوڑے نے حضرت محمدؐ کی طرف جاتے ہوئے تین مرتبہ ٹھوکر کھائی تھی۔ سراقہ نے بہت لگام کھینچا مگر گھوڑا آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ قبیلہ بنو مدلج والے بت پرست تھے مگر اس کے باوجود حضرت محمدؐ کو نہایت محبت و اکرام کے ساتھ قبول کیا اور آپؐ کے ساتھ جنگی معاہدہ کے لئے تیار ہو گئے۔ بعد میں جب سراقہ بن مالک مسلمان ہو گئے تو اسلام کے مشہور سرداروں میں سے ایک سردار شمار کئے جانے لگے۔

پیغمبر اسلام نے مذکورہ چاروں قبیلوں کے ساتھ نہایت خوشی سے جنگی معاہدہ کر لیا کیونکہ یہ چاروں قبیلے ایسی سرزمین میں تھے جہاں سے مکہ کے قافلے گذرتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ مسلمانوں سے مل گئے تھے اس لئے مکہ کے قافلوں کو روکنے میں مسلمانوں کی مدد کرتے تھے

جب حضرت محمدؐ مدینہ واپس تشریف لائے تو ایک ناگوار خبر ملی اور وہ یہ تھی کہ آپکی غیر موجودگی میں کچھ تیز رفتار اونٹ سواروں نے ابن جبیر کی سرداری میں مدینہ پر حملہ کیا۔ کچھ مکانات جلائے اور کچھ مسلمانوں کا مال لوٹ لیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سوار قریش کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ اس حملہ سے پیغمبر اسلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں اور بت پرستوں میں عنقریب جنگ واقع ہو گی۔

ماہ حرام

اور عبداللہ بن جحش کا حملہ

نومبر ۶۲۳ء یعنی ہجرت کے دوسرے سال پیغمبر اسلام نے مصمم ارادہ کیا کہ قریش پر ایسی جگہ سے ضرب لگائیں جہاں سے وہ مسلمانوں کے حملہ کے متوقع نہیں ہیں۔ مکہ کے قافلے جو مدینہ کی سرزمین سے گذرتے تھے اس قدر طاقتور تھے کہ تازہ بدوی قبائل جنھوں نے مسلمانوں سے عہد و پیمان کیا تھا انکی آمد کو نہیں روک سکتے تھے کیونکہ اوسطاً ہر قافلہ دو ہزار پانچسو سپاہی رکھتا تھا۔

نومبر ۶۲۳ء میں پیغمبر اسلام نے آٹھ مسلمان منتخب فرمائے ان میں عبداللہ بن جحش بھی تھے جنھیں آپؐ نے سردار بنایا تھا۔ حضرت محمدؐ نے ایک خط لکھوایا اور اسے بند کر کے عبداللہ بن جحش کے حوالے کیا اور فرمایا کہ نجد کی طرف جاؤ (یعنی اونچی زمین میں) جب پانی کے کنویں پر پہونچو تو اونٹوں کو پانی پلانے کے بعد اس خط کو پڑھو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرو۔

حضرت عبداللہ بن جحش جو تمام مسلمانوں کی طرح پیغمبر اسلام کے حکم کو نہایت تیزی سے عمل میں لاتے تھے وہ دو روز تک مغرب کی طرف سفر کرتے رہے یہاں تک کہ اس کنواں پر پہونچے اور اپنے اونٹوں کو سیراب کیا۔ اس کے بعد خط کھولا۔ دیکھا کہ حضرت محمدؐ نے اس خط میں حکم فرمایا ہے کہ مکہ اور طائف کی راہ میں نخلہ کے مقام پر مکہ کے قافلوں کو روکیں۔ خط کا مضمون معلوم کر کے حضرت عبداللہ بن جحش دوسرے سات آدمیوں کے ساتھ دو ہفتہ تک راستہ چلتے رہے اور ماہ رجب کے آخر میں نخلہ پہونچے۔

میرے خیال میں یہ مقام ان لوگوں کے لئے جنھوں نے یہ بحث پڑھی ہے کوئی نئی چیز نہ ہوگا۔ نخلہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے شیطان پر پتھر پھینکا تھا تاکہ اسے بھگائیں اور دور کریں۔ اس زمانے میں عرب کا مشہور بت منات اس جگہ نصب تھا۔

نخلہ وہی جگہ ہے کہ جب پیغمبر اسلام کو لوگوں نے طائف سے واپس کیا تو رات کے وقت آپؐ وہاں پہونچے۔ آپ قرآن پڑھنے میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کیا۔ آپؐ جو کچھ فرماتے تھے وہ اس قدر موثر ہوتا تھا کہ جنوں نے (جو لوگ دکھلائی نہیں دیتے) اسلام قبول کر لیا۔ رات کے وقت جب حضرت محمدؐ وہاں پہونچے تھے تو آپؐ کو لوگ خِل (مطرود یعنی بھگایا ہوا) کہتے تھے۔

جب وہ جماعت وہاں پہونچی تو صرف چھ آدمی تھے کیونکہ ان میں سے دو آدمی راستہ میں گم ہو گئے تھے اور دوسروں سے علٰحدہ رہ گئے تھے۔ ایک کا نام سعد بن وقاص اور دوسرے کا نام عتبہ بن غزوان تھا۔ دوسرے چھ مسلمان اس پر متعین تھے کہ جو قافلہ طائف سے آتا ہوا اور مکہ جاتا ہوا اُس پر حملہ کریں۔ لیکن یہ لوگ جب وہاں پہونچے تو رجب کا مہینہ تھا یعنی ان چار مہینوں میں سے ایک مہینہ جس میں لڑائی جھگڑا حرام ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ وہ مہینے جن میں لڑائی جھگڑا حرام تھا تمام عرب میں ایک نہ تھے۔ ہر علاقہ عمومی بازار کھلنے کی فصل میں مخصوص مہینے رکھتا تھا۔ مکہ میں حرام مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب تھے۔ رجب کا مہینہ ماہ حرام ہونے کے علاوہ حج کو چک یعنی عمرہ کا مہینہ تھا۔ عرب کے زائرین اس مہینے میں اطمینان سے عمرہ کرتے کیلئے مکہ جاتے تھے اور زیارت کرتے تھے۔ عبداللہ بن جحش جب اپنے آدمیوں کے ساتھ نخلہ پہونچے تو ماہ رجب کے ختم ہونے میں ایک دن باقی تھا۔ اسی دن ایک قافلہ طائف سے مکہ جا رہا تھا۔ وہ کشمش، شراب اور چمڑا لئے ہوئے نخلہ پہونچا۔

قافلہ والے جب نخلہ پہونچے تو مصمم ارادہ کر لیا کہ ذرا سا آرام کریں گے پھر چل پڑیں گے تاکہ ماہ رجب ختم ہونے سے پہلے مکہ پہونچ جائیں۔ انھیں معلوم تھا کہ ماہ رجب ختم ہونے میں صرف ایک شبانہ روز باقی ہے۔ اگر رجب ختم ہونے سے پہلے مکہ نہیں پہونچتے تو ممکن ہے کہ کوئی شخص جنگل میں حملہ کر دے۔ عبداللہ بن جحش متحیر تھے کہ کیا کریں۔ اگر نخلہ میں مکہ کے قافلہ پر حملہ کرتے ہیں تو ابھی ماہ رجب کے ختم ہونے میں ایک شبانہ روز باقی ہے۔ یہ عربوں کے اعتقاد کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ حرام مہینوں میں کوئی شخص قافلہ یا مسافروں پر حملہ نہیں کرتا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ عبداللہ بن جحش مکہ کے قافلہ کا تعاقب کرتے تاکہ جب رجب کا مہینہ گذر جائے تو اس پر حملہ کریں۔ لیکن چونکہ نخلہ اور مکہ کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہ تھا اور عبداللہ بن جحش جانتے تھے کہ ایک شبانہ روز میں قافلہ مذکور مکہ کی سرزمین (یعنی حرم) میں پہونچ جائے گا اور وہ اس پر وہاں بھی حملہ نہ کر سکیں گے کیونکہ حرم میں جنگ کرنا حرام (منع) ہے۔

دوسری بات یہ تھی کہ عبداللہ بن جحش سمجھتے تھے کہ قافلہ مذکور پر حملہ کرنا فی سبیل اللہ (خدائی) خدمت کرنا ہے کیونکہ یہ قافلہ مکہ کے ان امیروں کا تھا جنھوں نے اقتصادی محاصرہ کر کے مدینہ کے مسلمانوں کو فاقہ میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس وقت تک مسلمان اس قابل نہ ہوئے تھے کہ وہ بھی مکہ کا اقتصادی محاصرہ کریں۔ اور وہاں کوئی سامان نہ پہونچنے دیں۔ آخر کار عبداللہ بن جحش نے ماہ رجب کی حرمت اور خدائی خدمت (جو کہ نہایت ضروری ہے) میں سے آخری چیز کو اختیار کیا اور حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اس قافلہ میں کل چار آدمی تھے اور ان کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا مسلمانوں نے اس پر حملہ کر دیا۔

ان چاروں میں سے ایک شخص مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے اور چوتھا بھاگ گیا مسلمانوں نے قافلہ کے سامان اور اونٹوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ جس شخص نے اس قریشی کو قتل کیا تھا اس کا نام وقید بن عبداللہ تھا۔ یہ پہلا مسلمان تھا جو اللہ کی راہ میں قتل کا مرتکب ہوا۔ جو شخص بھاگ نکلا تھا وہ مکہ پہونچا اور وہاں سارا واقعہ بیان کیا۔ مکہ والے اس بات کے درپے ہو گئے کہ مسلمانوں کو

پکڑیں مگر وہ پکڑ نہ سکے اور مسلمان اونٹ اور سامان لے کر مدینہ پہونچ گئے۔

اس واقعہ پر صرف مکہ ہی میں اعتراض نہیں ہوا بلکہ مدینہ میں بھی بت پرستوں اور یہودیوں نے اعتراض کیا اور حضرت محمدؐ کی بدگوئی کرنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص اپنے کو خدا پرست کہتا ہے مگر ماہ رجب کا (جو کہ خدا کی جانب سے حرام ہے) احترام نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے کہ رجب کے مہینے میں (جس میں حملہ حرام ہے) مسلمان مکہ کے قافلوں پر حملہ کریں۔

عرب کے مختلف حصوں (بشمول مکہ و مدینہ) میں حرام مہینے بہت ہی قابل احترام سمجھے جاتے تھے۔ اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کوئی شخص حتیٰ کہ ڈاکو بھی قافلوں اور مسافروں پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ سارے عرب میں یہ قوانین پورے "پرولا استثنا" سختی کے ساتھ جاری ہوتے تھے۔ کیونکہ اگر قوانین سختی سے جاری نہ کیے جاتے تو عرب بدوی وہاں زندگی نہیں بسر کر سکتے تھے۔

عرب کے بعض بیابانوں میں ایک کوزہ بھی دولت شمار ہوتا تھا کہ اگر کسی وقت ٹوٹ جاتا تھا تو اس کی تلافی مشکل ہوتی تھی۔ اسی سبب سے عرب میں چور کی سزا یہ تھی کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو چوروں سے مال کی حفاظت کرنا مشکل ہوتا۔ حرام مہینوں کی حرمت کا قانون بھی عربوں کی خصوصیات زندگی سے پیدا ہوتا ہے۔

عرب کا وسیع علاقہ بشمول مکہ خشک و بنجر تھا اس لئے لوگ مجبور تھے کہ دوسرے علاقوں سے کھانے پینے کی چیزیں فراہم کریں۔ اور اس کے بدلہ میں اپنی بنائی ہوئی چیزیں وہاں پہنچائیں اس کے لئے تجارت لازمی تھی۔ اور تجارت بغیر قافلوں کی آمد و رفت کے ہمیشہ جاری نہیں رہ سکتی۔ چونکہ عرب بدوی بھوکے رہتے تھے اس لئے مذکورہ قافلے ان کے لئے ایک لقمۂ تر شمار ہوتے تھے۔ چونکہ انھیں موت کا ڈر نہیں تھا اس لئے قافلوں پر حملے کرتے تھے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے۔ یہ صورت حال تھی جس سے عربوں نے قانون بنایا تاکہ سال میں چند مہینے کم از کم جنگ اور لوٹ مار نہ ہو۔ اس قانون کو سب نے تسلیم کر لیا لیکن عبداللہ بن جحش نے ماہ رجب میں قافلہ پر حملہ کر کے قانون کو پامال کر ڈالا۔

عرب میں حرام مہینوں کا احترام اس قدر ضروری تھا کہ خونی دشمن بھی ان مہینوں میں اپنے ہتھیار اتار دیتے تھے اور کعبہ میں ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر اپنے اپنے بُت پوجتے تھے۔ جب حرام مہینے ختم ہو جاتے تھے تو پھر جنگ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ مکہ میں چند بڑے لوگ حرام مہینوں کی تعظیم کرتے تھے۔ جیسے ہی ذیقعدہ شروع ہوتا تھا اس کا رئیس کعبہ میں داخل ہوتا تھا اور بلند آواز سے اعلان کرتا تھا "حرام مہینے شروع ہو گئے اور جنگ و جدال ترک کرنے کا زمانہ آ گیا۔ اب کسی کو لڑائی نہ کرنا چاہیے اور تمام دشمنی اور جھگڑا موقوف رہنا چاہیے"۔

حرام مہینوں کے اختتام پر وہی شخص خانۂ کعبہ میں داخل ہو کر پھر اطلاع دیتا تھا کہ حرمت کا زمانہ ختم ہو گیا ہے لوگ اپنے لڑائی جھگڑے شروع کر سکتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اعراب ہمارے خیال کے برعکس صرف قمری جنتری کا اتباع نہیں کرتے تھے بلکہ ایک مدت تک شمسی جنتری کی بھی پیروی کرتے تھے۔ اور ہر تیسرے سال ایک مرتبہ تیرہ مہینے کا سال شمار کرتے تھے۔ اور تیرہویں مہینہ کو صفر (خالی مہینہ) کہتے تھے۔ ابتدا میں ماہ صفر بارہ مہینوں میں سے کسی مہینے کا نام نہ تھا۔ بلکہ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ایک زائد مہینہ شمار ہوتا تھا۔ اس وقت عربوں کے یہاں دو محرم تھے۔ ایک محرم الحرام، دوسرے محرم الحلال۔ رفتہ رفتہ بارہ مہینے والے سال میں دوسرے محرم کی جگہ ماہ صفر نے لے لی۔

بہرحال جب قافلہ کا سامان اور اونٹ لیکر مسلمان مدینہ پہونچے تو اس بات سے کہ مسلمانوں نے ماہ رجب میں مکہ کے قافلہ پر حملہ کیا تھا۔ حضرت محمدؐ رنجیدہ ہوئے اور حکم دیا کہ سارا سامان اس وقت تک جمع رکھیں جب تک کہ اس کے بارے میں کوئی حکم نہ نازل ہو۔ پیغمبر اسلام اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ترک جنگ کے قانون کو توڑنا بہت بڑا واقعہ سرزد ہوا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ بتانے کیلئے کہ اس واقعہ سے متاثر نہ ہوں سورہ بقرہ کی دوسو پندرہویں آیت نازل فرمائی۔ وہ یہ ہے۔ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ

اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ یعنی آپ سے (اے محمدؐ) ماہ حرام اور اسمیں قتال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس ماہ میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے کیونکہ لوگوں کو کعبہ میں آنے جانے سے روکتا ہے اور جو شخص کعبہ میں داخل ہونے سے روکے وہ خدا کے ساتھ دشمنی کرتا ہے لیکن خدا کی نگاہ میں اللہ کی راہ سے روکنا اسکے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام میں داخلہ سے روکنا اس سے لوگوں کو نکالنا حرام مہینے میں جنگ کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اے محمدؐ فتنہ پیدا کرنا (یعنی محمدؐ اور مسلمانوں کو مکہ سے نکالنا) ماہ حرام میں جھگڑا کرنے سے زیادہ برا ہے۔"

یہ آیت سورہ بقرہ میں مفصل موجود ہے۔ اس آیت میں خدا نے سابق قانون خصوصاً ماہِ حرام کو باقی رکھا ہے۔ لیکن فرمایا ہے کہ ماہ حرام میں قتال کرنے سے زیادہ برا یہ ہے کہ قریش نے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا ہے۔ قریش ان لوگوں کو خانہ کعبہ جانے سے روکتے ہیں یا فتنہ کی طرف قدم بڑھاتے ہیں (فتنہ کا لفظ بہت سے معنی رکھتا ہے اور یہاں فتنہ سے مراد شہر سے نکالنا اور وطن سے دور کرنا ہے)

اس آیت نے پیغمبر اسلام کی پریشانی کو دور کر دیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ ترکِ جنگ حرام مہینوں میں سب سے اہم چیز نہیں ہے۔ نیز پیغمبر اسلام نے اس آیت کو جاننے کے بعد یہ محسوس کیا کہ ہر ایسے مقام پر جہاں اسلام کی ترقی کے لئے خدائی قانون جاری کرنا ہو وہاں ماہ حرام کے متعلق مقررہ قانون توڑنا جائز ہے۔

ایک جماعت مکہ سے مدینہ آئی تاکہ اونٹ اور مال واپس لینے اور قیدیوں کو چھڑانے کے بارے میں پیغمبر سے گفتگو کرے۔ پیغمبر اسلام نے مال واپس نہ کیا لیکن دونوں قیدیوں میں سے ایک کو سولہ سو درہم کے بدلے میں واپس کر دیا۔ دوسرا قیدی مسلمان ہو گیا اور اس نے مدینہ سے جانا نہ چاہا۔ یہ واقعہ مسلمانوں کی اقبال مندی کا سبب ہو گیا۔

حضرت محمدؐ بدر کی لڑائی میں

نخلہ (مکہ کے قافلے پر مسلمانوں کے حملہ) کی کامیابی کے چھ ہفتہ بعد جاسوسوں نے مسلمانوں کو خبر دی کہ ایک بہت بڑا قافلہ (جس میں دو ہزار اونٹ ہیں اور ان پر پچاس ہزار کا سامان لدا ہوا ہے) مدینہ سے قریب ہو رہا ہے تاکہ وہاں سے گذرتے ہوئے مکہ چلا جائے اس قافلہ کا سردار ابوسفیان ہے۔ مکہ کے تمام خاندان خصوصاً قریش والے اس قافلہ سے نفع کی امید رکھتے تھے اور اسکی آمد کے منتظر تھے۔

قافلہ مذکور کے مدینہ پہونچنے سے چند روز پہلے عبدالمطلب کی لڑکی نے (جو غیب کی خبریں بتاتی تھی) مکہ کی گلیوں میں خبر دی کہ جلد ہی مکہ والوں کو ایک بڑی بدبختی پیش آئے گی۔ ممکن ہے کہ وہ بدبختی چند روز میں حتیٰ کہ تین دن بعد ہی سامنے آجائے۔ مکہ والوں کیلئے بڑی بدبختی یہ ہوگی کہ ان کی دولت ہاتھ سے نکل جائے۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ عبدالمطلب کی بیٹی کی باتیں بہت سے موقعوں پر سچ ہوئی ہیں اِس لئے انھیں خیال پیدا ہوا کہ ممکن ہے قافلہ کو کوئی خطرہ پیش آئے۔

جب مکہ کا کوئی بڑا قافلہ دور سے واپس ہوتے ہوئے مکہ سے قریب ہوتا تھا تو ایک قاصد تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہو کر قافلہ کی آمد سے تین چار روز پیشتر مکہ پہونچ جاتا تھا تاکہ قافلہ کی آمد کی خوش خبری سنائے۔ قاصد مذکور کو مکہ میں ستّاف (بال مٹانے والا) کہتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب وہ قاصد آتا تھا تو مکہ کی عورتیں (جو قافلہ کے ساتھ آنیوالے اپنے شوہروں کا انتظار کرتی تھیں) زاید بالوں کو ہٹا کر اپنے چہرے صاف کرتی تھیں اور اسی طرح بدن کے بال بھی صاف کرتی تھیں۔ عطر لگاتی تھیں تاکہ شوہروں کے پاس انھیں

بخوبی مقبولیت حاصل ہو۔ مکہ والے کہتے تھے کہ حسبِ معمول اگر قافلہ مکہ سے نزدیک ہوتا تو قاصد ابتک مکہ پہونچ جاتا۔ پس بلاشبہ کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا ہے جس کے باعث قاصد نہیں آسکا کہ ہم لوگوں کو خوشخبری سنائے۔

مکہ میں ایک کمیٹی تھی جس کا کام یہ تھا کہ ایسی اہم خبریں جس میں عوام کا فائدہ ہو لوگوں کو پہونچائے

یہ کمیٹی چند جارچی (یعنی موذن) رکھتی تھی موذن مکہ کی گلیوں میں نکل پڑتے تھے یا چوراہوں پر کھڑے ہوجاتے تھے اور بلند آواز سے نئی خبریں لوگوں کو پہونچاتے تھے۔ لیکن اس روز جب مؤذن نے مکہ کی گلیوں میں آواز لگائی تاکہ لوگوں کو نئی خبر سے آگاہ کرے تو لوگوں نے دیکھا کہ اونٹ کی کاٹھی اسکے پیٹ میں بندھی ہوئی ہے اور خالی پیٹھ اونٹ پر سوار ہے۔ اپنا لباس الٹا پہنے ہوئے ہے۔ اسکے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اونٹ کے کانوں سے خون بہہ رہا ہے کیونکہ اس نے اونٹ کے کان کاٹ دئے ہیں۔ اس کا چہرہ بھی خاک آلودہ ہے اور نوحہ کرنے والے کی طرح چلا رہا ہے کہ اے قریش والو ہوشیار ہو جاؤ کیونکہ مکہ کا قافلہ خطرے میں پڑگیا ہے۔ حضرت محمدؐ نے مکہ کے قافلہ کو پامال کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ لہٰذا ہر غیرت و حمیت والے کو چاہئے کہ لڑنے کیلئے تیار ہوجائے۔ آپ لوگوں کو ہرگز نہیں چاہئے کہ حضرت محمد کو قافلہ کے لوٹنے کا موقع دیں۔

مکہ کا یہ دستور تھا کہ جب مؤذن (اعلان کرنے والا) کوئی بہت ہی ناگوار خبر دینا چاہتا تھا تو اپنی شکل ایسی بنالیتا تھا کہ اس سے وحشت ظاہر ہو اور اس کی ظاہری حالت ہی سے یہ معلوم ہوجائے کہ یہ شخص کوئی خراب خبر لانے والا ہے۔ جب موذن مکہ کی گلیوں میں داخل ہوا تو اس کے بعد چند دوسرے مؤذن بھی (جو پیدل تھے۔ انکی شکل خاک آلود تھی اور وہ ننگے بدن تھے) گلیوں میں داخل ہوئے۔ انھیں لوگ عریاں منادی (ننگے بدن اعلان کرنے والا) کہتے تھے منادیوں کا عریاں ہونا بتاتا تھا کہ کوئی بڑی بدبختی آنے والی ہے۔ وہ لوگ اس طرح فریاد کرتے

تھے کہ جیسے اسی وقت مسلمان مکہ کا قافلہ لوٹ رہے ہوں۔ یہ لوگ عوام کو برانگیختہ کرتے تھے تاکہ مکہ کے قافلہ کو بچانے کے لئے لوگ فوراً راستہ میں نکل پڑیں۔

تھوڑی دیر میں نوسو پچاس آدمی، سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے جانے کے لئے تیار ہوگئے۔ مردوں کے علاوہ کچھ عورتیں بھی (جو نتّاف یعنی قاصد کے نہ آنے کے سبب پریشان تھیں) چلنے کے لئے تیار ہوگئیں۔ عربی میں نتاف کے معنی بالوں کو مٹانے والے کے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ ایک قاصد ہوتا تھا جو قافلہ کے پہونچنے سے تین چار روز پیشتر مکہ پہونچتا تھا تاکہ عورتوں کو خوشخبری دے کہ ان کے شوہر بہت جلد پہونچنے والے ہیں۔ لہذا وہ (عورتیں) بھی اپنے زاید بالوں وغیرہ کو صاف کرلیں۔ اور اپنے شوہروں کی قبولیت کے لئے تیار رہیں۔ مکہ کی عورتیں جو چلنے کے لئے تیار ہوئی تھیں انھوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ مدینہ پہونچیں اور میدان جنگ میں جاکر مردوں کو مسلمانوں کے قتل عام کے لئے بھڑکائیں۔

ہتھیار بند مردوں، اونٹوں اور گھوڑوں کے علاوہ چند گھنٹوں میں تقریباً دوسو پچاس ہزار درہم بھی سامان جنگ کے لئے جمع ہوگئے۔ اس وقت تک کبھی بھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ اتنی کم مدت میں مکہ کے سوداگروں نے اس قدر چندہ دیا ہو۔ کیونکہ مکہ کے تاجروں نے اس وقت تک اپنے نفع کو اس طرح خطرے میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت محسوس ہوا کہ مکہ کے تاجروں کے لئے مسلمانوں کا خطرہ ایک مہلک خطرہ ہے۔ اگر اسے جلد دفع نہ کیا گیا تو قافلوں کی آمد وقت موقوف ہوجائے گی اور وہ لوگ دنیا سے معدوم ہوجائیں گے۔

مدینہ سے قریب گذرنے والے مکہ کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے حضرت محمدؐ نے اپنی فوج تیار کرلی آپ کی فوج میں تین سو تیرہ مسلمان تھے اور سب لڑنے والے شمار ہوتے تھے۔

مدینہ والوں (یعنی انصار) کے درمیان دو قبیلے تھے جن کا نام اوس اور خزرج تھا۔ ان دونوں قبیلوں میں سے ہر ایک سے ستر ستر آدمی تیار ہوئے کہ حضرت محمدؐ کے ہمراہ جائیں اور قافلہ کو

روکیں۔ چنانچہ تین سو تیرہ آدمیوں میں سے ایک سو چالیس انصار تھے اور بقیہ مہاجرین (یعنی وہ لوگ جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے) تین سو تیرہ مسلمانوں کے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ حضرت محمدؐ نے حکم دیا کہ ہر اونٹ پر دو آدمی سوار ہوں اور باقی پیدل چلیں۔ چند گھنٹوں کے بعد اونٹ کے سوار اتر پڑیں تاکہ تھکے ہوئے پیدل چلنے والے ان پر سوار ہو جائیں۔

جب حضرت محمدؐ تین سو تیرہ آدمیوں کی اسلامی فوج لیکر چلے تو آپؐ کے پاس ستر اونٹوں کے علاوہ دو گھوڑے بھی تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان گھوڑوں کے ساتھ جنگی مہم پر روانہ ہوئے تھے

۱۷ رمضان سنہ ۲ ہجری مطابق سنہ ۶۲۴ء کو حضرت محمدؐ اپنی مختصر فوج کے ساتھ بدر کی وادی میں (جو مدینہ کے جنوب مغرب میں بیس کیلو میٹر کے فاصلہ پر تھی) مکہ کے قافلہ کا انتظار کر رہے تھے لیکن قافلہ نہ اس دن آیا اور نہ اس کے بعد آیا۔ کیونکہ مدینہ میں کچھ یہودی اور منافقین بھی رہتے تھے ان دونوں نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ قافلہ کے سردار ابو سفیان کو اطلاع بھیجدی تھی کہ حضرت محمدؐ قافلہ پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسلئے اس نے راستہ بدل دیا تھا اور بہت دور کے راستہ سے مکہ چلا گیا تھا۔

مکہ کا قافلہ بدر کی وادی میں نہ آیا لیکن پھر بھی مکہ کے نو سو پچاس سپاہی تیزی سے اسکے قریب ہو رہے تھے۔ لشکر اسلام کے جاسوسوں نے مکہ کی فوج کے دو جاسوسوں کو پکڑ لیا اور حضرت محمدؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے ان دونوں سے تحقیق کیا معلوم ہوا کہ تقریباً ایک ہزار آدمیوں کی فوج بہت جلد وہاں پہونچنے والی ہے۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ ان دونوں کو قید میں رکھیں۔ پھر آپؐ نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ جس طرح لوگوں نے مکہ کے قافلوں کو خبر دی ہے کہ یہاں سے نہ گذریں ویسے ہی خود مکہ والوں کو بھی ہمارے ارادوں سے آگاہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت تقریباً ایک ہزار آدمی ابو جہل کی ماتحتی میں ہمارے قریب آرہے ہیں ہم یہاں سے مدینہ واپس جا سکتے ہیں لیکن مدینہ کی واپسی ہمیں نجات نہیں دلائے گی۔ کیونکہ مکہ کی فوج مدینہ پر بھی حملہ کرے گی۔ اور ہمیں قتل کر دے گی۔

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم اسی جگہ مکہ کی فوج کا انتظار کریں کیونکہ جنگ کے لئے یہ مقام مدینہ سے بہتر ہے۔ ہمارے لئے اس وادی میں مدینہ سے زیادہ کامیابی کا موقع ہے۔

بدر کی وادی میں ایک ایسی سرزمین ہے جس کا کچھ حصہ مٹی ہے اور کچھ حصہ پتھریلا اور سخت ہے۔ یہ وادی دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ مشرقی پہاڑ کو العدوۃ القصوٰی اور مغربی پہاڑ کو العدوۃ الدنیا کہتے ہیں۔ جنوب کی طرف ایک پہاڑ ہے جسے اسفل کہتے ہیں صدر اسلام میں وہاں کچھ چشمے تھے اور مکہ کے قافلے وہاں ٹھہرتے تھے تاکہ چشمہ کے پانی سے مستفید ہوں۔ جب پیغمبر اسلام نے جنگ کا ارادہ کرلیا تو جگہ تبدیل کرنے کا بھی ارادہ پختہ کرلیا۔

اس وقت تک مسلمان وادی بدر کے شمالی حصہ میں قافلہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے جب یہ معلوم ہوگیا کہ مکہ کا قافلہ نہ آئے گا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو جگہ بدل دینی چاہیئے۔ اب چل کر کوہ اسفل کے دامن میں قیام کریں۔ تاکہ پانی کے چشمے ہمارے قبضہ میں رہیں۔ اور دشمنوں کو پانی سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملے۔ حضرت محمدؐ کا حکم مان لیا گیا۔ مسلمان وادیٔ بدر کے شمال سے جنوب کی طرف منتقل ہوگئے اور کوہ اسفل کے دامن میں جگہ لے لی۔ انھوں نے پانی کے چشمہ پر قبضہ کرلیا۔ وہاں حضرت محمدؐ نے مسلمانوں سے خطاب کرکے فرمایا:۔

آج تک عرب لڑائی میں اکیلے اکیلے لڑتے ہیں اور اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ اکیلے بہادری دکھلائے تاکہ مشہور ہو اور لوگ اسے بہادر سمجھیں لیکن اس لڑائی میں ہم اپنے لئے نہیں لڑتے بلکہ خدا کے لئے لڑتے ہیں۔ خدا ہماری بہادری اور جانفشانی کو دیکھتا ہے اگر اسکی راہ میں جان قربان کرتے ہیں تو وہ اس کا بدلہ دے گا۔ اور ہمیں جنت میں داخل فرمائے گا۔ دوسری بات یہ کہ ہماری تعداد مکہ والوں کی تعداد کی تہائی (۱/۳) ہے اگر اکیلے اکیلے لڑیں گے تو ختم ہوجائیں گے لیکن جب دستہ بناکر لڑیں گے تو کامیابی کی امید ہے۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو مورچہ بندی سکھایا۔ یہ مورچہ بندی سکندر مقدونی

کے باپ فلپ نے تقریباً ہزار برس پہلے ایجاد کیا تھا اور یونانی زبان میں اسے فالانتر کہتے تھے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ لڑنے والے ایک دوسرے کے بغل میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ ہر ایک کی ننگی گاہ دوسرے سے ملتی تھی۔ پھر صف ٹیڑھی ہو کر مثلث یا مربع یا دائرہ کی شکل میں ہو جاتی تھی اس مثلث یا مربع یا دائرہ میں سب سپاہیوں کا منہ دشمن کی طرف ہوتا تھا اور پیٹھ اندر کی طرف ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دشمن پیچھے کی طرف سے حملہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ جدھر جاتا تھا ادھر سپاہیوں کا سامنا ہوتا تھا۔ میدان جنگ کے اس نظام کو یونان میں فالانتر کہتے تھے۔

پیغمبر اسلام نے عرب کی تاریخ میں پہلی بار یہ نظام عرب میں داخل کیا۔ اور جنگ بدر میں اس سے فائدہ اٹھایا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی شجاعت سے بڑھ کر جو چیز مسلمانوں کی فتح کا سبب بنی وہ یہی جدید جنگی نظام تھا۔ پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو مورچہ بندی سکھانے کے بعد ان سے خطاب کر کے فرمایا کہ جنگ میں بھاگنا بے سود ہے کیونکہ اگر بھاگتے ہو تو اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ مدینہ جاؤ گے اور وہاں کے یہودی اور منافقین تمہیں پکڑ کر قریش کے حوالے کر دیں گے جو تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ پھر حضرت محمدؐ نے قرآن شریف کی آٹھویں سورہ (سورہ انفال) کی چودھویں آیت خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز سے پڑھی۔ وہ آیت یہ ہے کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ یعنی "اے ایمان والو جب تم کو بہت دشمن دکھائی دیں تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ (یعنی مت بھاگو) کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے ہاں اگر بھاگنا دشمن کو غافل کرنے کے لئے ہو کہ پھر اس پر حملہ کریں گے یا اپنا ایک دستہ دوسرے دستہ کو مدد دینے کے لئے جا رہا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن ان صورتوں کے علاوہ اگر کوئی شخص دشمن سے بھاگے گا تو عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گا۔ وہ جہنم میں جائے گا جہنم بہت بری جگہ ہے"۔

اسلامی سپاہ کی مورچہ بندی جو اس دن حضرت محمدؐ کے ذریعہ عمل میں آئی مثلث کی شکل میں تھی

اس میں تین جھنڈے تین مختلف مقاموں پر لگے ہوئے تھے۔

حضرت محمدؐ نے از خود ایک ایسا نظام ایجاد کیا جس میں تین دستے مثلث کی شکل میں تھے ہر دستہ اپنی جگہ مکمل اور دوسرے کا پشت پناہ تھا۔ دشمن جس طرف سے بھی حملہ کرتا تو ضرور کسی نہ کسی دستہ سے اسکی مڈبھیڑ ہو جاتی اور اسی وقت دوسرے دستے بھی اسکی مدد کرتے۔ اس مثلث کے ہر دستے میں ایک جھنڈا تھا۔ پہلا جھنڈا حضرت علی ابن ابی طالب کے ہاتھ میں تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور اس پر عقاب کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ دوسرا جھنڈا مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ یہ مہاجرین میں سے تھے۔ تیسرا جھنڈا ایک انصاری کے ہاتھ میں تھا۔

جب پیغمبر اسلام مورچہ بندی سے مطمئن ہو گئے تو آپؐ نے پھر تقریر شروع کی اور فرمایا "اے مسلمانو! اگر فتح پاؤ گے تو عزت ہوگی اور غازی کہلاؤ گے اور جب قتل ہو جاؤ گے تو چونکہ خدا کی راہ میں شہید ہوئے ہو اس لئے تمھاری جگہ جنت میں ہوگی۔ جنت میں رہنے والوں میں سے کوئی شخص اس بات کی خواہش نہیں کرتا کہ اس دنیا میں واپس آئے سوائے ان لوگوں کے جو اس دنیا میں شہید ہوئے ہیں انھیں یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس دنیا میں واپس ہوں تاکہ دوبارہ خدا کی راہ میں شہید ہوں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں کیا بدلہ دے گا۔"

جب آفتاب ڈوبنے کے قریب ہوا تو مکہ کی فوج ظاہر ہوئی لیکن رات ہو جانے کے باعث نہ مسلمانوں نے لڑنا چاہا نہ مکہ کی فوج نے (جو ابوجہل کی ماتحتی میں تھی) لڑنا چاہا۔ رات کے وقت پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کی فوج کو بدل دیا تاکہ دن کے وقت اس طرح کھڑے ہوں کہ سورج سامنے کی طرف نہ پڑے اور انکی آنکھوں کو خیرہ (چکاچوندھ) نہ کرے۔ یہ تمام ایجادیں بتہ دیتی ہیں کہ حضرت محمدؐ لڑائی کے فن سے بخوبی واقف تھے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ اس بزرگ ہستی نے فن سپہ گری کہاں سے سیکھا۔

اس رات کو حضرت محمدؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ نگرانی کرنے والوں کے علاوہ (جو باری باری سے بدلتے رہیں گے) باقی سب لوگ سو جائیں تاکہ صبح کے وقت لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں۔ میں اللہ

تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمہارے دلوں کو آرام دے کہ سو جاؤ۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی آٹھویں سورہ کی بارہویں آیت میں فرماتا ہے اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمْ بِہٖ ....." یعنی "وہ زمانہ یاد کرو کہ دشمن کے خوف سے نیند نہیں آتی تھی لیکن خدا کی مدد نے تمہیں آسودہ کیا کہ تم لوگ سو گئے۔ خدا نے آسمان سے پانی برسایا کہ تمہیں پاک کرے۔ اس پانی میں تمہارے لئے دوسرا فائدہ بھی تھا وہ یہ کہ بالو سے ڈھکی ہوئی زمینوں کو ایسی شکل میں ظاہر کر دیا کہ تمہارے پیر ادھر لغزش نہ کریں۔"

اس رات کو مسلمان دشمن کے کنارے ہوتے ہوئے بھی اس طرح بے فکر ہو کر سوئے کہ بارش کے بعد بھی بیدار نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے (جیسا کہ اس آیت میں ہے) اس رات میں بارش برسائی تاکہ انھیں پاک کرے اور دن کے وقت اسلامی سپاہیوں کے پیر بالو کیچڑ کی طرف کہ جس سے زمین ڈھکی ہوئی تھی نہ پھسلیں۔

بعض اسلامی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جنگ بدر جمعہ کے روز ۱۷ رمضان سنہ ۲ھ کو واقع ہوئی۔ اگر جنگ بدر ۱۷ رمضان روز جمعہ کی صبح کو شروع ہوئی تو ضروری ہے کہ حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھی جمعرات کو میدان جنگ میں پہونچے ہوں گے کیونکہ بلاشبہ کوئی ایسی شہادت موجود نہیں ہے جو یہ ثابت کرے کہ مسلمان ایک رات میدان جنگ میں نہیں سوئے ہیں۔ اور اگر ۱۷ رمضان روز جمعہ کو میدان جنگ میں پہونچے تو لامحالہ جنگ بدر ۱۸ رمضان روز سنیچر کو ہوئی ہوگی۔

ہر انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ حضرت محمدؐ نے کس طرح یہ ہمت کی کہ بدر میں مکہ کی فوج سے لڑائی کریں حالانکہ مکہ کی فوج مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی۔ مکہ کے سپاہی بزدل نہ تھے جو ہمیں یہ خیال ہو کہ حضرت محمدؐ نے سوچا ہوگا کہ جب مسلمان حملہ کرینگے تو وہ بھاگ جائیں گے وہ بھی عرب بدوی تھے اور نسلی اعتبار سے بہادر تھے۔ وہ میدان جنگ میں تلوار چلاتے تھے انھیں یہ خوف نہ تھا کہ ماریں گے یا مارے جائیں گے۔

وہ زمانہ آجکل کی طرح نہ تھا کہ معمولی طاقت آتشی قوت (یعنی بم وغیرہ) کے ذریعہ ایک بڑی طاقت کو ہلاک کردے۔ دونوں طرف کے اوزار یکساں تھے۔ صرف بعض سپاہی جسم اور قوٰی کے اعتبار سے دوسروں سے افضل ہوتے تھے۔ لہٰذا میدان جنگ میں تعداد کا بہت اثر ہوتا تھا۔ تمام لڑائیوں میں سپہ سالار یہ جاننے کی کوشش کرتا تھا کہ دشمن کی فوج کتنی ہے۔ علاوہ ازیں اگر حضرت محمدؐ کے پاس سامان زیادہ ہوتا تو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ آپؐ نے سازوسامان کی بنا پر قریش سے جنگ کی ہے مگر جنگ بدر میں مکہ والوں کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے اور حضرت محمدؐ کے پاس صرف ستر اونٹ اور محض دو گھوڑے تھے۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمدؐ جنگ بدر میں صرف خدا پر بھروسہ رکھتے تھے۔ آپکو یقین کامل تھا کہ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ اور بت پرستوں کو ایسا موقع نہ دے گا کہ مسلمانوں کو تباہ کردیں۔

جنگ بدر میں شریک ہونے والا ہر مسلمان بھی اپنے پیغمبر کی طرح خدا پر یقین رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اکیلا نہ چھوڑے گا۔ اس وقت سب کو اس بات کا یقین تھا کہ اگر مارے جائیں گے تو سیدھے جنت میں جائیں گے۔ پختہ اعتقاد کے علاوہ جنگ بدر میں حضرت محمدؐ کی مورچہ بندی جو عرب ستان میں ایک نئی چیز تھی مسلمانوں کے لئے فتح کا ذریعہ بن گئی۔

۱۷ رمضان روز جمعہ یا ۱۸ رمضان سنیچر کے روز صبح کے وقت حضرت محمدؐ نے خیال کیا کہ اگر شکست ہوگئی تو اسلام اور مسلمان دونوں مٹ جائیں گے۔ کیونکہ اس وقت تک اسلام اتنا قوی نہ تھا کہ ایک بڑی شکست کو برداشت کرسکے۔ اگر اس روز مسلمانوں کو شکست ہوجاتی تو اسلام ضرور مٹ جاتا۔

عرب میں یہ دستور تھا کہ فوج کے افسر لڑائی کے وقت میدان جنگ کے پیچھے ایک جگہ منتخب کرلیتے تھے اور وہیں سے جنگ کے احکام جاری کرتے تھے۔ عرب والے اس مقام کو عریش کہتے تھے۔ حضرت محمدؐ (جنگ بدر کے حاکم) ایک ٹیلے پر تشریف فرما تھے اور وہیں سے میدان جنگ کو دیکھتے تھے اور حکم صادر فرماتے تھے۔

طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد جنگ شروع ہوئی۔ ابتدا میں عرب کے قدیم دستور کے مطابق دونوں طرف کے لوگوں نے اشعار پڑھنا شروع کیا۔ ان اشعار میں دشمنوں کی تحقیر اور دوستوں کی بڑائی تھی۔ اشعار پڑھنے کے بعد قریش کی فوج سے تین آدمی باہر نکلے اور دونوں فوجوں کے درمیان پہونچے۔ ان میں سے ایک کا نام عتبہ تھا۔ یہ ابوسفیان کی بیوی کا باپ تھا۔ دوسرے کا نام شیبہ تھا۔ یہ ابوسفیان کی زوجہ کا چچا تھا۔ تیسرے کا نام ولید تھا۔ یہ ابوسفیان کی زوجہ کا بھائی تھا۔

یہ تینوں شخص دونوں فوجوں کے بیچ میں کھڑے ہوئے اور تلوار چمکا کر بولے (ہل من مبارز) "کوئی شخص ہے جو ہم سے لڑ سکے"۔ مدینہ کے تین مسلمانوں نے جو انصار میں سے تھے قدم بڑھایا اور جواب دیا کہ ہم تم سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ قریش والوں نے پوچھا تم کہاں کے ہو۔ انھوں نے جواب دیا ہم مدینہ کے ہیں۔ قریش والے بولے ہم تمھیں نہیں پہچانتے۔ ہم تم سے مقابلہ نہیں کریں گے۔ ہم مکہ کے بڑے لوگوں (اونچے طبقہ والوں) میں سے ہیں۔ لہذا جو لوگ ہم سے لڑنے کے لئے قدم بڑھائیں انھیں بھی اشراف مکہ (مکہ کے بڑے لوگوں) سے ہونا چاہئے۔

حضرت عمر بن الخطاب نے بجلی جیسی کڑی آواز سے فرمایا کہ مسلمان آپس میں سب برابر ہیں ان میں سے کسی کو بھی دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ قریش والوں نے کہا ہم صرف ان لوگوں سے مقابلہ کریں گے جو مکہ کے ہیں اور ہم انھیں پہچانتے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے حضرت علیؓ کو جن کے ہاتھ میں پہلا جھنڈا تھا بلایا اور فرمایا کہ اے علیؓ تم ولید سے لڑو۔ پھر آپؐ نے اپنے چچا حمزہؓ اور عبیدہ بن حارث کو بلایا اور حکم دیا کہ وہ دونوں دوسروں سے مقابلہ کریں۔

تین مسلمان سپاہی جب تین قریشیوں کے مقابلہ میں پہونچے تو جنگ سے پہلے رجز (فخریہ اشعار) پڑھنا شروع کر دیا۔ رجز کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی تعریف کرے پھر لڑائی اور قتل و مار کاٹ کے بارے میں اشعار پڑھے۔

پیغمبر کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ نے آواز لگائی کہ میں علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب

ہوں۔ اسکے بعد امرأ القیس کے قصیدے کے آخری اشعار پڑھنا شروع کر دئے۔ یہ قلائد سبعہ والوں میں سے ایک شخص ہے اور تمام عرب اسے زمانۂ جاہلیت کا بڑا شاعر سمجھتے ہیں۔ قلائد سبعہ سات عربی شاعر تھے جن کے اشعار ایک سو پچاس سال تک بہترین شعر عرب کے عنوان سے زمانہ کعبہ میں لٹکے رہے۔

ابوسفیان کی بیوی کے بھائی ولید نے اپنی تعریف کرنے کے بعد حارث بن حلزہ الیشکری کے اشعار پڑھنا شروع کر دئے۔ حارث بن حلزہ بھی ارباب قلائد سبعہ کا ایک فرد ہے۔ اس کے بعد طرفین حملہ آور ہوئے۔ تلوار کی لڑائی میں عرب اور یورپ والوں میں فرق ہے۔ یوروپ والے جب تلوار پکڑتے ہیں تو زیادہ تر اس کی نوک سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ گویا یورپ کی شمشیر زنی کا اصول تلوار کی نوک سے کام لینے پر مبنی ہے لیکن عرب والے تلوار کی دھار سے کام لیتے تھے۔ تلوار کی نوک مؤثر نہ تھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تلوار زنی کیلئے عربوں کے پاس کوئی خاص قاعدہ نہ تھا۔ مگر ایسا نہیں، اس لئے کہ جب اعراب بھی شمشیر زنی میں دمِ شمشیر سے کام لیتے تھے تو اس کے مخصوص قواعد بھی رکھتے تھے۔ وہ رومیوں، یونانیوں اور تمام دوسری قوموں کی طرح میدانِ جنگ میں اپنی تلوار سے بخوبی فائدہ اٹھانے کے لئے ایک مدت تک مشق کرتے رہتے تھے اور تلوار چلانے کا فن سیکھتے تھے۔ ڈھال کا استعمال بہت اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ تلوار کے مقابلہ میں دفاع کے لئے ڈھال بہترین وسیلہ شمار ہوتی تھی۔

پیغمبر کے چچازاد بھائی علیؑ خوب تلوار چلاتے تھے اور اپنے حریف ولید سے زیادہ چالاک تھے۔ ان دونوں کی لڑائی چند منٹ سے زیادہ نہ ہوئی۔ ولید نے حضرت علی کی تلوار سے ایک مہلک ضرب کھائی اور اسکے حلقوم کی شہ رگ کٹ گئی۔ وہ زمین پر گر پڑا اور بہت جلد مر گیا۔ حضرت حمزہؓ نے بھی اپنے حریف کو مار ڈالا۔ اسلام کا تیسرا غازی عبیدہؓ بن حارث جو ابوسفیان کی بیوی کے باپ سے لڑ رہا تھا زخمی ہو گیا مگر اس نے بھی اپنے حریف کو قتل کر دیا۔

تینوں مسلمان سپاہی اس طرح جیت گئے۔ مسلمانوں نے اسے نیک فال سمجھا اور انکی ہمت بلند ہوگئی۔ قریش نے جب دیکھا کہ انکے تینوں آدمی قتل ہو گئے تو شور وغل کے ساتھ نیزے آسمان کی طرف اٹھا کر ہاتھوں میں پکڑ لئے (یہ عام لڑائی یعنی تمام فوجیوں کے یلغار کرنے کی علامت تھی) اور حملہ کے لئے پیشقدمی کرنے لگے۔ جو لوگ حملہ کر رہے تھے وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو انکے بھائی یا بھتیجے یا لڑکے یا چچا ہوتے ہیں۔ مگر اسکے باوجود حملہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس روز تک عرب میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ باپ بیٹے اور چچا بھتیجے میں لڑائی ہو کیونکہ یہ لوگ قریبی رشتہ دار ہوتے تھے اور ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب میں ایک قبیلہ والے آپس میں نہیں لڑتے تھے۔

جب حضرت محمدؐ نے دیکھا کہ عام لڑائی شروع ہو رہی ہے تو عریش (محل فرماندہی) سے نیچے اتر آئے اور مورچہ کے بیچ میں جا کر خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی آیتیں پڑھنا شروع کر دیا۔ جو آیتیں حضرت محمدؐ پڑھ رہے تھے وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے انعام کے متعلق تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے چاہے وہ مارے یا مارا جائے جنت میں داخل ہو گا۔

حضرت محمدؐ نے قرآن کی آیتیں پڑھنے کے بعد پکار کر فرمایا کہ اے میرے اجداد کہاں ہو کاش کہ آج یہاں موجود ہوتے اور خدا کی راہ میں تلوار چلاتے۔ اور قتل ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس میدان سے سیدھے جنت میں بھیج دیتا۔ حضرت محمدؐ کے اس بیان اور قرآن کی آیتیں پڑھنے کے اثر سے مسلمانوں میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ ان میں سے عمیرؓ نامی ایک شخص نے آواز لگائی کہ میرے اور جنت کے درمیان چند قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر صف سے نکل پڑے اور مکہ والوں پر حملہ کر دیا۔ لیکن لوگوں نے انھیں گھیر لیا اور شہید کر دیا۔

حضرت محمدؐ نے آواز دی کہ میری وصیت فراموش نہ کرو اور جنت میں جانے کے لئے اپنی صف سے باہر نہ ہو کیونکہ اگر صف سے باہر نکلو گے تو بت پرست تم پر غالب ہو جائیں گے۔

قریش والے اپنی روش کے مطابق اکیلے اکیلے لڑتے تھے اور ہر شخص سوچتا تھا کہ میدان جنگ میں خود فاتح ہو۔ وہ اپنے ساتھیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ لیکن حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو پہلے ہی یہ تعلیم دے رکھی تھی کہ تم اپنے واسطے نہیں لڑتے ہو کہ فخر کے خواستگار ہو بلکہ تم خدا کے لئے تلوار چلاتے ہو۔ تمھیں خود نمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تم اپنا جنگی وظیفہ مکمل کر لوگے تو جنت میں جاؤ گے۔ اس کے بعد پھر مسلمان قطار سے باہر نہ ہوئے کہ قریش والوں کے نرغہ میں جائیں اور قتل ہو کر جلد بہشت میں چلے جائیں۔

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے مثلث کی شکل میں تین طرف سے مورچہ بنا رکھا تھا۔ یہ تینوں ایک دوسرے پر سہارا کئے ہوئے تھے۔ ہر طرف مسلمان اس طرح جمے ہوئے تھے کہ کفار مکہ کسی طرف سے بھی پیچھے کی جانب نہیں پہونچ سکتے تھے۔ مورچہ کی تین صفوں میں سے ہر صف ایک مخصوص علامت رکھتی تھی تاکہ جنگ میں اپنے لوگوں کو پہچان سکیں اور دشمنوں کے ساتھ اشتباہ نہ ہو۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک قطار والے زرد سر پوش رکھتے تھے۔ دوسری قطار والے سبز سر پوش رکھتے تھے۔ تیسری قطار والے اپنے سروں میں پر لگائے ہوئے تھے اسی طرح حضرت حمزہ شتر مرغ کے چند پر لگائے ہوئے تھے جس سے ہوا چلنے سے تکان محسوس کرتے تھے۔

روایت کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلام کو یہ معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر بہت پھیل رہا ہے تو پہلے پرچمدار حضرت علی سے فرمایا کہ تھوڑی سی مٹی اٹھا کر مجھے دو۔ حضرت علیؑ جھکے اور ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیش کیا۔ حضرت محمدؐ نے وہ مٹی قریش والوں کی طرف پھینک دی اور فرمایا کہ اے غیرت مند آگے بڑھو۔ اسکے بعد مسلمانوں نے اجتماعی طور سے حملہ کیا۔ تینوں قطاریں حرکت میں آئیں مگر ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئیں۔ قطاروں کی حرکت تین قلعوں کی حرکت کے مشابہ تھی مسلمانوں کے حملہ کے باعث قریش مکہ پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت محمدؐ کو معلوم تھا کہ انکے سود خوار چچا عباس قریشی سپاہیوں کے درمیان ہیں لہٰذا مسلمانوں کو حکم دیا کہ انھیں زندہ گرفتار کر لیں۔

عباس قریش کے ساتھ بدر میں آئے تھے مگر تین وجہوں سے جنگ میں شریک نہیں ہوئے اور دوسرے سپاہیوں سے پیچھے رہے۔ اول یہ کہ وہ صراف اور سوداگر تھے۔ انھیں جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اپنے بھتیجے سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ تیسرے یہ کہ انکی بیوی مسلمان تھیں۔ انھوں نے عباس سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام سے جنگ نہ کریں۔

ایک مسلمان سپاہی نے اپنی قطار کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے پیغمبر اسلام کے چچا عباس کو دیکھا۔ اس نے پہچان لیا اور بغل میں دبا کر حضرت محمدؐ کے پاس لاکر حاضر کر دیا۔ حالانکہ یہ شخص چھوٹے جسم کا تھا اور حضرت عباس موٹے تازے تھے۔ اسکے بعد بہت جلد پھر وہ شخص واپس ہوا تاکہ میدانِ جنگ میں اپنی جگہ لے لے اور لڑائی جاری رکھے۔ قریشی فوج کا کمانڈر ابوجہل اگرچہ محافظ رکھتا تھا مگر مسلمان انھیں شکست دیکر ابوجہل کے پاس پہونچ گئے۔ اسلام کے ایک سپاہی معاذ بن عمرو نے ابوجہل کے سر پر تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ قریشی سپاہ کا کمانڈر بری طرح زخمی ہو کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل کے لڑکے عکرمہ نے حضرت معاذ بن عمرو پر حملہ کیا اور ایسی تلوار چلائی کہ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر کھال سے لٹکنے لگا مگر حضرت معاذ کے چہرہ سے معمولی درد کے آثار بھی ظاہر نہیں ہوتے تھے (یعنی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں کوئی تکلیف ہی نہیں پہونچی ہے)۔ انھوں نے بائیں ہاتھ سے اسے پکڑ کر کھینچا اور نوچ کر پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ میں ہے۔

اِس کے بعد پھر انھوں نے جھک کر اسی ہاتھ سے تلوار اٹھائی اور لڑنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد ایک دوسرے مسلمان نے قریشی کمانڈر ابوجہل کو مار ڈالا۔ اسکے مرنے سے قریشی فوج کی روح فنا ہو گئی وہ بڑی سراسیمگی میں پڑ گئے کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ انکی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود مقابل صفوں کو نہیں منتشر کر سکے۔ لہٰذا انھوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ان کا ہٹنا چونکہ جنگ کی تجدید کے لئے نہیں تھا اس لئے کہنا چاہئے کہ وہ بھاگنے لگے۔ قریشی فوج کے ستر آدمی جو سب کے سب بُت پرست تھے قتل ہو گئے اور انکی نعشیں میدان جنگ میں پڑی رہیں۔ ابوجہل کے

علاوہ قریش کے کئی دوسرے بزرگ بھی قتل ہوئے جن میں ابوسفیان کی بیوی کے باپ اور بھائی بھی داخل ہیں۔

بدر کی لڑائی میں باوجودیکہ کفار قریش تعداد میں مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھے مگر چودہ سے زیادہ مسلمان شہید نہ کرسکے۔ بدر کی لڑائی نے (جو مسلمانوں کی کامیابی پر ختم ہوئی) مسلمانوں کی ہمت کو بڑی تقویت پہنچائی۔ اس لڑائی میں ایک چھوٹی سی فوج نے اپنے ایمان اور حضرت محمدؐ کی نئی مورچہ بندی کے سہارے اپنے سے تین گنا بڑی فوج کو شکست دیدی۔

جنگ کے خاتمہ اور قریشی فوج کے بھاگنے کے بعد ایک مسلمان سپاہی مُردوں کو دیکھنے کے لئے میدان جنگ پہونچا۔ اس کا نام عتبہ بن ربیعہ تھا۔ وہ مُردوں کو اس وجہ سے دیکھتا تھا کہ (وہ سب مکہ کے تھے اور یہ بھی مکہ کا تھا اور مہاجرین میں شمار ہوتا تھا) آیا وہ انکو پہچانتا ہے یا نہیں؟ اچانک وہ ایک لاش کی طرف متوجہ ہوا، اسکی طرف جھکا اور تھوڑی دیر تک اس کو دیکھتا رہا۔ جب اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کے چہرہ پر غم کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

کچھ دیر بعد حضرت محمدؐ اسطرف تشریف لائے اور دیکھا کہ عتبہ بن ربیعہ غمگین ہیں۔ آپؐ نے فرمایا عتبہ غمگین نہ ہو اللہ نے آج مسلمانوں کو فتح دی ہے۔ عتبہ نے انگلی سے ایک لاش کی طرف اشارہ کرکے کہا میں اس مرد کے لئے غمگین ہوں کیونکہ یہ میرا باپ ہے۔ جب حضرت کو معلوم ہوا کہ عتبہ اپنے باپ کے جنازے کے پاس کھڑا ہے تو اسے تسلی دی۔ عتبہ نے عرض کیا کہ اے محمدؐ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں امیدوار تھا کہ ایک دن ایسا آئے کہ میرا باپ خبردار ہوجائے اور بُت پرستی سے باز آجائے۔ اِس وقت جب میں نے اس کے جنازہ کو دیکھا تو رنج ہوا کہ دین اسلام قبول کئے بغیر وہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔

جنگ بدر (جسکی تفصیلی شرح کتاب ایام العرب میں لکھی ہوئی ہے) گذشتہ زمانہ کی طرح آج بھی اسلام کے اہم تاریخی واقعات میں شمار ہوتی ہے۔ بدر کی لڑائی میں مسلمان پہلی بار فاتح ہوئے اور کامیابی کی لذت سے محظوظ ہوئے۔ انھوں نے جان لیا کہ ایمان اور صحیح

مورچہ بندی سے ایک چھوٹی فوج بڑی فوج پر غالب ہوسکتی ہے۔ مسلمانوں نے اس روز باقی وقت اپنے شہداء کے دفن کرنے میں صرف کیا اور مشرکین کی نعشیں بدر کے کنوئیں میں ڈالدیں۔

جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے حضرت محمدؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ سپاہیوں کے بدن کو مثلہ نہ کریں۔ انکے ہاتھ پیر یا بدن کے کسی حصّہ کو نہ کاٹیں کیونکہ جس طرح زندگی میں زندوں کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے اسی طرح مُردوں کے ساتھ بھی احسان کرنا چاہئے۔

جب مسلمان شہیدوں کو دفن کر رہے تھے تو حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ قبروں کو یکساں بناؤ اور کوشش کرو کہ اوپری حصہ زیبا و خوبصورت ہو۔ ایک مسلمان نے عرض کیا کہ اے محمدؐ اگر قبروں کا ظاہری حصہ خوبصورت و زیبا نہ ہو تو کیا آپؐ کے خیال میں قبر مُردوں کو تکلیف دیگی؟ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ تکلیف نہ دے گی بلکہ زندوں کو غمگین کرے گی کیونکہ ایک ویران اور خراب قبر کا مشاہدہ ایک غم انگیز منظر ہوتا ہے۔

جنگی قیدیوں کی حالت

پہلی بار جنگی قیدی رحمت سے مستفید ہوئے

جب مسلمان نعشیں سپرد خاک ہوچکیں تو پیغمبر اسلام نے جنگی قیدیوں کی طرف توجہ فرمائی۔ مسلمانوں نے جنگ بدر میں قریش کے ستر آدمی گرفتار کئے تھے۔ عرب میں قیدی کا تعلق اس سپاہی سے ہوتا تھا جو اسے گرفتار کرتا تھا۔ جب کوئی سپاہی کسی دشمن کو گرفتار کرتا تھا تو اس کو اختیار ہوتا تھا کہ چاہے اسے مار ڈالے یا فروخت کردے یا اپنا غلام بنالے۔

قیدی کو جب قتل کرنا چاہتے تھے تو اسکے دونوں ہاتھ پیٹھ سے باندھ دیتے تھے اور اسے بٹھا دیتے تھے۔ ہاتھ کی رسیاں ایک تیسرے اس طرح باندھتے تھے کہ قیدی بھاگ نہیں سکتا تھا۔ پھر ہاتھ میں تلوار لے کر اسکی گردن پر مارتے تھے جس سے سر جدا ہوجاتا تھا اور خون کا فوارہ بہنے لگتا تھا۔

اِس روز بھی شہداء کو دفن کرنے کے بعد حضرت محمدؐ نے مسلمانوں سے دریافت کیا کہ قیدیوں

کے ساتھ کیا سلوک کرو گے ؟ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بلند آواز سے کہا کہ سب کو قتل کر دیا جانا چاہیئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا قیدیوں کو زندہ جلا دیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے تجویز پیش کی کہ قیدیوں کو مکہ میں اپنے لوگوں سے جاکر مل جانے کی اجازت دی جائے البتہ ان سے قیدیوں کا فدیہ وصول کر لیا جائے۔ (یعنی فدیہ لیکر قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے)

حضرت محمدؐ نے اس تجویز کو قبول فرمالیا اور آپؐ نے جنگی قیدیوں کے لئے اسی روز ایک قانون وضع فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ پوری دنیا میں یہ پہلا قانون ہے جو جنگی قیدیوں کے لئے بنایا گیا۔ آپؐ نے وصیت فرمائی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ حضرت محمدؐ کے جنگی قیدیوں کے لئے قانون بنانے سے پہلے جو شخص کسی سپاہی کو گرفتار کرتا تھا اسے اختیار ہوتا تھا کہ اسکے ساتھ چاہے جیسا سلوک کرے۔ چاہے اسے قتل کرے چاہے اسے زندہ جلا دے۔

عرب میں جنگی قیدی گرفتار کرنے والے کی ملکیت ہوتا تھا۔ اگر قیدی کے لوگ فدیہ ادا کر دیتے تھے تو وہ آزاد ہو جاتا تھا ورنہ گرفتار کرنے والا اسے یا تو فروخت کر دیتا تھا یا قتل کر ڈالتا تھا۔ حضرت محمدؐ نے جو قانون جنگی قیدیوں کے لئے بنایا تھا اس میں جنگی قیدیوں کی آزادی کے لئے ایسا فدیہ مقرر کیا تھا جو لوگوں کی استطاعت کے مطابق تھا۔ چونکہ قریشی فوج کے قیدی دولت مند گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے اسلئے ہر جنگی قیدی کا فدیہ چار ہزار درہم رکھا گیا تھا۔ اگر کوئی خاندان اتنی رقم ادا نہ کر سکتا تھا تو قیدی اپنا نیزہ اور تلوار دے کر آزاد ہو جاتا تھا۔ جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ نقدی یا ہتھیاروں کے فدیہ سے مستثنیٰ تھے۔ ان کا فدیہ صرف یہ تھا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو تعلیم دیدیں اسکے بعد وہ آزاد ہو جائیں گے۔

حضرت محمدؐ کے قانون کے مطابق جنگی قیدی کی تمام مدت میں مسلمانوں سے اپنے لئے مناسب غذا اور لباس طلب کر سکتے تھے۔ انھیں کوئی تکلیف نہ دے سکتا تھا۔ کیونکہ قیدیوں کو تکلیف دینے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اس قانون میں جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اسقدر تاکید کی گئی ہے کہ اسلام کے بعض سپاہی اپنی غذا اور لباس انکو دیدیتے تھے۔ غذا اپنے استعمال

میں نہ لاتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ قیدی بھوکا یا ننگا رہ جائے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کے غلبہ کی خبر جب مکہ پہونچی تو مکہ والوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ دوسری جنگ میں مسلمانوں سے بدلہ لیں گے۔ جو لوگ حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوئے ان میں ایک شخص ابوسفیان تھا کیونکہ بدر کی لڑائی میں اس کا ایک لڑکا، اسکی بیوی کے باپ اور بھائی قتل ہو گئے تھے۔ اس کا دوسرا لڑکا گرفتار ہو گیا تھا۔ اسے یہ خبر معلوم ہو رہا تھا کہ چار ہزار درہم دیکر اسے آزاد کرائے۔ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک ہم حضرت محمدؐ اور مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لیں گے اس وقت تک اپنی عورت کے پاس نہیں جائیں گے۔ ابوسفیان کی بیوی نے سب کے سامنے قسم کھائی کہ اگر اسکے لڑکے، باپ اور بھائی کا قاتل مل جائے گا تو اس کا بدن چیر کے جگر نکال کر کھائے گی اور اگر قاتل کئی آدمی ہوں گے تو ان کی زبان، کان اور ناک کاٹ لے گی اور ان کا ہار بنا کر اپنی گردن میں ڈال کر اسلام کے مٹنے تک مکہ کی گلیوں میں رقص کرتی رہیگی۔

ایسی حالت میں جبکہ مکہ میں غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی مدینہ سے خبر پہونچی کہ مکہ والے اپنے قیدیوں کو آزاد کرا سکتے ہیں۔ آزادی کا فدیہ ہر قیدی کے لئے چار ہزار درہم ہے لہٰذا ستر قیدیوں کے لئے دو سو اسی ہزار درہم ادا کریں۔ قریش کے بزرگوں نے مکہ میں کہا کہ ہمیں فدیہ دیکر قیدیوں کو نہ چھڑانا چاہئے کیونکہ مسلمان بے بضاعت (فقیر) ہیں۔ جب وہ دو سو اسی ہزار درہم پائیں گے تو مالدار ہو جائیں گے۔ ہمیں ہرگز نہ چاہئے کہ اپنے ہاتھوں سے فقیر مسلمانوں کو مالدار بنائیں۔

لیکن جن خاندانوں کے لوگ مسلمانوں کی قید میں تھے انھوں نے بزرگان قریش سے رحم کی درخواست کی (ان میں ابوسفیان بھی تھا) کہ فدیہ دیکر اپنے شوہر یا بھائی یا لڑکے کو آزاد کرانے کی اجازت دی جائے۔ لہٰذا بزرگان قریش فدیہ دیکر قیدی چھڑانے پر رضامند ہو گئے۔ قیدیوں میں ابوالعاص نامی ایک شخص تھا۔ یہ شخص پیغمبر اسلام کی پہلی بیوی خدیجہ کا بھتیجا تھا۔ اور اس نے حضرت محمدؐ کی لڑکی زینب سے شادی کی تھی۔ حضرت محمدؐ کی دختر زینب چاہتی تھیں کہ اپنے شوہر کو مسلمانوں سے چھڑائیں۔ چنانچہ انھوں نے تین ہزار درہم جمع کئے لیکن چار ہزار پورا نہ کر سکیں لہٰذا

دو جواہر جنکی قیمت ایک ہزار درہم تھی تین ہزار درہم کے ساتھ انھوں نے بھیجدیا اور عرض کیا کہ میرے شوہر ابوالعاص کو آزاد فرمائیں۔

حضرت محمدؐ کے سامنے نقد درہم اور جواہرات پیش ہوئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ ان میں سے ایک جوہر حضرت خدیجہ کے ہار کا ہے۔ حضرت خدیجہ آپکی پہلی زوجہ تھیں۔ انکی زندگی میں آپؐ نے دوسری شادی نہ کی تھی۔ جب حضرت خدیجہ کی وفات ہوگئی تو حضرت محمدؐ نے وہ ہار انکی بیٹی کو کو دیدیا تھا۔ اس روز جب آپکی نظر حضرت خدیجہ کے ہار پر پڑی جسے حضرت زینب نے اپنے شوہر کو چھڑانے کے لئے بھیجا تھا تو آپؐ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ آپکے پاس کھڑے ہوئے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ پیغمبر اسلام آبدیدہ ہیں تو بہت متاثر ہوئے اور بعض لوگ پیغمبر اسلام کے رونے کا سبب جانے بغیر رونے لگے۔

حضرت عمر بن الخطاب جو برجستہ بول دیتے تھے اور قد و قامت، بلند آواز وارادہ وغیرہ کے لحاظ سے ایک ممتاز فرد شمار ہوتے تھے بول پڑے کہ اے محمدؐ آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟ جب آپؐ کی آنکھوں میں آنسو نکلتے ہیں تو ہمارے دل غمگین ہو جاتے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ یہ ہار جسے دیکھ رہے ہو میری بیوی خدیجہؓ کا ہے۔ انکی وفات کے بعد میں نے اسے اپنی بیٹی زینب کے حوالے کر دیا تھا۔ اس نے اپنے شوہر کو چھڑانے کے لئے یہ ہار اور دوسرا جو ہر اور تین ہزار درہم بھیجا ہے تاکہ اس کا شوہر چھوڑ دیا جائے۔ میری نظر جب اس ہار پر پڑی تو حضرت خدیجہ اور زینب دونوں یاد آگئیں اور میرے آنسو نکل پڑے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ میری تجویز ہے کہ حضرت زینب کے شوہر ابوالعاص کو فدیہ کے بغیر آزاد کر دیا جائے اور وہ تین ہزار درہم اور دونوں جواہر لے کر مکہ چلا جائے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے عمرؓ ہمارے اور دوسرے تمام لوگوں میں کوئی فرق نہیں ہے کہ میری لڑکی کا شوہر فدیہ کے بغیر آزاد ہو جائے مگر اس صورت میں کہ اس آزادی کے عوض ابوالعاص وعدہ کرے کہ وہ میری لڑکی کو طلاق دیدیگا اور وہ میرے پاس آکر مسلمان ہو جائے گی۔

مسلمانوں نے اسے درست سمجھا اور کہا کہ واقعی یہ ٹھیک نہیں ہے کہ پیغمبر کی لڑکی ایک مشرک

کی بیوی ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوالعاص آزاد ہو کر مکہ پہونچے اور زینب کو مدینہ روانہ کر دیا۔ لیکن جیسا کہ ہم آئندہ بیان کرینگے حضرت زینب کیلئے راستہ میں ایک ناگوار واقعہ پیش آیا۔ جنگ بدر کا ایک دوسرا قیدی جو پیغمبر اسلام کا عزیز تھا وہ پیغمبر اسلام کے چچا عباس تھے جنھیں موٹا تازہ ہونے کے باوجود ایک کوتاہ قد مسلمان سپاہی نے گرفتار کر کے پیغمبر اسلام کے سامنے پیش کیا تھا۔

حضرت محمدؐ بہت رحمدل تھے اور سب لوگوں کو دوست رکھتے تھے۔ آپ دیکھتے تھے کہ حضرت عباس گرفتار ہو گئے ہیں مگر ان کے لئے کچھ نہ کر سکتے تھے یعنی سردار کی حیثیت سے آپکی منصفی اجازت نہیں دیتی تھی کہ عباس کے ساتھ مساعدت کریں۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد جب قیدیوں کی نوبت آئی تو عباس نے عرض کیا کہ اے محمدؐ میں ایک پوشیدہ مسلمان تھا آپکو چاہیئے مجھے آزاد کر دیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا۔ "اسلام کوئی پوشیدہ مذہب نہیں ہے کہ مسلمان پوشیدگی میں مسلمان رہیں۔ دوسری بات یہ کہ آپکو میدان جنگ میں ہتھیار لئے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ مشرکوں کی صف میں ہتھیار لئے ہوئے حاضر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ خدا اور مسلمانوں سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اس وقت جبکہ گرفتار ہو گئے ہیں آزادی حاصل کرنے کے لئے فدیہ ادا کرنا چاہیئے۔"

جیسا کہ ہم نے بیان کیا حضرت عباس سوداگر اور صراف تھے۔ اس موقع پر بھی اپنا فن نہ بھولے اور فدیہ کے بارے میں بھاؤ کرنے لگے تاکہ فدیہ کچھ کم کرائیں۔ مگر جب دیکھا کہ حضرت محمدؐ فدیہ گھٹانے کے لئے تیار نہیں ہیں تو عرض کیا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اگرچہ گزشتہ زمانہ میں دولت مند آدمی تھا لیکن کاروبار میں مجھے نقصان ہو گیا میری پونجی ختم ہو گئی ہے۔ آپؐ نے یہ مقرر کیا ہے کہ غریب لوگ اپنے فدیہ کیلئے چند تلواریں اور نیزہ ادا کریں میں اس کے لئے تیار ہوں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں تحقیق کروں گا اگر معلوم ہوا کہ تم غریب ہو تو فدیہ جنسی (تلوار وغیرہ) تم سے قبول کر لیا جائے گا۔

جب حضرت عباس کو معلوم ہوا کہ حضرت محمدؐ تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ آیا وہ فدیہ دینے کی استطاعت رکھتے ہیں یا نہیں تو وہ چار ہزار درہم دینے کو تیار ہو گئے اور فدیہ دیکر آزادی حاصل

کرلی۔ آزاد ہونے سے پہلے چونکہ حضرت عباس کے پاس پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لئے وہ ننگے رہ گئے تھے۔ ایک جوان مسلمان کو جس کا نام ابن ابی تھا عباس کی حالت پر رحم آیا اور انھیں ایک جامہ پیش کیا۔ پیغمبر اسلام کو یہ عمل پسند آیا۔ آپ نے اسکے لئے دعا فرمائی۔

اس واقعہ کے دس برس بعد اس جوان کا باپ ابی جو مکہ کا باشندہ اور پیغمبر اسلام کا دشمن تھا مرگیا۔ اسکے پاس کفن نہ تھا۔ پیغمبر اسلام اپنا کپڑا لائے اور اس خدمت کے عوض جو ابی کے بیٹے نے جنگ بدر کے بعد آپکے چچا کے ساتھ کیا تھا ابی کو پہنا دیا۔ اور اسے دفن کر دیا۔ مقصد یہ کہ حضرت محمدؐ اگرچہ احکام خداوندی جاری کرنے میں سخت تھے لیکن صلہ رحمی کو فراموش نہیں کرتے تھے۔ اور اپنوں کو دوست رکھتے تھے۔

بدر کی لڑائی نے اسلام کے لئے توفیق کے دروازے کھولدئے اسکے بعد مسلمان اس قدر قوی ہو گئے کہ میدان جنگ میں دس ہزار گھوڑے لیکر جا سکتے تھے۔ حالانکہ جنگ بدر میں صرف دو گھوڑے تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں میں جس قدر جنگ بدر مشہور ہے دوسری بڑی لڑائیاں مشہور نہیں ہیں۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جب حضرت محمدؐ نے اپنی رسالت شروع کی تو ابولہب نے اپنے لڑکے کو حکم دیا کہ پیغمبر اسلام کی لڑکی رقیہ کو طلاق دیدے۔ حضرت رقیہ کا تعلق باپ سے بہت تھا۔ خانہ کعبہ میں جب لوگوں نے حضرت محمدؐ کو اونٹ کی اوجھڑی کا پھندا لگا کر مارڈالنا چاہا تھا تو یہ دوڑ کر وہاں گئی تھیں اور انھیں چھڑایا تھا۔ جب ابولہب کے لڑکے نے حضرت رقیہ کو طلاق دیدی تو انھوں نے چند مہینہ صبر کیا پھر حضرت عثمان کے نکاح میں آگئیں۔ حضرت عثمان مالدار جوان تھے۔ رقیہؓ سے نکاح کرنے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ حبشہ چلے گئے تھے۔

بقول مورخین اسلام (جن میں طبری بھی شامل ہیں جو سب سے زیادہ قابل اعتماد مورخ ہیں) حضرت رقیہ عرب کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت تھیں۔ جب وہ اپنے شوہر حضرت عثمان کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں تو انکی خوبصورتی کی شہرت تمام حبشہ میں پھیل گئی تھی لوگ دور دراز سے چل کر حضرت رقیہ کے مکان پر پہونچتے تھے تاکہ اس خوبصورت عورت کو دیکھیں۔

جب رقیہ اور انکے شوہر حبشہ سے واپس ہوئے تو تمام مسلمانوں کی طرح مدینہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ جب بدر کی تیاری ہونے لگی تو اتفاق سے حضرت رقیہ بیمار ہو گئیں۔ لہٰذا جب حضرت محمدؐ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کو جانے لگے تو حضرت عثمان کو بیوی کی تیمارداری نیز مدینہ کی نگرانی کے لئے چھوڑ گئے۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر جب حضرت محمدؐ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے تو حضرت رقیہ کی حالت زیادہ خراب ہو چکی تھی یہاں تک کہ وہ دنیا سے چل بسیں۔

حضرت محمدؐ لڑکی کی وفات سے بہت متاثر ہوئے کیونکہ اپنے خاندان والوں سے بہت محبت رکھتے تھے۔ انکی موت نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ابھی حضرت رقیہ کی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ آپ پر دوسری مصیبت آپڑی۔ آپ کا پہلا نواسہ پھر آپکی لڑکی زینب یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اسکی توضیح یہ ہے:۔

جیسا کہ بیان ہو چکا۔ پیغمبر اسلام کا داماد ابوالعاص آزاد کر دیا گیا تھا تاکہ مکہ جائے اور اپنی بیوی زینب (دختر پیغمبر) کو طلاق دیکر مدینہ پہونچائے۔ جب پیغمبر اسلام نے ہجرت کی تھی تو زینبؓ کے سوا آپکی تمام لڑکیاں مدینہ چلی آئی تھیں۔ چونکہ زینب نے اپنے بت پرست شوہر کے ساتھ مکہ میں رہنا چاہا تھا لہٰذا ابوالعاص بدر کی لڑائی میں شریک ہوا اور گرفتار ہو گیا۔ جب آزاد ہو کر مکہ پہونچا تو اپنا وعدہ پورا کر دیا اور اپنے بھائی کی نگرانی میں حضرت زینب کو مدینہ بھیجدیا

جب قریش کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام کی لڑکی مدینہ کا ارادہ کرتی ہے تاکہ اپنے باپ سے مل جائے تو اسے روکنا چاہا۔ لہٰذا جیسے ہی حضرت زینب کا قافلہ مکہ سے باہر ہوا قریش کے کچھ لوگوں نے صبر کی سرداری میں اس پر حملہ کر دیا تاکہ زینب کو مدینہ جانے سے روکدیں۔ ابوالعاص کے بھائی کنہٗ اور دوسرے لوگوں نے جو زینب کے ساتھ تھے مدافعت کی اور قریش والوں کو یہ موقع نہ دیا کہ وہ زینب کو واپس لے جائیں۔ لیکن حضرت زینب مکہ سے روانگی کے وقت حاملہ تھیں ہنگامہ کے وقت اونٹ سے گر پڑیں اور بچہ ساقط ہو گیا۔ چونکہ بچہ قبل از وقت پیدا ہوا تھا اس لئے دنیا سے چل بسا۔ یہ بچہ حضرت محمدؐ کا پہلا نواسہ تھا۔

جب حضرت محمدؐ کو معلوم ہوا کہ زینب کے قافلہ پر ضبر نے حملہ کیا تھا جس سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تو حکم دیا کہ ضبر کو پکڑ لائیں۔ جب ضبر کو مدینہ لایا گیا تو حضرت زینبؓ (جن کا بچہ ساقط ہو گیا اور انھیں مدینہ پہونچا دیا گیا تھا) عارضہ مذکور کے باعث دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔ اس طرح سے پیغمبر اسلام کی دو لڑکیاں دنیا سے رخصت ہو گئیں اور اپنے باپ کو داغ مفارقت دے گئیں۔

جب ضبر کو مدینہ لایا گیا تو ایک مسلمان نے کہا کہ اسے زندہ جلا دیا جانا چاہئے۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ صرف خدائے تعالیٰ (جو آگ اور انسان کا مالک ہے) جہنم کی آگ میں جلا سکتا ہے۔ میں جلانے کا حکم نہیں دے سکتا۔ دوسرے مسلمانوں نے عرض کیا کہ ضبر کو قتل کر دیا جائے لیکن پیغمبر اسلام اس قدر رحیم تھے کہ اس کے قتل کو معاف کر دیا۔

حضرت زینب کے انتقال سے پہلے ایک واقعہ پیش آیا کہ عورتوں کے حقوق کے لحاظ سے اس کا ذکر ضروری ہے۔ ابوالعاص اپنی بیوی زینب سے محبت رکھتا تھا۔ زینب کو بھی اس سے تعلق تھا۔ وہ چھپ کر مکہ سے مدینہ پہونچا۔ جیسے ہی وہ مدینہ پہونچا زینب مسجد میں گئیں اور بلند آواز سے اپنے باپ اور مسلمانوں سے عرض کیا کہ میرے سابق شوہر ابوالعاص کو اپنے پڑوس میں پناہ دیں۔ ہم نے گذشتہ صفحات میں عرض کیا ہے کہ عرب بدوؤں کے حقوق میں سے حق جوار (پڑوس میں پناہ دینا) بھی ایک حق تھا جو باہر والوں کو دیا جاتا تھا۔ جب کسی کو یہ حق حاصل ہو جاتا تھا تو وہ محفوظ ہو جاتا تھا۔ عربی عورتوں کا حق جوار مردوں سے زیادہ تھا یعنی عرب والے عورتوں کے احترام کے اس قدر قائل تھے کہ اگر کوئی باہری شخص کسی عورت کے خیمہ میں پہونچ جاتا تھا تو جیسے ہی اس کا ہاتھ خیمہ کی رسّی پر پڑتا تھا اور وہ پناہ مانگتا تھا، حق جوار میں وہ شامل ہو جاتا تھا۔ ایک خارجی شخص اگرچہ گنہگار اور بھاگا ہوا ہوتا تھا جب کسی عربی عورت کے پاس پہونچ جاتا تھا اور وہ عورت اپنا دوپٹہ اس کے چہرہ پر ڈال دیتی تھی تو وہ شخص حق جوار سے فائدہ اٹھا لیتا تھا۔ وہ اس عورت کا پڑوسی بن جاتا تھا اور کوئی شخص اسے گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ پیغمبر اسلام کی لڑکی ابوالعاص کو حق جوار عطا کر رہی ہے تو وہ پیغمبر اسلام کی طرف دیکھنے لگے تاکہ معلوم ہو کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ زینب اس مرد کو (جو ایام گذشتہ میں ان کا شوہر تھا) حق جوار دے سکتی ہیں۔ میری لڑکی اس مرد کی گذر اوقات کے لئے مدد کر سکتی ہے مگر اس کے ساتھ ایک مکان میں نہیں رہ سکتی کیونکہ ایک مسلمان عورت کو ایک مشرک کے ساتھ ایک مکان میں نہیں رہنا چاہیئے۔ بعد میں ابوالعاص مسلمان ہو گئے اور پھر زینب کے شوہر بھی ہو گئے مگر اس جدید زن وشوئی کے تھوڑے عرصے بعد حضرت زینب دنیا سے رخصت ہو گئیں اور پیغمبر اسلام کو ہمیشہ کیلئے داغ مفارقت دے گئیں۔

مکّہ میں جنگ بدر کا اثر (ردعمل)

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام نے مدینہ والوں کے لئے ایک اساسی قانون بنا دیا تھا جس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ مدینہ کے یہودی حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے خلاف مکہ والوں کے ساتھ متحد نہ ہو جائیں۔ لیکن مدینہ کے یہودیوں نے اسکی خلاف ورزی کی اور مدینہ سے چند یہودی شاعر مکہ پہونچے تاکہ مکہ والوں کو حضرت محمدؐ کے خلاف بھڑکائیں۔ ان شاعروں میں ایک شخص کعب بن الاشرف تھا جو سب سے زیادہ مشہور تھا۔

مدینہ کے یہودی شاعر ایسے وقت مکہ پہونچے جبکہ مکہ والوں میں حضرت محمدؐ کے خلاف غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی اور قریش کی جماعت نے یہ تجویز پاس کی تھی کہ "مقتولین پر آنسو نہ بہائے جائیں بلکہ ان کا بدلہ لیا جائے"۔ مقتولین سے مراد جنگ بدر کے مقتول تھے۔ شہر میں یہ حکم نافذ کر دیا گیا تھا کہ جنگ بدر کے مقتولوں پر جو شخص گریہ کرے گا چاہے مرد ہو یا عورت اسے قبیلہ سے نکال دیا جائے گا۔ عرب میں مطرود (قبیلہ سے نکالا گیا) ہونا ایک ایسی سزا تھی جو مٹ جانے سے بھی بدتر تھی۔ جیسا کہ پیشتر اسکی شرح گذر چکی ہے۔ اس وجہ سے وہ عورتیں جنکے بچے جنگ بدر میں مارے گئے تھے گریہ نہ کر سکتی تھیں۔

ایک رات ایک غمزدہ ماں نے رونے کی آواز سنی (کہ ایک عورت رونے میں مشغول ہے) تو اسے حیرت ہوئی کیونکہ معلوم تھا کہ کسی کو رونے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ عورت گھر سے نکلی اور آواز کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جس گھر سے آواز آ رہی تھی وہاں پہونچ گئی گھر میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت آنسو بہا رہی ہے۔ اس سے پوچھا کہ اے

ماں کیا رونے پر جو پابندی تھی اسے اٹھا دیا گیا کہ تم رو رہی ہو؟ اس بوڑھی عورت نے کہا کس لئے ایسا سوال کرتی ہو؟ عورت بولی میرا دل غم سے بھرا ہوا ہے میں چاہتی ہوں کہ اپنے لڑکے کے لئے جو جنگ بدر میں مارا گیا ہے گریہ کروں لیکن ڈرتی ہوں کہ اگر آنسو بہاؤں گی تو مجھے مطرود (خارج) کر دیا جائے گا۔ ابھی رونے کی آواز سنی تو دوڑ کر آئی تاکہ معلوم کروں کہ کیا رونے کی اجازت ہو گئی ہے اگر ایسا ہے تو بہتر ہے کہ ہم اور تم دونوں مل کر روئیں۔

غمزدہ بوڑھی عورت کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ کہے کہ جنگ بدر میں مارے گئے لڑکے پر گریہ کرتی ہے بلکہ اس نے کہا کہ میں لڑکے کے لئے گریہ نہیں کرتی ہوں۔ میرے نزدیک اسکی موت کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن میرا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے جس سے مجھے بیحد رنج ہے۔ میں اونٹ کے لئے روتی ہوں لڑکے کے لئے نہیں۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ والے قریش سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ غمزدہ عورتیں جنگ بدر کے مقتول بچوں پر رونے کے لئے اونٹ کے گم ہونے کو بہانہ بناتی تھیں۔ جنگ بدر میں ابوجہل کے مارے جانے کے بعد مکہ میں حضرت محمدؐ کے خلاف ایک سہ نفری جماعت عمل میں آئی جس ایک ابولہب دوسرا ابوسفیان تیسرے صفوان ابن امیہ تھا۔ ان تینوں نے عہد کیا کہ ہم اسوقت تک خاموش نہ ہوں گے جب تک کہ اسلام اور محمدؐ کو نیست و نابود نہ کر دیں گے۔

بدر کی لڑائی میں ابولہب شریک نہ ہوا تھا حالانکہ عرب کی رسم کے مطابق اسے شریک ہونا چاہئے تھا۔ لیکن چونکہ اس وقت وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا اس لئے عاص بن ہشام نامی ایک شخص کو اجرت پر بلایا کہ اسکے بجائے لڑائی میں شریک ہو اور اسکے عوض میں چار ہزار درہم مزدوری لے لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابولہب کے بجائے عاص بن ہشام لڑائی میں شریک ہوا۔

جب بدر کی لڑائی میں مشرکین کو شکست ہوئی اور وہ لوگ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے فدیہ دینے پر مجبور ہوئے تو ابولہب حضرت محمدؐ کے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس کام کے لئے اس نے یہ ترکیب سوچی کہ ایک آدمی کو اجرت دے کر مدینہ بھیجے جو وہاں جا کر حضرت محمدؐ کو قتل

کردے ۔ مدینہ میں حضرت محمدؐ کو قتل کرنا بہت آسان تھا کیونکہ وہ اپنے لئے کوئی محافظ نہیں رکھتے تھے ۔ اور گھر کے اندر بند بھی نہ رہتے تھے ۔ علاوہ ازیں ہر شخص آپ کے گھر میں داخل ہو سکتا تھا ۔ جب لوگ آپؐ کے گھر میں داخل ہوتے تھے تو دیکھتے تھے کہ آپؐ اپنے اور اپنے گھر والوں کے جوتے ٹھیک کر رہے ہیں یا اپنے لباس کی مرمت کر رہے ہیں یا گھر کے کاموں میں گھر والوں کی مدد کر رہے ہیں

حضرت محمدؐ کے پاس ایک نوکر بھی تھا لیکن وہ آپ کی حفاظت نہ کرتا تھا ۔ وہ صرف دو کام کرتا تھا ایک یہ کہ جب مدینہ کے باہر سے کچھ لوگ آتے تھے اور حضرت محمدؐ سے ملاقات کرنا چاہتے تھے تو وہ ان کی رہنمائی کرتا تھا اور حضرت محمدؐ کے پاس لے جاتا تھا کیونکہ کبھی ایسا اتفاق پڑتا تھا کہ باہر والوں کے نمائندے آپؐ کے پاس آتے تھے تاکہ آپؐ سے ملاقات اور گفتگو کریں ۔

پیغمبر اسلام کے نوکر کا دوسرا کام یہ تھا کہ جب حضرت محمدؐ مسجد جاتے تھے تو یہ آپؐ کے جوتوں کی نگہبانی کرتا تھا ۔ مگر یہ اس خوف سے نہیں تھا کہ کوئی آپؐ کے جوتے اٹھا لے جائے گا کیونکہ مسلمانوں میں کوئی چور نہ تھا بلکہ ہر دفعہ جب نماز ختم ہو جاتی تھی اور مسلمان مسجد سے نکل کر اپنے جوتے پہن کر واپس ہونا چاہتے تھے تو ایک شخص آتا تھا اور عقل کی کمی کے باعث تمام جوتوں کو ملا دیتا تھا اس لئے حضرت محمدؐ کو اپنے جوتے لینے میں دیر تک تلاش کرنا پڑتی تھی لیکن جب آپؐ کا نوکر نگہبانی کرتا تھا تو یہ دشواری نہیں پیدا ہوتی تھی ۔ اور آپؐ آسانی سے اپنے جوتے پہن کر چلے جاتے تھے

چونکہ حضرت محمدؐ کی زندگی بہت سادہ تھی اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کوئی فرق نہ تھا اس لئے جو شخص آپکو قتل کرنا چاہتا تھا وہ ہر وقت اپنی خواہش پوری کر سکتا تھا ۔ ابولہب نے عمیر بن وھب کو پیغمبر اسلام کے قتل کے لئے مقرر کیا ۔ عمیر بن وھب کا لڑکا جنگ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا ۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے لڑکے کا فدیہ دینے کے لئے مدینہ جاتا ہے تاکہ اسے چھڑا لائے لیکن ابولہب ، ابوسفیان اور صفوان بن امیہ جانتے تھے کہ وہ حضرت محمدؐ کو قتل کرنے کے لئے مدینہ جاتا ہے ۔ ابولہب نے اسے سفر خرچ دیا اور اس کے اہل و عیال کے خرچے کی بھی ذمہ داری اپنے سر لی ۔

عمیر مدینہ پہونچا اور حضرت محمد کا پتہ معلوم کیا۔ لوگوں نے بتلایا کہ فلاں وقت وہ گھر میں رہتے ہیں۔ عمیر آپؐ کے گھر میں داخل ہوا اور دیکھا کہ آپؐ اپنی چادر دھو رہے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے سر اٹھا کر پوچھا کیا مجھ سے کوئی کام ہے؟ عمیر نے عرض کیا کہ اے محمدؐ میں دیکھتا ہوں کہ آپؐ ایک چادر دھو رہے ہیں۔ یہ کام پیغمبری کا دعویٰ کرنے والے کے شایان شان نہیں ہے (یعنی مناسب نہیں ہے) عمیر نے کہا کہ جو شخص اپنے کو پیغمبر کہتا ہے اسے اپنی چادر نہ دھونی چاہئے۔ یہ کام اسکے غلاموں اور کنیزوں کو کرنا چاہئے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میرے پاس غلام اور باندیاں نہیں ہیں۔ میں اپنے کام خود کرتا ہوں۔ تمہیں اطمینان دلاتا ہوں کہ چادر دھونے سے پیغمبر کی پیغمبری کم نہیں ہوتی۔ پھر حضرت محمدؐ نے گفتگو کا موضوع بدل دیا اور فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تم کس لئے یہاں آئے ہو۔ عمیر نے عرض کیا ہاں! اے محمدؐ میں آپؐ سے دریافت کرنے آیا ہوں کہ میرے گرفتار شدہ لڑکے کے لئے کتنا فدیہ دینا ہوگا بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت محمدؐ نے یہ بات سنی تو فوراً آپؐ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو اس کام کے لئے نہیں آئے ہو۔ تم مجھے قتل کرنے آئے ہو۔ عمیر نے یہ سنتے ہی اپنے جامہ سے نکال کر وہ خنجر زمین پر ڈال دیا جسے حضرت محمدؐ کے قتل کے لئے لایا تھا۔ اور عرض کیا کہ سوائے میرے اور مکہ کے تین آدمیوں کے جنھوں نے مجھے اس کام کے لئے مقرر کیا کسی کو معلوم نہ تھا کہ میں آپؐ کے قتل کے لئے یہاں آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ان تینوں نے یہ بات کسی سے نہیں کہی ہے۔ چونکہ آپؐ اس بات سے واقف ہیں اس لئے آپ سچے پیغمبر ہیں میں اسی وقت آپ کا مذہب قبول کرلیتا ہوں۔

روایت کرتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد عمیرؓ نے عرض کیا کہ اب تک میں نے اپنی قوت اشاعت اسلام کو روکنے کے لئے صرف کی تھی۔ اب میں اسے اسلام کی ترقی کے لئے صرف کروں گا۔ عمیر مکہ واپس چلا گیا۔ جب وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ ابولہب مرگیا ہے۔ اسکی موت کا قصہ اس طرح ہے:۔

مکہ میں ایک میدان تھا جسے مرد کہتے تھے۔ وہ قافلوں کے ٹھہرنے کی جگہ تھی۔ لوگ اپنے

جان پہچان والوں کو وہاں دیکھتے تھے اور مشاہدات دوسروں سے بیان کرتے تھے۔ ایک دن ابو لہب ادھر سے گذرا تو دیکھا کہ ایک عرب بدوی بات کرنے میں مشغول ہے۔ بہت سے لوگ اس کے اردگرد جمع ہیں اور بڑے غور سے اسکی باتیں سُن رہے ہیں۔

ابولہب آگے بڑھا تاکہ سنے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عرب بدوی جنگ بدر کے متعلق بیان کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس لڑائی میں پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اترے تھے۔ وہ مسلمانوں کی مدد کیلئے جنگ میں شریک ہوئے تھے اور انھوں نے ہی قریش کو شکست دی ہے۔ سامعین کو متاثر کرنے کے لئے اس عرب بدوی نے کہا کہ فرشتوں کے ایک حصہ کو میں نے خود آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کا لباس ایک خاص قسم کا تھا اور ان کے چہرے چمک رہے تھے۔

سامعین حیرت سے اسکی باتیں سن رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ اسکی باتوں سے بہت متاثر ہو رہے ہیں۔ حاضرین پر اسکی باتوں کا اثر دیکھ کر ابولہب بہت غصّہ ہوا اور کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں آئے ہیں اس عرب بدوی نے کہا کہ جس طرح میں تجھے دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں نے فرشتوں کو ایک خاص قسم کے لباس میں آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا ہے۔ ابولہب نے پھر انکار کیا اور کہا تو جھوٹا ہے اور ڈینگ مارنے والا ہے۔ سننے والوں کی ایک جماعت (جو اسکی باتوں سے متاثر ہوئی تھی) نے اسکی تصدیق کی اور کہا اگر جنگ بدر میں فرشتے مدد نہ کرتے تو قریش تین سو تیرہ آدمیوں سے شکست نہ کھاتے۔

دوسری جماعت نے ابولہب کی حمایت کی۔ ان دونوں جماعتوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اس میں ابولہب سخت زخمی ہوا۔ لوگ اسے گھر لے گئے اور بستر پر لٹا دیا۔ سات روز بعد وہ دنیا سے چل بسا۔ عربی مورخ عیسیٰ کہتا ہے کہ ابولہب جب بستر پر پڑا تو طاعون میں مبتلا ہو گیا تھا اور اسی میں اسکی موت ہو گئی۔ بیماری پھیلنے کے ڈر سے لوگوں نے اسکی میت کو شہر سے دور دفن کیا۔

اسی روز سے آج تک ہر مسلمان جو ابولہب کی قبر پر سے گذرتا ہے اسکی طرف ایک پتھر پھینکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔

ابولہب کے بعد ابوسفیان اسلام کے مخالفوں کا پیشوا بن گیا۔ اس کی بیوی صَنُت اپنے شوہر سے زیادہ حضرت محمدؐ کے ساتھ دشمنی کا اظہار کرتی تھی۔ (صَنُت لفظ صن کا مؤنث ہے اس کے معنی ہیں معمولی بے قیمت چیز۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب والے عورتوں کو بے قیمت سمجھتے تھے اس لئے ان کا نام صَنُت رکھتے تھے یعنی بے قیمت چیز)

جنگ بدر کے دو ہفتہ بعد اشراف مکہ نے ایک فوج مدینہ والوں کی سرکوبی کے لئے بھیجی۔ اور ابوسفیان کو سردار بنایا۔ ابوسفیان حضرت محمدؐ کا رضاعی بھائی تھا یعنی دونوں نے ایک دایہ کا دودھ پیا تھا۔ ابوسفیان کا اصلی پیشہ تجارت تھا۔ لیکن شعر بھی کہتا تھا خصوصاً حضرت محمدؐ کی ہجو کرنے میں مشہور تھا۔ ابوسفیان چار سو آدمیوں کے ساتھ ماہ محرم (جنگ کے متروکہ زمانہ) میں مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ مدینہ کے قریب اس نے اپنے آدمیوں کو کوہ نیب میں ٹھہرایا اور خود چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھا۔

قریش اور مدینہ کے یہودیوں میں اتفاق ہو گیا تھا کہ جب قریش کے لوگ حضرت محمدؐ اور مسلمانوں پر حملہ کریں گے تو یہودی قریش کی حمایت کیلئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ابوسفیان (جن کو اطمینان تھا کہ یہودی انکے ساتھ ہیں) مدینہ پہونچ کر ایک بڑے یہودی سلام بن میشام کے گھر پہونچا۔ سلام بن میشام نے ان کا شاہانہ استقبال کیا اور خورد و نوش کا بہترین انتظام کیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ابوسفیان نے مالک مکان سے کہا کہ میں یہودیوں کی بات پر اعتماد کر کے مدینہ آیا ہوں تاکہ آج رات کو تمہاری مدد سے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں پر حملہ کروں سلام بن میشام نے کہا کہ ہم اپنی بات پر قائم ہیں اور وعدہ کے مطابق مسلمانوں سے لڑنے میں آپکی مدد کے لئے بھی تیار ہیں لیکن ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ آپ اس قدر جلد آئیں گے اور جنگ کے لئے پیش قدمی کریں گے۔ ہم آج رات یا کل رات یا دوسری راتوں میں جنگ نہیں کر سکتے۔

ہاں اگر کچھ وقت گذر جائے اور ہم تیاری کر لیں تو جنگ کر سکتے ہیں۔

ابوسفیان کا (جو رات کے وقت حضرت محمدؐ اور مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا) نقشہ بگڑ گیا اور وہ بہت رنجیدہ ہوا۔ چنانچہ مدینہ سے واپسی کے وقت جب وہ یہودیوں کے عریق نامی محلہ سے گذرا تو مسلمانوں کے مکانات جلا دئے۔ دو آدمیوں کو مار ڈالا اور لوٹ کر بہت سا مال غنیمت لے بھاگا جس میں جو کے ستو سے بھری ہوئی ہانڈیاں بھی شامل تھیں۔ جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان مدینہ آیا ہے اور محلہ عریق میں مسلمانوں کے گھر جلا دئے اور دو آدمیوں کو مار ڈالا نیز مسلمانوں کا مال و اسباب لوٹ لیا تو وہ لوگ اسکے تعاقب میں نکل پڑے۔

جلدی بھاگ جانے کے خیال سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے ستو بھری ہانڈیاں اونٹوں اور گھوڑوں کی پیٹھ سے نیچے گرا دیں۔ اسی وجہ سے عرب کی تاریخ میں اس واقعہ کو غزوۂ سویق کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ مکہ والوں کو متنبہ کرنے کے لئے پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مدینہ سے گذرتے ہوئے مکی قافلوں پر حملہ کریں۔ ایک دن خبر پہونچی کہ ایک مکی قافلہ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ کی سرداری میں خیبر سے واپس آ رہا ہے۔ قافلہ مکہ جانے والا ہے اور اس میں چاندی لدی ہوئی ہے۔

خیبر مدینہ کے شمال میں ایک شہر تھا۔ وہاں یہودیوں کی آبادی تھی۔ ان میں اکثر زرگر (سنار) تھے۔ یہ لوگ چاندی کے برتن اور سونے کی آرائشی چیزیں بناتے تھے۔ اس کے علاوہ قیمتی برتن بھی بناتے تھے۔

خیبر کے یہودی نہ صرف چاندی کے برتن اور آرائشی آلات فروخت کرتے تھے بلکہ کرایہ پر بھی دیتے تھے۔ اشراف مکہ جب شادی کرتے تھے یا دعوت کرتے تھے تو خیبر کے یہودیوں سے برتن اور زینت کا سامان کرایہ پر لیتے تھے۔

پیغمبر اسلام کی ہجرت سے چند سال پہلے مکہ کے ایک بڑے شخص نے ایک بڑے جشن کیلئے بہت سے قیمتی برتن اور زینت کے سامان خیبر کے یہودیوں سے کرایہ پر لئے تھے۔ اتفاق سے اس میں

سے کچھ چیزیں گم ہوگئیں اور قوی احتمال ہے کہ چرا لی گئیں۔ خیبر کے یہودیوں نے اپنا سامان طلب کیا اور اس کے بدلے سونے کے دس ہزار درہم (اپنے سامان کی قیمت) وصول کئے۔ خیبر کے یہودی کسی شہر کے باشندوں کو چاندی سونے کے برتن اور سامان دینے سے پہلے تحقیق کر لیتے تھے کہ سامان گم ہوجانے پر اسکی قیمت وصول کر سکیں گے یا نہیں۔ وہ اطمینان حاصل کئے بغیر کسی کو چاندی سونے کے برتن اور زینت کے سامان کرایہ پر نہیں دیتے تھے۔

ایک بار زید بن حارث کی سرکردگی میں سو مسلمان مدینہ سے نکل پڑے تاکہ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ کے قافلہ پر حملہ کریں۔ نجد کے علاقہ میں القرادہ چشمہ کے کنارے مسلمانوں نے مکہ کے قافلہ کو پا لیا اور اسی وقت اس پر حملہ کر دیا۔ ابوسفیان اور صفوان بن امیہ بھاگ گئے اور قافلہ کا تمام مال و اسباب (جن میں چاندی کے برتن اور آلات تھے) مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ اس لڑائی میں ایک لاکھ درہم کے چاندی کے برتن اور آلات مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔ مکہ کا یہ پہلا قافلہ تھا جو براہ راست مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس قافلہ کے مال پر قبضہ کر کے مسلمانوں نے غزوہ سویق کی تلافی کر لی۔ جب مکہ والوں کو خبر ملی کہ خیبر سے آنے والے قافلہ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے تو ان کے غصہ اور جذبۂ انتقام کی آگ اور تیز ہوگئی اور وہ تیسری جنگ کی تیاری میں مشغول ہوگئے۔

مدینہ سے یہودیوں کا اخراج

جس وقت مکہ والے (کفار و مشرکین) مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ایک بڑی جنگ کی تیاری میں مشغول تھے اس وقت مدینہ والے (اسلام کے مخالفین اشعار کے ذریعہ) مسلمانوں کی ہجو میں لگے ہوئے تھے۔ ہم اس تاریخی بحث میں بتا چکے ہیں کہ عرب میں کلام کی بہت اہمیت تھی اور لوگوں پر اس کا زبردست اثر ہوتا تھا۔ منظوم کلام کا اثر اور بھی زیادہ تھا۔ سیاسی لڑائیوں میں شعر کی ایک قسم ہجو کا اتنا زیادہ اثر ہوتا تھا کہ اس کا زخم عربوں کے عقیدہ کے مطابق تلوار اور نیزے کے زخم سے بھی بڑھ کر ہوتا تھا۔

مدینہ کے شاعروں میں کعب بن الاشرف ایک شخص تھا جو حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا۔ (ہم نے اس سے پیشتر بھی اس کا نام ذکر کیا ہے) یہ شخص مدینہ سے رخصت ہو کر مکہ پہونچا۔ چند مہینے وہاں قیام کیا اور مکہ والوں کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا۔ جب اس کا کام ختم ہو گیا تو پھر مدینہ واپس چلا آیا۔ مدینہ کی واپسی کے بعد کعب بن الاشرف جو اشعار حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کی ہجو میں گاتا تھا ان کو عام مجمعوں اور ہر ایسی جگہ میں جہاں لوگ جمع ہوتے تھے یا تو خود مخصوص آواز کے ساتھ پڑھتا تھا یا دوسرے لوگوں کو تلقین کرتا تھا کہ یہ اشعار پڑھیں۔

مدینہ کا دوسرا مشہور شاعر جو حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا ایک عورت تھی جس کا نام اسما بنت مروان تھا۔ یہ مدینہ کی خوبصورت عورت تھی۔ شاعری کے لئے موزوں طبیعت رکھتی تھی۔ اس نے خدا رسول، قرآن، جبرئیل وغیرہ کی بہت ہجو کی تھی۔ اور اس سے مدینہ کے

مسلمان بہت متاثر ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت محمدؐ بھی اس کے اشعار سے غمگین ہو گئے تھے چونکہ آپؐ ایک حلیم الطبع انسان تھے اس لئے صبر کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔ خدائے تعالیٰ قرآن شریف کی سورہ (العصر) میں اس طرح فرماتا ہے وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ خدا زمانہ کی قسم کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ قسم ہے زمانے کی انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور راہ حق اور صبر کی وصیت کی۔ قرآن شریف میں صبر اور بردباری کو متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ ہر بار خدا نے لوگوں کو بردبار ہونے کی وصیت کی ہے کہ بردباری کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ پیغمبر اسلام خود اس پر ثابت قدم رہے ہیں۔

مسلمان حضرت محمدؐ کی طرح صبر نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں شاعروں کی ہجو گوئی سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ وہ سنتے تھے کہ شعراء مذکور خدا اور خدا کے رسول کی بدگوئی کرتے ہیں، مسلمان اپنے لئے بدگوئی برداشت کر سکتے تھے لیکن خدا اور خدا کے رسول کی بدگوئی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن رات کے وقت ایک نابینا مسلمان اسماء بنت مروان کے گھر گیا اور اسکے سینے میں خنجر گھونپ کر اسے ہلاک کر ڈالا۔ دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ ہجو گو شاعرہ اسماء ایک نابینا کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئی تو لوگ تعجب میں پڑ گئے کیونکہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ نابینا شخص کس طرح اسماء کے گھر میں داخل ہوا اور اسے موجود پا کر ہلاک کر دیا۔ یہاں تک معلوم ہوا کہ وہ شخص اسماء کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہے اور مدت تک اس کے ساتھ رہا ہے۔ اس کے مکان سے بخوبی واقف اور اس کی عادتوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ عورت کہاں سوتی ہے۔

ایک نابینا کے ہاتھوں اسماء کے ہلاک ہونے کی خبر مدینہ میں پھیل گئی اور سب لوگوں کو اسکی اطلاع ہو گئی۔ حضرت محمدؐ مسجد میں تھے، انھیں بھی یہ خبر پہونچ گئی۔ نابینا قاتل مسجد میں

حاضر ہوا۔ حضرت محمدؐ نے اس سے دریافت کیا "کیا تم نے اسما کو قتل کیا ہے؟" نابینا نے کہا "ہاں اے محمدؐ میں نے آج رات اسے قتل کر دیا ہے۔ اس پر مجھے ذرا بھی پشیمانی نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ مسئلہ اس قدر معمولی ہے کہ اس معاملے میں دو بکریاں بھی شاخ بہ شاخ نہ ہوں گی (نہ لڑینگی)" لیکن پیغمبر اسلام اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے تھے کیونکہ آپ کو جنایت سے سخت نفرت تھی لیکن آپ اسماء کے قاتل سے بدلہ لینے کے لئے کوئی اقدام نہ کر سکے کیونکہ مدینہ کے قانون کے مطابق ہر قبیلہ اندرونی معاملات میں خود مختار ہوتا تھا۔ جب قاتل و مقتول دونوں ایک قبیلہ کے ہوتے تھے تو دوسرا قبیلہ بدلہ لینے کے لئے اقدام نہیں کر سکتا تھا اور مقتول کا بدلہ قبیلہ والوں کے حوالے ہوتا تھا۔ کیونکہ قبیلہ کے تمام افراد ایک بڑے گھرانے کے اعضا شمار ہوتے تھے زیادہ سے زیادہ اتنا فرق ہوتا تھا کہ بعضے قریبی رشتہ دار شمار ہوتے تھے اور بعضے دور کے رشتہ دار سمجھے جاتے تھے۔

اسماء کے بعد دوسرا شاعر کعب بن الاشرف تھا۔ اسے بھی ایک مسلمان نے قتل کر دیا۔ اس مرتبہ بھی قاتل و مقتول دونوں ایک قبیلہ کے تھے اس لئے حضرت محمدؐ بدلہ لینے کے لئے اقدام نہ کر سکے۔ مدینہ میں ایک تیسرا شاعر بھی تھا جس کا نام ابو عفک تھا۔ وہ بھی خدا و رسولِ خدا اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا۔ اسے بھی اس کے قبیلے کے ایک مسلمان نے قتل کر دیا۔ اس طرح تینوں ہجو گو شاعر یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کر دیئے گئے اور اس طرح سے کہ پیغمبر اسلام بدلہ لینے کے لئے کوئی اقدام نہ کر سکے۔

ان تین شاعروں کے قتل کے بعد بھی مسلمانوں کی ہجو ہوتی تھی کیونکہ مدینہ کے یہودی ہجو کے اشعار گاتے تھے اور مسلمانوں کو ستاتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے یہودیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو نہ ستائیں کیونکہ انھوں نے بنیادی قانون کو تسلیم کر لیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ زندگی گذاریں گے۔ اور مسلمانوں کے دشمنوں سے اتحاد و اتفاق نہ کریں گے۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات بہتر بنانے کے خیال سے حضرت محمدؐ ایک روز سناروں کے

سنار کے پاس بھی تشریف لے گئے ۔ میں اس سے قبل یہ بتا چکا ہوں کہ مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے تھے جن کا پیشہ الگ الگ تھا۔ کچھ سنار تھے کچھ دباغ تھے اور کچھ دوسرا پیشہ کرتے تھے ۔

چونکہ سناروں کا سردار اس بات سے واقف تھا کہ مکہ سے ہزاروں کی فوج مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے آرہی ہے اس لئے حضرت محمدؐ کے ساتھ اس نے سرد مہری برتی ۔ یہ سرداران لوگوں میں سے تھا جنھوں نے مکہ والوں کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا کہ جب مکہ کی فوج مدینہ پہونچے گی تو یہ قریش کی مدد کریں گے تاکہ حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں ۔ (اس تفصیل کی ضرورت نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی اس حرکت سے مدینہ کے بنیادی اصول کی قانون شکنی کی)

حضرت محمدؐ مدینہ کے سناروں کے سردار کے گھر گئے اور پہلی نشست میں مدینہ کے اساسی قانون کے بارے میں گفتگو کی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اساسی قانون کا احترام سب پر واجب ہے چاہے یہودی ہوں چاہے مسلمان ۔ کسی کو بھی اس کے خلاف نہ کرنا چاہیئے ۔ پھر آپؐ نے گفتگو کا رُخ مسلمانوں اور یہودیوں کی طرف پھیر دیا اور فرمایا کہ مسلمانوں نے قانون شکنی کیلئے کوئی اقدام نہیں کیا ہے اور یہودیوں کے ستانے کے درپے نہیں ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود یہودی ہجو کے اشعار پڑھ کر مسلمانوں کو ستاتے ہیں ۔ مسلمان صبر و ضبط کرتے ہیں تو یہودیوں کی ہمت اور بڑھ جاتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان یہودیوں سے ڈرتے ہیں ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے مسلمانوں نے آخری لڑائی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ کسی سے خوف نہیں کھاتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں چاہتے کہ مقابلہ کیلئے قدم بڑھا کر مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات خراب کریں ۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یہودی بھی مسلمانوں کو نہ ستائیں اور مدینہ کے بنیادی اصول کا احترام کرتے رہیں ۔

یہودی سناروں کے سردار نے بے اعتنائی ظاہر کرنے کے لئے حضرت محمدؐ کا نام نہ لیا بلکہ آپؐ کی کنیت ابوالقاسم استعمال کی اور کہا "اے ابوالقاسم جنگ بدر نے آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو مغرور کر دیا ہے ۔ آپؐ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح جنگ بدر میں مکہ والوں پر (جو کہ

تعداد میں آپؐ سے زیادہ تھے) غالب آ گئے ہیں اسی طرح سب پر غالب آجائیں گے۔ آپ اس بات سے غافل ہیں کہ جنگ بدر میں جن لوگوں سے آپؐ لڑے ہیں وہ آپ ہی کی نسل کے تھے آپؐ نے ابھی تک یہودیوں سے لڑائی نہیں کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ بہادر لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ ہم بہادر لوگ ہیں۔ ہم مستقل مزاج اور لڑائی کے فن میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں جو ہم سے لڑے گا وہ شکست کھائے گا۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ آپ سے دوستی چاہتے ہیں لیکن ہم محسوس کرتے ہیں (جیسا کہ مشہور ہے) کہ ایک بڑی فوج مدینہ کی طرف آئے گی۔ اگر آپ ہم سے دوستی کی خواہش نہیں رکھتے ہیں تو اس فوج کی آمد پر غیر جانبدار تو رہ سکتے ہیں۔

یہودی مکہ کی فوج کی آمد سے اس قدر خوش تھے کہ سناروں کا سردار کھل کر غیر جانبداری ظاہر کرنے کے لئے تیار نہ ہوا اور کہا کہ یہ بات مسلمانوں کی روش سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر مسلمانوں کی روش مکہ کی فوج کی آمد تک اطمینان بخش رہی تو ہم بھی غیر جانبدار رہیں گے۔

طعنہ زن یہودی اور ہجو گو شعراء کے سامنے مسلمان چپ رہتے تھے تاکہ انھیں بدنام کرنے کے لئے بہانہ نہ ملے۔ مسلمان کوئی جواب نہ دیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہودی دشمنی رکھتے ہیں لہٰذا جب مکہ کی فوج مدینہ پہونچ جائے گی تو وہ دو تلواروں کے بیچ میں ہوں گے۔ باہر سے مکہ والے اور اندر سے مدینہ والے یہودی مسلمانوں پر حملہ آور ہوں گے۔

جب مسلمان یہودیوں کے ساتھ صلح کی بات چیت کر رہے تھے ایک دن ایک جوان مسلمان عورت یہودی سناروں کے محلہ سے گذری۔ چند یہودی جوانوں نے اسے گھیر لیا۔ اور نامناسب الفاظ استعمال کئے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ چاہا کہ اس کے کپڑے اتار لیں۔ اسی حال میں جبکہ یہودی لڑکوں نے اسے گھیر لیا تھا ایک یہودی سنار اپنی دوکان سے نکلا اور اس عورت کا دامن ایک میخ سے پھنسا دیا۔ جب اس عورت نے بھاگنا چاہا تو چونکہ اس کا دامن میخ سے پھنسا ہوا تھا اس لئے جھٹکا لگتے ہی اس کا کپڑا بدن سے اتر گیا اور

وہ عورت ننگی رہ گئی۔

ایک مسلمان ادھر سے گذر رہا تھا۔ وہ یہودی سنار کے پاس گیا اور ایک گھونسا اس کے سر پر مارا۔ یہودی جوان اس سنار کی مدد کے لئے دوڑے۔ انھوں نے اس مسلمان پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ مسلمانوں نے سنار سے دیت کا مطالبہ کیا لیکن اس کے لئے وہ تیار نہ ہوئے۔ اُس وقت وہاں یہ دستور تھا کہ جب کوئی طائفہ کسی کو قتل کر دیتا تھا اور دیت نہ دیتا تھا تو اعراب بدوی کے مقررہ رواج کے مطابق جنگ کے لئے تیار سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ یہودی سناروں سے لڑائی کریں لیکن ان کی تعداد سات سو تھی۔ وہ اپنے گھروں میں (جو قلعہ کی طرح تھے) گھس گئے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے خوف زدہ نہ تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ چند دنوں میں بہت بڑی فوج ابوسفیان کی سرداری میں مکہ سے آرہی ہے انھیں صرف اس کا افسوس تھا کہ لڑائی چند روز پیشتر کیوں شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے یہودیوں کا محلہ گھیر لیا۔ وہ لوگ دو ہفتہ تک محصور رہے۔

ان دو ہفتوں میں مسلمان اور یہودی میں سے کسی فریق کا ایک فرد بھی مقتول یا زخمی نہیں ہوا۔ دو ہفتہ کے بعد یہودیوں کو معلوم ہو گیا کہ مکہ کی فوج ابھی اپنے شہر سے روانہ بھی نہیں ہوئی ہے کہ اس کے مدینہ پہونچنے کی امید کی جائے۔ یہودی سنار چونکہ تنگی میں گھر گئے تھے اس لئے گرفتار ہو گئے لیکن حضرت محمدؐ نے ان کے ساتھ نرمی برتی اور ہتھیار کے سوا کوئی چیز ان سے نہ لی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمھیں اختیار ہے چاہے مسلمان ہو جاؤ چاہے مدینہ سے نکل جاؤ۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ جاتے وقت جو کچھ تمہارا ہے سب لیتے جاؤ سوائے زمین کے کیونکہ زمین تمہارا مال نہیں ہے یہ خدا کی ہے۔ یہودی سنار اپنا مال حتیٰ کہ دروازے اور پنجرے وغیرہ بھی مدینہ سے لے گئے۔ شہر سے باہر نکل کر یہ لوگ دو دستوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک دستہ مکہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ مکہ کی فوج سے مل جائے اور واپس آکر مسلمانوں کو نیست و نابود کر دے۔

دوسرا دستہ دوسری طرف چلا کہ عرب کے کسی شہر میں جہاں یہودی رہتے ہوں پہونچ جائے۔

اگرچہ مدینہ سے یہودی سناروں کے نکل جانے سے اسلام کے دشمن گھٹ گئے لیکن پھر بھی مدینہ میں یہودیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ یہودی سناروں کے نکل جانے سے قریش مکہ کو بہت نقصان ہوا کیونکہ انھوں نے سات سو جنگی آدمیوں کو کھو دیا جو مدینہ پر حملہ کے وقت قریش کی مدد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

جنگ اُحدؔ

و شجاعتِ دلیرانِ اسلام

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابوسفیان چار سو سپاہیوں کے ساتھ مدینہ آیا تھا تاکہ یہودیوں کی مدد سے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دے لیکن یہودی ڈر گئے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ ابوسفیان نے مسلمانوں کے مکان پر حملہ کیا اور دو آدمیوں کو قتل کر کے بھاگ گیا۔ چونکہ مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا اس لئے اس کے ساتھیوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے جو کے ستو سے بھری ہوئی ہانڈیاں زمین پر ڈال دیں۔ اسی وجہ سے اس جنگ کا نام غزوہ سویق رکھا گیا کیونکہ عربی میں جو کے ستو کو سویق کہتے ہیں۔

ابوسفیان نے مکہ میں ایک بڑی فوج جمع کی اور مارچ ۶۲۵ء بمطابق شوال ۳ھ کو مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس مرتبہ ابوسفیان کے پاس تین ہزار جنگی آدمی تھے جن میں سے سات سو آہنی مرد تھے۔ صفوان بن امیہ اس فوج کا دوسرا حاکم تھا۔ ہم نے بیان کیا کہ سات سو آدمی آہنی تھے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سر و ملک کے سپاہیوں کی طرح ان کا لباس آہنی تھا۔ کیونکہ عرب کے بیابان میں آہنی لباس نہیں پہن سکتے۔ وہاں دھوپ اس قدر تیز ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص لڑائی میں شریک ہونے کے لئے وہ لباس پہنے گا تو آفتاب کی گرمی میدان جنگ میں جانے سے پیشتر اسے مار ڈالے گی۔

وہ سات سو سپاہی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ انکی زرہ تیر، تلوار اور نیزہ کو روک سکتی تھی اسی وجہ سے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے رؤمین تن (کانسہ کے بدن والے) شمار ہوتے تھے۔

قریش کے دو سو آدمیوں کے پاس گھوڑے تھے اور سوار تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے ان دو سو آدمیوں کا سردار خالد بن ولید نامی ایک شخص تھا جو عرب بلکہ ساری دنیا کے بڑے جنگی آدمیوں میں سے شمار ہوتا تھا۔ اس کی شجاعت، بردباری اور دشمن کے کمزور مقاموں کی طرف تیزی سے پلٹنے کو تمام مؤرخوں نے تسلیم کیا ہے۔

میدان جنگ میں جس وقت تیروں کی بارش ہوتی تھی اس وقت وہ اس قدر بیخوف رہتے تھے کہ گویا گھر میں کھانے کے دسترخوان پر آسودگی سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور کھانا کھانے میں مشغول ہیں۔ وہ جب حملہ کرتے تھے تو اس قدر تیز ہوتے تھے کہ ایک لحظہ میں ایک طرف سے دوسری طرف پہونچ جاتے تھے۔ خالد بن ولید بعد میں مسلمان ہو گئے اور جنگوں میں اس قدر لیاقت و شجاعت دکھلائی کہ مسلمانوں میں خالد سیف اللہ (خالد خدا کی تلوار) کے لقب سے مشہور رہوئے۔ لیکن یہی خالد ۳ھ میں حضرت محمدؐ اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ آئے تھے۔ قریش کا دوسرا سردار جو ابوسفیان کے ساتھ مدینہ آیا تھا عکرمہ بن ابوجہل تھا جو اپنے باپ ابوجہل کی طرح حضرت محمد سے دشمنی رکھتا تھا۔

ابوسفیان کی بیوی ہند بھی اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ آئی تھی تاکہ اپنی منت مسلمانوں کے معاملہ میں پوری کرنے اور میدان جنگ میں مسلمانوں کے ناک کان اپنے ہاتھ سے کاٹے پھر ان کا ہار بنا کر گلے میں پہنے۔ قریش میں ایک دوسری عورت بھی تھی کہ اگر اس کا نام ذکر نہ کیا جائے تو یہ ایک ناقابل بخشش گناہ ہوگا۔ اس کا نام عمرہ علقمہ تھا۔ اسکی عمر ۳۵ یا ۴۰ سال تھی اس کا بدن لمبا چوڑا اور خوبصورت تھا جیسا کہ بیان کریں گے۔ جنگ احد میں اس عورت نے خود سے جس رہنمائی کا ثبوت دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

بتاریخ ۲۰ مارچ ۶۲۵ء مطابق ۱۲ شوال ۳ھ روز چہارشنبہ کو قریش کی تین ہزار فوج مدینہ پہونچی اور شہر کے شمال میں ٹھہر گئی۔ ہر شخص جانتا تھا کہ مکہ مدینہ کے جنوب میں ہے اسی لئے مسلمان مکہ سے شام جانے والے قافلوں کو روکنے پر قادر تھے۔ لہٰذا جو فوج مکہ سے مدینہ کی طرف

گئی اسے چاہیئے تھا کہ جنوب کی طرف سے مدینہ میں داخل ہو یا مدینہ کے جنوب میں مقیم ہو نہ کہ شہر کے شمال کی طرف جائے۔ لیکن قریش کی فوج جنوب سے چل کر جب مدینہ پہونچی تو شمال کی طرف گئی کیونکہ جنوبی سمت سے مدینہ کے قریب ہونا اونٹوں کے لئے دشوار تھا اور جنوبی مدینہ میں لڑائی کے لئے جگہ ملنا بہت مشکل تھا کیونکہ جنوبی مدینہ کے جنگل تیز آتش فشاں پہاڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے جسے اونٹ بسہولت عبور نہیں کر سکتے تھے۔ ہر قدم پر لغزش کا اندیشہ تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پتھر کی تیز نوکیں اونٹوں کے پیروں میں چبھ جاتیں۔

ابوسفیان کی فوج بطریق اولیٰ اس سرزمین میں جنگ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ جنگ کے لئے لازم ہے کہ فوج ادھر اُدھر حرکت کر سکے۔ لہٰذا ابوسفیان نے اِس بات کو ترجیح دی کہ شہر کے شمال میں جائے اور کوہ احد کے دامن میں ہموار زمین میں مورچہ بنائے تاکہ فوجوں کو لڑنے اور حرکت کرنے میں آسانی ہو۔ جب قریش کی فوج مدینہ پہونچی تو حضرت محمدؐ قبا میں تشریف فرما تھے۔

ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ قبا کی مسجد سب سے پہلی مسجد ہے جسے مسلمانوں نے بنایا تھا۔ حضرت محمدؐ ہفتہ میں ایک مرتبہ وہاں تشریف لے جاتے تھے اور نماز کے بعد مسلمانوں سے گفتگو کرتے تھے۔ چہارشنبہ یا پنجشنبہ کا دن تھا جب حضرت محمدؐ کو معلوم ہوا کہ مکہ سے فوج آئی ہے تو انھیں حیرت نہ ہوئی کیونکہ آپؐ نے پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ مسلمانوں کو برباد کرنے کی غرض سے ایک فوج مکہ سے مدینہ آرہی ہے۔

کوہ احد کے دامن میں پہونچ کر مکہ کی فوج نے اونٹ اور گھوڑے چراگاہوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دئے انکی یہ حرکت لڑائی شروع کرنے کے لئے ایک چھیڑ تھی۔ مدینہ والے سمجھ گئے۔ حضرت محمدؐ نے مدینہ کے سرداروں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت محمدؐ یہ سمجھنا چاہتے تھے کہ جنگ شروع ہونے کے بعد مدینہ کے اندر امن رہے گا یا نہیں؟ آپکو یہ اندیشہ تھا کہ ممکن ہے جنگ شروع ہونے کے بعد منافقین اور دوسرے طائفے مسلمانوں پر کہیں حملہ نہ کر دیں اس لئے

آپ چاہتے تھے کہ اندرونی جانب سے مطمئن ہو جائیں۔

عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ اس نے کہا کہ حضرت محمدؐ مطمئن رہیں یہودیوں نے وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔ پیغمبر اسلام نے ان باتوں کو قبول فرمالیا بعد میں مدینہ کے سرداروں سے لڑائی کے بارے میں گفتگو کی۔ عبداللہ بن ابی نے کہا "میرا اعتقاد ہے کہ مسلمان شہر ہی میں جمے رہیں۔ شہر میں ایسی عمارتیں ہیں جنھیں جنگی قلعہ شمار کیا جاتا ہے۔ اگر مسلمان ان میں مورچہ بندی کریں گے تو قریش مکہ ان پر غالب نہیں آسکتے"۔

حضرت محمدؐ کو یہ بات معلوم تھی۔ آپ جانتے تھے کہ مدینہ کی ہر عمارت ایک جنگی قلعہ ہے اگر مسلمان اس میں قیام پذیر رہیں گے تو مکہ والے ان پر غالب نہیں آسکتے بشرطیکہ ان کے پاس کھانا پانی موجود ہو لیکن چونکہ عبداللہ بن ابی نے یہ تجویز پیش کی تھی اس لئے حضرت محمدؐ کو شک ہو گیا کیونکہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ درحقیقت محمدؐ کو اس پر اعتماد نہ تھا حضرت محمدؐ کو خیال ہوا کہ جب یہ شخص ایسی تجویز پیش کر رہا ہے تو ممکن ہے کہ دھوکا دینا چاہتا ہو اور مسلمانوں کی قوت مدافعت کو محدود کر کے مکان کے اندر گھیر کر انھیں قریش کے حوالے کر دینے کی فکر میں ہو۔

عبداللہ بن ابی کی باتیں سُن کر حضرت محمدؐ نے جوانوں سے مشورہ کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے محمدؐ ہمارے خیال میں بہتر یہ ہے کہ شہر سے باہر لڑائی کریں کیونکہ اگر ہم شہر میں جنگ کریں گے تو ہماری زور آزمائی اور جدوجہد کی صلاحیت محدود ہو جائے گی۔ لیکن میدان میں ہمیں یہ قدرت ہوگی کہ جیسی مدد مطلوب ہو ویسی بہم پہونچائیں۔ حضرت محمدؐ نے جب لوگوں کا نظریہ جان لیا کہ وہ شہر سے باہر جنگ کرنا چاہتے ہیں تو آپؐ نے بھی اسی کی موافقت کی۔

حضرت محمدؐ کا یہ طریقہ تھا کہ کوئی کام کرنے سے پہلے ایسے تمام لوگوں سے مشورہ کر لیتے تھے جن کا اس کام سے تعلق ہوتا تھا اور وہ مشورہ دے سکتے تھے۔ کام شروع کرنے سے پہلے پہلے ہر مفید نظریہ کو قبول کر لیتے تھے لیکن پختہ ارادہ کرنے کے بعد پھر اپنا عقیدہ نہیں بدلتے تھے۔

جب حضرت محمدؐ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ مکہ والوں کے ساتھ شہر سے باہر جنگ کریں گے تو عبداللہ بن ابی نے پھر گفتگو کی اور درخواست کی کہ آپؐ اپنا ارادہ تبدیل فرمائیں اور مدینہ ہی میں رہیں یعنی مکہ والوں کے ساتھ وہیں مقابلہ کریں تاکہ شہر کی مضبوط عمارتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اے ابی ایک پیغمبر کو جو خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے یہ نہیں چاہیئے کہ ایک جگہ محبوس ہو جائے۔ جو شخص پیغمبر ہے اور خدا کی طرف سے رسول بنایا گیا ہے وہ جب اپنی تلوار نکالتا ہے تو اسے کھلم کھلا چلنا چاہیئے۔

قریش کی فوج تین ہزار تھی اور حضرت محمدؐ کے پاس ایک ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ اس ہزار میں سے بھی تین سو آدمی جیسا کہ ہم بیان کریں گے واپس چلے گئے۔ حضرت محمدؐ کی فوج صرف سات سو رہ گئی۔ اسلامی فوج میں صرف دو گھوڑے تھے اور مسلمانوں کے پاس زرہ اور خود بھی تعداد میں کم تھے۔ حضرت محمدؐ نے شہر سے باہر مکہ والوں سے جنگ کرنے کا عزم کر لینے بعد اپنے لشکر کو دیکھا۔ ان کے پاس ساز و سامان اچھا نہ تھا کیونکہ مسلمان مالدار نہ تھے کہ اپنے واسطے سامان جنگ فراہم کرتے۔

جب حضرت محمدؐ اپنی فوج کا معائنہ کر رہے تھے تو خبر ملی کہ جو یہودی فوج میں ہیں وہ ممکن ہے کہ جنگ شروع ہونے کے بعد مکہ والوں سے مل جائیں۔ یہودی مدینہ کے اساسی قانون کے مطابق ہتھیار لے کر حضرت محمدؐ کی فوج میں داخل ہوئے تھے۔ مدینہ کا قانون یہ تھا کہ جب شہر پر حملہ ہو تو تمام باشندے ہتھیار لے کر نکل پڑیں اور اپنی مدافعت کریں۔

حضرت محمدؐ یہ جانتے تھے کہ یہودیوں کا ارادہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد مسلمانوں سے الگ ہو کر ابوسفیان کی ماتحتی میں مکہ کی فوج سے مل جانے کا ہے لیکن اس کے باوجود آپؐ نے اس پر کوئی دھیان نہ دیا۔ دوسرے دن حضرت محمدؐ کی فوج روانہ ہوئی اور کوہ احد کے دامن میں مشرق کی طرف اپنا مورچہ جمایا۔ قریش کی فوج اسی پہاڑ کے دامن میں مغرب کی طرف تھی۔

بتاریخ ۱۵ شوال ۳ھ بروز شنبہ صبح کے وقت عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار اپنے

پیروؤں کو لے کر پہاڑ کے دامن سے واپس چلا آیا اور مسلمانوں اور یہودیوں کو تنہا چھوڑ دیا۔ منافقوں کی اِس حرکت سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے انکے بارے میں جو بدظنی کی تھی وہ بے بنیاد نہ تھی۔ قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ منافق لوگ حضرت محمدؐ کو چھوڑ کر چلے گئے لیکن یہودی جنکے بارے میں مشہور تھا کہ مکہ والوں سے مل جائیں گے اپنی جگہ ثابت قدم رہے۔

حضرت محمدؐ نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگرچہ مدینہ کے اساسی قانون کے مطابق جس وقت شہر پر حملہ ہو تو اس وقت سب لوگوں کو مدافعت کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ لڑائی جو ہمارے سامنے ہے مکہ کے بت پرستوں سے ہے اور صرف مسلمانوں کے خلاف ہے۔ انھیں مدینہ کے باشندوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ صرف مدینہ کے مسلمانوں سے ہی لڑنا چاہتے ہیں پس یہ ایک مذہبی جنگ ہے جو مدینہ کے اساسی قانون میں شامل نہیں ہے کہ اس قانون کی بنا پر آپ لوگ مدافعت کے لئے تیار ہوں۔ آپ لوگ یہودی مذہب والے ہیں یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ ہم لوگ بت پرستوں کے ساتھ جنگ کرنے میں آپکی حمایت کے منتظر رہیں۔ علاوہ اس کے آج سنیچر ہے اور سنیچر کے دن آپ لوگ آرام کرتے ہیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں۔ ہم لوگ تنہا بت پرستوں سے جنگ کریں گے۔ جو کچھ خدا کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔

یہودیوں نے جب دیکھا کہ خود حضرت محمدؐ ان سے گھر واپس جانے کے لئے کہتے ہیں تو وہ اپنے اپنے گھر واپس چلے آئے اور حضرت محمدؐ کی فوج میں صرف سات سو آدمی رہ گئے۔ اس روز مسلمانوں کی حالت جنگ بدر سے بھی زیادہ بدتر تھی کیونکہ مکہ والوں کی تعداد مسلمانوں سے چار گنا سے بھی زیادہ تھی۔

حضرت محمدؐ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے صبح کے وقت زرہ پہن کر خود سر پر رکھا اور مسلمانوں سے فرمایا آج ہماری جنگ کا نقشہ بالکل جنگ بدر کا ہے اِس لئے ہمیں چاروں طرف مورچہ بنا لینا چاہیئے تاکہ دشمن جس طرف سے حملہ کرے ہمارے سپاہیوں کا سامنا ہو۔ ہمیں خیال رکھنا چاہیئے کہ آج دشمن کے پاس سواروں کی ایک طاقتور فوج ہے۔ خالد بن ولید

کی ماتحتی میں دو سو سوار ہیں۔ ممکن ہے یہ دو سو سوار ہمارے مورچہ کو توڑنے کے درپے ہو جائیں جب کوئی مورچہ بنایا جاتا ہے اور سپاہی اس طرح ایک مربع یا دائرہ بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ دشمن جس طرف سے بھی حملہ کرے ان کا سامنا ہو تو پیدل فوج کے حملہ سے کوئی خوف نہیں ہوتا لیکن سوار فوج مورچہ کے لئے خطرناک ہوتی ہے کیونکہ ہم سامنے کے سواروں کو ختم کر سکتے ہیں مگر ان کے پیچھے دوسرے سوار آئیں گے اور ہمیں شکست دینے کی کوشش کریں گے گھوڑوں کی رفتار بہت تیز ہے وہ ہمیں اتنا موقع نہ دینگے کہ ایک مرتبہ قطار ٹوٹنے کے بعد دوبارہ اس کو جمع کریں اور پہلی صورت برقرار کریں۔

اس کے بعد حضرت محمدؐ نے جنوب کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا کہ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ خالد بن ولید سواروں کے ساتھ حملہ کرے گا تو اس راستہ سے حملہ کرے گا کیونکہ گھوڑوں کے چلنے کے لئے یہ زمین زیادہ مناسب ہے۔ حضرت محمدؐ جس جگہ کی طرف اشارہ کر رہے تھے وہ ایک تنگ زمین تھی جو کوہ احد کے دامن اور مدینہ شہر کی پتھریلی زمین کے درمیان واقع تھی۔ اگر اس زمین سے گذر کر جنوب کی طرف جاتے تھے تو شہر میں پہونچ جاتے تھے۔ اس زمین میں ایک ٹیلہ تھا جو زیادہ اونچا نہ تھا۔ اس کا نام عینین تھا۔ حضرت محمدؐ نے دو تیر انداز دستے عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں اس ٹیلہ پر مقرر فرمادئے تھے۔

بعض مورخوں نے دونوں دستوں کی تعداد پچاس آدمی تحریر کی ہے۔ بعض نے ایک سو بتایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک سو کی تعداد صحیح ہے اور مذکورہ تیر انداز پچاس پچاس آدمیوں کے دو دستے تھے۔ ٹیلہ عینین جنگی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اسی لئے حضرت محمدؐ نے اپنے انتظام میں خالد بن ولید کے ماتحت سواروں سے لڑنے اور پیچھے سے حملہ کرنے والوں کو روکنے کے لئے اس ٹیلہ کو استعمال کیا تھا اور اپنے تیر اندازوں کو اس پر مقرر فرمایا تھا۔

جس زمین میں مسلمانوں نے مورچہ بنایا تھا وہ کچھ ڈھالو تھی اور یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ وہ ایک قسم کا پیالہ تھی جو کوہ احد کے دامن میں تھا اور دشمن جو مغرب کی طرف تھا وہ پیچھے سے

سوائے ٹیلہ عینین کے اور کسی طرف سے حملہ نہ کر سکتا تھا۔

حضرت محمدؐ نے عبداللہ بن جبیر اور ایک سو تیر اندازوں سے فرمایا کہ ہمارے لئے جو بھی پیش آئے آپ لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں اور جو بھی دشمن ہماری طرف آنا چاہے اسے مار بھگائیں۔ آپ لوگ اسی ٹیلہ پر جمے رہیں اگرچہ آپ کا آخری شخص بھی مار ڈالا جائے۔ خاص کر گھوڑے سوار جب ہمارے اوپر حملہ کرنا چاہیں تو انھیں آپ ہرگز نہ آنے دیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر تیر اندازوں کو لیکر اس ٹیلہ کی طرف چلے گئے اور وہیں ٹھہر گئے۔

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت محمدؐ نے چھ سو آدمیوں کے ساتھ اور بعض روایتوں کے لحاظ سے چھ سو پچاس آدمیوں کے ساتھ کئی جماعتوں کی تشکیل کی اور پہلی جماعت کا علمبردار حضرت علی بن ابی طالب کو مقرر فرمایا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت زبیر بن العوام کی ماتحتی میں محفوظ تھی (اسے میں کسی تاریخ میں نہیں پاتا) حضرت محمدؐ نے زبیر بن العوام سے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی جماعت کمزور پڑ رہی ہے تو اسے مدد کرو۔ حضرت محمدؐ جنگ شروع ہونے سے قبل آخری لمحہ تک مسلمانوں کو وصیت کرتے رہے کہ مسلمان انفرادی جنگ سے پرہیز کریں اور جماعتوں کی تشکیل کو نہ چھوڑیں۔ کیونکہ دشمن کی طاقت ہم سے زیادہ ہے۔ اگر انفرادی جنگ لڑیں گے تو مار ڈالے جائیں گے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ابوسفیان کی بیوی ھندہ قریش کی دوسری عورتوں کے ساتھ طبل بجاتی ہوئی اشعار پڑھتی تھی اور مکہ والوں کو مخصوص طریقہ سے خطاب کرتی تھی۔ اشعار کا مضمون یہ تھا: "اگر دشمن پر حملہ کرو گے تو تمھارے لئے مخمل کا بچھونا، شراب اور دوسری لذتیں حاصل ہوں گی۔ اگر دشمن کو پیٹھ دکھاؤ گے تو ہرگز ہمارے ہاتھ سے شراب نہ پاؤ گے۔"

جنگ سے پہلے ھندہ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ تم میں سے جو شخص حضرت محمدؐ، حمزہ، ابوبکر عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب میں سے کسی کو قتل کرے گا وہ فوراً آزاد ہو جائے گا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ جب ۵ ارشوال سنہ ۳ ھجری

کو سنیچر کے دن صبح کے وقت یہ لوگ روانہ ہوئے تو ایک گھوڑے پر انس نامی ایک شخص سوار تھے۔ مکہ والوں کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے جب مسلمانوں کی جماعتیں حرکت میں آئیں تو جس گھوڑے پر انس سوار تھے اس نے اپنا بدن ہلایا جس سے تلوار بس گئی اور اس کا کچھ حصہ غلاف سے باہر نکل آیا۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ جنگ میں مسلمان فتح پائیں گے۔ حضرت انس اس واقعہ سے اس قدر خوش ہوئے کہ انھوں نے سب کو اسکی اطلاع دیدی۔

اس کے بعد مسلمان فوجوں نے حرکت کی اور لوگ قریش کی طرف بڑھے۔ پیغمبر اسلام نے پھر مسلمانوں کو وصیت کی کہ فوج کی قطاروں کو (جو ایک جاندار اژدہا کی مانند ہے) نہ توڑیں۔ اور انفرادی جنگ نہ کریں۔ ہر مسلمان ضابطہ کا خیال رکھیں گے اور اپنی صف کو ٹوٹنے نہ دیں گے تو فتح پائیں گے۔ مکہ کے بت پرستوں کی طاقت مسلمانوں کی طاقت کے چار گنا سے بھی زیادہ تھی مگر اس کے باوجود ابتداء ہی سے معلوم ہوگیا کہ توفیق مسلمانوں کے ساتھ ہے قریشی فوجیں جس طرف سے بھی حملہ کے لئے کوشش کرتی تھیں مسلمانوں کے نیزے اور کھنچی ہوئی تلواریں ان کے سامنے ہوتی تھیں۔ اور کہیں پر کوئی شگاف نہیں پیدا ہوتا تھا کہ دشمن مسلمانوں کے پیچھے یا کنارے پہونچ جائے۔

مسلمانوں کی قطاریں منظم طریقہ سے آہستہ آہستہ اس طرح پیش قدمی کر رہی تھیں کہ قریشیوں کے دلوں میں خوف طاری ہوگیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا بھاگنا مسلمانوں کو غافل کرنے یا دکھلانے کے لئے نہ تھا بلکہ حقیقتاً انھوں نے بھاگنے کو مقابلہ پر ترجیح دی تھی۔ کیونکہ انھیں یقین ہوگیا تھا کہ اگر ٹھہرے رہے تو مارڈالے جائیں گے۔ قریشی فوج کے پڑاؤ کی جگہ قریب تھی جب مسلمانوں نے دیکھا کہ مکہ والے بھاگ پڑے تو انھوں نے سمجھا کہ اب مال غنیمت لوٹنے کا موقع آگیا ہے۔ مال و دولت کے علاوہ قریشی فوج کے پاس اونٹ اور گھوڑے بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔

مسلمانوں نے یکبارگی صفیں توڑ دیں تاکہ دشمن کی صف میں جاکر مال غنیمت حاصل کریں۔

مسلمان قریشی سپاہیوں کے ہتھیار اونٹ، گھوڑے اور دولت لوٹنے کے علاوہ انھیں گرفتار کرنا بھی چاہتے تھے تاکہ آزاد کرتے وقت اچھا خاصا فدیہ وصول کرسکیں۔ علی ابن ابی طالب نے جو پہلی قطار کے علم بردار تھے انھیں آواز دی کہ کہاں جاتے ہو؟ ممکن ہے کہ دشمن دھوکا دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

مسلمانوں نے جواب دیا کہ پیغمبر اسلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک جنگ جاری رہے ہم صفیں قائم رکھیں لیکن جب جنگ ختم ہوگئی ہے اور ہمیں فتح حاصل ہوچکی ہے تو صفیں برقرار رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں آگے بڑھ کر مال غنیمت لوٹنا چاہیئے۔ کچھ مسلمان جو عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں عینین ٹیلے پر بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے جب دیکھا کہ مکہ کی فوج بھاگ گئی ہے اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں نے صفوں کو توڑ دیا ہے تو خیال کیا کہ ہم بھی جائیں اور مال غنیمت حاصل کریں۔ عبداللہ بن جبیر نے ان سے کہا کہ پیغمبر نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جو بھی واقعہ پیش آئے ہم یہاں سے نہ ہٹیں۔ لوگوں نے کہا کہ جب قریش کی فوج ہار گئی ہے اور جنگ ختم ہوچکی تو پھر ہم یہاں کس لئے توقف کریں۔ اور دوسرے لوگوں کی طرح مالِ غنیمت کیوں نہ لوٹیں۔

اس وقت بارہ آدمیوں کے سوا جن میں عبداللہ بن جبیر بھی تھے تمام لوگ ٹیلے سے اتر آئے اور قریش کے لشکر کی طرف بڑھے تاکہ مالِ غنیمت کے حصہ دار بنیں۔ جب قریشی فوجیں اسلامی فوجوں کے مقابلہ سے پیچھے ہٹیں اور اپنی جگہ واپس آگئیں تو مکہ کی اُن عورتوں کا سامنا ہوا جو قریشی فوج کے ساتھ مدینہ آئی تھیں۔ پرانے زمانے سے یہ رسم چلی آرہی تھی کہ عرب کی لڑائیوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی جاتی تھیں تاکہ لڑائی میں مردوں کو ابھاریں اور ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیں۔

عربی شاعر کلثوم کہتا ہے: "جب ہم لڑائی کرتے ہیں تو ہماری عورتیں تماشہ دیکھنے میں مشغول ہوتی ہیں۔ انکی نگاہیں مشعل کی مانند ہیں۔ وہ ہمارے خون میں جوش پیدا کرتی ہیں"۔

سخت لڑائیوں میں جہاں مردوں کی شکست یقینی ہوتی تھی وہاں عربی عورتیں (جو فوج کے ساتھ آتی تھیں) اپنے بال بکھیرتی تھیں، کپڑے پھاڑتی تھیں اور تقریباً ننگی ہو کر دشمن کی طرف دوڑتی تھیں تاکہ مردوں کو دشمن کی طرف بڑھنے کے لئے شرم دلائیں۔ اس دن بھی مکہ کی عورتوں نے (جو قریشی فوج کے ساتھ مدینہ آئی تھیں) جب دیکھا کہ ان کے مرد بھاگ رہے ہیں تو انھوں نے ایک بلند قامت خوبصورت ۳۵ سالہ عمرہ علقمہ نامی عورت کو اپنا رہبر بنایا۔ اس نے اپنے بال بکھیر کر اس طرح کپڑے پھاڑے کہ گویا بالکل ننگی ہو گئی۔ عمرہ علقمہ نے فریاد کی کہ تمہاری غیرت وحمیت کہاں گئی۔ اگر تم ان مٹھی بھر مسلمانوں سے جیت نہیں سکتے تو کیوں نہیں ٹھہرتے ہو تاکہ قتل ہو جاؤ۔

جو مرد میدان جنگ میں قتل ہو جاتا ہے وہ لوگوں کی ملامت سے بچ جاتا ہے کیونکہ اس نے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ کوئی اس سے باز پرس نہیں کرتا ہے کہ فتح کیوں نہیں حاصل کیا؟ لیکن جو لوگ میدان جنگ میں مقابلہ سے بھاگتے اور مرنے سے ڈرتے ہیں انھیں چاہئے کہ خیموں میں جائیں اور عورتیں بن جائیں۔ وہاں بچوں کی دیکھ بھال کریں اور کھانا پکائیں۔ تم لوگ خیموں میں چلے جاؤ اور گھر کے کام کرو۔ ہم سب عورتیں میدان جنگ جاتی ہیں اور لڑائی کرتی ہیں۔

مسلمان مورخوں نے لکھا ہے کہ اس روز مسلمانوں نے نو مرتبہ قریش کے علم بردار کو قتل کیا۔ اور یہ تو آدمی قبیلہ عبدالدار کے تھے۔ عمرہ علقمہ نامی عورت نے جھک کر آخری مقتول علمبردار کے پاس سے جھنڈا اٹھا لیا۔ اس کی تلوار بھی ہاتھ میں لے لی اور اسلامی سپاہ کی طرف بڑھی۔ دوسری عورتیں اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ قریش کے مردوں نے جب یہ حالت دیکھی تو انھیں غیرت آئی اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ قریشیوں کا یہ حملہ خلاف امید تھا کیونکہ مسلمان یہ سمجھ چکے تھے کہ قریشی فوج بالکل شکست کھا چکی ہے۔

جب قریش نے اچانک دوبارہ حملہ کر دیا تو مسلمانوں کی قطاریں منظم نہ تھیں کیونکہ انھوں نے مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے صفیں درہم برہم کر دی تھیں۔ جب قریش نے حملہ کیا تو انھوں

نے صفیں منظم کرنا چاہا مگر یہ کام مکمل نہ ہو سکا کیونکہ قریشی فوج اس قدر تیزی سے حملہ آور ہوئی کہ اس نے انھیں صف بندی کا موقع نہ دیا۔

قریشی سواروں کا افسر خالد بن الولید اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہوا تھا۔ اور میدان جنگ کے منظر کو بخوبی مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ چکی ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ عورتوں کے ابھارنے سے قریشی فوج واپس ہو کر حملہ آور ہوئی ہے۔ اس مرتبہ مسلمان دستہ بنا کر نہیں لڑتے تھے بلکہ انفرادی جنگ کرتے تھے۔ خالد بن الولید نے موقع کو غنیمت جانا اور پیچھے کی جانب سے اس نے بھی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

عبداللہ بن جبیر نے دوسرے گیارہ آدمیوں کے ساتھ جو ٹیلے پر بیٹھے ہوئے تھے خالد بن ولید کا راستہ روکنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوئے اور سب لوگ مقتول ہو گئے۔ خالد بن ولید پیچھے سے مسلمانوں کے پاس پہونچے۔ اُدھر سامنے سے عورتوں کے بھڑکانے کی وجہ سے قریشی فوج نے حملہ کر دیا تھا۔ عمرہ علقمہ اسی طرح جھنڈا لئے ہوئے عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں کو لڑائی کے لئے بھڑکاتی تھی۔

قریش کا ایک سیاہ غلام جس کا نام وحشی تھا، ابوسفیان کی بیوی ھندہ کے وعدہ کے مطابق اپنے کو آزاد کرانے کے لئے میدانِ جنگ میں حضرت محمدؐ کو تلاش کرتا تھا تاکہ انھیں قتل کر دے مگر اس کا ہاتھ پیغمبر اسلام تک نہ پہونچا اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بن الخطاب و علیؓ بن ابی طالب کو نہ پا سکا۔ اسے صرف اتنی توفیق ہوئی کہ حضرت حمزہؓ کے پاس پہنچ گیا۔ یہ اسلام کے ایک پہلوان اور حضرت پیغمبر اسلام کے چچا تھے۔ لیکن جب اس نے حضرت حمزہ کی شمشیر زنی دیکھی تو قریب جانے کی ہمت نہ ہوئی یہاں تک کہ خالد بن ولید کے سوار عینین (ٹیلہ) کی طرف سے گذرے اور پیچھے سے لشکر اسلام پر حملہ کر دیا۔ علی بن ابی طالب۔ حمزہؓ اور عمرؓ بن الخطاب (جو قریشیوں پر تلوار چلا رہے تھے) خالد بن ولید کے سواروں کی پیش قدمی روکنے کے لئے اس طرف متوجہ ہوئے۔ وحشی نے جب دیکھا کہ حمزہؓ نے رُخ دوسری طرف کیا ہے تو انکے پیچھے پہونچ گیا۔

اوران کی پیٹھ پر اتنے زور سے نیزہ مارا کہ ان کے سینے سے پار ہوگیا۔

جس وقت ابوسفیان کی بیوی ھندہ نے سنا کہ حمزہؓ وحشی کے ہاتھ سے مقتول ہوگئے تو اس نے غلام کو صرف آزاد ہی نہیں کر دیا بلکہ اسی وقت بدن سے اپنے دستبند اور خلخال بھی کھول کر اس کے حوالے کر دئے۔ اور کہا کہ میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اسلام کے سرداروں میں سے کسی کو قتل کرنے کے بدلے تجھ کو آزاد کر دوں گی لیکن آزادی کے علاوہ یہ زیورات بھی تجھے بخشتی ہوں۔ خالد بن ولید کے حملہ نے اسلامی فوج کا شیرازہ بکھیر دیا اور مسلمان منتشر ہو گئے لیکن اُن میں سے کچھ لوگ یعنی ابو بکرؓ، عمرؓ بن الخطاب، علیؓ ابن ابی طالب، ابو دجانہؓ اور دوسرے لوگ پیغمبر اسلام کے ارد گرد موجود تھے اور ایک چھوٹا سا مورچہ بنا لیا تھا تاکہ دشمن کے سوار جس طرف سے بھی حملہ کریں مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے ہوں۔

حضرت محمدؐ اپنے پاس والوں سے فرماتے تھے کہ ہماری جگہ خالد بن ولید کے سواروں کے لئے مناسب ہے لیکن اگر ہم لوگ کوہ احد کے اوپر پہونچ جائیں تو چونکہ مشرکین کے گھوڑے پہاڑ کے اوپر نہیں جا سکتے اس لئے وہاں محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کی بدنظمی پر افسوس ظاہر کیا اور فرمایا کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ مورچہ کی قطاروں کو نہ توڑیں عینین ٹیلے پر جو تیر انداز تھے ان سے کہا گیا تھا کہ جیسا بھی واقعہ پیش آئے وہ لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ لیکن آج مسلمانوں نے میری ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ آج اللہ تعالےٰ ہم کو جنگ بدر کی طرح فتح نہیں دے گا۔

جو لوگ حضرت محمدؐ کے چاروں طرف موجود تھے اور ایک چھوٹا سا مورچہ بنائے ہوئے تھے وہ بھی اور دوسرے لوگ بھی اس روز قریشیوں کی پیش قدمی اور پیچھے کی جانب سے خالد بن ولید کے حملہ کے باعث منتشر ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تیسری سورہ آل عمران کی ایک سو اڑتیسویں آیت میں اس طرح فرماتا ہے وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ یعنی تم لوگ موت سے ملنے کے قبل مرنے

کی آرزو کرتے تھے لیکن جب موت کو دیکھا تو چلے گئے اور دور سے اسکا تماشا کرتے تھے۔"

اللہ تعالیٰ اس آیت میں اور سورہ آل عمران کی دوسری آیتوں میں مسلمانوں کو ملامت کرتا ہے اور جنگ احد کے فرار کو ایک قابل سزا عمل قرار دیتا ہے۔ چونکہ جنگ اُحد میں (جیسا کہ بیان کریں گے) لوگوں نے مشہور کر دیا تھا کہ حضرت محمدؐ مقتول ہو گئے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے سورہ آل عمران کی ایک سو انتالیسویں آیت مسلمانوں کے لئے نازل فرمائی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ یعنی "نہیں ہیں محمدؐ مگر پیغمبر۔ ان سے پہلے دوسرے پیغمبر تھے جو رحلت کر گئے۔ پس اگر یہ پیغمبر (حضرت محمدؐ) فوت ہو گئے یا مارے گئے تو کیا تم دین سے منہ پھیر لوگے اور لڑائی سے پیچھے ہٹ جاؤ گے؟ جو شخص دین سے منہ پھیر لیتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہونچاتا بلکہ خود اپنا نقصان کرتا ہے۔"

حضرت محمدؐ اور ان کے مددگار اپنے مخالف خالد بن ولید کے سواروں کا مقابلہ کرتے ہوئے ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سوار داخل نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ گھوڑوں کے لئے پہاڑ پر چڑھنا مشکل تھا۔

قریش کے دو سپاہیوں نے (جن میں سے ایک کا نام عبداللہ بن قمیہ تھا) ایک قریبی پہاڑ کی پشت میں کمین گاہ بنا لیا تھا اور وہاں سے گوپھن کے ذریعہ سنگ باری کرتے تھے۔ عبداللہ بن قمیہ کی گوپھن کا ایک پتھر حضرت محمدؐ کے روئے مبارک پر لگا اور آپؐ کا دندان مبارک شہید ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد جبکہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تو آپؐ ایک گڈھے میں گرے اور زخمی ہو گئے۔

خالد بن ولید اور ان کے کچھ سوار گھوڑوں سے اتر پڑے تاکہ پہاڑ پر چڑھ کر حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو ختم کر دیں۔ نیچے سے بھی خالد بن ولید کے سوار حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں پر تیر اندازی کرتے تھے۔ یہی موقع تھا کہ عبداللہ بن قمیہ (قریشی سپاہی) نے حضرت محمدؐ کے قتل

ہونے کی خبر پھیلائی تھی۔ وہ ان کے اوپر پتھر پھینکنے لگا اور بعد میں جب دیکھا کہ پیغمبر اسلام گڈھے میں گر پڑے ہیں تو پہاڑ سے نیچے اتر کر شور مچانے لگا کہ حضرت محمدؐ قتل ہو گئے۔ اس خبر نے ان مسلمانوں کو جو متفرق طور پر مقابلہ کر رہے تھے ایسا مایوس کر دیا کہ سب بھاگ پڑے۔

بہر حال علی بن ابی طالب اور عمر بن الخطاب نے پیغمبر اسلام کو گڈھے سے باہر نکالا۔ حضرت علیؓ دوڑے اور اپنی ڈھال میں قریب کے چھوٹے چشمہ سے پانی بھر لائے۔ پیغمبر کے سر و چہرہ پر پانی چھڑکا۔ سر سے لوہے کی ٹوپی کھولدی۔ اسی وقت خالد بن ولید اور ان کے پیدل ساتھی وہاں پہونچے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ خالد بن ولید ساتھ نہ تھے۔

خالد بن ولید اور ان کے پیدل ساتھیوں کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔ ان سو آدمیوں نے ان بارہ یا چودہ آدمیوں پر حملہ کر دیا جو حضرت محمدؐ کے پاس تھے۔ ان لوگوں کی جنگ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پہلے مورچہ بناتے تھے تاکہ دشمن کسی طرف سے بھی ان کے پیچھے نہ پہونچے لیکن پہاڑ پر جانے کے بعد کچھ ایسی حالت ہو گئی کہ اس قسم کا مورچہ نہ بن سکا۔ ان بارہ یا چودہ آدمیوں میں سے چار آدمی حضرت محمدؐ کی حفاظت کیلئے مقرر ہوئے اور بقیہ آٹھ یا دس آدمی جنگ میں مشغول ہو گئے۔ وہ چار آدمی بھی لڑتے تھے مگر ان کی جنگ اس طرح تھی کہ پیغمبر اسلام سے دور نہ ہوتے تھے کیونکہ اگر وہ دور ہو جاتے تو پیغمبر اسلام جو مجروح تھے تنہا رہ جاتے اور قتل ہو جاتے۔ ان چاروں شخصوں کے نام یہ ہیں:۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب، علیؓ بن ابی طالب، انسؓ، ابو دجانہ۔ حضرت عمر و علی و انس بلا توقف تلوار چلاتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی تلوار کے مقابلہ میں دس تلواریں چلتی تھیں تاکہ انھیں قتل کر کے حضرت محمد کو قتل کرنے کا راستہ صاف ہو جائے لیکن حضرت عمرؓ و علیؓ و انسؓ اپنے زخموں کی پرواہ کئے بغیر تلوار چلاتے تھے۔ جن مورخوں نے جنگ احد کے واقعات تحریر کئے ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ چاروں شخص لوہے کی ٹوپی رکھتے تھے۔ مگر ان کے بدن پر زرہ نہ تھی۔

اس بات پر حیرت زدہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ زرہ ایک ایسی چیز تھی جس کو پہن کر انسان

بھاری معلوم ہوتا تھا اور خصوصاً عربستان میں (جو گرم ملک ہے) انسان آسانی سے تلوار نہیں چلا سکتا تھا۔ ان چاروں کے بدن پر جو متعدد زخم تھے ان سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ ان کے بدن پر زرہ نہ تھی۔ کیونکہ اگر زرہ ہوتی تو بدن پر اس قدر زخم نہ ہوتے۔ جنگ احد ماہ مارچ کے وسط میں ہوئی اور ابھی موسم بہار شروع نہ ہوا تھا کیونکہ بہار ۲۱ مارچ سے شروع ہوتی ہے اس کے باوجود مدینہ کا یہ علاقہ سردی کے اس آخری موسم میں بھی گرم تھا۔ اور زرہ انسان کو میدان جنگ میں بہت گرم کر دیتی اور تکلیف پہونچاتی تھی۔

مکہ والوں نے خیال کیا کہ اگر ان چار آدمیوں کو قتل کر دیں تو پیغمبر اسلام کو قتل یا گرفتار کر سکتے ہیں۔ لہذا ان چاروں کو قتل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا پورا زور لگایا مگر شمشیر زنی میں ابو دجانہؓ، حضرت عمرؓ و علیؓ و انسؓ کی برابری نہ کر سکے۔ وہ تھک گئے اور زیادہ تکان کے باعث جب ان کا ہاتھ تلوار چلانے سے رک گیا تو حضرت محمدؐ کے سامنے جاندار ڈھال بنکر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت مکہ والوں نے ابو دجانہؓ پر اس قدر تیر چلائے کہ ان کا بدن مثل خارپشت (شاہی) کے ہو گیا۔ (یعنی تمام بدن پر تیر گڑے ہوئے تھے) مگر وہ اس قدر خوش نصیب تھے کہ اپنے بدن پر تیر کھاتے تھے مگر حضرت محمدؐ کے بدن پر تیر نہ لگنے دیتے تھے۔

ابو دجانہؓ زمین پر گر پڑے اور چند منٹ کے بعد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت انسؓ گر گئے۔ حضرت انسؓ کے چہرہ پر تلواروں اور نیزوں کی اتنی ضربیں تھیں کہ مسلمانوں کو دفن کرنے کے وقت کسی نے ان کے جسم کو نہ پہچانا یہاں تک کہ ان کی بہن ان کے کانوں کی وضع سے پہچان سکیں کہ یہ انسؓ کا جسم ہے۔ حضرت انسؓ کے گرنے کے بعد حضرت محمدؐ کے مخصوص محافظ صرف دو شخص رہ گئے۔ ایک حضرت عمرؓ بن الخطاب دوسرے حضرت علیؓ۔ علیؓ کا پورا جسم خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ اور سارے بدن سے خون ٹپک رہا تھا لیکن اسکے باوجود انھوں نے حضرت محمدؐ کو نہ چھوڑا۔

حضرت عمرؓ جن کا قد بلند اور جسم چوڑا تھا کبھی کبھی جنگ کے درمیان نعرہ لگاتے تھے

اور لڑنے والے مسلمانوں کی ہمت بڑھانے کے لئے رجز پڑھتے تھے۔ حضرت محمدؐ کی حالت جو کمزور ہو رہی تھی ٹھیک ہو گئی۔ وہ اِس قابل ہو گئے کہ سعد بن وقاص نامی ایک مسلمان کو اپنی طرف بلا سکیں۔ آپؐ نے ان سے تیر و کمان طلب کیا اور مکہ والوں پر تیر اندازی کی۔ ان چند مسلمانوں نے جو ایک سو آدمیوں سے لڑ رہے تھے جب دیکھا کہ حضرت محمدؐ کی حالت بہتر ہو گئی ہے اور آپؐ سنبھل کر کھڑے ہونے کے لائق ہو گئے ہیں تو اس قدر خوش ہوئے کہ اپنے تھکان اور زخموں کو بھی بھول گئے۔ پھر کیا تھا فوراً پہاڑ سے کچھ فاصلہ پر پیغمبر اسلام کو وسط میں کر لیا اور دوسری مرتبہ مورچہ جما لیا۔

اس مختصر صف بندی نے اژدہے کی طرح حرکت شروع کی اور مکہ والوں پر حملہ کر دیا مکہ والے ان بہادروں کے مقابلے میں پیچھے ہٹ گئے۔

میرے خیال میں جنگ اُحد کے تمام واقعات میں سے یہ واقعہ سب سے زیادہ جاذب توجہ ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ و علیؓ و سعد بن وقاص بڑے بہادر تھے۔ اور انھوں نے مکہ کے ایک سو آدمیوں کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔

اگرچہ حضرت محمدؐ کے طرفدار چودہ آدمی تھے مگر ابو دجانہؓ اور انسؓ کی وفات کے بعد صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے۔ اس میں سے دس آدمیوں نے مورچہ بندی کی اور حضرت محمدؐ کو بیچ میں لے لیا۔ اس کے بعد انھوں نے مکہ والوں پر حملہ کر دیا اور ایک سو آدمیوں کو پیچھے ہٹنے اور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ مکہ والے خوشی سے پیچھے نہیں ہٹے بلکہ مجبور ہو کر انھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ کیونکہ جنگ میں اگر قحتمند سپاہ یہ دیکھتی ہے کہ تھوڑی دیر ثابت قدم رہ کر دشمن کی فوج کے حاکم کو مار ڈالے گی یا گرفتار کر لے گی تو وہ جنگ سے کبھی نہیں بھاگتی۔ مزید براں سو آدمیوں کی فوج کے سردار خالد بن ولید کو یہ بھی معلوم تھا کہ دشمن کی فوج کے حاکم کو قتل یا گرفتار کرنا سو آدمیوں کی قربانی سے زیادہ قیمتی ہے مگر اس کے باوجود ان کا بھاگنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ مجبوراً بھاگے ہیں۔

جنگ احد کے خاتمہ پر قریش کے کمانڈر ابوسفیان نے یہ بات بلاوجہ نہیں کہی تھی کہ میں نے ہرگز ایسے آدمی نہیں دیکھے جنھوں نے کسی کے ساتھ ایسی وفاداری و فداکاری دکھلائی ہو جیسی جنگ احد کے آخر میں حضرت محمدؐ کے ساتھیوں نے دکھلائی ہے۔ جنگِ اُحد کے آخری لمحوں میں جبکہ پیغمبر اسلام زخمی اور کمزور تھے ان دس بارہ آدمیوں نے فطرت سے بڑھ کر شجاعت کا مظاہرہ کیا اور حضرت محمدؐ کو دشمن کی فوج کے خطرے سے محفوظ رکھا۔

یہ جنگ ماہ مارچ کے وسط میں ہوئی تھی جبکہ موسم بہار بھی شروع نہیں ہوا تھا۔ دن زیادہ بڑے نہیں ہوئے تھے۔ اسلامی بہادروں نے چھوٹی سی جماعت سے مکہ والوں کو پہاڑ سے اس وقت بھگا دیا تھا جبکہ سورج کوہ اُحد کے مغربی قلعہ سے نزدیک ہو رہا تھا اور دن ختم ہو رہا تھا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ قریش کے سپاہیوں نے بھی دوبارہ اصرار نہ کیا اور کوئی حملہ نہ ہوا اس وقت حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ پیغمبر اسلام کی دو بیٹیاں آپکے پاس پہونچ گئی تھیں۔

اسلامی مورخین کبھی کبھی واقعات لکھنے میں سستی سے کام لیتے ہیں اور تاریخ وجگہ کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ جنگ اُحد کے دن مسلمانوں کی کچھ عورتیں بھی مدینہ کے سپاہیوں کے ساتھ موجود تھیں جن میں پیغمبر اسلام کی دو بیٹیاں فاطمہؓ اور ام کلثوم بھی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ حضرت علی بن ابی طالب کی بیوی تھیں اور ام کلثومؓ حضرت عثمانؓ کی بیوی تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے پیغمبر اسلام کی بیٹی رقیہ سے نکاح کیا تھا پھر انکی وفات کے بعد ام کلثومؓ سے نکاح کیا۔

تاریخ اسلام سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اسلامی فوج نے تلاش کیا تو عورتیں کہاں چلی گئی تھیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد فاطمہؓ اور ام کلثوم باپ کے پاس پہونچ سکیں۔ حضرت فاطمہ اپنے باپ کے پاس اس لئے گئیں کہ انکی مرہم پٹی کریں۔ لیکن حضرت محمدؐ نے حضرت علی بن ابی طالب کی طرف جو سراپا خون آلود تھے اشارہ کیا اور فرمایا کہ اے فاطمہ جاؤ اور علیؓ کی مرہم پٹی کرو۔ کیونکہ انھیں مرہم پٹی کی زیادہ ضرورت ہے۔ جب ابو عبیدہؓ جراح حضرت علیؓ کے

پاس پہونچے تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اسّی زخم ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے علیؑ آپ کے پورے بدن کی مرہم پٹی کی جانی چاہئے اور ضرورت ہے کہ پھر تخت پر لٹا کر آپ کو مدینہ پہونچایا جائے کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو میدان جنگ میں اس قدر زخم لگے ہوں مجھے حیرت ہے کہ اتنے زخموں کے ساتھ آپ کس طرح برابر لڑتے رہے؟

حضرت عمرؓ بن الخطاب کے بدن پر جنگ احد میں نیزہ و تلوار سے تقریباً اکیس زخم لگے تھے اور سعدؓ بن وقاص کے جسم پر بارہ زخم تھے۔ ابھی آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ ھندہ زوجہ ابوسفیان میدان جنگ میں پہونچ گئی۔ اس نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو تلاش کیا۔ ان کا پیٹ اور سینہ چھری سے پھاڑا۔ پھر ان کا کلیجہ باہر نکالا اور اس کا کچھ حصہ کھا لیا۔ اسی وجہ سے اس کو ھندہ جگرخوار کہتے ہیں۔ ھندہ نے حضرت حمزہؓ کا جگر کھانے کے بعد ان کے کان اور ناک کاٹ لئے اور اسی طرح کچھ اور مسلمانوں کے (جن کے جسم میدان جنگ میں پڑے ہوئے تھے) ناک و کان کاٹ لئے اور ان سب کا ہار بنا کر گردن میں ڈال لیا۔ اور اسی ہار کو پہن کر میدانِ جنگ میں ناچتی پھرتی تھی۔

قریش کی ایک دوسری عورت تھی جس کا نام سلافہ بنت سعد تھا۔ اس نے میدان جنگ میں ایک ایسے مسلمان کا سر تلاش کر لیا جس نے جنگ بدر میں اس کے لڑکے کو مار ڈالا تھا۔ سلافہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور کہا کہ اس سر کا گوشت اور کھال نکال کر دھوپ میں چھوڑ دوں گی تاکہ کھوپڑی کی ہڈی سوکھ جائے۔ پھر جب تک میں زندہ رہوں گی اس کھوپڑی کو پانی پینے کے برتن کے طور پر استعمال کروں گی اور جب مجھے پیاس لگے گی تو اسی برتن میں پانی پیوں گی۔

مکہ کی فوج چلی جانے کے بعد میدان جنگ میں جس وقت حضرت محمدؐ کی نگاہ حضرت حمزہؓ کی لاش پر پڑی اور انھوں نے دیکھا کہ ان کا پیٹ اور سینہ پھاڑا ہوا ہے، جگر باہر نکالا ہوا اور ان کے ناک و کان کاٹے ہوئے ہیں تو اس وقت آپؐ بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ ہمارے اور

مشرکین کے درمیان جو سب سے پہلی لڑائی ہوگی اس میں حضرت حمزہؓ کے مثلہ کرنے کے بدلے میں بُت پرستوں کے تیس آدمیوں کو مثلہ کروں گا۔ اسی وقت وحی آئی اور سورہ نحل کی ایک سو اٹھائیسویں آیت نازل ہوئی۔ وہ یہ ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔ یعنی اگر تم دشمنوں سے بدلہ لینا چاہتے ہو تو اتنا ہی لو جتنا انھوں نے تمھارے ساتھ کیا ہے۔ لیکن اگر دشمنوں سے بدلہ نہ لو اور صبر کرو تو بہت بہتر ہے۔ صبر کرنے والوں کے لئے صلاح اور خیریت ہے۔"

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلام نے کہا یا خداوند کریم میں نے بدلہ لینے کا خیال ترک کر دیا۔ میں صبر کروں گا۔

احد کی لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے جن میں چونسٹھ انصاری تھے اور چھ مہاجرین تھے۔ قریش کی عورتوں نے مہاجرین شہدا کے ناک کان کاٹ لئے اور ان کا ہار بنا کر اپنے ساتھ لے گئیں۔ آفتاب غروب ہونے سے پیشتر مکہ کی فوج کا سردار ابوسفیان میدان جنگ میں اس مقام پر پہونچا جہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ زور سے چلایا "آیا محمدؐ زندہ ہیں یا نہیں"؟ ابوسفیان کے اس سوال کا سبب یہ تھا کہ اس روز قریش اور اسلام دونوں فوجوں میں حضرت محمدؐ کے قتل کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ مسلمان سپاہیوں کے منتشر ہونے کا ایک سبب یہ افواہ بھی تھی۔ مسلمانوں میں یہ بات طے ہوئی کہ کوئی شخص نہ بتلائے کہ پیغمبر اسلام زندہ ہیں لیکن حضرت عمرؓ تاب نہ لا سکے اور چلا اٹھے کہ پیغمبر اسلام زندہ ہیں۔

ابوسفیان چلایا کہ اے محمدؐ بدر کی لڑائی میں آپ کے سپاہیوں نے ہمارے ستر آدمی مار ڈالے تھے۔ لہٰذا اب ہم برابر ہو گئے لیکن اس کے باوجود اگر آپ ہم سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو ہم تیار ہیں کہ اگلے سال بدر کے بازار مکارہ کے وقت اسی جگہ لڑائی کریں گے۔ اس گفتگو کے بعد ابوسفیان (جو مغرور معلوم ہوتا تھا) میدان جنگ سے واپس ہوا اور اپنے سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا۔

جب دشمن کے سپاہی میدان جنگ سے رخصت ہو گئے تو کچھ مسلمان پیغمبر اسلام کے پاس حاضر ہوئے۔ آپؐ نے انھیں شہیدوں کو دفن کرنے کا حکم دیا۔

مورخین اسلام نے واقعات کے تذکرہ میں اس جگہ بھی خاموشی سے کام لیا ہے اور اس امر کی تشریح نہیں کی ہے کہ آیا اسی وقت جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا شہداء کو دفن کیا گیا یا دوسرے روز دفن کیا گیا۔

شہداء کا مدفن کوہ احد کا دامن بتایا گیا ہے۔ عربوں کا طریقہ یہ تھا کہ جنازہ کو دفن کرنے سے پیشتر اس کو غسل دیتے تھے تاکہ پاک ہو جائے لیکن پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ یہ لوگ جو میدان جنگ میں مارے گئے ہیں شہید ہیں۔ شہادت نے ان کو پاک بنا دیا ہے۔ یہ سیدھے جنت میں چلے گئے ہیں۔ یہ اس کے محتاج نہیں ہیں کہ دفن کرنے کے وقت انھیں غسل دیا جائے حضرت محمدؐ نے ہر جنازہ کے لئے دفن کرنے سے پہلے دُعا فرمائی۔ جب آخری جنازہ بھی دفن کر دیا گیا تو حضرت محمدؐ نے شہداء کی فضیلت بیان فرمائی۔

جنگ اُحد کا نظام

اسلامی مورخین لکھتے ہیں کہ جنگ احد میں مسلمانوں اور حضرت محمدؐ کو شکست ہوئی۔ یہ نظریہ مطالعہ کا محتاج ہے۔ اگر ہم کسی سے شکست کے بارے میں گفتگو کریں اور اس سے دریافت کریں کہ شکست کی علامت کیا ہے تو وہ جواب میں کہے گا کہ اگر دشمن کی فوجیں کسی ملک پر قبضہ کرلیں اور مقابل کی فوجوں کو نیست و نابود کر دیں تو جس قوم کا ملک چلا گیا اور اسکی فوج تباہ ہوگئی اسے شکست خوردہ شمار کیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص ملک پر قبضہ کرے مگر دشمن کی فوج کو نیست و نابود نہ کر سکے تو وہ قوم جس کی فوج نیست و نابود نہیں ہوئی ہے شکست خوردہ شمار نہیں ہوتی۔

جس طرح کہ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی نے ملک روس پر (ولگا تک) قبضہ کر لیا تھا مگر چونکہ روسی فوج کو تباہ نہ کر سکا اس لئے وہ فاتح شمار نہیں ہوا۔ پس کسی قوم کو شکست خوردہ سمجھنے کے لئے دو شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ ملک ہاتھ سے نکل جائے۔ دوسرے فوج تباہ ہو جائے۔

جنگ احد میں مکہ والے نہ تو مسلمانوں کے شہر (مدینہ) کو لے سکے نہ حضرت محمدؐ کی فوج کو نیست و نابود کر سکے کیونکہ ان کی فوج اگرچہ لڑائی کے دن منتشر ہو گئی تھی لیکن دوسرے وقت مختلف حصے جمع ہو گئے تھے اور جس وقت حضرت محمدؐ جیسا کہ ہم بیان کریں گے میدان جنگ سے مدینہ کی طرف واپس ہوئے تو آپؐ کے پاس ایک منظم فوج تھی۔

میرا عقیدہ ہے کہ ایک محقق کی نظر میں حضرت محمدؐ نے شکست نہیں کھائی ہے بلکہ اس لڑائی میں آپؐ کے لئے ایک ناگوار آزمائش پیش آئی کیونکہ مکہ والے نہ تو حضرت محمدؐ کی فوج کو تباہ کر سکے اور نہ شہر مدینہ پر قبضہ کر سکے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بھی جنگ احد میں مسلمانوں کی حالت کو قطعی طور پر شکست خوردہ نہیں بتایا ہے۔ قرآن کی تیسری سورہ (آل عمران) میں جو آیتیں جنگ احد کے بارے میں ہیں وہ تسلی بخش ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سورہ کی ایک سو چونتیسویں آیتہ میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ یعنی "جنگ میں سست نہ ہو، غمگین نہ ہو اگر تم مومن ہو تو (مشرکین پر) تمہیں لوگ غالب رہو گے"۔ اسی سورہ کی ایکسو بتیسویں آیتہ میں اسطرح فرماتا ہے:۔ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ... الخ" یعنی اگر تم زخمی ہوئے ہو (جنگ احد میں) تو قریش کو بھی زخم لگے ہیں"۔ اسی سورہ کی ایکسو چھتیسویں آیتہ میں فرماتا ہے وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں گناہ سے پاک کرتا ہے (یعنی جنگ احد میں مسلمانوں کو جو طمانچہ لگا ہے وہ اس لئے تھا کہ گناہ سے پاک ہو جائیں) لیکن کافروں کو جو طمانچہ لگا وہ انھیں مٹانے کیلئے تھا۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ یعنی "اے محمدؐ بہ سبب رحمتِ خداوندی جو آپؐ کے شامل حال تھی ان لوگوں کے ساتھ نرمی برتی۔ اگر آپؐ سنگدل اور تند خو ہوتے تو سب آپؐ کے پاس سے بھاگ جاتے اور کوئی باقی نہ رہتا۔ اے محمدؐ آپ انھیں معاف فرما دیں اور انکے لئے خدا سے معافی مانگیں اور معاملات میں اُن سے مشورہ کریں"۔

ان آیتوں اور سورہ آل عمران کی دوسری آیتوں کے بموجب اللہ تعالیٰ جنگ احد کو جنگی شکست نہیں قرار دیتا بلکہ بھاگنے والوں پر رحم کرنے کا حکم دیتا ہے اور حضرت محمدؐ کو وصیت کرتا ہے کہ انھیں معاف فرما دیں۔

اگر آجکل کے نظریہ کے مطابق جنگ احد کو جانچا جائے تو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی بلکہ انھیں فتح نصیب ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے ابوسفیان کی فوجوں کو میدان جنگ سے

دور ہٹا دیا اور مکہ واپس کر دیا۔ نتیجۂ جنگ کے اعتبار سے یہ عین کامیابی ہے۔ رہا یہ سوال کہ قریشی غالب کیوں نہ ہوئے تو اس کے چند اسباب ہیں:۔

(۱) قریشی مسلمانوں کے ساتھ میدان میں لڑنے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ غفلت کے وقت مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور یہودی اور منافقین کی مدد سے حضرت محمدؐ اور ان کے پیروؤں کو نیست و نابود کر دیں (۲) جب وہ لوگ اپنا شہر چھوڑ کر احد پہاڑ کے دامن میں آئے تو انھیں یہ امید نہ تھی کہ مسلمان بھی شہر سے باہر آئیں گے کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ مسلمان تعداد میں بہت کم ہیں لہذا وہ شہر سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کریں گے اور شہر ہی میں محصور رہیں گے (۳) مدینہ سے مسلمانوں کے خروج سے ابوسفیان اور اس کی فوج کو سخت حیرت ہوئی۔ پھر بھی انھیں امید تھی کہ منافقین اور یہودیوں کی مدد سے وہ مسلمانوں کو فنا کر دیں گے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا منافقین پہلے ہی واپس چلے گئے تھے اور یہودیوں سے حضرت محمدؐ نے درخواست کی کہ وہ واپس چلے جائیں لہذا مسلمانوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ اگرچہ قریشیوں کے مقابلہ میں انکی تعداد بہت کم تھی مگر یکساں عقیدہ رکھتے تھے اور مال غنیمت کی طرف متوجہ ہونے سے قبل خوب جنگ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قریشی سپاہیوں کو شکست دیدیا تھا۔ اگر قریش کی عورتیں مکہ کے سپاہیوں کو نہ روکتیں اور انھیں جنگ کی طرف واپس نہ کرتیں تو ابوسفیان کو مکمل شکست ہو جاتی۔

مکہ والوں کی شکست کا دوسرا سبب یہ تھا کہ رات ہو گئی تھی اور عرب والے رات آجانے سے جنگ بند کر دیتے تھے۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان کے پاس خبر حاصل کرنے کا ذریعہ نہ تھا لہذا اسلامی فوج کے حالات معلوم نہ کر سکا حضرت محمدؐ کے پاس جنگی اطلاعات کا انتظام تھا اور آپ دشمن کے ارادے سے واقف ہو چکے تھے۔ چوتھا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان نے غلطی کی تھی وہ بھی بڑی غلطی جو جنگی اعتبار سے ناقابل بخشائش تھی۔

اگر ابوسفیان غلطی نہ کرتا اور اپنی فوج پہاڑ کے دامن سے واپس نہ کرتا تو جنگ کی رات

یا دوسرے روز مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیتا۔ اس کی غلطی کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ اپنی فوج کے ساتھ پہاڑ کے دامن سے واپس ہوا تو روحا کے مقام پر سخت پشیمان ہوا اور ارادہ کیا کہ پھر واپس جائے اور حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کا کام تمام کر دے۔ حضرت محمدؐ کے جنگی اطلاع کے سامان منظم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو اس کی اطلاع تھی کہ ابوسفیان پشیمان ہوا ہے نیز واپس ہونے اور دوبارہ جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ جنگ احد کے بعد مسلمانوں کی فوج جمع ہوگئی تھی اور جب مدینہ واپس ہوئے تو اسی طرح صف بندی کئے ہوئے تھے جس طرح جنگ کے لئے جاتے وقت صف آراء تھے۔ مسلمانوں کی مدینہ میں واپسی کے ایک شبانہ روز بعد حضرت محمدؐ کو خبر ملی کہ مکہ کی فوج واپسی کا قصد رکھتی ہے۔ آپؐ کی روحانی طاقت اور ایمان اس قدر قوی تھا کہ اس خبر سے خوف زدہ نہ ہوئے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جنگ کے لئے شہر سے باہر نکلیں۔

تمام مسلمان جو جنگ احد میں شریک ہوئے تھے نیز زخمی لوگ بھی جنگ کے لئے تیار ہوگئے حضرت عمرؓ بن الخطاب و سعدؓ بن ابی وقاص شدید زخموں کے باوجود جنگ کے لئے باہر نکل پڑے لیکن مسلمانوں کے جراح ابوعبیدہؓ نے حضرت علیؑ کو نکلنے سے روک دیا اور کہا کہ اگر علیؑ نکلیں گے تو شدید زخموں کے باعث مدینہ کی گلیاں پار ہونے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

ابوسفیان سے پیشگی مقابلہ کرنے کے لئے حضرت محمدؐ اسلامی فوج لیکر روانہ ہوئے اور مقام "صحراء الاسد" پہونچے۔ اسلامی فوجیں وہیں ٹھہر گئیں اور مکہ کی فوج کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوگئیں۔ لیکن ابوسفیان جو مقام روحا میں تھا اور مدینہ پر دوبارہ حملہ کا ارادہ رکھتا تھا تردد میں پڑ گیا اور آخر کار مکہ کی واپسی کو ترجیح دی۔ مسلمان جب مطمئن ہوگئے کہ ابوسفیان واپس نہ ہوگا تو مدینہ واپس ہوگئے۔

اسلامی فوج کے صحراء احد سے واپس ہونے سے پہلے وحشی غلام جس نے پیغمبر اسلام کے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا ابوسفیان کی فوج سے بھاگ کر اسلامی فوج میں داخل ہوگیا اور

حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اقرار کیا کہ اس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا ہے۔ حضرت محمدؐ نے اسے کوئی سزا نہ دی کیونکہ آپؐ بہت رحمدل اور بامروت شخص تھے مگر آپؐ نے اپنے آزاد شدہ غلام سے فرمایا کہ وہ دوبارہ آپؐ کے پاس نہ آئے اور اپنے کو نہ تبلائے۔

وحشیؓ اس کے بعد حضرت محمدؐ کے سامنے نہ ہوئے لیکن حضرت حمزہؓ کے قتل کی تلافی کے لئے حضرت محمدؐ کے چند دشمنوں کو قتل کر ڈالا جن میں سے ایک مسیلمہ کذاب بھی تھا جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا۔

مسلمان جب مدینہ واپس ہوئے تو جنگ احد کو ایک تلخ آزمائش خیال کیا اور اسے شکست نہ سمجھا لیکن یہودی کہنے لگے کہ حضرت محمد شکست کھا گئے۔ اگر حضرت محمدؐ خدا کے پیغمبر ہوتے تو جنگ احد میں شکست نہ کھاتے۔ اسی وقت آسمان سے ایک آیت نازل ہوئی جو سورہ آل عمران میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے "بہت سے پیغمبر گذرے ہیں جنھوں نے اپنی فوجوں سے قوی تر فوجوں کو شکست دی ہے۔ شکست سے مایوس ہوئے بغیر وہ ثابت قدم رہے اور کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

یہ آیت اس لئے نازل ہوئی تاکہ اس افواہ کو دور کرے کہ حضرت محمدؐ اگر پیغمبر ہوتے تو شکست نہ کھاتے۔ آیت مذکور نے مسلمانوں کو مطمئن کر دیا لیکن یہودی اپنی حرکت سے باز نہ آئے اور مدینہ کے یہودیوں نے حضرت محمدؐ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ جب حضرت محمدؐ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ حملہ کرنا چاہتے ہیں تو ان کے محلہ کا محاصرہ کر لیا اور فرمایا کہ تم مدینہ کے اساسی قانون کے خلاف کرنا چاہتے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے ارادے سے باز آجاؤ تاکہ مسلمان اور یہودی دونوں اس شہر میں دوستانہ زندگی گذار سکیں۔

ان لوگوں نے کہا کہ ہم حضرت محمدؐ کی تجویز قبول نہیں کر سکتے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ جس طرح زرگر مدینہ سے نکل گئے ہیں اسی طرح تم لوگ بھی نکل جاؤ۔ ان لوگوں نے یہ بات مان لی۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ تمام جائیداد منقولہ ساتھ لے جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ ساری چیزیں حتیٰ کہ پنجرہ و مکان کا دروازہ وغیرہ تک ساتھ لے گئے اور مدینہ میں دو باغوں کے سوا یہودیوں کا کوئی گروہ باقی نہ رہا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب اسلام کے بہادر اور جنگ احد میں حضرت محمدؐ کے مخصوص محافظین میں سے تھے۔ اور بعد میں دس سال کی مدت میں انھوں نے اسلامی حکومت کو بہت وسیع کر دیا تھا ان کی ایک لڑکی تھی جن کا نام حفصہؓ تھا اور ایام جوانی میں خنیس نامی ایک شخص سے انکا نکاح ہوا تھا۔ احد کی لڑائی میں خنیس نے بھی جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کی بہادری کے باعث حضرت محمدؐ نے شہدا کے دفن کے وقت اپنے مبارک ہاتھوں سے انکا جنازہ قبر میں اتارا۔

جب خنیس شہید ہوئے تو حضرت حفصہؓ کی عمر صرف بیس سال تھی۔ اگرچہ یہ خوبصورت، دانشمند ادیب و شاعرہ تھیں مگر شوہر کی موت سے آرام نہ پا سکیں اور سخت غمگین ہوئیں۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب جو پختہ ارادہ والے اور صاف گو تھے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ تم خوبصورت جوان ہو اور ہماری لڑکی جو اس وقت بیوہ ہے وہ بھی خوبصورت ہے۔ اس سے نکاح کر لو تاکہ میری لڑکی شوہر کی موت کے غم سے تسلی پائے اور تم کو ایک شاعرہ و خوبصورت رفیق حیات حاصل ہو جائے۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی تجویز قبول نہ کی۔ یہ بات انھیں بہت ناگوار ہوئی۔ کیونکہ شخصیت کے اعتبار سے وہ حضرت عثمانؓ سے برتر تھے۔ اور منتظر تھے کہ حضرت عثمان بخوشی ان کی تجویز قبول کر لیں گے۔ حضرت عثمانؓ کا حفصہؓ کے نکاح سے باز رہنا حضرت عمر کی نگاہ میں کفران نعمت اور توہین کی شکل میں جلوہ گر ہوا۔ چونکہ حضرت عثمانؓ پیغمبر اسلام کے داماد تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ تلوار کھینچنے اور عثمان کو قتل کرنے سے پہلے پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوں اور انھیں اس واقعہ سے مطلع کریں۔

حضرت محمدؐ جو ہمیشہ لوگوں کی شکایتیں غور سے سنتے تھے حضرت عمر کی شکایت سننے کے

بعد فرمایا کہ اے عمرؓ میں تمھیں غصہ ہونے کا حق دیتا ہوں کیونکہ عثمانؓ نے آپکی تجویز رد کر کے توہین کی ہے۔ لیکن اس کی تلافی کے لئے اس صورت میں جبکہ آپ موافقت کریں میں تیار ہوں کہ آپ کی لڑکی حفصہؓ سے نکاح کرلوں۔

حضرت عمرؓ پیغمبر اسلام کی بات سے اس قدر خوش ہوئے کہ انکا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا اور کہا اے محمدؐ! آج آپ نے مجھے صاحب فخر اور سعادت مند کر دیا۔ اس کے بعد حضرت حفصہؓ پیغمبر اسلام کے نکاح میں آگئیں اور حضرت عمرؓ بن خطاب پیغمبر اسلام کے خسر ہو گئے۔

پیغمبر اسلام کی بیویاں

اس وقت تک آپؐ کے قریبی لوگوں میں سے صرف چار شخص آپؐ کے رشتہ دار تھے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ۔ اس ترتیب سے کہ ابوبکرؓ پیغمبر اسلام کے خسر تھے اور انکی لڑکی حضرت عائشہؓ آپؐ کی بیوی تھیں۔ اسی طرح عمرؓ بن الخطاب بھی خسر تھے۔ عثمانؓ آپؐ کے داماد تھے کیونکہ یکے بعد دیگرے پیغمبر اسلام کی دو لڑکیاں رقیہ اور ام کلثوم آپ کے نکاح میں آئی تھیں۔ علیؓ بھی داماد تھے اور پیغمبر اسلام کی لڑکی فاطمہؓ ان کے نکاح میں تھیں۔

حضرت حفصہؓ (عمر بن خطاب کی صاحبزادی) پیغمبر اسلام کی بیوی بننے کے بعد تین چیزیں انؓ کے مکان میں لائیں۔ ایک شعر پڑھنا۔ دوسرے کتاب پڑھنا تیسرے خوشخط لکھنا۔ حضرت عائشہؓ (جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور واحد عورت تھیں جو زمانۂ دوشیزگی میں پیغمبر اسلام کے عقد میں آئیں تھیں کیونکہ پیغمبر اسلام کی تمام بیویاں بیوہ ہونے کے بعد انؐ کے عقد میں آئی تھیں) حضرت حفصہؓ سے دوستی رکھتی تھیں اور گھنٹوں ان کی صحبت میں رہتی تھیں۔ ان کا کتاب پڑھنا سنتیں اور کوشش کرتی تھیں کہ انھیں کی طرح وہ بھی خوشخط لکھیں۔

روایت کرتے ہیں کہ حضرت حفصہؓ نے ایک مرتبہ پورا قرآن خوشخط لکھ ڈالا۔ یعنی حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں متفرق قرآن شریف کے جمع کئے جانے سے پہلے حضرت حفصہؓ نے اپنے لئے پورا قرآن شریف لکھا تھا۔ جسے لوگ قرآن حفصہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ جنھوں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے انھیں معلوم ہے کہ قرآن کی آیتیں جو تیئیس سال کی مدت میں بتدریج نازل ہوئی ہیں حضرت محمدؐ کی زندگی میں ایک جگہ جمع نہیں ہوئی تھیں یعنی پیغمبر اسلام نے ان کے جمع کرنے کے

لئے خود کوئی اقدام نہیں کیا تھا لیکن اسی وقت چند صحابہ جن میں علیؓ و حفصہؓ بھی شامل تھے اپنے لئے قرآن لکھتے تھے تاکہ آیات کا پورا مجموعہ ان کے پاس موجود رہے۔

حضرت محمدؐ امّی (یعنی بے پڑھے لکھے انسان) تھے لہذا جب کوئی آیت ان پر نازل ہوتی تھی تو اس کو زبانی یاد کر لیتے تھے کیونکہ عربوں میں حفظ کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی جو کچھ سنتے تھے فوراً زبانی یاد کر لیتے تھے۔

حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد خصوصاً حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں (جو مشہور سیاسی آدمی ہیں اور دس سال کی مدت میں دنیا کی تین بڑی حکومتوں — ایران، مصر، شام — کو اسلامی حکومت کا جزء بنا دیا تھا) لڑائیوں میں بہت سے حافظِ قرآن مارے گئے۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھیں اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو تمام حفاظ لڑائیوں میں شہید ہو جائیں یا فوت ہو جائیں۔ اور قرآن شریف کا کچھ حصہ ناپید ہو جائے۔ دوسرے یہ خوف بھی ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو حفاظ کے نہ ہونے یا جن لوگوں کو قرآن کی آیتیں یاد ہیں انکے فوت یا شہید ہونے سے قرآن میں تحریف پیدا ہو جائے اور مختلف قرآن وجود میں آجائیں جیسے عیسائی مذہب میں متعدد انجیل وجود میں آگئیں ہیں۔

لہذا آپؓ نے کچھ لوگوں کو مامور کیا کہ تمام آیاتِ قرآن کو جمع کریں اور اس کو تحریر میں لائیں عام اس سے کہ حفاظ یا قراء سے سنیں یا لکھے ہوئے سے نقل کریں۔ جب تمام آیتیں لکھی جا چکیں تو حضرت عثمان نے حکم فرمایا کہ جن کاغذوں، ہڈیوں اور ٹکڑوں پر متفرق قرآن کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں انھیں مٹا دیا جائے۔ روایت کرتے ہیں کہ ان قرآنوں کو بھی مٹا دیا گیا جنھیں بعض اصحاب نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ منجملہ ان میں ایک حضرت حفصہؓ کا بھی قرآن تھا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی نو بیویاں تھیں۔ یہ سب حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؐ کے عقد میں آئی تھیں۔ کیونکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا جب تک حضرت خدیجہ زندہ تھیں پیغمبر اسلام نے

کوئی دوسری شادی نہیں کی تھی آپؐ کی بیویوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اُمّ سلمہؓ دختر ابی امیہ (۲) سودہؓ دختر زمعہ (۳) عائشہؓ دختر ابوبکرؓ (۴) اُمّ حبیبہؓ دختر ابوسفیان (۵) حفصہؓ دختر عمرؓ بن الخطاب (۶) صفیہؓ دختر حی بن اخطب خیری (۷) میمونہ دختر حرث ہلالی (۸) زینب دختر جحش اسدی (۹) جویریہ دختر حرث مصطلق۔

باوجودیکہ پیغمبر اسلام کی نو بیویاں تھیں لیکن پھر بھی آپ بہت شرمیلے آدمی تھے۔ آپکی حیا کے متعلق اسلامی تاریخوں میں چند روایتیں پائی جاتی ہیں۔ انھیں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک دن پیغمبر اسلام مدینہ کے نخلستان میں تشریف لے گئے۔ آپؐ نے دیکھا کہ باغبان کھجور کے گلدستے دوسرے گلدستوں سے ٹکراتے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو؟ باغبانوں نے جواب دیا کہ جو پھول ہمارے ہاتھوں میں ہیں نر ہیں اور جو پھول نچلے ہاتھوں میں ہیں وہ مادہ ہیں۔ ہم نر پھولوں کو مادہ پھولوں سے ٹکراتے ہیں تاکہ اس کا اثر مادہ پھولوں میں آجائے اور انھیں بارآور بنادے۔ یہ سُن کر آپکو اس قدر شرمندگی ہوئی کہ آپکو پسینہ آگیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ کام نہ کرو۔

پیغمبر کے حکم کے مطابق باغبان اس کام سے رُک گئے۔ مادہ کھجور کے درختوں نے اس سال پھل نہ دیا۔ کیونکہ انھیں بارآور نہیں بنایا گیا تھا۔ پیغمبر اسلام نے جب سنا کہ کچھ درختوں میں پھل نہیں آیا ہے تو اپنا حکم منسوخ کردیا۔ لیکن جب تک آپؐ زندہ رہے مادہ کھجوروں کے بارآور کرنے کے وقت نخلستان تشریف نہ لے گئے۔

مکہ میں صرف سلافہ ہی نے مسلمان کے کاسۂ سر کو آبخورہ بنا کر استعمال نہیں کیا تھا بلکہ دوسری عورتیں بھی اس کی کوشش کرتی تھیں کہ کسی مسلمان کے کاسۂ سر میں پانی پئیں۔ جب مدینہ کے زرگر وہاں سے نکلے تو کچھ مکہ میں جاکر آباد ہوگئے۔ اس کے بعد دوسرا گروہ مدینہ سے نکلا تو وہ بھی مکہ جاکر آباد ہوگیا۔ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے خلاف قریش کو شدت کے ساتھ بھڑکاتے تھے ان دونوں گروہوں نے قریش کے ساتھ ایک جنگی معاہدہ کیا۔ چونکہ یہ لوگ یہودی تھے لہذا

خانہ کعبہ کی دیوار کے پاس جاکر قسم کھائی کہ اپنا وعدہ پورا کریں گے۔

قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص ایک زندہ مسلمان کو ان کے حوالے کرے گا وہ بہت بڑا انعام پائے گا۔ قریش نے جو انعام مقرر کیا تھا وہ بہت زیادہ تھا اس لئے بدوی قبیلے لالچ میں پڑ گئے انھوں نے ارادہ کیا کہ مسلمانوں کو پکڑ کر قریش کے حوالے کریں اور انعام حاصل کریں۔ چونکہ مکہ میں کوئی مسلمان نہ تھا جو قریش کے ہاتھ لگتا، اس لئے بدوی قبائل نے ارادہ کیا کہ اطراف مدینہ سے مسلمانوں کو گرفتار کر کے لائیں۔

جب جنگ اُحد ختم ہو گئی تو مدینہ کے جنوب کے ایک گروہ نے حضرت محمدؐ سے درخواست کی کہ کچھ مسلمان انکے قبیلے میں بھیجدیں تاکہ وہ قبیلے والوں کو ہدایت کریں اور مسلمان بنائیں۔ حضرت محمدؐ نے عمیر بن ثابت نامی ایک ہوشیار مسلمان کو تیس آدمیوں کے ساتھ بھیجا کہ وہ اس قبیلے میں جائیں اور لوگوں کو ہدایت کریں۔

بدوی قبائل جو راہ میں گھات لگائے بیٹھے تھے انھوں نے مسلمانوں کو پکڑنا چاہا مگر مسلمان ان کے قبضہ میں نہ آئے بلکہ جنگ پر مستعد ہو گئے اور تین آدمیوں کے سوا سب شہید ہو گئے۔ بدویوں نے ان تینوں کو پکڑ لیا اور انھیں مکہ لے گئے تاکہ اشراف قریش کے ہاتھ فروخت کریں۔

ان میں سے ایک شخص چونکہ جانتا تھا کہ اگر وہ مکہ پہونچے گا تو خوفناک شکنجہ میں مارا جائے گا اس لئے بھاگ گیا۔ بدویوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے پاس پہونچ گئے۔ چونکہ وہ شخص مقابلہ کر رہا تھا اس لئے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس طرح اس مرد مجاہد کا جسم الراجی نامی مقام پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ دوسرے دو مسلمانوں کو بدوی مکہ لے گئے مگر وہاں پہونچ کر انھیں حوالہ کرنے اور موعودہ انعام لینے سے پھر گئے۔ کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ تمام اشراف ان کے خواستگار ہیں تاکہ سخت سے سخت شکنجہ میں قتل کریں۔ اس وجہ سے ان دونوں کو نیلام میں ڈال دیا (یعنی یہ کہ زیادہ سے زیادہ قیمت پر دیں گے)۔

صفوان بن امیہ جو ابوسفیان کے بعد سب سے زیادہ مشہور آدمی تھا اس مقابلہ کی خریداری

میں ان میں سے ایک مسلمان کو خرید لیا۔ جو مسلمان صفوان بن امیہ کے حصہ میں آیا عمیر بن ثابت رئیس جماعت تھے۔ دوسرے مسلمان کو بھی مکہ کے ایک بڑے شخص نے خرید لیا۔ مکہ والوں نے جب دیکھا کہ وہ دونوں شخص صرف اپنی لذت کے لئے دو مسلمانوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو اعتراض کرنا شروع کر دیا اور کہا کہ ہمیں بھی مسلمانوں سے تکلیف پہونچی ہے۔ جنگ بدر و احد میں ہمارے لوگ بھی مارے گئے ہیں لہٰذا ہم لوگ بھی چاہتے ہیں کہ ان دونوں کے قتل کا منظر دیکھیں۔ اگر تم انھیں قتل کرنا چاہتے ہو تو مکہ کے ایک بڑے میدان میں قتل کرو تاکہ ہم بھی لذت اٹھائیں۔

صفوان بن امیہ تیار ہوئے کہ عمیر بن ثابت کو مکہ کے عام میدان میں قتل کریں۔ انکے قتل کے لئے نستاس نامی ایک شخص کو مقرر کر دیا۔ صفوان نے کہا کہ میں نے کثیر رقم خرچ کر کے عمیر بن ثابت کو خریدا ہے۔ لہٰذا قتل کے بعد اسکے سر کو نیلام میں رکھیں گے تاکہ جو شخص خواہشمند ہو اس کا سر خریدے اور اس میں پانی پیئے لیکن جب وہ جنازہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ عمیر بن ثابت کی نعش بے پناہ پیلی بھڑوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور کافی تعداد میں بھڑیں انکے اوپر اڑ رہی ہیں۔ کھوپڑی کا خریدار بھڑوں کی فوج سے ڈر گیا اور اپنے دل میں سوچا کہ جس وقت اندھیرا ہو جائیگا اور بھڑیں چلی جائیں گی اس وقت میں آؤں گا اور سر کو تن سے جدا کر کے لیجاؤں گا۔ لیکن اسلامی مورخین لکھتے ہیں کہ جب رات ہوئی تو ایک بڑا سیلاب آیا اور عمیر بن ثابت کی کو بہالے گیا۔ چنانچہ خریدار اپنی آرزو پوری نہ کر سکا کہ مسلمان کے سر کو پیالہ بنائے اور اس میں پانی پیئے۔

دوسرے مسلمان کو مکہ والے شہر سے باہر لے گئے اور تنعیم نامی مقام پر پھانسی دی۔ اس مرتبہ بھی ہمیں مسلمان مؤرخوں کی خاموشی کا سامنا کرنا پڑا ہے کیونکہ انھوں نے اس شخص کا نام ذکر نہیں کیا اور یہ نہیں بتلایا کہ وہ کون ہیں؟ حالانکہ ایسے شخص کا نام ذکر کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ اس شخص نے سب سے پہلے ایمان کی راہ میں پھانسی پائی ہے۔ اسے ضرور پہچاننا چاہیئے۔

اس شخص کو اس طرح پھانسی دی گئی کہ پھانسی کا تختہ زمین پر رکھا گیا۔ اس پر آدمی کو پیٹھ کے بل لٹا دیا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو پھانسی کے دونوں بازوؤں پر میخوں سے جڑ دیا مگر وہ

مرد مسلمان لگاتار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتا رہا اس کے تختہ کو بلند کیا اور مردوں وعورتوں نے پتھر مارنا شروع کیا۔ جن کے پاس نیزہ تھا وہ نیزے چبھانے لگے۔

مکہ والے اس مرد کی پھانسی سے اس قدر خوش ہوئے کہ بعد میں جب بھی کسی مسلمان کو پاتے تھے تو اسے اسی طرح پھانسی پر لٹکاتے تھے اور اس پر پتھر برساتے تھے۔ جون ۶۲۵ء مطابق ۳ھ کو مدینہ کے چالیس مسلمان ایک قبیلہ کی طرف جا رہے تھے تاکہ انھیں مسلمان کریں کہ بدویوں نے انھیں گھیر لیا اور بیئر معونہ کے پاس ان پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ اگر گرفتار ہو گئے تو طرح طرح کی تکلیفوں کے ساتھ قتل کیے جائیں گے۔ اس لئے انھوں نے سخت مقابلہ کیا اور سب کے سب شہید ہو گئے۔

قریش کی لڑائی کا نقشہ

جنگ احد کے خاتمہ کے بعد ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر پھر جنگ کرنا چاہتے ہو تو اگلے سال بدر کے بازار مکارہ میں جمع ہونا۔ بازار مکارہ ہر سال لگتا تھا اور ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں رہتا تھا۔ اگلے سال اپریل کے مہینے میں حضرت محمدؐ پندرہ سو مسلمان اور پچاس گھوڑوں کے ساتھ بدر کے بازار مکارہ میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے ابوسفیان کو سمجھانا چاہا کہ مسلمان اس کی فوج سے خوف زدہ نہیں ہیں۔ بلکہ دوبارہ اس سے لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ابوسفیان باوجودیکہ دو ہزار جنگی آدمی رکھتا تھا مسلمانوں سے لڑنے کی جرأت نہ کرسکا۔ اور یہ حیلہ کرکے بھاگ گیا کہ خشک سالی کے باعث یہاں اس کے اونٹوں کو چارہ نہیں ملتا ہے۔

ابوسفیان کے (مسلمانوں کے ساتھ) جنگ سے باز رہنے سے حضرت محمدؐ اور انکے پیروؤں کو بہت فائدہ پہونچا کیونکہ سب کو معلوم ہوگیا کہ ابوسفیان مسلمانوں سے زیادہ فوج رکھنے کے باوجود مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ جس طرح مسلمانوں کی حیثیت بدر میں بڑھ گئی تھی اسی طرح اس سال بھی بازار مکارہ سے انھیں بہت فائدہ ہوا۔ لیکن جب وہ مدینہ واپس آئے تو قریشیوں نے ان کا سیاسی محاصرہ کرنا چاہا۔ چنانچہ قریش مکہ نے (جو مدینہ سے چار سو کیلومیٹر جنوب میں رہتے تھے) خیبر کے یہودیوں کے ساتھ جنگی معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔

مدینہ کے شمال میں دو سو کیلومیٹر پر خیبر ایک شہر تھا جہاں یہودیوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ قریش نے نہ صرف یہودیوں کو جنگ کے لئے متحد کیا بلکہ کوشش یہ کی کہ دو بدوی قبیلے بنی فزارہ اور غطفان کو بھی اپنے ساتھ ملالیں۔ بنی فزارہ اور غطفان کے قبیلے مدینہ کے شمال میں جنگل میں رہتے تھے۔ قریش مکہ نے تو ان کے ساتھ ساز باز کیا ہی تھا خیبر کے یہودیوں نے بھی ان دونوں قبیلوں

سے گفتگو کی اور یہ بات طے ہوئی کہ اگر یہ دونوں قبیلے مسلمانوں کے خلاف ہماری مدد کریں تو خیبر والے ایک سال کی کھجور کی پیداوار ان دونوں قبیلوں کے حوالے کر دیں گے۔

غطفان اور بنی فزارہ کے قبیلوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔ اس طرح سے ان دونوں قبیلوں اور خیبر کے یہودیوں کے درمیان مسلمانوں کے خلاف ایک جنگی اتحاد پیدا ہو گیا۔ مدینہ کے مشرق میں بھی ایک قبیلہ رہتا تھا جس کا نام بنو سلیم تھا۔ قریش نے اسلام کے خلاف اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح سے مدینہ کا سیاسی محاصرہ ہو گیا اور جلد ہی یہ سیاسی محاصرہ حقیقی اقتصادی محاصرہ میں تبدیل ہو گیا کیونکہ مدینہ کے قافلے نہ مشرق کی طرف جا سکتے تھے نہ شمال و جنوب کی جانب۔ شمال کی طرف قبیلہ غطفان و بنو فزارہ روکتے تھے اور جنوب کی طرف قبیلہ قریش اور دوسرے دو قبیلے کنانہ و ثقیف (جو قریش کے ساتھ متحد تھے) مدینہ کے قبیلوں کی پیش قدمی کو روکتے تھے۔ مشرق کی طرف قبیلۂ بنو سلیم مدینہ والے قافلوں کو روکتا تھا۔

مدینہ کے محاصرہ میں مدد پہونچانے والی دوسری چیز یہ تھی کہ ملک شام کے نزدیک ایک شہر تھا جس کا نام دومۃ الجندل تھا۔ ملک شام جانے والے تمام عربی قبائل دومۃ الجندل سے گذرتے تھے۔ اس شہر میں کچھ عربی قبیلے بھی رہتے تھے اور ایک مقامی رئیس ان کی سرداری کرتا تھا۔ وہی رئیس گویا اس شہر کا حاکم بھی تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کے کسی قافلہ کو شہر سے گذرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ چونکہ ملک شام جانے والوں کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا اس لئے حضرت محمدؐ اور مسلمان اس پابندی سے بہت متاثر ہوئے

باوجودیکہ مدینہ میں بارش ہوتی تھی اور وہاں باغ و کھیت بھی تھے مگر پھر بھی مدینہ والے اپنی تمام ضروریات زندگی فراہم نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اطراف و جوانب خصوصاً ملک شام سے تجارت کرنے پر مجبور تھے تاکہ ضروریاتِ زندگی باہر سے مہیا کریں۔ حضرت محمدؐ اقتصادی محاصرہ سے بہت متاثر ہوئے لیکن چونکہ آپ خدا پر بھروسہ رکھتے تھے اس لئے خیال فرماتے تھے کہ حالات درست ہو جائیں گے۔

ہم لوگ یورپ والے خیال کرتے ہیں کہ توکل کا مطلب مسلمانوں کے نزدیک صرف یہ ہے کہ وہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھے رہیں اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کریں اور آسمان کی طرف اپنا منھ کھولے رہیں تاکہ آسمان سے لقمہ ان کے منھ میں گر پڑے مگر واقعہ ایسا نہیں ہے۔ جو مسلمان خدا پر توکل رکھتے ہیں وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہتے اور محنت سے جی نہیں چراتے بلکہ جب وہ کوشش میں مصروف رہتے ہیں تو ٹھیک اسی وقت وہ خدا پر بھی بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ایک ایماندار مسلمان سخت ترین موقع پر بھی ناامید نہیں ہوتا اور فکر میں رہتا ہے کہ شاید کوئی اعجاز ظاہر ہو اور اسے مصیبت سے نجات حاصل ہو جائے۔

جب مدینہ کا محاصرہ مکمل ہو گیا تو قریش نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ جن میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی تھا حضرت محمد اور مسلمانوں کے لئے ایک نقشہ تیار کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کسی بہانہ سے حضرت محمدؐ کو مدینہ سے باہر کریں۔ جب وہ مدینہ سے باہر چلے جائیں تو یکبارگی مسلمانوں پر حملہ کریں اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ دریائے قرمز کے پاس ایک قبیلہ رہتا تھا جس کا نام بنی مصطلق تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس حرث تھا جسے حارث بھی کہا جاتا تھا۔

قریش مکہ نے اس قبیلہ کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ یہ لوگ مدینہ پر حملہ کیلئے تیار ہو گئے۔ جب حضرت محمدؐ کو معلوم ہوا کہ بنو مصطلق حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ پیش دستی کریں اور اس قبیلہ پر حملہ کر دیں۔ مدینہ سے نکلنے کے وقت حضرت محمدؐ نے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو دعوت دی کہ وہ مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج کی سرداری کا عہدہ سنبھالیں۔ عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا اور قریش و یہود کی اس کی مدد سے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے تاکہ انکو ہلاک کر دیں، حضرت محمدؐ کی دعوت کو مسترد نہ کر سکا وہ آپؐ کی تجویز کو قبول کرنے کے لئے مجبور ہو گیا۔

حضرت محمد عبداللہ بن ابی کو اس عنوان سے کہ وہ اسلامی فوج کا حاکم ہے اپنے ساتھ لے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین مدینہ میں بغیر سردار کے رہ گئے اور حضرت محمدؐ کی عدم موجودگی میں

قریش و یہودی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے نقشہ کو پورا نہ کر سکے۔ اس جنگی سفر میں حضرت محمدؐ کے ساتھی بہت تھوڑے تھے۔ تیس آدمیوں سے زیادہ تعداد نہ تھی۔ ان میں دس مہاجر اور بیس انصار تھے۔ بنو مصطلق والے دو سو آدمی تھے۔ حضرت محمدؐ کے سپاہیوں نے مدینہ سے آٹھ منزل دور مغرب کی طرف بنو مصطلق پر حملہ کر دیا۔

بنو مصطلق کے سپاہی حضرت محمدؐ کے سپاہیوں سے سات گنا زیادہ تھے لیکن اسکے باوجود مسلمانوں نے اس قبیلہ کے دس آدمیوں کو قتل کر ڈالا اور سارے قبیلہ کو گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں کا صرف ایک آدمی شہید ہوا۔ مسلمانوں کی جنگ سے پیشتر قبیلہ مصطلق قریش کا تابعدار تھا اور حقیقت میں اسے اجرت ملتی تھی تاکہ مسلمانوں سے جنگ کرے۔ مسلمانوں نے بھی اسے حربی کافر سمجھا یعنی ایسا کافر جس نے مسلمانوں سے جنگ کی ہو اسی وجہ سے اس قبیلہ کے مرد اور عورتوں کو غلام بنا لیا۔ قبیلہ کا سردار حرث بھی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔

عربوں کی رسم کے مطابق قیدی مسلمانوں میں تقسیم ہو گئے۔ جویریہ نامی ایک عورت جو رئیس قبیلہ (بنی مصطلق) کی بیٹی تھی حضرت محمدؐ کے حصہ میں آئی۔ جویریہ بیوہ مگر جوان و خوبصورت عورت تھی۔ گرفتار ہونے کے بعد حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا میں نے سنا ہے کہ آپ پیغمبر ہیں اور لوگ آپؐ کو عادل بتلاتے ہیں۔ اب جبکہ مجھے گرفتار کر لیا ہے کچھ ایسی صورت کیجئے کہ میں اپنے کو آزاد کرا سکوں۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں نے از روئے ظلم تجھے گرفتار نہیں کیا ہے بلکہ تو اپنے باپ کے عمل کے نتیجے میں گرفتار ہوئی ہے۔ اگر تیرا باپ مسلمانوں سے جنگ نہ کرتا تو نہ تو گرفتار ہوتی نہ تیرا باپ گرفتار کیا جاتا۔ اب تو نے آزادی کے لئے درخواست کی ہے لہذا میں تیری آزادی کے لئے کوئی تدبیر نکالوں گا۔ جویریہ نے عرض کیا کہ اے محمدؐ! میں کبھی لونڈی نہیں بنی ہوں۔ میں نے کبھی غلامی نہیں کی ہے مجھے کنیز بننے کی بالکل خواہش نہیں ہے۔

حضرت محمدؐ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم پیغمبر اسلام کی زوجہ بننا چاہتی ہو؟ جو مسلمان حضرت

محمدؐ کے پاس گئے یہ بات سن کر حیرت میں پڑ گئے کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ازدواج سے پیغمبر اسلام کا مقصد کیا ہے ؟ رئیس قبیلہ مصطلق کی بیوہ لڑکی نے عرض کیا ہاں اے محمدؐ میں آپؐ کی بیوی بننے کے لئے تیار ہوں ۔ دوسرے وقت شادی کی رسم ادا ہوئی اور جویریہ پیغمبر اسلام کی بیوی بن گئیں ۔

شادی کے بعد لوگوں کو احساس ہوا کہ جویریہ کا باپ حرث پیغمبر اسلام کا خسر ہے اور یہ مناسب نہیں ہے کہ پیغمبر اسلام کا خسر ایک غلام ہو لہذا حرث کے مالک نے کہا کہ چونکہ حرث پیغمبر اسلام کے خسر ہو گئے ہیں اس لئے میں بھی انھیں آزاد کرتا ہوں ۔

چونکہ اس چھوٹے سے قبیلے کے تمام افراد رشتہ دار تھے اور ایک ہی کنبہ کے لوگ تھے لہذا تمام افراد جنھیں مسلمانوں نے گرفتار کیا تھا جویریہ کی شادی کے بعد رسول خدا کے رشتہ دار ہو گئے اور مسلمان انھیں غلام و کنیز نہ بنا سکے اور جن لوگوں نے غلام و کنیز بنایا تھا انھوں نے بھی آزاد کر دیا ۔ قبیلہ مصطلق والوں نے جب مسلمانوں کی یہ جوانمردی دیکھی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے اور سب سے پہلے جویریہ کے باپ حرث مصطلق نے دین اسلام قبول کیا ۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ قبیلہ اسلام کا وفادار ہو گیا اور اسلامی لڑائیوں میں اس نے بہت وفاداری دکھلائی ۔

جب قبیلہ مصطلق والے مسلمان ہو گئے تو مسلمانوں کی سمجھ میں آیا کہ جویریہ کیساتھ شادی کرنے سے حضرت محمد کا مقصد کیا تھا ۔ آپ نے اس رشتہ داری کے ذریعہ ایک مشرک قبیلہ کو مسلمان کرنا چاہا تھا ۔ مدینہ کے منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی جو جبر و اکراہ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلا تھا اور حضرت محمدؐ کے ساتھ میدان جنگ میں گیا تھا جب اس نے دیکھا کہ حضرت محمدؐ نے اس طرح پورے قبیلہ کو مسلمان کر لیا تو بہت غصہ ہوا اور اس نے ارادہ کر لیا کہ مدینہ واپس ہونے سے پیشتر ہی ان کا کام تمام کر دے ۔ جب قبیلہ مصطلق والے مسلمان ہو گئے اور حضرت محمدؐ نے مدینہ واپس ہونے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن ابی فتنہ انگیزی کے درپے ہو گیا ۔ اس نے پہلے مہاجر سپاہیوں کو جمع کیا اور کہا کہ دیکھا پیغمبر نے کس طرح تم لوگوں کو حق سے محروم کر دیا ۔ ان لوگوں

نے پوچھا کس طرح حق سے محروم کر دیا ؟

عبداللہ بن ابی نے کہا۔ تم لوگ مدینہ سے چلے ہو۔ اور یہاں پہونچ کر اس اُمید سے جنگ کی ہے کہ مالِ غنیمت پاؤ گے۔ لیکن حضرت محمدؐ نے جنگ ختم ہونے کے بعد جویریہ سے شادی کر لی جس کے نتیجے میں تم لوگ غلام اور باندیوں کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تم لوگوں کو ایک درہم کا بھی فائدہ نہیں ہوا اور اب جبکہ مدینہ جاتے ہو تو خالی ہاتھ جا رہے ہو۔

اسی طرح اس نے انصاری سپاہیوں کو بھی جمع کیا اور ان سے کہا کہ تمہیں اس سفر میں دھوکہ ہو گیا۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا دھوکہ ہوا ؟ عبداللہ بن ابی نے کہا مال غنیمت سے محروم ہو گئے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے اپنے غلام اور باندیوں کو کیوں آزاد کر دیا۔ اگر حضرت محمدؐ نے جویریہؓ سے شادی کر لی تو تمھیں کیا ہوا ؟ تمہیں کیوں مالِ غنیمت سے محروم ہونا چاہئے ؟

انصاری سپاہیوں نے کہا کہ حضرت محمدؐ کا جویریہ کے ساتھ شادی کرنا توسیعِ اسلام کا سبب بنا۔ اور ایک قبیلہ مسلمان ہو گیا ہے لہذا ہمیں اس بات کی شکایت نہیں ہے کہ مالِ غنیمت کیوں نہیں ملا ؟ جب عبداللہ بن ابی کو محسوس ہوا کہ انصار اس کے فریب میں نہیں آئے تو اس نے یہ کوشش کی کہ انصار اور مہاجرین میں جھگڑا کرا دے۔ لہذا ان سے کہا کہ حضرت محمدؐ بہت ہوشیار آدمی ہیں۔ انھوں نے انصار کو پھانس لیا ہے۔ مالِ غنیمت نہ ملنے کے باوجود وہ خوش ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ انھیں سمجھا دیں اور یہ لوگ حضرت محمدؐ کے فریب میں نہ آئیں۔

قریب تھا کہ حضرت محمدؐ کی چھوٹی سی فوج کے دونوں دستوں میں تصادم ہو کر برادر کشی شروع ہو جائے کہ اچانک عبداللہ بن ابی کے جوان لڑکے نے (جو اس سفر میں اپنے باپ کے ساتھ تھا) حضرت محمدؐ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ اگر آپ فوراً کوئی اقدام نہیں کرتے ہیں تو جنگ شروع ہو جائے گی حضرت محمدؐ نے اپنے کلام کی تاثیر سے جنگ کو روک دیا۔ اور مدینہ کی طرف چلنے کا حکم فرمایا تاکہ بعد میں بھی آپ کے سپاہی کوئی شورش نہ کر سکیں۔ لوگ چل پڑے۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ تیز چلیں۔ کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ بیکاری اور عبداللہ بن ابی کے وسوسہ کے باعث پھر کوئی شورش

برپا نہ ہو جائے۔

راستہ میں عبداللہ بن ابی کا لڑکا پھر حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے محمدؐ جیسا کہ میں نے آپؐ سے عرض کیا میرے باپ کا یہ ارادہ تھا کہ سپاہیوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکا دے اور آپؐ کو قتل کرا دے۔ چونکہ اس نے آپؐ کے ساتھ بُرا ارادہ کیا ہے۔ لہٰذا وہ قتل کا مستحق ہے۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اسے قتل کر دوں۔ آپؐ کو معلوم ہونا چاہئے کہ مدینہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اپنے باپ کے ساتھ مجھ سے زیادہ وفادار ہو۔ لیکن جب مجھے معلوم ہو گیا کہ میرا باپ پیغمبر اسلام کے بارے میں برا ارادہ رکھتا ہے تو میں اسے قتل کا مستحق سمجھتا ہوں۔ جب بھی آپؐ اسے ہلاک کرنے کا حکم دیں گے میں اسے فوراً ہلاک کر دوں گا۔

حضرت محمدؐ اس جوان کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے کیونکہ وہ سچے دل سے بول رہا تھا مگر آپؐ نے فرمایا کہ میں اسے قتل کرنے کا حکم نہیں دوں گا میں نہیں چاہتا کہ وہ مارا جائے بلکہ میری خواہش ہے کہ وہ زندہ رہے اور ہمارے درمیان زندگی بسر کرے۔ اگرچہ حضرت محمدؐ عبداللہ بن ابی کی منافقت سے واقف تھے لیکن آپؐ اس کے قتل کے درپے نہ ہوئے کیونکہ آپ بخشش فرماتے تھے اور دشمنوں سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ لیکن عبداللہ بن ابی حق شناس نہ تھا۔ اس نے بجائے اس کے کہ حضرت محمدؐ کا شکریہ ادا کرے کہ انھوں نے اس کی جان بچائی اور اس کا جرم معاف کر دیا۔ الٹے اس نے اس بات کی کوشش کی کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور پیغمبر اسلام پر دوسری ضرب لگائے۔ چنانچہ اس کوشش میں اسنے ایک عجیب و غریب واقعہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں پیش کیا۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ پیغمبر اسلام اپنے سفروں میں ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کو ساتھ لیجایا کرتے تھے اور ساتھ جانے والی عورت کا انتخاب قرعہ اندازی سے کیا کرتے تھے تاکہ کسی کو رنجش نہ ہو۔ آپ نے بنو مصطلق کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جو سفر کیا اس میں قرعہ حضرت عائشہؓ کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ اونٹ کی پیٹھ پر کجاوہ میں بیٹھ کر میدانِ جنگ میں تشریف لے گئیں۔

میدانِ جنگ سے مدینہ کی طرف واپسی کے وقت حضرت عائشہؓ کے کجاوہ پر پردہ پڑا ہوا تھا اس لئے لوگوں نے خیال کیا کہ وہ سوئی ہوئی ہیں لہذا کسی کو ان کے موجود نہ ہونے کا پتہ نہ چلا۔ انھوں نے اونٹ کو اٹھایا اور چل پڑے۔ حضرت عائشہؓ کو جب معلوم ہوا کہ قافلہ جا چکا ہے اور وہ پیچھے رہ گئی ہیں تو وہ قافلہ کے پیچھے دوڑیں مگر اسے نہ پا سکیں مجبور ہو کر زمین پر بیٹھ گئیں اور دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے مجھے مسلمان بنا کر دنیا میں بھیجا اور اپنے پیغمبر کی بیوی بنایا۔ مجھے نجات دے۔

کچھ دیر بعد ایک تیز رفتار اونٹ سوار وہاں پہونچا۔ معلوم ہوا کہ وہ صفوان بن معطل سہمی عقب دار لشکر اسلام ہیں۔ ان کی نگاہ ایک عورت پر پڑی جو زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ صفوان حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور انھیں پہچان لیا۔ صفوان نے ان کو اپنے اونٹ کی پیٹھ پر بٹھا لیا اور مدینہ کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت محمدؐ کا قافلہ مدینہ پہونچ گیا تو اس کے ایک روز بعد یہ بھی مدینہ پہونچے۔

عبداللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کو صفوان بن معطل سہمی مدینہ لایا ہے تو وہ بہت خوش ہوا کہ اچھا موقع ہاتھ آیا ہے تہمت لگا کر حضرت محمدؐ کو تکلیف پہونچائی جائے چنانچہ اس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ پیغمبر اسلام کو تکلیف پہونچانے کے لئے کچھ دوسرے لوگ بھی عبداللہ بن ابی کے ہمنوا ہو گئے۔ ان میں سے ایک زید بن رفاعہ تھے۔ دوسرے حسان بن ثابت تھے جو اشعار کہتے تھے۔ تیسرے مسطح بن اثاثہ تھے جو حضرت عائشہؓ کے دور کے رشتہ دار ہوتے تھے

عبداللہ بن ابی اور دوسرے لوگ صبح سے شام تک مدینہ کی گلیوں میں پھرتے رہتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ بلاشبہ صفوان ایک جوان آدمی ہے اور حضرت عائشہؓ بھی جوان ہیں چونکہ یہ دونوں ایک رات دن تنہا بیابان میں رہے ہیں۔ لہذا ان کے درمیان ایسی مناسبت وجود میں آئی ہے جو نہ آنا چاہئے۔ جو یہودی حضرت محمدؐ سے خوش نہ تھے وہ بھی اس افواہ کو خوب پھیلاتے تھے حسان بن ثابت جو شاعر تھے انھوں نے ہجو کی۔ حضرت محمدؐ کے دشمنوں نے اپنی قوت تخیل سے موہوم واقعہ پر رنگ چڑھایا (یعنی اسے خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا)

حضرت محمدؐ نے ایک مسلمان اسامہؓ بن زید سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ اسامہؓ نے عرض کیا کہ اے محمدؐ آپ کی بیوی عائشہؓ میں کوئی نقص نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ کمسن ہیں اس لئے روٹی پکانے کے لئے جب وہ آٹا گوندھتی ہیں تو غافل ہو جاتی ہیں اور بکریاں آکر آٹا کھا جاتی ہیں۔ پھر حضرت محمدؐ نے اپنے چچازاد بھائی اور داماد علیؓ بن ابی طالب سے دریافت فرمایا کہ اے علیؓ میں عائشہؓ کے بارے میں کیا کروں؟ حضرت علی نے عرض کیا کہ اے محمدؐ اگر آپؐ عائشہؓ کو گناہگار نہیں سمجھتے ہیں تو ان افواہوں کی طرف توجہ نہ کریں۔ اور اگر انھیں گناہگار سمجھتے ہیں تو طلاق دیدیں۔ کیونکہ آپؐ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان کشیدگی اسی وقت سے شروع ہوئی۔

حضرت محمدؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے لوگ تمہارے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے رو کر عرض کیا کہ اے محمدؐ لوگ جو کچھ میرے بارے میں کہتے ہیں جھوٹ ہے میں کسی جرم کی مرتکب نہیں ہوئی۔ اس وقت حضرت محمد پر وحی نازل ہوئی۔ اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں اولین آیت جو قرآن شریف کی چوبیسویں سورہ نور کی بارہویں آیتہ ہے نازل ہوئی۔ اس کا مضمون یہ ہے: وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ط یعنی جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ لوگ تمھیں میں سے ہیں اسے اپنے لئے مضر نہ خیال کرو بلکہ اس میں تمھارے لئے نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو تہمت لگا کر گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں سزا دے گا اور جو شخص ان میں سے بہت جھوٹ بولا ہے (یعنی عبداللہ بن ابی) اس کو بہت بڑا عذاب ہوگا۔" سورہ نور کی تیرہویں آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم لوگوں نے (جو ایمان لانے والے مرد اور عورت ہو) جب یہ بہتان سنا تو حضرت عائشہؓ اور صفوان جیسے لوگوں کے بارے میں (جو تمھاری طرح ایمان والے ہیں) نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہیں کہا کہ یہ بات بے بنیاد اور تہمت ہے۔" اسی سورہ کی چودھویں آیت میں فرماتا ہے لَوْلَا جَاءُو

عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ وَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَاءِ فَاُولٰئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ

یعنی اگر وہ اپنی تہمت کو درست سمجھتے ہیں تو چار گواہ کیوں نہیں لاتے تاکہ ثابت ہو جائے کہ عائشہؓ گناہ کی مرتکب ہیں۔ اور جب تہمت لگانے والے گواہ پیش نہیں کر سکے تو خدا کے نزدیک جھوٹے شمار ہوں گے۔"

جو لوگ اسلامی قوانین سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی مرد یا عورت کو تہمت لگائی کہ وہ زانی یا زانیہ ہے تو قرآن کے حکم کے مطابق اسے چار گواہ پیش کرنا چاہئے وہ چاروں شخص گواہی دیں کہ انھوں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ وہ مرد و عورت گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انکی گواہی صریح اور بلا ابہام ہونی چاہیئے۔ اگر گواہ کہیں کہ انھوں نے دیکھا کہ ایسے مرد و عورت جو میاں بیوی نہیں ہیں ایک گھر میں داخل ہوئے اور گھر کا دروازہ بند کر لیا، کچھ دیر تنہا اس گھر میں رہے تو ان کی شہادت ثبوتِ گناہ کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مرد و عورت اس گھر میں گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں۔ جو شخص دوسرے کو زنا کی تہمت لگائے اسے چار گواہ پیش کرنا چاہیئے۔ اگر وہ چار گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ خود مفتری، گنہگار، اور سزا کا مستحق ہے۔

حضرت عائشہؓ کی بے گناہی کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی بارہویں آیت سے لیکر ستائیسویں آیت تک کو ان کی بے گناہی کے لئے خاص کیا ہے اور اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ گناہ کی مرتکب نہیں ہوئی ہیں۔

مذکورہ بالا آیتوں کے نزول سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی کیونکہ مسلمان جو عرب اور تعصب رکھنے والے تھے حضرت عائشہؓ کے بارے میں عبداللہ بن ابی اور اس کے دوستوں کی تہمت سے بہت بیزار تھے۔ ان کی ہجو کے اشعار مسلمانوں کا دل جلاتے تھے۔ لیکن آیات مذکورہ کے نزول کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی بے گناہی ثابت کر دی تو سب خوش ہو گئے

عبداللہ بن ابی نے (جس نے خیال کیا تھا کہ یہ تہمت حضرت محمدؐ اور مسلمانوں پر ضرب کاری ثابت ہوگی) محسوس کیا کہ انکی کشتی اب دنیا سے معدوم ہوجائے گی کیونکہ ان آیتوں کے نزول کے بعد حضرت محمدؐ اور مسلمان مطمئن ہوکر نئی جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے۔

عرب کی پہلی خندق

چونکہ حضرت محمدؐ کے پاس خبریں حاصل کرنے کا انتظام تھا اس لئے آپ کو معلوم ہوگیا کہ قریش والے مدینہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے دس ہزار فوج تیار کر رہے ہیں۔ قریش دس ہزار کی فوج لیکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے خود کو آمادہ کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود حضرت محمدؐ کی جنگی لیاقت کی وجہ سے انھیں یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ حضرت محمدؐ کی موجودگی میں مدینہ پر حملہ کے لئے قدم اٹھائیں۔ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ جب حضرت محمدؐ مدینہ سے باہر چلے جائیں تو حملہ کریں۔ اور منافقین و یہود کی امداد سے مسلمانوں کو ختم کر دیں۔ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام سرحدی شہر دومۃ الجندل جانے اور وہاں کے حکمراں سے جنگ کرنے پر مجبور ہیں۔

دومۃ الجندل کا حاکم خیبر کے یہودیوں اور مکہ کے قریشیوں کے ساتھ اتحاد جنگی کرکے مدینہ کے قافلوں کو شام جانے سے روکتا تھا۔ حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ قریش مکہ ایک بڑی فوج تیار کر رہے ہیں اور مدینہ پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود مجبور تھے کہ دومۃ الجندل تشریف لے جائیں۔ اور وہاں مذاکرہ یا جنگ کے ذریعہ مدینہ کے قافلوں کے لئے شام کی طرف جانے کا راستہ کھولدیں۔

دومۃ الجندل کا حاکم مدینہ کے قافلوں کو شام کی طرف جانے سے روکتا تھا اور اس کی گرفت ایسی تھی کہ گویا مدینہ والوں کا گلہ پکڑ لیا ہو۔ اور انھیں سانس نہ لینے دیتا ہو۔ پیغمبر اسلام مجبور تھے کہ اس سے گلو خلاصی حاصل کریں ورنہ مدینہ کی تجارت ختم ہو جائے گی۔ حضرت محمدؐ دو وجہ سے دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک تو یہ کہ مدینہ اور اس کے درمیان فاصلہ

بہت کم تھا۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر اسلام کے مخبروں نے انھیں خبر دی تھی کہ مکہ میں قریش کی فوج ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔

یہ صورت تھی کہ حضرت محمدؐ ایک ہزار جنگی سپاہی لیکر مدینہ سے نکل پڑے اور دومۃ الجندل کا راستہ اختیار کیا۔ راستہ میں قبیلۂ غطفان کی سرزمین میں پہونچے اور بہتر یہ سمجھا کہ قبیلۂ مذکور کے رئیس سے گفتگو کریں۔ ممکن ہے کہ اس طرح اسے غیر جانبدار بنا سکیں۔

ہم نے اس تاریخی بحث میں بیان کیا ہے کہ عرب بادیہ وہی بولتے تھے جو ان کے دل میں ہوتا تھا۔ ان کے بیان اور مراد میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا یعنی جو کچھ زبان سے کہتے تھے وہ ان کے دل کی آواز ہوتی تھی۔ آجکل بھی عرب کے اس حصہ میں جسے الربع الخالی کہتے ہیں جو جزیرہ کے جنوب میں واقع ہے جہاں ابھی تک جدید تمدن راسخ نہیں ہوا ہے عرب بادیہ وہی بات زبان پر لاتے ہیں جو ان کے دل میں ہوتی ہے۔ جو کچھ بولتے ہیں وہ حقیقت ہوتی ہے کیونکہ وہ حقیقت کے سوا کوئی بات زبان پر نہیں لاتے۔ چنانچہ رئیس قبیلہ غطفان نے بھی گفتگو کے دوران سچی بات بیان کی۔ اس نے بتایا کہ وہ خیبر کے یہودیوں اور قریش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گیا ہے اور اس کے معاوضہ میں یہودیوں سے خشک کھجور لیا ہے۔ اگر آپؐ (حضرت محمدؐ) اس سے زیادہ کھجور دینے پر آمادہ ہیں تو وہ اس بات کے لئے تیار ہے کہ اپنا اتحاد توڑ دے اور قریش سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔

آخر میں رئیس قبیلۂ غطفان نے کہا کہ اے محمدؐ اس وقت مجھے فرصت نہیں ہے کہ آپ سے زیادہ گفتگو کروں کیونکہ مجھے اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ راستہ طے کرنا ہے تاکہ قریش کی فوج سے جو مدینہ جا رہی ہے مل جاؤں اور ان کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کروں۔ حضرت محمدؐ نے قبیلۂ غطفان کے رئیس کی خبر کو صحیح سمجھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ رئیس قبیلہ جھوٹ نہیں بولتا ہے مگر آپ کو فکر تھی کہ شاید قریش نے اسے غلط خبر پہونچائی ہو۔

جب حضرت محمدؐ کو معلوم ہوا کہ قریش کی فوج مکہ سے چل پڑی ہے تو آپ لوٹ پڑے اور

بہت جلد مدینہ پہونچے۔ آپ کی واپسی سے عبداللہ بن ابی اور یہود مدینہ کو سخت حیرت ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام کی عادت یہ ہے کہ جب آپؐ کسی جنگی مہم پر روانہ ہوجاتے ہیں تو جنگ کئے بغیر واپس نہیں ہوتے۔ حضرت محمدؐ کے مدینہ واپس ہونے کے بعد قبیلہ خوزہ کے چند آدمی مدینہ آئے اور حضرت محمدؐ کو خبر دی کہ قریش کی فوج مکہ سے چل پڑی ہے۔ انھوں نے کہا کہ قریشی فوج کو مکہ سے مدینہ پہونچنے میں گیارہ دن لگیں گے (کیونکہ یہ گیارہ دن کا راستہ ہے) لیکن وہ لوگ (قبیلہ خوزہ والے) صرف چار دن میں مدینہ پہونچ گئے ہیں کیونکہ یہ لوگ لگاتار رات دن سفر کرتے رہے ہیں اور کہیں قیام نہیں کیا ہے۔ تاکہ بہت جلد قریشی فوج کی آمد کی خبر پیغمبر اسلام کو پہونچا دیں۔ خبر دینے والوں نے حضرت محمد کو بتایا کہ قریشی فوج کی تعداد دس ہزار ہے۔ سب کے سب ہتھیاروں سے مسلح ہیں اور یہ عزم رکھتے ہیں کہ اس وقت تک مکہ واپس نہ ہوں گے جب تک کہ مدینہ میں اسلام کی دھجیاں نہ اڑا دیں۔ حضرت محمدؐ نے ان لوگوں سے خبر پاکر فوراً مسلمانوں کو حکم دیا کہ جنگ کے لئے تیار ہوجائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس مرتبہ مشرکین کی تعداد گزشتہ مرتبہ سے زیادہ ہے۔ ہمیں دشمن کے حملہ کو دفع کرنے کے لئے انتظام کرنا چاہیئے۔

حضرت محمدؐ نے قریشی فوج کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے جو وسیلہ اختیار کیا وہ ایک خندق کی کھدائی تھی۔ اسی لئے وہ جنگ جو ۶۲۷ء مطابق ماہ شوال ۵ھ میں مسلمانوں اور قریشیوں اور یہودیوں کے درمیان ہوئی ہے غزوۂ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ اس لڑائی میں مختلف دستے شریک ہوئے تھے اس لئے اسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے غزوۂ خندق میں جو طریقہ اختیار کیا اس نے صرف عام لوگوں کو ہی حیرت میں نہیں ڈالا بلکہ بڑے بڑے ماہرین جنگ بھی حیرت میں پڑ گئے کہ کس طرح پیغمبر اسلام نے یہ طریقہ نکالا۔ اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ کیونکہ محض کسی طریقہ جنگ کی ایجاد ہی کمال کی دلیل نہیں ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو گھر میں بیٹھے ہوئے کاغذ پر جنگی نقشے تیار کرتے ہیں اور بڑے بڑے جہازوں کو نیست و نابود کر دیتے ہیں مگر خود ان میں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ کسی جہاز کو میدان میں لیجا کر استعمال کر سکیں۔

دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے خندق کا کھودنا عرب میں ایک ایسا کام تھا کہ مورچہ بندی کے لئے اس کو کام میں لانے کی کوئی مثال گزشتہ زمانہ میں نہیں ملتی۔ عربستان میں اس طریقہ کا آغاز بھی حضرت محمدؐ نے کیا ہے مسلمانوں میں ایک شخص تھا جو روز بہ مہیار فارسی کے نام سے مشہور تھا اور مسلمان اسے سلمان فارسی کہتے تھے۔ اس نے حضرت محمدؐ سے عرض کیا کہ ایران میں قلعہ و شہر کی حفاظت کے لئے ایک خندق کھودتے ہیں وہ گہری اور چوڑی ہوتی ہے تاکہ دشمن کے سوار اور پیدل سپاہی اسے پار نہ کرسکیں۔ سلمان فارسی لمبے چوڑے اور طاقت ور انسان تھے اور پیغمبر اسلام سے بہت خلوص رکھتے تھے۔ انھوں نے جیسے ہی خندق کھودنے کی تجویز پیش کی حضرت محمدؐ نے اسے فوراً قبول فرمالیا۔ سلمان فارسی کی تجویز قبول کرنا تو آسان تھا لیکن خندق کھودنا مشکل تھا۔ چونکہ یہ خندق حملہ کے خطروں سے حفاظت کے لئے بنائی جاتی تھی لہذا مدینہ کے چاروں طرف اس کا ہونا ضروری تھا۔

مسلمانوں کی تعداد زیادہ نہ تھی اور خندق کھودنے کے لئے وقت بھی زیادہ نہ تھا اس کے باوجود حضرت محمدؐ کے اشارہ سے کام شروع ہوگیا۔ حضرت محمدؐ نے خندق کھودنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا حکم یہ بھی صادر فرمایا کہ جو کچھ تیار شدہ فصل مدینہ سے باہر ہے اسے شہر مدینہ میں لے آئیں تاکہ دشمن کی فوجیں جب مدینہ پہونچیں تو کاشتکاری و باغات سے استفادہ نہ کرسکیں۔ دوسری جنگ عظیم میں حکومتوں نے جرمنی کے مقابلہ میں یہی طریقہ اختیار کیا تھا اور جو کچھ فصل کی چیزیں کاشتکاری اور باغات سے حاصل ہوئی تھیں انھیں پیچھے ہٹالے گئے تھے تاکہ حملہ آور جرمنی فوجیں ان سے استفادہ نہ کرسکیں۔ حضرت محمدؐ نے چودہ سو برس پہلے یہ روش اختیار کی تھی۔ اور باغات و کاشتکاری کی تمام پیداوار مدینہ کے اندر منتقل کرلیا تھا۔ لہذا جب مکہ کی فوج مدینہ پہونچی تو خورد و نوش کے اعتبار سے تنگی میں مبتلا ہوگئی۔

مدینہ کے تمام مسلمان مرد اور عورتیں حتیٰ کہ لڑکے اور لڑکیاں بھی جو کھدائی کے اوزار اٹھا سکتے تھے خندق کھودنے میں مشغول ہوگئے۔ خندق کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا کہ شمال و مغرب جنوب

مغرب اور جنوب کا کچھ حصہ گھیر لیا۔ یہ خندق مدینہ کے شمال میں قلعۂ شیخین سے شروع ہوتی تھی اور جنوب میں حومۂ قبا پر ختم ہوتی تھی۔ خندق کچھ اس طرح سے بنائی گئی کہ جتنی قدرتی رکاوٹیں تھیں سب کا احاطہ کر لیا تاکہ شہر والے لوگ دشمن کو روکنے کیلئے قدرتی رکاوٹوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مدینہ میں ناپنے کا آلہ صرف ہاتھ تھا۔ یعنی انگلی سے کہنی تک ہاتھ کا حصہ۔ مدینہ کا ایک ہاتھ آجکل کا نصف میٹر شمار ہوتا ہے۔

حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو خندق کھودنے کے لئے دس دس آدمیوں کی جماعتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور چالیس ہاتھ خندق کی کھدائی ہر جماعت کے سپرد کی۔ افسوس ہے کہ اسلامی مؤرخوں نے بعض چیزوں کے تحریر کرنے میں تساہلی سے کام لیا ہے۔ انھوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ خندق کتنی چوڑی تھی البتہ اس کی لمبائی بارہ ہزار ہاتھ یا آجکل کے حساب سے چھ کیلومیٹر تھی۔ خندق کی گہرائی ڈھائی میٹر سے زیادہ تھی اس لئے یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اسکی چوڑائی تقریباً تین میٹر رہی ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لمبی خندق کافی چوڑی تھی اور اس کی دیواریں عمودی (سیدھی) تھیں کیونکہ اگر خندق کافی چوڑی نہ ہوتی تو سوار اسے پھاند جاتے اور اگر اس کی دیواریں سیدھی نہ ہوتیں تو پیدل چلنے والے اسے عبور کر کے شہر میں داخل ہو جاتے۔

قدیم زمانے میں شہر یا قلعہ کے دفاع کے لئے بے آب خندق پانی والی خندق سے زیادہ مفید ہوتی تھی کیونکہ اگر خندق پانی سے بھری ہوتی تو سوار اپنے گھوڑوں کے ذریعہ اسے عبور کر لیتے اور اسی طرح دشمن کی فوج کشتیوں کے ذریعہ اسے پار کر کے شہر میں داخل ہو جاتی۔ مدینہ کے تین طرف چھ کیلومیٹر لمبی خندق کھودنے میں مسلمانوں نے رات دن زحمت اٹھائی۔ یہ طویل خندق آجکل بھی جلوہ گر ہے۔

دس آدمیوں والی ہر جماعت میں جو مخصوص مقدار میں خندق کھودنے کے لئے مامور تھی کافی لوگ برابر جاگتے رہتے تھے۔ انھیں صرف باری باری سے سونے کا موقع ملتا تھا۔ حضرت محمدؐ دوسروں کو مدد دینے کے لئے پھاوڑا چلاتے تھے اور مٹی اٹھاتے تھے۔ ایک دن حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بن الخطاب

کے پاس ٹوکری نہ تھی۔ کیونکہ ٹوکری دوسرے لوگوں کو دیدی تھی۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات (جو ہجرت سے پہلے مکہ کے بزرگ شمار ہوتے تھے) اپنی چادر میں مٹی بھرنے اور اٹھانے لگے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خندق مدینہ کے شمال میں شیخین سے شروع ہوتی تھی اور حومۂ قبا پر ختم ہوتی تھی۔ لہٰذا مدینہ کا ایک حصہ یعنی شمالی مشرقی و شرقی و جنوبی مشرقی بلا خندق رہ جاتا تھا۔ لیکن ان تین حصوں میں دشمن کو روکنے کے لئے بہت سے موانع خصوصاً تنگ گلیاں اور گھنے باغ موجود تھے۔ جب اس حصہ میں اسلامی تیر انداز اور غلیل چلانے والے درختوں پر بیٹھ جاتے تھے تو مکہ کی سوار اور پیدل فوج کو راستہ پار کرنے سے روک دیتے تھے۔ اس لئے مکہ کے سوار اور پیادے باغوں کے تنگ راستوں سے بسہولت نہیں گذر سکتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت محمدؐ نے اس حصہ میں خندق کھودنے کی ضرورت نہ سمجھی اور جنگ کے بعد یہ بات ثابت ہو گئی کہ پیغمبر اسلام کا نظریہ درست تھا۔

حضرت محمدؐ نے خندق کھودنے والوں کو بلند آواز سے پڑھنے کی اجازت دے دی۔ اور فرمایا تھا کہ جو شخص خوش الحان ہو وہ پڑھے تاکہ دوسروں کی سستی دور ہو جائے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جو لوگ شعر پڑھ سکتے ہیں وہ برانگیختہ کرنے والے اشعار پڑھیں تاکہ کام کرنے والوں میں پائیداری اور تقویت آئے۔

عمارہ بن حزم ایک بارہ سالہ لڑکا تھا جس کی آواز بہت دلکش تھی ایک دن حضرت محمدؐ اسی طرف کام کر رہے تھے جہاں عمارہ بن حزم کام کرتا تھا۔ آپؐ نے اس کی دلپسند آواز سنی اس کے بعد اس کو اپنے ساتھ خندق کے تمام حصوں میں لیجاتے تھے تاکہ تمام لوگ اس کی آواز سنیں اور ان کی خستگی دور ہو جائے۔ جب ایک جماعت اپنا کام جلد ختم کر لیتی تھی تو بجائے اس کے کہ آرام کرے نہایت خوشی کے ساتھ دوسری جماعت کی مدد کرتی تھی۔ ایسی ہمت اور ایثار کی مثال قدیم دنیا میں نہیں پائی جاتی ہے اور جدید دور میں بھی ہمارے پاس اس کے لئے کوئی نمونہ نہیں ہے صرف لینن گراڈ کے لوگوں کی فداکاری اسکا نمونہ بن سکتی ہے۔ دوسری

جنگ عظیم میں مرد نیز عورتیں شہر سے نکلیں اور بیلچہ اور پھاوڑا ہاتھ میں لیکر خندق کھودنے لگیں اور مورچے بنائے تاکہ حملہ آور دشمن کو روک سکیں۔

جب مکہ کی فوج مدینہ پہونچی تو مسلمان خندق مکمل کر چکے تھے اور مرد لڑنے کے لئے ہتھیار لے کر تیار تھے۔ جنگ احد کے بیان میں میں بتا چکا ہوں کہ مکہ کی فوج جنوب کی طرف سے مدینہ نہیں پہونچ سکتی تھی کیونکہ پتھریلی زمین اونٹوں کے لئے مناسب نہیں تھی۔ اس سبب سے مکہ کی فوج نے مدینہ کا چکر لگایا تاکہ شمال و مغرب کی طرف سے دامنِ کوہِ اُحد کے راستے سے مدینہ میں داخل ہو۔

مکی فوج کے سردار ابوسفیان تھے۔ وہ کوہِ اُحد کے دامن میں پہونچ کر امیدوار تھے کہ اسلامی فوج کا پتہ لگا کر اسے نیست و نابود کر دیں۔ مکی فوج دس ہزار تھی جس میں کچھ مکہ کے باشندے تھے اور کچھ دوسرے قبیلوں کے لڑنے والے لوگ شامل تھے جیسے قبیلہ بنو فزارہ غطفان، احابش، تہامہ، کنانہ وغیرہ۔ ابوسفیان مطمئن تھے کہ جس وقت مسلمان نظر آئیں گے ایک ہی حملہ میں ان کا کام تمام کر دیں گے مگر جب انھیں کوہِ اُحد کے دامن میں نہ پایا تو مدینہ پر حملہ کا حکم دیا۔ چنانچہ لوگوں نے مدینہ پر حملہ کر دیا مگر حملہ کرنے والے قریشی سپاہیوں نے اپنے کو خندق کے مقابل پایا۔ عربوں کے لئے قلعہ تو کوئی نئی چیز نہ تھی مگر انھوں نے خندق کبھی نہ دیکھا تھا۔ لہذا خندق دیکھتے ہی حیرت میں پڑ گئے اور وہیں ٹھہر گئے۔ مکی فوج کے سردار ابوسفیان نے بھی جب خندق دیکھا تو اپنے سپاہیوں کی طرح حیرت میں پڑ گیا اور سمجھ گیا کہ وہ اسے پار نہیں کر سکتا۔

اگر مکہ کی فوج میں کوئی ایرانی یا رومی جنگی سردار ہوتا تو وہ جان لیتا کہ کس طرح خندق کو عبور کرنا چاہیئے لیکن ابوسفیان ایک تاجر تھا اسے جنگی واقفیت حاصل نہ تھی۔ اس سے عربوں کی سادگی اور بے خبری کا پتہ چلتا ہے کہ دس ہزار فوج ایک خندق کے پاس ٹھہر گئی اس کا عبور کرنا انکی نظر میں ایسا ناممکن معلوم ہوا کہ ابوسفیان کے حکم کے بغیر انھوں نے اپنے خیمے

خندق کے کنارے نصب کر دئے کیونکہ انھوں نے جان لیا کہ ان میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ خندق پار کریں۔ اور اس طرف مسلمانوں سے جنگ کریں۔ لہذا اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ شہر کا محاصرہ کریں۔ خندق کے ایک جانب کی فوج تھی اور دوسری جانب مسلمان تھے وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور آواز بھی سنتے تھے۔

مکہ والے سپاہی مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم نہ عرب ہو نہ بہادر اگر عرب یا بہادر ہوتے تو خندق کی آڑ میں پناہ نہ لیتے۔ تمہاری جانب سے اس خندق کا کھودا جانا ثابت کرتا ہے کہ تم بزدل ہو۔ اگر جنگ سے ڈرتے نہ ہوتے تو یہ خندق نہ کھودتے۔ ہم جنگ سے نہیں ڈرتے ہیں اسی وجہ سے خندق کی پناہ نہیں لیتے۔ کیا ہمارے باپ دادا تمھاری طرح خندق کھودتے تھے اور اس میں پناہ لیتے تھے؟ اور جنگ میں جانے سے ڈرتے تھے؟ اگر تم عرب اور بہادر ہو تو خندق سے باہر آؤ۔ اس طرف آکر تلوار چلاؤ تاکہ معلوم ہو کہ بازو میں کتنی طاقت ہے۔

مسلمان یہ باتیں سنتے تھے اور کوئی جواب نہیں دیتے تھے وہ صرف نگرانی کرتے تھے کہ مکے والے خندق کو عبور نہ کریں۔ اس موسم میں ہوا سرد تھی۔ مکے والے اپنے خیموں میں ٹھنڈک محسوس کرتے تھے۔ مسلمان بھی جو چوکیوں پر نگرانی میں مشغول تھے سردی کی تکلیف برداشت کرتے تھے۔ مگر جنکی باری نہ ہوتی تھی وہ گھر جا سکتے تھے۔ حضرت محمدؐ ساری رات وہیں گذارتے تھے اور مکان تشریف نہ لیجاتے تھے۔ چونکہ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے قریب نہ ہوسکیں اس لئے تیراندازی سے جنگ کرتی تھیں جس سے دونوں طرف کے کچھ افراد زخمی ہو گئے۔ جب رات ہوجاتی اور تاریکی کے باعث تیرانداز اپنے دشمن کو نہ دیکھ سکتے تو تیراندازی بند کر کے گالی گلوچ شروع کر دیتے تھے اور شعراء ہجو کے اشعار بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

دن کی تیراندازی اور رات کی ملامت کے درمیان طرفین کے لوگ معاملہ بھی کرتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں نے قبیلہ غطفان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر وہ مکہ والوں

سے علٰحدہ ہوکر مسلمانوں سے مل جائیں تو انھیں مدینہ کی تمام کھجوریں دیدی جائیں گی۔ جنگ کے درمیان جہاں سب کی آواز سنی جاتی تھی ایسا معاملہ کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسا معاملہ، جس سے دشمن کی فوج میں تفرقہ پڑجائے یا اسکی کچھ فوج علٰحدہ ہوجائے پوشیدہ طور پر ہوتا ہے اعلانیہ نہیں ہوتا کہ طرفین کے لوگ گفتگو سن رہے ہوں۔

لیکن عرب بادیہ بھولے بھالے لوگ تھے۔ ان کے ارادے اور گفتگو میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا جو ان کے دل میں ہوتا تھا وہی زبان سے بولتے تھے۔ قبیلۂ غطفان کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ طے نہ ہوا کیونکہ ابوسفیان نے مداخلت کی اور اسے طے نہ ہونے دیا۔

بہت دن گذر گئے مگر مکہ کی فوج مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے خندق کو پار نہ کرسکی۔ لہٰذا ابوسفیان کو فکر دامن گیر ہوگئی کہ وہ کسی طرح مدینہ کے یہودیوں کو ابھارے تاکہ وہ لوگ پیچھے سے حملہ کردیں۔ مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے تھے۔ ہم بیان کرچکے ہیں کہ ان میں سے دو قبیلے کوچ کرگئے تھے لیکن بنی قریظہ کا قبیلہ جس کے اکثر لوگ دباغی کرتے تھے مدینہ میں تھا۔ ابوسفیان خندق عبور کرکے مدینہ پر حملہ تو نہ کرسکا مگر اسے اتنی توفیق ہوگئی کہ بنی قریظہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لئے ان سے رابطہ قائم کرے۔

حضرت محمدؐ چونکہ جنگی اطلاعات حاصل کرنے کا انتظام رکھتے تھے اس لئے سمجھ گئے کہ ابوسفیان مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کو ابھارنے کی کوشش کر رہا ہے لہٰذا دو مسلمانوں کو (جن میں سے ایک کا نام سعد بن عبادہ تھا) یہودیوں کے پاس بھیجا۔ انھوں نے مدینہ کا اساسی قانون سامنے رکھ کر فرمایا کہ تم دشمنان اسلام کے نفع کے لئے جنگ کرنا چاہتے ہو! تمہیں اس عہد و پیمان کا لحاظ کرنا چاہئے جو تم نے ہمارے ساتھ کیا ہے لیکن مدینہ کے یہودی ٹس سے مس نہ ہوئے اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ مکی فوج کی امداد کریں گے۔

حضرت محمدؐ کو خبر ہوگئی کہ بہت جلد ابوسفیان اور بنی قریظہ کے درمیان معاہدہ ہوگا اور اس وقت یہ قبیلہ پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کردے گا۔ پیغمبر اسلام کو معلوم تھا کہ جس وقت

یہودی حملہ کریں گے اس وقت مسلمان دو تلواروں کی بیچ میں ہوں گے اور اس حالت میں خندق بھی مسلمانوں کو شکست سے نہ بچا سکے گی۔

جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ عنقریب بنو قریظہ اور مکی فوج کے درمیان معاہدہ ہوگا تو وہ خوف زدہ ہو گئے اور حضرت محمدؐ کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ ہم خطرے میں ہیں اگر بنو قریظہ نے پیچھے سے حملہ کیا تو ہم مٹ جائیں گے۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ابوسفیان بنو قریظہ کی مدد کا امیدوار ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے امیدوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تنہا نہ چھوڑے گا۔ اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ جنگ اُحد میں کچھ نقصان ہوا تو اس کا سبب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے ضبط کو قائم نہ رکھا اور جو حکم انھیں دیا گیا تھا اس پر قائم نہ رہے۔

حضرت محمدؐ کی بات حقیقت بن گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد بھیج دی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ جس وقت مسلمان یقین کر رہے تھے کہ بنی قریظہ اور مکی فوج میں معاہدہ ہونے والا ہے اسی وقت نعیم بن مسعود نامی ایک شخص (جو مکی فوج اور یہودیوں کے درمیان گفتگو کے لئے مامور تھا) حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگرچہ میں اس بات کیلئے مقرر کیا گیا ہوں کہ بنی قریظہ اور ابوسفیان کے درمیان اتحاد قائم کروں تاکہ یہودی پیچھے سے حملہ کر دیں لیکن مدت سے میں آپ کا طرفدار ہوں۔ میں آپ کو شکست دلانا نہیں چاہتا بلکہ آپکے لئے کامیابی کا خواستگار ہوں۔

نعیم بن مسعود کی گفتگو کے بعد حضرت محمدؐ نے محسوس کیا کہ اللہ کی مدد آگئی ہے کیونکہ جو شخص مسلمانوں کو مٹانے کے لئے وسیلہ بنایا گیا تھا وہ مسلمانوں کی طرفداری کیلئے کھڑا ہو رہا ہے نعیم بن مسعود نے پیغمبر اسلام سے پوچھا کہ میں آپ کی اور مسلمانوں کی کون سی خدمت انجام دوں؟ حضرت محمدؐ نے فرمایا چونکہ ہم جنگ کی حالت میں ہیں لہٰذا دشمن کی ہر حالت کی خبر حاصل کرنا ہمارے لئے جائز ہے۔ اگر ہم حاصل شدہ خبروں کو بدل کر دشمن کے کان میں پہونچائیں تو یہ خدعہ نہ ہوگا بلکہ ایک جنگی چال ہوگی۔ لہٰذا تم مکی فوج یا بنی قریظہ کی ہر قسم کی خبریں بتاؤ تاکہ میں

تمھیں بتاؤں کہ کس طرح انھیں یہودی یا ابوسفیان کے کان میں پہونچاؤ۔

نعیم بن مسعود نے اطاعت کی اور اسی روز حضرت محمدؐ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہود بنی قریظہ کے پاس گیا اور کہا "تم جانتے ہو کہ ایک مدت سے میں تمھارا دوست ہوں۔ نیز میری خواہش ہے کہ تم مجھے اپنا خیر خواہ سمجھو۔ خندق کے اُس پار مکہ والوں کی فوج کی موجودگی سے تمھیں مغرور نہ ہونا چاہیئے کیونکہ نکی سپاہی نہ تو مدینہ کے باشندے ہیں کہ یہاں توقف کریں گے نہ قبائلی ہیں۔ وہ یہاں مسلمانوں سے جنگ کرنے آئے ہیں وہ جلد ہی یہاں سے واپس ہو جائیں گے اس وقت یہاں تم ہو گے اور مسلمان (پھر تمہارا کیا حشر ہوگا)۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ مکہ کی فوج جلدی یہاں سے واپس نہ ہوگی اور برابر جنگ کرتی رہے گی۔ لیکن اسکا یقین نہیں ہے کہ وہ لوگ حضرت محمدؐ کو قتل ہی کر ڈالیں گے۔ جنگ اُحد میں باوجودیکہ ابوسفیان کے سامنے خندق نہ تھی اور ان کی طاقت بھی مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھی مگر پھر بھی وہ حضرت محمدؐ کو قتل نہ کر سکے تو پھر اس صورت میں کس طرح وہ ان پر غالب ہو جائیں گے۔ اور انھیں نابود کر دیں گے۔ لہذا مسلمانوں سے قطع تعلق کرنے سے پیشتر سوچ سمجھ لو کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا تمہارے لئے مفید ہے یا نہیں؟

چونکہ میں تمہارا دوست ہوں اس لئے بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے ابوسفیان اور تمام قریشی سرداروں کی وفاداری پر بھروسہ نہیں ہے۔ وہ جیسے ہی کسی خطرے کا احساس کریں گے وسط جنگ میں تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ لہذا مسلمانوں سے قطع تعلق کرنے سے پہلے قریش کے چند آدمیوں کو رہن کے طور پر رکھ لو اور ان کی نگرانی رکھو تاکہ مکی فوج آخر وقت تک تمہاری حمایت میں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مجبور ہو جائے اور اگر تم رہن نہ رکھو گے تو مکہ والے جیسے ہی کوئی خطرہ محسوس کریں گے تمھیں مسلمانوں کے خلاف چھوڑ کر چلے جائیں گے"۔

یہودیوں نے جب نعیم کی باتیں سنیں تو محسوس کیا کہ اس کی گفتگو معقول ہے۔ اور انھوں نے وعدہ کیا کہ مسلمانوں سے قطع تعلق کرنے سے پیشتر غور و فکر کریں گے۔ پھر نعیم ابوسفیان کے

پاس گیا اور اس طرح گفتگو کی :۔

"تم جانتے ہو کہ میں مکہ والوں کا مخلص دوست ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس جنگ میں تمھیں شکست ہو جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جماعتِ بنی قریظہ حضرت محمدؐ سے قریب ہو گئی ہے اور اپنی دوستی ثابت کرنے کے لئے ارادہ کیا ہے کہ تم سے کچھ قریشی سرداروں کو لے لیں پھر انھیں مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ دوسرے یہ کہ یہودیوں سے کہو کہ وہ سنیچر کے دن مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ اگر وہ عذر پیش کریں کہ سنیچر کے دن نہیں لڑ سکتے تو سمجھ لو کہ ٹال مٹول کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنا نہیں چاہتے۔" نعیم کی باتیں سُن کر ابوسفیان بھی فکر میں پڑ گیا۔

مسلمان خود بھی مکہ والوں کے رہن رکھنے کی افواہ پھیلاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہودیوں کا ارادہ ہے کہ مکی فوج والوں کو گرو دی لے لیں۔ پھر حضرت محمدؐ کے حوالے کر دیں تاکہ انھیں قتل کر دیں جب لوگوں نے حضرت محمدؐ سے پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا لَعَلَّنَا امرنا ھم بذالک یعنی شاید ہم نے ایسا حکم صادر کیا ہے۔ پیغمبر اسلام کا یہ جواب عمومی نوعیت کا تھا اور ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق اس کی تعبیر کر سکتا تھا۔ مکی فوج کے سردار یہ خیال کرتے تھے کہ یہود بنی قریظہ اور حضرت محمدؐ کے اتحاد کی خبر صحیح ہے۔ اور پیغمبر اسلام نے یہودیوں کو حکم دیا ہے کہ قریشی جماعت سے ضمانت لے لیں تاکہ انھیں قتل کر سکیں۔

آخر کار یہودیوں نے ابوسفیان کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ طائفہ بنی قریظہ پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کرے تو وہ قریش کے چند سرداروں کو بطور ضمانت ان کے سپرد کر دیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہودیوں کے جنگ کرنے کے بعد مکہ والے انھیں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔

یہودیوں کی طرف سے ضمانت کا مطالبہ نعیم کی باتوں کی تائید کرتا تھا اور ابوسفیان اور قریشی سردار اندیشہ میں تھے کہ یقیناً یہودی حضرت محمدؐ کے ساتھ متحد ہو گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ قریشی سرداروں کو پیغمبر اسلام کے حوالے کریں تاکہ انھیں قتل کر دیا جائے۔

ابوسفیان لوگوں کو گرو دی دینے کے لئے تیار نہ ہوا اور یہودیوں سے سنیچر کے دن مسلمانوں

کے خلاف حملہ کرنے کو کہا۔ اس نے مزید کہا کہ جنگ لمبی ہو گئی ہے۔ اب اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ سنیچر کے دن تم پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کرو اور اسی دن میں سامنے سے حملہ کر دوں گا۔ ہم لوگ سخت سے سخت نقصان کی پرواہ کئے بغیر پوری کوشش کریں گے کہ شہر میں داخل ہو جائیں۔ مگر یہودیوں نے کہا کہ ہم سنیچر کے دن حملہ نہیں کریں گے کیونکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ جب کوئی یہودی سنیچر کے دن حملہ کرتا ہے تو وہ دنیا میں بہت بڑی بختی اور سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

اس طرح بنو قریظہ اور مکہ والوں میں سوء ظنی پیدا ہو گئی اور دونوں ملکر مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ کر سکے۔ ابوسفیان دس ہزار فوج لیکر خندق کے پاس دو ہفتہ تک بیکار پڑا رہا۔ پانی اور جانوروں کے چارہ کی قلت نے اسے بے چین کر دیا۔ مسلمان شہر کے اندر خورد و نوش کے معاملہ میں مطمئن تھے مگر ابوسفیان کے سپاہی خندق پار بھوکوں مر رہے تھے۔ ابوسفیان جب مدینہ آیا تھا تو اس نے خیال کیا تھا کہ سپاہیوں کے لئے پانی اور جانوروں کے لئے چارہ مدینہ کے باغات اور کھیتوں سے حاصل کرے گا۔ مگر اسے یہ پتہ نہ تھا کہ حضرت محمدؐ کے حکم کے مطابق مسلمان کھانے پینے کی تمام چیزیں اندر لے گئے ہیں۔ اور خندق پار کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی ہے جو کھانے پینے کے کام آسکے۔

اس کے علاوہ ہوا کی ٹھنڈک ابوسفیان کی فوج کو تکلیف دیتی تھی۔ گرم ہوا میں رہنے والے کی باشندے اس موسم میں مدینہ کی راتوں کی ٹھنڈک کو خیموں میں رہ کر برداشت نہ کر سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ماہ شوال ختم ہو رہا تھا اور ماہ ذیقعدہ جو حرام مہینہ ہے قریب آ رہا تھا۔ ابوسفیان کے سپاہی جانتے تھے کہ اگر شوال ختم ہو گیا تو پھر وہ تین ماہ بعد مسلمانوں سے جنگ کر سکیں گے کیونکہ بعد والے تین مہینوں میں جنگ حرام تھی۔

قریش کے سپاہیوں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے چند روز سے زیادہ وقت نہیں ہے۔ اگر ان چند دنوں میں حملہ کرنے میں سبقت

نہ کی گئی تو پھر تین ماہ تک سردی برداشت کرنی پڑے گی اور بھوگ سے مرجائیں گے۔ کیونکہ دس ہزار سپاہیوں کے لئے خورد و نوش کا انتظام کرنا خصوصاً ایسے جنگل میں جہاں دانہ نہ ملتا ہو بہت دشوار تھا۔ اس پندرہ روزہ مدت میں جبکہ مکی فوج خندق کے سامنے معطل پڑی ہوئی تھی چند مرتبہ مسلمانوں اور مشرکوں میں انفرادی مقابلہ ہوا جس میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے دو مشرک عمرو بن عبدود اور نوفل مخزومی مارے گئے۔

نوفل مخزومی نے خندق میں اپنا گھوڑا دوڑا دیا۔ کچھ دیر بعد حضرت علیؓ بھی خندق میں داخل ہو گئے۔ نوفل جب خندق میں داخل ہوا تو گھوڑے کے ساتھ لڑھک گیا۔ حضرت علیؓ اگرچہ اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن انھوں نے صبر کیا۔ نوفل اٹھ کر کھڑا ہوا اور تلوار نکال لی جب نوفل خندق میں اترا تو آفتاب ڈوب رہا تھا اور اس کی شعاعیں حضرت علی کے چہرہ پر پڑیں تھیں۔ یہ ان کے لئے مفید نہ تھا کیونکہ آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ مگر اس کے باوجود آفتاب غروب ہونے سے پہلے ہی حضرت علیؓ نے نوفل مخزومی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

چونکہ قریش نے جنگ احد میں مسلمانوں کی لاشوں کو مثلہ کیا تھا اس لئے مکی فوج کا سردار ابوسفیان ڈرا کہ ایسا نہ ہو مسلمان نوفل مخزومی کو (جو فوج کے مالدار سرداروں میں سے ہے) مثلہ کریں۔ لہٰذا اس نے حضرت علیؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تمھارے پاس ایک سو اونٹ بھیجتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم نوفل مخزومی کو مثلہ نہ کرو، نہ ان کا سر کاٹو اور ان کی لاش بغیر کسی نقصان کے میرے حوالہ کر دو۔ حضرت علیؓ نے ابوسفیان کے اونٹ قبول نہ کئے اور بلا معاوضہ نوفل کی لاش قریشی لشکر میں لیجانے کی اجازت دیدی۔

دوسرا سردار جو انفرادی جنگ میں حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا عمرو بن عبدود تھا جو بہادری کے علاوہ جسمانی اعتبار سے بھی طاقتور آدمی تھا۔ اس نے دو مرتبہ حضرت علیؓ کو تلوار چلا کر زخمی کیا مگر علیؓ ایسے شخص نہ تھے جو دو زخموں کی وجہ سے لڑائی بند کر دیتے۔ انھوں نے جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ عمرو بن عبدود کے ہاتھ پر ایک کاری ضرب لگی۔ وہ گر پڑا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی

حضرت علیؓ اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور چاہا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیں مگر عمرو بن عبدود نے حضرت علیؓ کے چہرہ پر تھوک دیا۔

حضرت علیؓ اُس کے سینے پر سے اتر پڑے۔ اپنے دامن سے تھوک پونچھا اور بجائے سر کاٹنے کے چپ چاپ کھڑے رہے۔ عمرو بن عبدود نے پوچھا کہ اے علیؓ مجھے قتل کیوں نہیں کرتے۔ میں نے تو کہدیا کہ میں اسلام قبول نہ کروں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں تیرے قتل سے اس وجہ سے رک گیا کہ جب تو نے تھوکا تو مجھے غصہ آگیا۔ اگر میں اس وقت تجھے قتل کرتا تو اپنا بدلہ لینے کیلئے قتل کرتا۔ خدا کے لئے قتل نہ کرتا۔ ہم لوگ مسلمان ہیں۔ صرف خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اور کسی کو قتل کرتے ہیں تو خدا کی خوشنودی کے لئے کرتے ہیں۔ اپنا بدلہ لینے کے لئے نہیں کرتے۔ اے عمرو! باوجودیکہ تو نے میرے چہرے پر تھوک پھینکا ہے میں پھر بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تجھے قتل نہ کروں گا۔

عمرو بن عبدود نے کہا کہ میں مسلمان نہ ہوں گا۔ حضرت علیؓ اُس کے قریب ہوئے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ عمرو بن عبدود کے بدن پر ایک قیمتی حلقہ دار زرہ تھی۔ حضرت علیؓ نے اسے عمرو بن عبدود کی بہن کے پاس بھیجدیا تاکہ کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہو کہ انھوں نے زرہ کے لالچ سے اسے قتل کیا ہے۔

بھوک و سردی کے علاوہ مزید ایک ناگہانی طوفان آگیا جس نے مکی فوج کو بالکل متزلزل کر دیا۔ ایک رات کو سخت ہوا چلی جس نے خیموں کو پھاڑ دیا اور آگوں کو بجھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد بارش آگئی وہ بھی اتنی تیز تھی کہ سیلاب جاری ہو گیا۔ چونکہ ابوسفیان ڈر رہا تھا کہ مسلمان حملہ کر دیں گے لہذا اپنی فوج کو چلنے کا حکم صادر کر دیا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ ابوسفیان اس قدر بدحواس ہو گیا تھا کہ جس وقت وہ اونٹ پر سوار ہوا اس وقت اسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ اس کا پیر بندھا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اونٹ کو تازیانہ (کوڑے) مارتا تھا مگر وہ جانور اٹھ نہ پاتا تھا۔

اسی رات مکہ کی فوج واپس ہو گئی اور جنگ خندق یا جنگ احزاب بھی ختم ہو گئی۔ خندق کی لڑائی میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور آٹھ آدمی مکی فوج کے مارے گئے۔ یہ چودہ آدمی باہر نکلے

تھے اور انفرادی مقابلہ کیا تھا کیونکہ ایسا موقع نہیں آیا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں۔ اگرچہ خندق کی لڑائی ختم ہو گئی تھی اور مکی فوج بھی واپس چلی گئی تھی لیکن شہر مدینہ اسی طرح اقتصادی محاصرہ میں گھرا رہا۔

شہر مدینہ ایک دو شاخہ درخت کی طرح تھا۔ جس کی ایک شاخ شہر خیبر تھا جو دو سو کیلو میٹر شمال میں تھا اور دوسری شاخ شہر مکہ تھا جو چار سو کیلو میٹر جنوب میں تھا۔ یہ دونوں شہر اسلامی قافلوں کو آزادی سے پار نہ ہونے دیتے تھے۔ کیونکہ دونوں طاقتور تھے۔ خیبر کے باشندے یہودی تھے اور وہ بھی مالدار جو سپاہیوں کو خرید سکتے تھے۔ مکے والے بھی ایسے قریشی سرداروں کے ماتحت زندگی گذارتے تھے جن میں ابوسفیان، عکرمہ، ابوجہل، صفوان بن امیہ صندہ زوجۂ ابوسفیان جیسے لوگ حضرت محمدؐ کے سخت دشمن تھے۔

مدینہ کے اقتصادی محاصرہ کو توڑنے کے لئے حضرت محمدؐ کے پاس سوائے اس کے اور کوئی صورت نہ تھی کہ ان دونوں شہروں میں سے کسی ایک پر حملہ کریں اور اسے اپنے قبضہ میں لے لیں لیکن خیبر اور مکہ والوں میں ایک معاہدہ ہو گیا تھا کہ اگر مسلمان خیبر پر حملہ کریں تو مدینہ پر مکہ والے حملہ کر دیں گے اور اگر مسلمان مکہ پر حملہ کریں تو خیبر والے مدینہ پر دھاوا بول دیں گے۔ علاوہ ازیں خود مدینہ میں مسلمانوں کے دو دشمن موجود تھے۔ ایک منافقین جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ اسلامی مؤرخ طبری لکھتا ہے۔ "منافقین اس وقت سے جبکہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے کوئی قطعی ارادہ نہ کر سکے۔ لیکن خندق کی لڑائی میں ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ افسوس کے ساتھ مکی فوج سے علٰحدہ رہے۔"

طبری کا یہ قول کہ منافقین جب سے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے کوئی قطعی ارادہ نہ کر سکے ادبی مبالغہ ہے۔ لیکن جیسا ہم نے بیان کیا۔ جب بھی مسلمان اور مشرکوں یا یہودیوں میں اختلاف ہوتا تھا اور اسمیں جنگ کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا تو منافقین علٰحدہ رہتے تھے اور بظاہر اپنے کو مسلمان شمار کرتے تھے۔ خندق کی لڑائی میں منافقوں نے پہلی بار پختہ ارادہ کیا کہ مثبت پہلو

اختیار کریں گے۔ اور مکی فوج کی طرفداری کریں گے۔ انھیں یقین تھا کہ دس ہزار مکی فوج مسلمانوں کو شکست دیدے گی۔ وہ حضرت محمدؐ کو قتل کردے گی اور ہماری دستگیری کریگی۔

جب خندق کے مقابل دو ہفتہ توقف کرنے کے بعد مکی فوج واپس ہوگئی تو یہ لوگ شبہ میں پڑگئے۔ مگر یہ یاد رہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف نہیں اٹھے تھے۔ ان کی طرفداری اس سے آگے نہ بڑھی تھی۔ چونکہ جنگ کے موقع پر منافقوں نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا تھا جس سے یہ ثابت ہوتا کہ انھوں نے مکہ والوں کی مدد کی ہے۔ لہذا جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت محمدؐ بدلہ لینے کے درپے نہ ہوئے لیکن مسلمان منافقوں کی روش کو نہ بھولے اور جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے منافقوں کی بابت مسلمانوں کا طریقہ بدل گیا۔

جنگ خندق میں بنی قریظہ کے یہودیوں کا طریقہ بدل گیا۔ وہ مدینہ کے اساسی قانون کے خلاف چلنے لگے اور حملہ آوروں کے ساتھ متحد ہونے کو تیار ہوگئے حالانکہ مدینہ کے اساسی قانون کے مطابق تمام باشندوں کو دشمن کے دفع کرنے کے لئے مسلمانوں کے ساتھ متحد ہونا اور مدد کرنا چاہئے تھا۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا احد کی لڑائی میں حضرت محمدؐ نے یہودیوں سے فرمایا تھا کہ مکہ والوں سے ہماری جنگ مذہبی ہے تم لوگ اس میں شرکت کیلئے مجبور نہیں ہو۔

احد کی لڑائی شہر سے باہر ہوئی تھی۔ مگر خندق کی لڑائی شہر کے اندر ہوئی تھی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ حضرت محمدؐ نے یہودیوں کو اس وجہ سے واپس کردیا کہ ان پر اعتماد نہیں تھا۔ خندق کی لڑائی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ بنی قریظہ کے یہودی مدینہ کے بنیادی قانون کے خلاف چل رہے ہیں۔ اور انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو عہد کیا تھا اسے توڑ رہے ہیں۔ یہود بنی قریظہ چونکہ جانتے تھے کہ انھوں نے مدینہ کے بنیادی قانون کی خلاف ورزی کی ہے اور مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی ہے لہذا خندق کی لڑائی ختم ہونے کے بعد وہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں چھپ رہے۔ حضرت محمدؐ نے اپنے داماد علیؓ بن ابی طالب کو (جن کی بہادری خندق کی لڑائی میں ظاہر ہوچکی تھی اور اس سے پیشتر بھی ہجرت وغیرہ کے موقعوں پر جانثاری

دکھلائی تھی) مقرر فرمایا کہ بنی قریظہ کے یہودیوں کو مغلوب کریں۔ چنانچہ حضرت علیؓ بن ابی طالب چند مسلمانوں کو لیکر بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

عربی زبان میں قریظہ ایک درخت کو کہتے ہیں (جو کیکر کے مانند ہوتا ہے) جو دباغی (چمڑا پکانے) کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ بنی قریظہ کے کچھ یہودی دباغی کرتے تھے۔ لہذا بنی قریظہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ پانچویں ہجری میں جبکہ خندق کی لڑائی عمل میں آئی، بنی قریظہ کے سب یہودی دباغی نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے کچھ لوگ اس کام میں مشغول تھے لیکن قدیم زمانے میں جبکہ مدینہ کو یثرب کہا جاتا تھا بنی قریظہ کے اکثر لوگ دباغی کرتے تھے۔

مدینہ کے یہودی جوزرگری اور دباغی وغیرہ کے باعث کافی مالدار تھے نہایت عمدہ اور مضبوط مکانات رکھتے تھے۔ یہودیوں کے بعض مکانات جنگی قلعہ بھی شمار ہوتے تھے۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ مکہ کی فوجیں واپس ہو گئیں تو انھیں قلعوں کے اندر گھس گئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں جمنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ علیؓ بن ابی طالب نے بنی قریظہ کے محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اور ان سے درخواست کی کہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم حضرت محمد کو پیغمبر ہی تسلیم نہیں کرتے کہ ان کا مذہب قبول کریں کیونکہ حضرت محمد عربی شخص ہیں اور عربی پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اسرائیلی ہو (اسرائیلی قوم سے ہو) کیونکہ اللہ تعالیٰ اسرائیلیوں کو دوست رکھتا ہے اور انھیں کو پیغمبر بناتا ہے۔ گذشتہ زمانے کے تمام انبیاء اسرائیلی قوم میں ہوئے ہیں اور ان کے بعد بھی جو نبی آئے گا وہ اسرائیلی قوم سے ہی منتخب ہوگا۔

محاصرہ کے چار یا چھ ہفتہ بعد بنی قریظہ خورد و نوش کی تنگی میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ ان کا سردار کعب بن اسد قلعہ کے اوپر سے چلایا کہ اے علیؓ! ابن ابی طالب ہمارے شیر خوار بچوں کے لئے دودھ نہیں ہے کیونکہ ان کی ماؤں کے تھن بے دودھ ہو گئے ہیں۔ انھیں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں ملتی ہے کہ اپنے بچوں کو دودھ دے سکیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اے

کعب! ہمارے بھی چھوٹے بچے ہیں اور ہم لوگ جانتے ہیں کہ جب بچہ بھوکا ہوتا ہے تو کس قدر بے تاب ہوتا ہے۔ ہم تمہارے بچوں کو تکلیف نہیں دینا چاہتے۔ مدینہ کے بنیادی قانون کی خلاف ورزی کرکے آپ لوگوں نے ایسی حالت بنالی ہے کہ اب مسلمانوں کو تمہارے اوپر اعتماد نہیں رہا۔ کیا آپ لوگ حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بنانے کے لئے تیار ہیں؟ کعب بن اسد نے کہا کہ میں ابھی کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ مجھے تھوڑی مہلت دیجئے تاکہ بڑے لوگوں سے مشورہ کرلوں۔

بنیادی قانون کے مطابق (جس کے جاری کرنے والے خود حضرت محمدؐ تھے) پیغمبر اسلام بنی قریظہ اور مسلمانوں کے معاملہ میں حَکَم بنانے پر مجبور نہ تھے۔ اس کے باوجود علیؓ ابن ابی طالب نے حضرت محمدؐ کا نظریہ معلوم کرکے یہودیوں سے کہا کہ حکم ماننے پر تیار ہو؟ دوسرے وقت کعب بن اسد قلعہ کے اوپر سے بولا کہ اے علیؓ! ہم حکم ماننے پر تیار ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ ہم تمہارے اوپر ظلم نہیں کرنا چاہتے۔ تم حکم انتخاب کرنے میں آزاد ہو جس کو چاہو حکم مقرر کرو۔ جب حکم مقرر ہو جائے گا تو اس کے پاس دو نمائندے ہم بھیجیں گے اور دو نمائندے تم بھیجو۔ ہمارے نمائندے عہد شکنی کے بارے میں بولیں گے اور تمہارے نمائندے جو چاہیں گے جواب دیں گے۔ گفتگو ختم ہونے پر حکم جو فیصلہ دے گا کیا تم اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہو؟ یہودیوں نے کہا۔ ہاں اے علیؓ ہم تیار ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم بھی حکم کو تسلیم کرلیں گے۔

باوجودیکہ لڑائی ختم نہیں ہوئی تھی اور یہودی گھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی حضرت علیؓ نے اجازت دیدی کہ یہودیوں کو ایک ہفتہ کیلئے رسد دیدی جائے اور انھیں جس چیز کی خواہش ہو مہیا کردی جائے تاکہ انکی عورتیں بلا دودھ نہ رہیں اور ان کے بچے بھوکوں نہ مریں۔ بنی قریظہ کے یہودیوں نے دوبارہ مشورہ کیا اور سعد بن معاذ کو حکم منتخب فرمایا۔ سعد بن معاذ قبیلہ اوس کے سردار تھے اور مسلمانوں و یہودیوں دونوں کے دوست تھے۔

جب حکم منتخب ہوگیا تو مسلمانوں نے دو نمائندے مقرر کئے اور یہودیوں نے بھی دو نمائندے منتخب کئے۔ مسلمان نمائندوں نے سعد بن معاذ سے بنی قریظہ کی شکایت کی اور کہا کہ یہودیوں

نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا کہ جب شہر پر حملہ ہو تو شہر کے تمام باشندے مقابلہ کیلئے تیار ہو جائیں اور دشمن کو بھگانے کیلئے مسلمانوں سے مل جائیں لیکن بنی قریظہ نے دشمن کو بھگانے کے لئے مسلمانوں کی مدد کرنے کے بجائے مکہ والوں کے سردار ابوسفیان سے ساز و باز کیا اور پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تاکہ مسلمان دو تلواروں کے درمیان ہو جائیں۔

بنی قریظہ کے نمائندوں نے صفائی پیش کی اور جنگ اُحد کا حوالہ دیا کہ اس لڑائی میں ہم مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے تھے مگر مسلمانوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا اسی لئے اس لڑائی (جنگ خندق) میں ہمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت محمدؐ ہماری مدد قبول نہیں فرمائیں گے مسلمان نمائندوں نے کہا کہ جنگ خندق میں بنی قریظہ نے شہر کے بنیادی قانون کے خلاف دشمن سے مل جانے کی بات چیت کی ہے۔ اگر حضرت محمدؐ اس گفتگو میں مانع نہ ہوتے تو بلاشبہ بنی قریظہ اور مکہ والوں میں میل ہو جاتا اور یہ لوگ پیچھے سے حملہ کر دیتے۔

یہودی نمائندوں نے انکار کیا اور کہا کہ مکہ والوں سے ایسی کوئی بات چیت نہیں ہوئی ہے۔ مسلمان نمائندوں نے فوراً نعیم بن مسعود کو گواہی کے لئے پیش کیا۔ اس نے پوری داستان سنائی اور گفتگو کرنے والے یہودیوں کے نام بتائے۔ یہ پنچایت چند دنوں تک چلتی رہی اور سعد بن معاذ دونوں طرف کے نمایندوں اور گواہوں کی باتیں سنتے رہے اس کے بعد انھوں نے فیصلہ سنایا کہ چونکہ یہود بنی قریظہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور شہر کے بنیادی اصول کو پامال کیا ہے اور دشمن کے ساتھ ساز باز کر کے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا ہے لہذا سب کے سب فنا کرنے کے لائق ہیں۔

یہ حکم مسلمانوں نے نہیں صادر کیا تھا بلکہ ایسے شخص نے صادر کیا تھا جسے یہودی اپنا دوست سمجھتے تھے۔ اور اسے حکم مقرر کیا تھا۔ اس حکم کے صادر ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عورتیں بچے، نابالغ لڑکے اور لڑکیاں، بڈھے مرد اور بوڑھی عورتیں سزا سے بری ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اگر اسلام قبول کر لیں تو معاف کر دئے جائینگے

چنانچہ کچھ یہودی مسلمان ہو گئے۔

اسکے بعد حضرت علیؓ بنی قریظہ کی لڑائی کی سرداری سے علٰحدہ ہو گئے کیونکہ حضرت محمدؐ نے ایک بڑا کام ان کے حوالہ کر دیا تھا (یہ بڑا کام مکہ پر حملہ کرنے کے لئے اسباب کا فراہم کرنا تھا۔ جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا) حضرت علی کی آخری وصیت یہ تھی کہ عورتوں، بچوں، نابالغ لڑکے لڑکیوں اور بوڑھوں کو قلعوں سے نکل جانے کی اجازت دیدی جائے۔ تاکہ دوبارہ لڑائی شروع ہونے پر بھوکوں نہ مریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ قلعوں میں صرف یہودی مرد باقی رہ گئے۔ انھوں نے بڑی بہادری سے جنگ کی اور سب کے سب قتل کر دئے گئے۔

پیغمبر اسلام کا قصدِ عمرہ

مسلمان خیال کرتے تھے کہ پیغمبر اسلام مدینہ کے اقتصادی محاصرہ کو دور کرنے کے لئے یا تو مکہ پر حملہ کریں گے (جو مدینہ سے چار سو کیلو میٹر دور ہے) یا خیبر پر حملہ کریں گے (جو مدینہ کے شمال میں دو سو کیلو میٹر دور ہے) لیکن حضرت محمدؐ نے اس کا دوسرا حل نکالا جو مسلمانوں کے خیال میں بھی نہ آیا تھا۔ وہ حل یہ تھا کہ آپؐ تمام مسلمانوں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کیلئے مکہ روانہ ہوں۔

مکہ ایک ایسا شہر تھا جہاں کے لوگ حضرت محمدؐ کے جانی دشمن تھے۔ وہ آپکو قتل کرنا چاہتے تھے۔ وہاں سے چند بار فوجیں روانہ ہوئی تھیں تاکہ مدینہ میں حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کا صفایا کر دیں لیکن اس کے باوجود حضرت محمدؐ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں نے خیال کیا کہ پیغمبر اسلام جنگ کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں۔ چنانچہ آپؐ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا مکہ کی تسخیر کا ارادہ ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کہ نہیں ہم عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں۔

حضرت محمدؐ سردی کے دوسرے مہینے میں ۶۲۸ء مطابق سنہ ۶ھ کو دو ہزار آدمیوں اور کئی سو اونٹوں کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی لیکن کچھ صحرانشیں بدوی پیغمبر اسلام کے ساتھ شریک نہ ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ والوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہے اس لئے خیال کرتے تھے کہ حضرت محمدؐ قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں اور عرب بدوی ایسے شہر میں جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے جہاں جنگ کرنا حرام ہو۔ علاوہ ازیں حضرت محمدؐ ایسے وقت مکہ جا رہے تھے

جو حرام مہینوں میں سے تھا جس میں عرب بادیہ جنگ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ عرب بدوی نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت جنگ کریں۔ (اس سفر میں آپؐ کے ساتھ صرف چودہ سو آدمی تھے اور بعض روایت کے مطابق پندرہ سو تھے)

دوسری یہ کہ جو اعراب بدوی حضرت محمدؐ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے وہ تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے اور ان کا مذہبی عقیدہ انصار و مہاجرین کی مانند پختہ نہ تھا کہ حضرت محمدؐ کے حکموں کے مطیع محض بن جائیں۔ مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت محمدؐ کے مکہ جانے کی دعوت سے بہت خوش تھی۔ یہ لوگ مہاجرین تھے جو چھ سال قبل حضرت محمدؐ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تھے۔

جاننا چاہئے کہ عرب کے تمام باشندوں کی نظر میں شہر مکہ نہایت محترم و مقدس شمار ہوتا تھا کیونکہ حضرت آدم نے خدا کی عبادت کیلئے وہاں پر سب سے پہلا معبد تعمیر کیا تھا اور انکے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اسی شہر میں خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی تھی تاکہ اسمیں خدا کی عبادت کریں۔ علاوہ ازیں شہر مکہ مہاجرین کا وطن تھا۔ یہ لوگ وہیں پیدا ہوئے تھے۔ انہیں اپنے وطن واپس جانے کی بڑی تمنا تھی تاکہ موت کے وقت اپنے وطن میں ہوں اور اپنے قبیلہ والوں کے درمیان انکی زندگی ختم ہو۔

عرب اصیل اپنے وطن سے باہر قبیلہ والوں سے دور مرنے کو ایک بہت بڑا ناگوار حادثہ سمجھتے تھے اور یہ بڑی نفرت کی چیز سمجھی جاتی تھی چنانچہ اپنے دشمن سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ میں اس امید میں ہوں کہ تو قبیلہ سے دور سفر میں مرے۔ لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ جب مسلمان مدینے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو مہاجرین رقص کرتے ہوئے راستہ طے کر رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مکہ مذہبی لحاظ سے بین الاقوامی شہر تھا اور تمام مذاہب کے پیروؤں کے لئے حجرے اور غرفے بنے ہوئے تھے جن میں لوگ مذہبی تصویریں یا بت رکھتے تھے۔ اور ہر شخص زیارت کے لئے مکہ جا سکتا تھا اور خانہ کعبہ کا طواف کر سکتا تھا۔ مکہ والوں کی نظر میں چونکہ اسلام بھی دوسرے مذہبوں کی طرح ایک مذہب تھا لہٰذا وہ لوگ مسلمانوں کو

زیارتِ مکہ سے روک نہیں سکتے تھے۔

ہم بتا چکے ہیں کہ اگر حضرت محمدؐ بت پرستوں کے مذہب کی مخالفت نہ کرتے اور بتوں کو مٹا دینے کا حکم نہ دیتے تو کسی کو بھی آپؐ کے ساتھ یا مسلمانوں کے ساتھ مخالفت نہ ہوتی۔ قریش نے اس وجہ سے اسلام کی مخالفت کی کہ حضرت محمدؐ فرماتے تھے کہ جو مذاہب بت پرستی پر مبنی ہیں وہ باطل ہیں اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا جانا چاہیئے لیکن جس وقت حضرت محمدؐ زیارت کعبہ کیلئے مکہ جانا چاہتے تھے اُس وقت انھوں نے بت پرستوں کی مخالفت میں کچھ نہیں کہا بلکہ جس طرح دوسرے مذہب والے مکہ جاتے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اسی طرح وہ بھی خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہتے تھے۔

اصولی طور سے قریش والے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے مکہ آنے کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے مگر دوسرے اعتبار سے آپؐ سے اس قدر دشمنی رکھتے تھے کہ مکہ میں آپؐ کی تشریف آوری انھیں گوارا نہ تھی۔ جس وقت حضرت محمدؐ مکہ جانا چاہتے تھے اس وقت ابوسفیان وہاں موجود نہ تھا۔ قریش کے سرداروں کی سمجھ میں نہ آیا کہ حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے ورود کے بارے میں کیا پالیسی اختیار کریں۔ مکہ والوں کے لئے مصلحت اسی میں تھی کہ جزیرۃ العرب کے ہر طرف کے زائرین مکہ آئیں تاکہ اپنی کچھ دولت وہاں خرچ کریں۔ مکہ کے بازار سے کچھ خریدیں۔ قربانی کے ایام میں بھیڑ بکری اور اونٹ کی قربانی کریں اور ان کا گوشت مکہ والوں کو حاصل ہو۔

دو ہزار (چودہ یا پندرہ سو) مسلمانوں کو جو زیارت کے واسطے مکہ جا رہے تھے۔ مکہ میں داخل ہونے سے روک دینا مکہ والوں کے لئے مضر تھا حالانکہ حرام مہینہ میں ہر شخص مکہ میں داخل ہو سکتا تھا۔ لہذا مسلمانوں کی ممانعت خلافِ سنت تھی لیکن مکہ والوں اور مسلمانوں کے درمیان لڑائیوں کے بعد مکہ والے مسلمانوں کو کس طرح چھوڑ دیتے کہ وہ آزادانہ مکہ میں داخل ہو جائیں۔

ایک طرف تو یہ تھا کہ جب مسلمانوں کو تمام مذہب والوں سے الگ کرتے تھے اور

کہتے تھے کہ یہ مستثنیٰ ہیں۔ انھیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے تو کعبہ جو ایک بین الاقوامی غیر جانبدار مرکز تھا اس کی بین الاقوامی حیثیت ختم ہوجاتی تھی (کیونکہ قانون کلی کو توڑنے کے لئے ایک استثناء کافی ہے) اور مکہ کا بازار مکارہ معطل ہوجاتا تھا پھر وہاں کوئی شخص سامان نہ خرید سکتا تھا دوسری طرف یہ بات تھی کہ اگر اجازت دیتے ہیں کہ دو ہزار مسلمان چند سو اونٹوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں تو ممکن ہے کہ مسلمان مکہ پر قابض ہوجائیں۔

قریش نے مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکدیں چنانچہ چالیس سوار مقرر کئے گئے تاکہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو روک دیں۔ سوار مذکور جب مسلمانوں کے پاس پہونچے تو تھوڑی دیر میں گرفتار ہوگئے اور ان کے ہتھیار چھین لئے گئے مگر حضرت محمدؐ نے حکم فرمایا کہ ان کے ہتھیار واپس کردئے جائیں اور انھیں بغیر فدیہ آزاد کردیا جائے۔ یہ بات خود مکہ کے سواروں کی نظر میں بہت انوکھی معلوم ہوئی کیونکہ عربوں کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص جنگ میں گرفتار ہوجاتا تھا تو اس کے آزاد ہونے کی صرف دو صورتیں تھیں۔ یا تو وہ فدیہ ادا کرے یا دوسرے قیدی سے اس کا تبادلہ کیا جائے۔

چند مسلمانوں نے حضرت محمدؐ سے دریافت کیا کہ ان چالیس آدمیوں کو فدیہ کے بغیر کیوں آزاد کردیا اور ان کے ہتھیار واپس کردے؟ آپؐ نے جواب دیا۔ اس وجہ سے کہ ہم زائر ہیں۔ ہم جنگ کے لئے نہیں جارہے ہیں۔ کعبہ کی زیارت کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔ زائر کسی کو گرفتار کرنے کے لئے مبادرت نہیں کرتا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد دو سو سوار مکہ سے روانہ ہوئے اور مسلمانوں کے پاس پہونچے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو مکہ کی طرف نہ بڑھنے دیں۔ ان سواروں کا سردار ابوجہل کا لڑکا عکرمہ تھا۔ جب یہ مسلمانوں کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ وہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کا رُخ مکہ کی طرف ہے۔ نماز کی حالت میں مسلمانوں کا منظر اس قدر پرشکوہ تھا کہ عکرمہ کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس نے لگام گھمالی مگر وہاں سے دور نہ ہوا تاکہ بعد میں مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکے

حضرت محمدؐ نے مکہ والوں کو یہ بتانا چاہا کہ آپؐ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں چنانچہ آپ نے مکہ کی طرف ایک قاصد بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہاں پہونچکر وضاحت کردے کہ مسلمان جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے وہ صرف زیارت کا قصد رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اپنے ساتھ ہتھیار نہیں لائے ہیں۔ اگر وہ جنگ کے ارادہ سے آتے تو طرح طرح کے ہتھیار اپنے ساتھ لاتے۔

عکرمہ نے قاصد کو مکہ نہ جانے دیا۔ اور اس کے اونٹ جنگل کی طرف بھگا دئے۔ اونٹوں کے جنگل کی طرف بھگائے جانے کے باعث قاصد اور اس کے ساتھی سخت پریشان ہوئے۔ انکے پاس کوئی چیز باقی نہ رہی۔ وہ ہلاکت کے قریب پہونچ گئے۔ آخر کار وہ کسی طرح حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے پاس واپس آئے۔ عکرمہ چونکہ حضرت محمدؐ کے قاصد کا پیچھا کرتے ہوئے اونٹوں کو بھگا رہا تھا اس لئے مسلمانوں سے بہت دور ہوگیا اور حضرت محمدؐ مسلمان مکہ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

جب مسلمان ایسی جگہ پہونچ گئے جو مکہ کی سرزمین تھی اور وہاں سے حرم شروع ہوتا تھا تو حضرت محمدؐ نے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ جو اونٹ قربانی کے لئے لائے گئے ہیں ان پر نشان لگائیں۔ (یعنی قلادہ پہنائیں) قربانی کے لئے اونٹوں پر نشان لگانا زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی مخصوص رسم تھی۔ حضرت محمدؐ نے وہاں اس رسم کا لحاظ رکھا تاکہ مکہ والوں کو معلوم ہو کہ پیغمبر اسلام اور مسلمان سچ مچ زیارت کعبہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ جنگ کرنے اور مکہ پر قبضہ کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں۔

واضح رہے کہ آجکل مسلمان حج میں جو رسومات ادا کرتے ہیں چاہے حج اکبر ہو (یعنی جو ذی الحجہ میں ہوتا ہے) چاہے حج اصغر (یعنی حج عمرہ)۔ ان میں سے اکثر رسومات وہی ہیں جو زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں جاری تھیں۔ پیغمبر اسلام نے ان مراسم کا تحفظ کیا تاکہ عربوں کو دین اسلام سے وحشت نہ ہو۔ وہ لوگ اسے ایسی چیز نہ سمجھیں جو ان کے رسومات و شعائر کے خلاف ہو۔

حج میں زمانۂ جاہلیت کی رسومات کو برقرار رکھ کر حضرت محمدؐ قریش اور دیگر اعراب کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ آپ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ حج کی سنتوں اور اس کی رسومات کو مٹا دیں اور مکہ کی تجارتی مرکزیت ختم کردیں۔ یا کعبہ کے تقدس کو سلب کردیں۔ حج کی رسومات کی پابندی

کرکے حضرت محمدؐ نے عربوں کو بتانا چاہا کہ مسلمانوں کی نظر میں کعبہ ویسا ہی محترم ہے جیسا کہ عرب والوں کی نظر میں ہے۔ جس طرح ایک بُت پرست قریشی مکہ کا احترام کرتا ہے اسی طرح ایک مسلمان بھی اس کے احترام کا قائل ہے۔ حضرت محمدؐ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ قریش والے کعبہ کے بتوں سے قلبی اعتقاد نہیں رکھتے ہیں بلکہ تجارت کی غرض سے ان بتوں کے معتقد ہیں۔

اسی طرح خانۂ کعبہ کا احترام بھی قریش کے لئے دولت کا سرچشمہ تھا۔ اگر اس کا احترام یا اس کی بین الاقوامی حیثیت ختم ہو جاتی تھی تو مکہ کے قریشیوں کی زندگی میں خلل پڑ جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام اس سے واقف تھے کہ زیارت کعبہ کی ظاہری تشریفات قریش اور مکہ والوں کی زندگی کے لئے نہایت اہم ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک یہ تشریفات باقی رہیں گی اُس وقت تک عرب کعبہ کے تمام مذہبوں کا مرکز رہے گا۔ اور مکہ ایک بین الاقوامی شہر شمار ہوگا۔ اس کا بازار خوب چمکے گا اور لوگوں کو جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ برقرار رہے گی۔

ابن ہشام، حمید اللہ، سرخسی، طبری، ابو داؤد اور سہیلی وغیرہ جو اسلام کے مشہور مؤرخ ہیں اور حضرت محمدؐ کے حالات لکھنے والے ہیں کہتے ہیں کہ جب اونٹوں کو نشان لگایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کیلئے مخصوص ہیں تو حضرت محمدؐ نے اطراف کے بدوؤں کو اطلاع دینے کے لئے چند مسلمانوں کو بھیج دیا تاکہ وہ لوگ آکر مشاہدہ کریں۔ ہر اونٹ پر نشان دینے کے بعد یا عربوں کے قول کے مطابق سلیقہ کے بعد ہر اونٹ کی گردن پر ایک قلادہ باندھا تاکہ زمانۂ جاہلیت کی رسم کے مطابق معلوم ہو کہ وہ قربانی کے لئے مخصوص ہیں۔

سلیقہ (قلادہ) کا لفظ آجکل کی زبان میں آدابِ معاشرت یا غذا کھانے یا ہنر و ادب کے مخصوص طریقہ کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اکثر محاورہ میں سلیقہ کو ذوق کے ساتھ ملا کر ذوق و سلیقہ بولتے ہیں۔ لیکن قدیم زمانہ میں سلیقہ (قلادہ) ایک مخصوص علامت کو کہتے تھے۔ وہ علامت یہ تھی کہ اونٹ کے سامان کا ایک لتسمہ اس کے پہلو پر کھلا ہوا چھوڑ دیتے تھے۔ جب قربانی کے لئے اونٹوں کو نشان دینا چاہتے تھے تو اونٹ کے لتسمہ کی مانند کوئی چیز اس پر لٹکا دیتے

تھے اور اسی لئے اس تسمہ کو بھی سلیقہ (قلادہ) کہتے تھے۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ عرب میں اونٹنی ایک قیمتی اور آرائشی جانور شمار ہوتی تھی اور تیز رفتار اونٹنی کو (جو سواری کے لئے خاص ہوتی تھی) شیخانہ کہتے تھے۔ اس سفر میں حضرت محمدؐ نے چند شیخانہ کو بھی قربانی کے لئے خاص کر دیا تھا۔ تاکہ عربوں کو معلوم ہو جائے کہ حج کے رسومات واحکامات برقرار رکھنے میں مسلمان بت پرستوں سے زیادہ سخت ہیں۔

مسلمان اونٹوں پر نشان دینے اور ان پر سلیقہ (قلادہ) ڈالنے کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر اس مرتبہ ابوجہل کے لڑکے عکرمہ نے دو سو سواروں کے ذریعہ ان کا راستہ بند کر دیا۔ ابن ہشام عکرمہ کا قول نقل کرتا ہے "وَاَتَيْنَاهُمْ عِنَادًا لَسَلَّهٖ" یعنی ہم ایسے وقت مسلمانوں کے پاس پہونچے کہ وہ تلوار کھینچے ہوئے تھے۔ اسی طرح دوسری تاریخی سندوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مسلمان مکہ جاتے تھے اُس وقت ان کے پاس تلوار تھی لیکن تلوار اس وقت ایک جنگی ہتھیار شمار نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ ایک ایسا ہتھیار تھی جسے ہر وقت لٹکائے رہتے تھے جیسا کہ آجکل بھی جزیرۂ عرب، خلیج فارس کے جنوبی ساحل کے صحرانشیں ہمیشہ اپنی شال پر ایک خنجر لٹکائے رہتے ہیں مگر وہ خنجر لباس کا ایک جزء ہے اور کوئی شخص اسے جنگی ہتھیار نہیں سمجھتا۔

اگر مسلمانوں نے تلوار غلاف سے باہر نکالی ہوگی تو بلاشبہ عکرمہ اور اس کے سواروں کو دیکھ کر نکالی ہوگی کیونکہ اس سے پیشتر کہیں تلوار نکالنے کا موقع پیش نہیں آیا تھا۔ لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ تلواروں کو کام میں نہیں لایا گیا کیونکہ حضرت محمدؐ نہیں چاہتے تھے کہ اس سفر میں خون بہائیں اور عکرمہ کا قول بھی ضعیف ہے اسلامی مؤرخوں نے اسکی تائید نہیں کی ہے۔

جس جگہ مسلمانوں نے اونٹوں پر قربانی کے لئے نشان لگایا تھا وہ ذوالحلیفہ کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں نے اسی جگہ سے عمرہ کیلئے احرام باندھا اور راستہ پر چل پڑے۔ تلوار کھینچنے کے مسئلہ سے (جس کا اوپر ذکر ہوا) یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مکہ کے سواروں کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت محمدؐ اس وقت خونریزی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا جنگ سے بچنے

کیلئے آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ذوالحلیفہ کے پہاڑی علاقہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوں۔ ذوالحلیفہ سے نکلنے کے بعد مسلمان جس علاقہ سے گذرے وہ ایک پہاڑی راستہ تھا جس سے سوار بہت ہی دشواری کے ساتھ گذرتے تھے۔ اس پہاڑی راستہ میں مسلمانوں کو دھوپ اور پیاس کے باعث سخت تکلیف ہوئی یہاں تک کہ اس سے نکل کر حدیبیہ نامی مقام پر پہونچے۔

آجکل کے حساب سے حدیبیہ اور مکہ کے درمیان گیارہ کیلومیٹر سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ مسلمان مکہ کو دیکھتے تھے۔ جو لوگ مکہ کے رہنے والے تھے انکی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ تھوڑی دیر میں مکہ پہونچ جائیں گے اور اپنے وطن مالوف کو دیکھیں گے لیکن اسی وقت پیغمبر اسلام کا اونٹ جس کا نام ثعلب تھا بیٹھ گیا حضرت محمدؐ نے اسے اٹھایا مگر وہ جانور آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹتا تھا اور پھر زمین پر گھٹنے ٹیک دیتا تھا۔ آپؐ اونٹ سے اتر پڑے اور مسلمانوں سے فرمایا کہ اللہ چاہتا ہے کہ ہم لوگ یہیں ٹھہر جائیں۔ مسلمان اونٹوں سے اتر پڑے مگر انھیں بہت افسوس تھا کیونکہ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ جب مکہ کے دروازے پر پہونچیں گے تو پیغمبر اسلام کی طرف سے ٹھہرنے کا حکم ہوگا۔

حضرت محمدؐ جس سرزمین میں ٹھہرے تھے وہ حدیبیہ کا جزو تھی اور غدیر الاشطاط کے نام سے موسوم تھی۔ موسم بہار میں تو وہاں کچھ پانی دستیاب ہو جاتا تھا مگر جس وقت مسلمان وہاں پہونچے تو پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ لہذا مسلمان پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمدؐ ہم دو ہزار آدمی ہیں (تحقیق یہ ہے کہ چودہ پندرہ سو آدمی تھے) ہمارے پاس کئی سو اونٹ ہیں۔ اس جگہ پانی کے بغیر نہیں ٹھہر سکتے۔ بہتر یہ ہے کہ آگے بڑھیں اور ایسی جگہ قیام کریں جہاں پانی دستیاب ہو سکے۔ حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ اگر آگے بڑھے اور خدانخواستہ کہیں مسلمانوں اور باشندگانِ مکہ میں جنگ ہو گئی تو حرم میں خونریزی ہوگی کیونکہ کعبہ کی طرح مکہ کا علاقہ بھی حرم شمار ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ایسے مہینے میں خونریزی ہوگی جس میں جنگ حرام ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ہم اس سے آگے نہیں بڑھیں گے۔

خدا کا حکم ہے کہ ہم لوگ اسی جگہ ٹھہر جائیں۔ مسلمانوں نے عرض کیا کہ پانی کے بغیر کام کیسے چلے گا؟

روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خدا سے پانی کے لئے دعا کی۔ اور عرض کیا کہ اگر ہمیں پانی عطا نہیں فرماتے تو مسلمان حرم کی سرزمین میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت محمدؐ نے جیسے ہی دعا ختم کی ایک مسلمان نے جو کنواں کھودنے میں مہارت رکھتا تھا عرض کیا کہ اے محمدؐ آپؐ کے پیر کے نیچے پانی ہے۔ اگر آپ زمین کھودیں گے تو پانی مل جائے گا۔ مسلمانوں نے فوراً وہاں کی زمین کو کھودا اور انھیں پانی مل گیا۔ اس کنویں میں اس قدر پانی تھا کہ جب تک مسلمان وہاں رہے انھیں ضرورت سے زیادہ پانی دستیاب ہوتا رہا۔ (فتح الباری کے بیان کے مطابق جو گڈھا سوکھ گیا تھا اس میں آپؐ نے ایک تیر گاڑ دیا جس سے پانی جاری ہو گیا۔)

پانی کی نگرانی ختم ہونے کے بعد حضرت محمدؐ نے عمرؓ بن الخطاب سے فرمایا کہ قاصد کے طور پر مکہ جائیں اور قریش سے کہیں کہ مسلمان صرف کعبہ کی زیارت کے لئے یہاں (مکہ) آئے ہیں وہ لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ آپؐ قریش سے ہم لوگوں کے مکہ جانے اور کعبہ کی زیارت کرنے کی اجازت حاصل کریں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے محمدؐ میں یہ کام نہیں کروں گا۔ جب آپؐ مکہ جا سکتے ہیں اور خانہ کعبہ کی زیارت کر سکتے ہیں تو پھر قریش سے اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت عمرؓ بن الخطاب ایک قوی الجثہ اور سادے انسان تھے۔ چنانچہ وہ بعض سیاسی نکتوں کو نہ سمجھ سکے۔ عمرؓ بن الخطاب ذکی شمار ہوتے تھے۔ عرب والے راست گو اور راست کردار شخص کو ذکی کہتے تھے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ نیک و بد کے درمیان بہت سے درجات ہیں جو نہ نیک ہیں نہ بد ہیں لیکن حضرت عمرؓ بن الخطاب کی شخصیت اس سے بالاتر تھی کہ وہ اپنے لئے نیک و بد کے درمیان وسطی درجہ قبول فرمائیں۔ آپؐ کے نزدیک ہر چیز یا تو اچھی تھی یا بری۔ انصاف

تھی یا ظلم، سچ تھی یا جھوٹ۔ اس کے سوا درمیانی کوئی درجہ قرار نہ پاتی تھی۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب کی نظر میں دین اسلام ایک سچا مذہب تھا اور مسلمانوں کو خدا کی حمایت حاصل تھی۔ لہٰذا ان کے عقیدہ میں اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ مسلمان مکہ میں داخل ہونے کے لئے قریش سے اجازت حاصل کریں۔ یہ اسباب تھے جن کی بنا پر عمرؓ قاصد بننے اور قریش کے پاس جانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اسی وجہ سے پیغمبر اسلام نے اس کام کیلئے حضرت عثمانؓ کو منتخب فرمایا۔

حضرت عثمان پیغمبر اسلام کے داماد تھے اور ان لوگوں میں شمار ہوتے تھے جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، نیز مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہونچے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ شروع میں پیغمبر اسلام کی لڑکی رقیہ کے ساتھ ان کی شادی ہوئی تھی۔ اور انکی (رقیہ کی) وفات کے بعد پیغمبر اسلام کی دوسری لڑکی ام کلثوم کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تھا۔ حضرت عثمان نیک پوش اور خوش طبیعت مگر سطحی شخص تھے۔ گفتگو کے وقت حضرت عمرؓ ہر معاملہ میں کھلم کھلا اپنا عقیدہ بیان کردیتے تھے مگر حضرت عثمانؓ صراحتہً کسی بات کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ ایک سماجی انسان تھے اور ایسے سماجی لوگوں کی طرح جو بہت زیادہ مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ وہ اس طرح گفتگو کرنے کے عادی تھے کہ کسی کو رنجش نہ ہو۔ حضرت محمدؐ کی تجویز قبول کرنے کے بعد حضرت عثمان اونٹ پر سوار ہوئے اور مکہ روانہ ہوگئے، مگر واپس نہ ہوئے مسلمانوں کی قیامگاہ پر یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان کو مکہ میں روک لیا گیا ہے اور انھیں قتل کردیا گیا ہے۔

جب پیغمبر اسلام نے سنا کہ قریش نے عثمانؓ کو قتل کردیا ہے تو آپؐ نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اپنا طریقہ بدل دیں۔ حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ وہ کس لئے مدینہ سے نکلے ہیں۔ انھوں نے صرف عمرہ کرنے کے لئے مکہ کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو مکہ والوں کے ساتھ صلح کرلیں اور مسلمانوں و مکہ والوں کے درمیان میل ملاپ ہوجائے تاکہ مدینہ کو اقتصادی محاصرہ سے نجات حاصل ہو۔ دوسری بات یہ تھی کہ حضرت محمدؐ مکہ والوں پر یہ ثابت کردینا چاہتے

تھے کہ اسلام ایک عربی مذہب ہے۔ وہ عربوں کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتا۔ یہی سبب ہے کہ خانہ کعبہ کو قابل احترام سمجھتا ہے۔ کیونکہ قریش کو یہ وہم پیدا ہو گیا تھا کہ جس طرح ابرہہ مکہ کی مرکزیت کو ختم کرنے کے درپے ہو گیا تھا اسی طرح حضرت محمدؐ بھی جنھوں نے نیا مذہب نکالا ہے مکہ کی مرکزیت ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

قریش والے مکہ کی مذہبی مرکزیت کو محض اس واسطے اہمیت دیتے تھے کہ اس کی تجارتی مرکزیت برقرار رہے۔ اگر حضرت محمدؐ اس کی مذہبی مرکزیت ختم کر دیتے ہیں تو اس کی تجارتی مرکزیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا مکہ والوں کی دشمنی کے باوجود پیغمبر اسلام عمرہ ادا کرنے کے درپے ہوئے تاکہ باشندگان مکہ خصوصاً قریش کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان بھی کعبہ کا بہت احترام کرتے ہیں۔ (یعنی وہ اسکی مرکزیت ختم کرنا نہیں چاہتے ہیں)

جب حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پہونچی تو حضرت محمدؐ نے تمام مسلمانوں کو ایک بڑے درخت کے نیچے (جو اس علاقہ میں لگا ہوا تھا) جمع کیا۔ بڑے اور پرانے درخت لمبی جڑیں رکھتے ہیں۔ انکی لمبی جڑیں زمین کے اندر گہرائی میں گھس جاتی ہیں۔ اس لئے وہ نئے درختوں کی طرح اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے سطح زمین کے پانی کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ ایسے درختوں کی جڑیں زمین کی گہرائی سے رطوبت (تری) جذب کرتی ہیں جیسا کہ اسلامی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کو جس درخت کے نیچے جمع کیا تھا وہ اس قدر بڑا تھا کہ تمام مسلمان اسکے سایہ میں آ گئے۔

حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کو یہاں اس لئے جمع کیا ہے کہ آپ لوگوں سے اقرار کرالوں کہ پیغمبر اسلام کے حکم پر بے چون وچرا عمل کریں گے۔ اگرچہ وہ حکم آپ کی خواہش اور عقل کے خلاف ہو۔ جب آپ کی تقریر ختم ہو گئی تو سنان نامی ایک شخص نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ یا محمدؐ! میں قسم کھاتا ہوں کہ جو کچھ آپ حکم فرمائیں گے اس پر ضرور عمل کروں گا۔ چاہے وہ اچھا ہو یا برا ہو۔ عقل کے موافق ہو یا مخالف۔ پھر وہ شخص حضرت محمدؐ سے قریب ہوا اور آپکے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے تمام مسلمان حضرت محمدؐ سے قریب ہونے گئے اور

آپؐ سے بیعت کرتے گئے۔ یعنی اس بات کا عہد کیا کہ حضرت محمدؐ کی طرف سے جو حکم صادر ہوگا اس کی تعمیل کریں گے۔ چاہے ان کی نظر میں وہ عقل کے مطابق ہو یا مخالف۔

لوگ اس بیعت کو بیعت الرضواں کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کی تجلیل (بڑائی) بیان کی ہے اور قرآن کی اڑتالیسویں سورہ فتح کی اٹھارہویں آیتہ میں اس طرح سے مسلمانوں سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے "اے محمد! اللہ تعالیٰ مومنوں سے (اسی وقت) راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ اس نے جان لیا کہ مومنوں کے دل میں کیا ہے (یعنی سمجھ لیا کہ انکے دل میں سچائی اور اخلاص ہے) لہٰذا ان کے اوپر ایسی چیز نازل فرمائی جس سے ان کے دل کو تسکین ہو۔ اس نے جلد ہی ایک کامیابی انعام کی شکل میں نازل فرمائی"۔

چونکہ مسلمانوں نے حدیبیہ میں خدا اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص اور وفاداری کا عہد کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگیا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے۔ اس لئے یہ بھی جان لیا تھا کہ یہ لوگ پیغمبر کے سچے وفادار ہیں اس لئے اس نے فوراً اس کا بدلہ دیا۔ یہ بدلہ فتح خیبر ہے۔ جسے میں آئندہ صفحات میں بیان کروں گا۔

ملک کے باشندے خصوصاً قریش بیعت الرضواں سے بہت ڈر گئے تھے کیونکہ اس بیعت کے مطابق مسلمانوں نے عہد کیا تھا کہ حضرت محمدؐ جو بھی حکم دیں گے اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اگرچہ انکی عقل کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ قریش نے کہا کہ اس بیعت سے حضرت محمدؐ کا مقصد یہ ہے کہ مکہ پر حملہ کریں اور جو شخص ان کے مقابلہ کیلئے آئے اسے قتل کردیں اور جو لوگ ان کے ہاتھ لگ جائیں انھیں لونڈی اور غلام بنالیں۔

قریش نے تین لڑائیوں یعنی بدر، اُحد اور خندق میں حضرت محمدؐ کی سرداری کی لیاقت دیکھ لی تھی اور مسلمانوں کے زور بازو سے مطلع ہو چکے تھے۔ انھیں خطرہ تھا کہ اگر محمدؐ نے مکہ پر حملہ کیا

تو ممکن ہے کہ شہر پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ انھوں نے فوراً حضرت عثمانؓ کو آزاد کر دیا۔ وہ مکہ سے حدیبیہ واپس چلے گئے اور حضرت محمدؐ کو پیغام سنایا کہ قریش آپؐ سے گفتگو کے لئے تیار ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ آپ کے پاس گفتگو کرنے کے لئے اپنے چند آدمیوں کو بھیجیں۔ اس کے علاوہ مکہ کے بڑے بڑے لوگ بھی آپ سے گفتگو کرنے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو جو پہاڑی علاقہ طے کر کے حدیبیہ پہونچا تھا یہ حکم دیا کہ اپنے جنگی سامان سے مسلمانوں کی مزاحمت نہ کرے (یعنی مسلمانوں کو نہ روکیں)

اگر حضرت محمدؐ عمرؓ بن الخطاب کی رائے کو تسلیم کر لیتے تو ضرور خون ریزی ہو جاتی اور اشراف مکہ کو یہ بہانہ مل جاتا کہ محمدؐ نے حرم کے اندر اور ماہِ حرام میں خونریزی کا ارتکاب کیا ہے لیکن حضرت محمدؐ نے ایک قطرہ خون بھی زمین پر گرے بغیر قریش کو اپنی روش بدلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لوگ خود اس بات کے خواہشمند ہوئے کہ پیغمبر اسلام کے ساتھ گفتگو کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں۔

جس طرح جنگ اُحد ایک سیاسی آدمی کی نگاہ میں شکست نہ تھی کیونکہ مکہ کی فوج نہ تو اسلامی فوج کو مٹا سکی اور نہ کشور اسلام یعنی مدینہ پر قبضہ کر سکی۔ اسی طرح حضرت محمدؐ کا حدیبیہ کا توقف بھی (بخلاف بعض اسلامی تذکرہ نگاروں کے) سیاسی شکست نہیں ہے بلکہ ایک سیاسی کامیابی ہے۔ انسان اگر سیاسی آدمی نہ ہو تب بھی وہ سمجھتا ہے کہ حضرت محمدؐ نے حدیبیہ میں اپنی سیاست سے کام لیا کہ حریف ان کی سیاست کا تابعدار بننے پر مجبور ہو گیا۔

قریش آپؐ سے صرف مذاکرہ ہی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ اس کی منظوری کے لئے دوبارہ آپ کے پاس نمائندے بھیجے۔ تاکہ مسلمانوں کی روش معلوم کریں کہ آیا ان کے پاس ہتھیار ہیں یا نہیں؟ اگر ان کے پاس ہتھیار ہیں تو وہ پیغمبر اسلام کے کس قدر وفادار ہیں؟ سب سے پہلا شخص جو حدیبیہ جانے اور حضرت محمد سے گفتگو کرنے کے لئے مامور ہوا تھا وہ عروہ بن مسعود ثقفی تھا یعنی قبیلہ بنو ثقیف کا تھا۔ وہ طائف میں زندگی بسر کرتا تھا اور وہاں کے بڑے لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ پھر وہاں سے کوچ کر گیا اور اپنا خاندان لیکر مکہ میں مقیم ہو گیا تھا۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے اسی درخت کے نیچے جہاں بیعت الرضوان عمل میں آئی تھی۔ پیغمبر اسلام سے ملاقات کی۔ اس نے آپؐ سے دریافت کیا کہ آپ مکہ کس لئے آئے ہیں؟ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ہم صرف خانۂ کعبہ کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے ہیں۔ ہم کسی سے جنگ کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ پھر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جن اونٹوں پر قربانی کی نشانی لگی ہوئی ہے انھیں عروہ کو دکھلا دو۔ چنانچہ عروہ چند مسلمانوں کے ساتھ گیا اور اونٹوں کو دیکھ کر واپس چلا آیا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی تک اس نے یقین نہیں کیا ہے کہ مسلمان زیارت کیلئے آئے ہیں اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حضرت محمدؐ کی طرف ہاتھ کر کے کہا اے محمدؐ کیا آپؐ مطمئن ہیں کہ آپکے دوست واحباب جو اس وقت آپؐ کے آس پاس کھڑے ہوئے ہیں وہ جنگ کی صورت میں آپؐ کے وفادار ہوں گے؟ یا آپؐ کو تنہا نہ چھوڑیں گے؟ مغیرہ بن شعبہ نامی ایک مسلمان نے تلوار کی نوک سے عروہ کے ہاتھ میں کچھ خراش لگا دی اور کہا اے عروہ ادب سے گفتگو کرو اور بات چیت کے موقع پر رسول اللہ کے سامنے ہاتھ نہ ہلا۔

عروہ نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اے عروہ اگر تو ایک ایلچی کی حیثیت سے رسول اللہ کے پاس نہ آتا اور محفوظ نہ ہوتا تو میں ابھی تجھ کو مسلمانوں کی توہین کرنے کی بنا پر قتل کر دیتا۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ مسلمان جنگ کے موقع پر اپنے پیغمبر کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تو جنگ بدر اور جنگ اُحد میں ہوتا تو رسول اللہ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری دیکھ لیتا۔ عروہ مکہ واپس گیا اور قریش کے سرداروں سے کہا کہ میں نے روم کا دربار بھی دیکھا ہے اور نجاشی کا دربار بھی لیکن حضرت محمدؐ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اس سے بہت بڑھی ہوئی ہے جو میں نے روم اور حبشہ میں قیصر و نجاشی کے متعلق محسوس کیا تھا۔

عروہ کے بعد بنی کنانہ کا ایک شخص مکہ سے روانہ ہو کر حدیبیہ پہونچا تا کہ معلوم کرے کہ مسلمان کس لئے آئے ہیں؟ لوگوں نے حضرت محمدؐ کو اطلاع دی کہ مکہ سے آنے والا قبیلہ بنی کنانہ کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص اس قبیلہ کا ہے جس کے لوگ قربانی کے اونٹوں کی تعظیم کرتے ہیں

قربانی کے اونٹوں کو اس کے سامنے پیش کرو تاکہ وہ انھیں دیکھ سکے۔ مسلمانوں نے اونٹ سامنے کئے اور لبیک اللھم لبیک جو حج کے موقع پر پڑھا جاتا ہے پڑھتے ہوئے اس شخص کے سامنے جلوہ گر ہوئے۔

مکہ سے آنیوالے شخص نے جیسے ہی قربانی کے اونٹوں کو دیکھا اور مشاہدہ کیا کہ مسلمان مخصوص ذکر میں مصروف ہیں تو واپس ہو گیا اور قریش سے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے قربانی کے اونٹ دیکھے ہیں جن پر نشان لگا ہوا تھا۔ حضرت محمدؐ کے تمام پیروکار احرام باندھے ہوئے تھے اور اللھم لبیک پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے تھے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ وہ زیارت کی غرض سے مکہ آئے ہیں۔ انھیں روکا نہ جائے۔

قریش کو پھر بھی یقین نہ ہوا۔ انھوں نے چاہا کہ ایک دوسرا آدمی حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے پاس بھیجیں۔ اس مرتبہ قبیلہ احابش کے سردار حلیس بن علقمہ کو حضرت محمدؐ کے پاس بھیجا۔ احابش مکہ کے قریب ایک صحرانشیں قبیلہ تھا۔ اور قریش حلیس بن علقمہ کو اپنا دوست سمجھتے تھے حلیس روانہ ہو کر مسلمانوں کے پاس پہونچا حضرت محمدؐ نے حکم دیا کہ اسے آزاد چھوڑ دیں۔ وہ جہاں چاہے جائے، جس سے چاہے بات کرے اور جو چاہے دیکھے۔ حلیس بن علقمہ نے مشاہدہ کیا کہ تمام مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں۔ اور قربانی کیلئے اونٹوں پر نشان لگائے ہوئے ہیں۔ اس نے مسلمانوں کے پاس کوئی جنگی ہتھیار نہیں دیکھا۔ اس نے مشاہدہ کیا کہ بھوک کی زیادتی کے باعث بعض اونٹوں نے ایک دوسرے کے جسم کے بال کھا لئے ہیں۔

حلیس بن علقمہ جلدی سے واپس ہوا اور قریش سے کہا کہ مجھے پکا یقین ہے کہ اس سفر میں مسلمانوں کا مقصد صرف زیارت کعبہ ہے۔ آپ لوگوں کو چاہئے کہ انھیں آزاد چھوڑ دیں تاکہ وہ مکہ آئیں اور کعبہ کی زیارت کریں۔ قریش نے کہا۔ مجھے اس آدمی سے ڈر ہے کہیں مکہ میں آکر قبضہ نہ کرلے۔ حلیس نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھی زیارت کے سوا کوئی قصد نہیں رکھتے اگر وہ مکہ پر قبضہ کرنا چاہتے تو جنگی ساز و سامان لیکر آتے۔ حضرت محمدؐ کے پیروؤں میں

سے کسی کے پاس میں نے نہ ایک زرہ دیکھی نہ ایک دستانہ، نہ ایک نیزہ نہ ایک خود۔

جب قریش اس وقت بھی تیار نہ ہوئے کہ مسلمانوں کو مکہ آنے کی اجازت دیں تو حلیس غصہ ہوگیا اور کہا کہ تمہارا عمل ایک ایسا گناہ ہے جو بخشائش کے قابل نہیں ہے۔ تم کس وجہ سے ایسے لوگوں کو روکتے ہو جو کعبہ کی زیارت کیلئے آرہے ہیں۔ کعبہ کی زیارت کیلئے تمام مذاہب کے لوگوں کو آزادی ہے بشرطیکہ کعبہ پر اعتقاد رکھتے ہوں۔ تم کس وجہ سے کعبہ کی جائز زیارت سے مسلمانوں کو جو اس سے اعتقاد رکھتے ہیں روکتے ہو؟ اگر حضرت محمدؐ اور ان کے پیروؤں کو آزاد نہ چھوڑ دوگے کہ وہ آکر کعبہ کی زیارت کریں تو میں تم سے جدا ہو جاؤں گا پھر مجھے کبھی اپنے متفقین میں نہ شمار کرنا۔

قریش کے چند بزرگوں نے حلیس بن علقمہ کو خاموش ہو جانے کا حکم دیا اور کہا کہ اے حلیس تم ایک صحرانشیں سادہ سچے اور نیک آدمی ہو۔ تم دوسروں کے باطنی نقشوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ ذرا صبر کرو۔ یہاں تک کہ ہم مزید مشورہ و تحقیق کرلیں اور ایسا راستہ اختیار کریں جو مکہ والوں کیلئے مفید ہو۔ قریش کے بزرگوں نے دور و دراز تک مشورہ کیا۔ اس مدت میں مکہ کے وہ لوگ جو جاسوسی کے لئے حدیبیہ جارہے تھے تاکہ مسلمانوں کے حالات معلوم کریں، گھڑی گھڑی دارالندوہ میں حاضر ہوتے تھے اور بزرگان قریش کے سامنے اپنے مشاہدات پیش پیش کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان حضرت محمدؐ کا ایسا احترام کرتے ہیں جو خارق العادت (عادت سے زیادہ) ہے۔ اگر حضرت محمدؐ ایک گلاس پانی طلب فرماتے ہیں تو دس آدمی پانی لانے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ جسے اس خدمت کا موقع نہیں ملتا وہ اپنے کو بدبخت و محروم سمجھتا ہے۔

مسلمانوں کی زندگی میں ایک انوکھی چیز یہ ہے کہ ہمیشہ دن رات میں چند بار صف بنا کر قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ نماز کے وقت ان کا نظم و ضبط حیرت انگیز ہوتا ہے جو لوگ حدیبیہ سے لوٹ کر جاتے تھے وہ بیان کرتے تھے کہ مسلمان حضرت محمدؐ کے اسقدر وفادار ہیں

کہ اگر وہ اشارہ کردیں تو سارے مسلمان اپنے ہی ہاتھوں سے خود کو ہلاک کرلیں۔

قریش کی جماعت یہ باتیں سُن کر اور زیادہ متوحش ہوگئی اور دو روز کے مشورہ کے بعد اس نے سہیل بن عمرو نامی ایک قریشی بزرگ کی سرداری میں ایک نمائندہ جماعت حدیبیہ کی طرف بھیجی تاکہ وہ حضرت محمدؐ کے ساتھ بات چیت کرکے مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرے۔ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت محمدؐ نے سہل بن عمرو کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھا تو فرمایا میرا کام آسان ہوگیا۔ جو لوگ عربی زبان جانتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ سہیل لفظ سہل سے مشتق ہے۔

قریش کی نمائندہ جماعت نے حضرت محمدؐ سے بات چیت کی۔ گفتگو کے بعد وہ دن بھی قریب آگیا جبکہ جانبین کے درمیان ناجنگ معاہدہ منعقد ہوا۔ معاہدہ لکھتے وقت حضرت محمدؐ نے اپنے داماد علی ابن ابی طالب سے فرمایا کہ معاہدہ اللہ کے نام سے شروع کرو۔ انھوں نے قلم اٹھایا اور اس طرح تحریر کیا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سہل بن عمرو بولا۔ میں رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتا۔ علی کو لکھنا چاہیئے "باسمک اللھم"۔ حضرت علیؓ نے بات مان لی اور جو کچھ حضرت محمدؐ نے فرمایا تھا وہی لکھدیا۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام کے داماد نے حضرت محمدؐ کے حکم کے مطابق اس طرح تحریر کیا۔

"یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور سہل بن عمرو کے درمیان منعقد ہوتا ہے"۔ سہل بن عمرو نے اعتراض کیا اور کہا کہ اس طرح نہ لکھو کیونکہ ہم آپ کو خدا کا پیغمبر نہیں مانتے ہیں۔ اگر آپکو خدا کا رسول تسلیم کرتے ہوتے تو آپ کو مکہ آنے سے نہ روکتے۔ آپ کو لکھنا چاہیئے کہ "یہ معاہدہ محمد بن عبداللہ اور سہل بن عمرو کے درمیان منعقد ہو رہا ہے"۔ حضرت محمدؐ نے حضرت علی سے فرمایا کہ ایسا ہی لکھدو تاکہ سہیل کا دل خوش ہوجائے۔

ان دو اعتراضوں کے علاوہ سہیل بن عمرو نے اور کوئی دوسرا اعتراض نہ کیا کیونکہ معاہدہ کے اصول میں پہلے ہی اتفاق ہوچکا تھا۔ حضرت علیؓ نے جو ایک عقلمند، خوش نویس اور بزرگ شخص تھے مذکورہ معاہدہ اس طرح تحریر فرمایا۔ باسمک اللھم۔ یہ معاہدہ محمد بن

عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان منعقد ہو رہا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے جانبین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی اس مدت میں طرفین کے کسی شخص کو دوسری طرف کے لوگوں کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہیئے۔ اس دس سالہ مدت میں اگر قبیلہ قریش کے لوگ اپنے سرداروں کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس چلے جائیں تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ انھیں واپس کردیں۔ لیکن اگر مسلمان بلا اجازت قریش کے پاس پہونچ جائیں تو قریش کے لئے ان کا واپس کرنا ضروری نہیں ہے۔"

اس نا جنگ عرصہ کی تمام دس سالہ مدت میں نہ تو جانبین کے لوگ دوسروں کی جان و مال کے لئے برا ارادہ کریں گے نہ ایک جماعت دوسری جماعت پر حملہ کرے گی نہ ان کے جان و مال کو نقصان پہونچانے کے درپے ہوگی۔ اس دس سالہ مدت میں قریش کو اختیار ہے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں اور اس سے مل جائیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی اختیار ہے کہ جس سے چاہیں معاہدہ اور اتحاد کریں۔ اس سال مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ کیلئے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ دوسرے سال زیارتِ کعبہ کیلئے مکہ میں داخل ہوسکتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ تین روز سے زیادہ قیام نہ کریں۔ اور تلوار کے سوا کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں۔

یہ معاہدہ جو ۶ھ میں حضرت محمدؐ اور قریش کے درمیان منعقد ہوا تھا اب تک اسلامی مؤرخوں کے درمیان مورد بحث بنا ہوا ہے۔ بعض مورخین نے اس طرف توجہ نہیں کی کہ اس معاہدہ سے مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اُس وقت اس معاہدہ سے مسلمانوں میں بڑی نفرت پھیل گئی تھی۔ اس موقع پر مسلمانوں نے احرام باندھا تھا اور قربانی کے لئے اونٹ تیار کئے تھے تاکہ مکہ میں داخل ہوں اور کعبہ کا طواف کریں اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا کچھ لوگ مکے کے تھے جنھیں اپنے گھر جانے کی آرزو تھی۔ اور اس موقع پر امیدوار تھے کہ ان کی آرزو پوری ہوگی لیکن معاہدہ کی ایک دفعہ ایسی تھی جس کی رو سے دوسرے مذہب والے آزادی کے ساتھ کعبہ کی

زیارت کو جاتے تھے۔ مگر مسلمانوں کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ مکہ میں داخل ہوں اور خانۂ کعبہ کا طواف کریں۔

ایک طرف تو مہاجرین جنھیں اپنے وطن پہونچنے کا یقین تھا نا امید ہو گئے۔ دوسری طرف تمام مسلمان مکہ کے داخلہ سے روک دئے گئے جسے وہ بہت بڑی توہین سمجھتے تھے۔ لیکن مسلمان چونکہ حضرت محمدؐ کا بہت احترام کرتے تھے اس لئے کوئی سانس نہیں لیتا تھا صرف ایک شخص یعنی عمرؓ بن الخطاب ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ اس قدر سچے اور سادہ تھے کہ اپنے احساسات چھپانے پر قادر نہ تھے۔ جو کچھ ان کے دل میں ہوتا تھا زبان سے ظاہر ہو جاتا تھا۔ وہ حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمدؐ کیا آپؐ نے نہیں کہ ہم مکہ جائیں گے اور خانۂ کعبہ کا طواف کریں گے۔ حضرت محمدؐ نے جواب دیا کہ اے عمرؓ میں نے ضرور کہا تھا لیکن میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال مکہ جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ کب مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ آئندہ سال تم مکہ جاؤ گے اور خانہ کعبہ کا طواف کرو گے۔

اس وقت مسلمانوں کی ناراضگی کے علاوہ ایک دشوار واقعہ بھی رونما ہو گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے، قریش کی نمائندہ جماعت کے سردار سہیل بن عمرو تھے جو جنگ بندی کا معاہدہ لکھوا رہے تھے ان کا ایک لڑکا تھا جس کا نام ابو جندل تھا اور جو باپ کی اطلاع کے بغیر مسلمان ہو گیا تھا۔ مسلمان اور قریش کے درمیان منعقد شدہ معاہدہ کے دو روز بعد ابو جندل مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ پہونچے اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ میں مسلمان ہوں اور آپ لوگ ہمارے دینی بھائی ہیں مجھے پناہ دیجئے۔

ابو جندلؓ کے مکہ سے فرار ہونے کے بعد ہی ان کے باپ سہیل بن عمرو حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے معاہدہ کی رو سے جو شخص قریش سے بھاگ کر مسلمانوں کی پناہ میں جائے اسے واپس کر دیا جانا چاہئے۔ لہٰذا آپ میرے لڑکے ابو جندل کو

میرے حوالے کیجئے۔ حضرت محمدؐ ابوجندل کو ان کے حوالے کرنے سے انکار نہ کر سکے ورنہ معاہدہ ختم ہو جاتا۔ مجبوراً انھیں سپرد کرنا پڑا۔ اس سے پہلے کہ لوگ ابوجندل کو ان کے باپ کے حوالے کریں اس نوجوان نے عرض کیا کہ اے محمدؐ میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا مت ڈرو۔ خدا تمھیں نجات دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوجندل قتل نہ ہوئے۔ ان کی جان صحیح و سلامت رہی۔

مگر مکہ میں مسلمانوں کے داخلہ کی ممانعت کے بعد اس واقعہ نے لوگوں کو بہت برافروختہ کر دیا اگر پہلے سے مسلمان اس بات پر بیعت نہ کئے ہوتے کہ پیغمبر اسلام کی ہر بات تسلیم کریں گے چاہے وہ عقل کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو بہت ممکن تھا وہ لوگ کچھ شورش کرتے مگر بیعت کر لینے کی وجہ سے شورش نہیں ہوئی۔ چونکہ مسلمان حضرت محمدؐ کی طرح سیاسی بصیرت نہیں رکھتے تھے اس لئے انکی نگاہیں معاہدۂ ترک جنگ کے منافع تک نہ پہونچ سکیں۔ حضرت محمدؐ نے اس معاہدہ کے ذریعہ مدینہ کو جو اقتصادی محاصرہ میں مبتلا تھا نجات دلا دیا کیونکہ اس معاہدہ کے بعد مدینہ کے قافلے آزادی کے ساتھ مکہ سے گذر سکتے تھے۔ اس معاہدہ کی رو سے مسلمان دس سال تک آزاد تھے۔ انھیں اختیار تھا جس سے چاہیں معاہدہ کریں اور جس سے چاہیں اتحاد کریں۔

اس وقت تک مکہ والے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے مگر اس معاہدہ کے بعد مسلمان دس سال کیلئے مکہ والوں سے مطمئن ہو گئے۔ مسلمانوں کی نظریں اس فائدہ تک نہ پہونچیں جسے حضرت محمدؐ نے کسی نقصان اور جنگ کے بغیر حاصل کر لیا۔ یہ لوگ مکہ کی زیارت سے روکے جانے اور ابوجندل کے واپس کئے جانے کو بہت بڑی شکست سمجھتے تھے۔ ابوجندل کی واپسی نے مسلمانوں پر دخول مکہ کی ممانعت سے بھی زیادہ اثر ڈالا تھا کیونکہ عرب بادیہ ہر پناہ چاہنے والے کی حمایت کیا کرتے تھے تو پھر ایسے موقع پر جبکہ ایک مسلمان چند مسلمانوں کی پناہ مانگ رہا ہو اسے پناہ دینا بہت ضروری تھا (ایسی صورت میں ان لوگوں کے خیال میں بطریق اولیٰ اسے پناہ دینا چاہئے تھا) لیکن وہ لوگ اس بات سے غافل تھے کہ ابوجندل کی واپسی معاہدہ کے

مطابق ہوئی ہے اور وہ معاہدہ کے بعد مکہ سے آئے ہیں۔ لہٰذا انھیں قریش کے سپرد کر دینے سے مسلمانوں کی شکست نہیں ہوئی۔

جب حضرت محمدؐ نے دیکھا کہ لوگ بہت ناراض ہیں تو انھیں حدیبیہ میں جمع کیا اور فرمایا کہ میں نے مکہ والوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے وہ فتح مبین ہے یعنی ایک روشن اور کھلی ہوئی فتح ہے۔ اس عظیم الشان سیاسی فتح کے بارے میں جو کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کو نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام پر ایک آیتہ نازل فرمائی۔ یہ آیت سورہ فتح کی پہلی آیتہ ہے جو قرآن کی اڑتالیسویں سورہ ہے۔ آیتہ مذکور اس جملہ سے شروع ہوتی ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا یعنی "میں نے آپ کو ایک روشن اور کھلی ہوئی کامیابی عطا فرمائی ہے"۔ بعض اسلامی علماء کا خیال ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ بعضوں کا عقیدہ ہے کہ اس آیتہ کا تعلق تمام فتوحات سے ہے اس میں صلح حدیبیہ بھی داخل ہے۔

حضرت محمدؐ کی توضیح سے پیشتر ایک مسلمان نے عرض کیا کہ ہم کعبہ کی زیارت سے محروم رہ گئے اور کعبہ کا طواف نہیں کر سکے۔ پیغمبر نے فرمایا کہ اگر تم اسی جگہ سے کعبہ کی زیارت کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس سفر میں تمھاری زیارت کو قبول فرمائیں گے۔ اور ایسا ہوگا کہ گویا کعبہ کا طواف کیا ہے۔ میں بھی یہیں سے کعبہ کی زیارت کروں گا۔ اونٹوں کی قربانی کروں گا اور سر کے بال بنوا کر احرام سے باہر نکل آؤں گا۔ تم بھی میری طرح کرو اور سر کے بال بنوا کر احرام سے باہر آجاؤ۔

ایک مسلمان نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوجندل کو مشرکوں کے حوالہ کرنے کی کیا توضیح فرمائیے گا۔ کیوں مشرکوں کے ساتھ ایسا معاہدہ کیا کہ جس کی رو سے وہ اپنے فراری (بھگے ہوئے) لوگوں کو واپس لے سکتے ہیں اور ہم اپنے لوگوں کو واپس نہیں لے سکتے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ابوجندل کو مشرکوں کے حوالہ کرنا معاہدہ کے مطابق ہوا ہے لہٰذا مسلمانوں کے لئے اس میں کوئی شکست نہیں ہوئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ابوجندل مارا نہیں جائے

گا وہ زندہ رہے گا اور بالفرض اگر وہ قتل بھی کر دیا جائے تو دائمی سعادت پائے گا کیونکہ وہ شہید ہوگا اور ایک شہید موت کے بعد جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ بہرحال مکہ والوں کے ساتھ معاہدہ میں یہ بات کیوں شامل نہیں کی گئی کہ اگر ہمارا کوئی آدمی بھاگ کر مکہ چلا جائے تو اسے بھی ہمارے حوالے کر دیا جائے، اسکی وجہ یہ ہے کہ جو مسلمان دین اسلام سے پھر جائے اور کفار کا دین قبول کرلے وہ ہم لوگوں کے لئے مفید نہیں ہے۔ وہ مرتد اور خائن ہے اسے ہم اپنا شخص نہیں سمجھتے اور نہ دوبارہ اسے قبول کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم معاہدہ میں ایسے مسلمان کی واپسی کے حق سے دست بردار ہو گئے ہیں جو ہم سے جدا ہو کر مکہ چلا جائے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ دوبارہ اسے اپنے اندر قبول نہ کریں گے۔

یہ معاہدہ جسے فتح مبین کہا گیا ہے اس بات کا سبب بنے گا کہ ہم آج سے لیکر دس برس تک کیلئے مکہ والوں کی طرف سے مطمئن رہیں۔ اس دس سال کی مدت میں ہم اطراف مدینہ کے تمام قبیلوں کو مسلمان کر سکتے ہیں۔ اس طرح مکہ والوں کو ہمارے اوپر حملہ کرنے کا کوئی بہانہ نہ رہے گا۔ اس دس سالہ مدت میں اپنی تقویت کیلئے خواہش کے مطابق جس سے چاہیں اتحاد کریں۔ اس معاہدہ کا فوری فائدہ یہ ہے کہ مدینہ جو آج تک اقتصادی محاصرہ میں گھرا ہوا تھا اب اس محاصرہ میں نہیں رہے گا۔

ایک مسلمان نے پوچھا یا رسول اللہ اس معاہدہ میں یہ کیوں لکھا کہ محمد بن عبداللہ کی طرف سے ہو رہا ہے اور یہ نہیں لکھا کہ رسول اللہ کی طرف سے ہو رہا ہے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ درست ہے میں نے اس معاہدہ میں اپنے کو محمد بن عبداللہ کہا ہے مگر معاہدہ میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا نہیں ہوں۔ اس لئے اس سے مسلمانوں کی کوئی چیز کم نہیں ہوتی۔ میں نے معاہدہ میں اپنے کو رسول اللہ اس وجہ سے نہیں لکھا کہ مشرکین نے مجھ سے اس کے ذکر نہ کرنے کا تقاضا کیا تھا۔ مشرکوں کی درخواست ایک بچوں جیسی درخواست تھی۔ اگر میں اسے قبول نہ کرتا تو ایک بچکانہ حرکت ہوتی۔ اس لئے میں نے اسے قبول کر لیا۔ اس درخواست کی قبولیت سے ہم مسلمانوں کی کوئی چیز نہیں گھٹتی۔ ہم اپنے مقصد یعنی قریش کے ساتھ

ترک جنگ کو پہونچ گئے (یعنی ہمارا مقصد حاصل ہوگیا)

اِس کے بعد پھر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لیکن مسلمان خصوصاً عمرؓ بن الخطاب چپ نہ ہوئے۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہمارا دین حق نہیں ہے اور مشرکوں کا دین باطل نہیں ہے؟ ایک حق چیز ایک باطل کے مقابلہ میں خفیف کیوں ہوگی؟

لیکن اِس کے بعد مسلمان حدیبیہ سے واپس ہوگئے اور چند مہینے توقف کیا تو لوگوں نے حتیٰ کہ عمرؓ بن الخطاب نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کیلئے بہت مُفید تھی اسی کے سبب حدیبیہ سے مراجعت کی مدت میں اطراف مدینہ کے قبائل مسلمانوں کی طاقت سے خوفزدہ ہوکر مسلمان ہوگئے۔

لیکن جب مسلمانوں نے احرام سے نکلنے کے لئے پورا سر یا اِس کا کچھ حصہ منڈوایا اور مدینہ کا راستہ اختیار کیا تو بہت غمگین تھے۔ ابوجندل کی قریش کو حوالگی نے انھیں بہت زیادہ غمگین کردیا تھا۔ کیونکہ جان کے خوف سے بھاگنے والے کو پناہ دینا عرب کے مقدس قوانین میں سے تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ حضرت محمدؐ نے اِس قانون کو پامال کردیا ہے۔ زمانۂ جاہلیت کا ایک شخص جس کا نام طرفہ ہے کہتا ہے:-

"مُرتے وقت میں اس دنیا سے ہنستا ہوا جاؤں گا کیونکہ زندگی میں مجھے ایسی تین چیزیں حاصل ہوئی ہیں جو سعادت کیلئے بہترین وسیلہ ہیں۔ اول یہ کہ جب کوئی شخص خطرہ کے باعث بھاگتا تھا اور میری پناہ میں آتا تھا تو میں اِس کو پناہ دیتا تھا۔ دوسرے یہ کہ شراب پیتا تھا۔ تیسرے یہ کہ بارش کے ایام میں جبکہ لوگ غمگین ہوتے ہیں میں خوبصورت عورتوں کے گانوں کے ذریعہ رنج دور کرتا تھا۔"

عربی شاعر نے اپنے شعر میں خطرہ میں پڑے ہوئے لوگوں کے پناہ دینے کو اوّل درجہ کی اہمیت دی ہے اور اسے دوسری لذتوں پر ترجیح دی ہے۔ مسلمان جب رنج و غم کی حالت میں مدینہ جارہے تھے تو ابوبصیر نامی ایک مسلمان جو مکہ سے بھاگا تھا مسلمانوں کے پاس پہونچا

اور ان سے پناہ دینے کی درخواست کی۔ حضرت محمدؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے سوچا کہ ممکن ہے کوئی مکاری ہو اور قریش نے ان کے پاس بھیجا ہوتا۔ کہ پتہ لگائے۔ لیکن تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ دھوکہ نہیں ہے اور ابوبصیر واقعتاً مسلمان ہے۔ مکہ میں اس پر بہت ظلم ہوتا تھا قتل کے خوف سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا آیا ہے۔

جب ابوبصیر مسلمانوں کے پاس پہونچ گئے تو قریش کے دو آدمی حاضر ہوئے اور حضرت محمدؐ سے عرض کیا کہ معاہدہ کے مطابق اس شخص کو ہمارے حوالے کرو۔ عمرؓ بن الخطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ اس مرتبہ انھیں کفار مکہ کے حوالے نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ ہماری پناہ میں آئے ہیں۔ اگر ہم مٹ جائیں تو بھی انھیں نہ لیجانے دیں گے۔ لیکن حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان جو معاہدہ ہو چکا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔

مکہ کے دونوں آدمیوں نے مسلمانوں کے سامنے ابوبصیر کو اونٹ پر باندھا اور اپنی راہ لی لیکن ابوبصیرؓ ایک طاقتور اور بہادر آدمی تھے جس وقت لوگ انھیں مکہ لیجا رہے تھے اس وقت انھوں نے رسیاں توڑ کر اپنے کو آزاد کر لیا۔ اونٹ سے نیچے اتر کر ایک آدمی کو مار ڈالا اور دوسرا بھاگ گیا۔ ابوبصیر پھر مسلمانوں کے پاس پہونچے اور پناہ مانگی۔ اس مرتبہ ابوبصیرؓ نہ صرف قریش سے بھاگے تھے بلکہ انھوں نے ان کے ایک آدمی کو بھی مار ڈالا تھا اور قریش اس کا خونبہا طلب کرتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے حکم دیا کہ ابوبصیرؓ کی نگرانی کریں یہاں تک کہ مکہ والے آکر اسے لیجائیں۔

دوسرے دن ابوبصیرؓ کے دو نگہبانوں میں سے ایک شخص جو زندہ تھا اور بھاگ گیا تھا مسلمانوں کی فوج میں پہونچا اور ابوبصیرؓ کا مطالبہ کیا۔ حضرت محمدؐ کے حکم کے مطابق ابوبصیرؓ کو جو بندش میں تھے اس کے حوالہ کیا لیکن اس سے قبل کہ وہ شخص ابوبصیر کو لیکر مسلمانوں کے لشکر سے دور ہو ابوبصیر بھاگ گئے۔ جب پہلی بار ابوبصیر مسلمانوں کے پاس پہونچے تھے تو پیغمبر اسلام نے ان سے فرمایا تھا کہ اے ابوبصیر ہم نے قریش سے معاہدہ کر لیا ہے لہٰذا ہم تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے تم مکہ واپس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نجات دے گا۔

ابو بصیر نے محسوس کیا کہ اگر وہ مکہ واپس جاتے ہیں تو چونکہ ایک شخص کو مار ڈالا ہے اس لئے مار ڈالے جائیں گے۔ اور پیغمبر اسلام نے جو یہ فرمایا تھا کہ مکہ واپس جاؤ خدا تمھیں نجات دے گا وہ اس وقت کی بات تھی جب انھوں نے آدمی کو قتل نہیں کیا تھا۔ قتل کرنے کے بعد اگر وہ مکہ جاتے تو یا تو مقتول ہوتے یا ان سے خونبہا طلب کیا جاتا۔ اس وجہ سے ابو بصیرؓ نے جنگل کا راستہ اختیار کیا۔ عربی شاعر شنفرہ ابو بصیرؓ کی زبانی اس طرح کہتا ہے :۔

"اے بھائیو میرے پیچھے مت آؤ کیونکہ میں نے جنگل کا راستہ اختیار کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہاں نئے دوست بناؤں"۔ "اے دوستو میرے پیچھے مت آؤ کیونکہ میں تنہا زندگی بسر کر سکتا ہوں، رات کی تاریکی میں راستہ چل سکتا ہوں۔ بیابان میں شیر، بھیڑیئے، بجو وغیرہ ہمارے دوست ہوں گے"۔

ابو بصیرؓ مکہ سے بھاگ کر ذوالمروہ نامی مقام پر پہونچے۔ ان کے بعد ابو جندل بھی مکہ سے بھاگے اور وہاں جاکر ابو بصیرؓ سے مل گئے۔ اس کے بعد عتبہ بن اسید نامی ایک دوسرے مسلمان مکے سے بھاگے اور ذوالمروہ کا راستہ اختیار کیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی پہنچ گئے۔ جو مکہ سے بھاگ کر ذوالمروہ پہونچتے تھے انھوں نے آہستہ آہستہ ایک نئی جماعت بنالی۔ یہ لوگ جنگ بندی کے معاہدہ میں شامل نہ تھے کیونکہ ذوالمروہ مدینہ کا جزو نہ تھا اسی لئے حضرت محمدؐ نے ان کی حمایت کیلئے کوئی قدم نہ اٹھایا۔

حدیبیہ کے جنگ بندی کے معاہدہ کو ابھی ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ ذوالمروہ کے مسلمانوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوگئی کہ مستقل ایک لشکر تیار ہوگیا۔ یہ لوگ مکہ کے قافلوں پر حملہ کرتے تھے اور انھیں مار کر ان کا مال لوٹ لیتے تھے۔ جماعتِ قریش کو اس قدر پریشانی ہوئی کہ انھوں نے حضرت محمد سے درخواست کی کہ جو مسلمان مکہ سے بھاگ کر ذوالمروہ میں جمع ہوئے ہیں انھیں باشندگانِ مکہ کے حوالہ کرنے کے بجائے مدینہ لیجا کر آباد کریں۔

حضرت محمدؐ نے قریش سے تحریری درخواست پیش کرنے کو فرمایا تاکہ ثبوت رہے کہ اس

طرح سے معاہدہ کی ایک شرط جسے مسلمان اپنے لئے باعثِ توہین سمجھتے تھے ختم ہوگئی۔ اس کے بعد اس معاہدہ کا دوسرا حصّہ جو مسلمانوں کے لئے مفید نہ تھا آہستہ آہستہ بے اثر ہوگیا صرف وہی چیزیں باقی رہ گئیں جو مسلمانوں کے لئے مفید تھیں۔

قریش والوں نے ایک تحریری ثبوت حضرت محمدؐ کے ہاتھ میں دیا جس میں صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ جو مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ کے مسلمانوں سے مل جائیں مدینہ کے مسلمان انھیں واپس کرنے کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ جس صلح حدیبیہ کے بارے میں شبہ کرتے تھے اور صلح کے بعد بھی شبہ میں تھے وہ مسلمانوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔

اسلامی فوج کا کمانڈر

علی بن ابی طالب

حدیبیہ سے واپس ہونے پر جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا تو فکر میں پڑ گئے کہ کیا طریقہ اختیار کریں جس سے مسلمانوں اور مکہ والوں کے حالات سدھر جائیں۔ اس سال مکہ والے قحط میں مبتلا ہو گئے تھے۔ عرب میں یمامہ نامی ایک قبیلہ تھا جس کی زمین مکہ والوں کے خورد و نوش کے لئے کفیل سمجھی جاتی تھی۔ اتفاق سے یمامہ کا سردار اور قبیلے والے مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے مکہ والوں کو غلہ دینا بند کر دیا۔ مکہ والے بھوک سے پریشان ہوئے تو انھوں نے حضرت محمدؐ کو وسیلہ بنایا اور ان سے درخواست کی کہ یمامہ کے سردار سے مکہ والوں کے ہاتھ غلہ بیچنے کی سفارش فرمائیں۔ پیغمبر اسلام نے مکہ والوں کی درخواست قبول فرمالی اور یمامہ کے سردار کو حکم دیا کہ غلہ کے معاملہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ اس کے علاوہ خود حضرت محمدؐ نے پانچسو اشرفیاں مکہ والوں کے پاس بھیجیں تاکہ انھیں فقراء میں تقسیم کریں۔ جب ابوسفیان نے یہ خبر سنی تو اس نے کہا کہ حضرت محمدؐ مکہ والوں کو خصوصاً جوانوں کو روپیہ کے ذریعہ دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

حضرت محمدؐ نے پانچ سو اشرفی بھیجنے کے بعد کافی کھجوریں بھی ابوسفیان کے پاس بھیجیں اور پیغام دیا کہ اس کی قیمت کے عوض رنگا ہوا (پکا) چمڑا بھیجدیں۔ اس وقت ابوسفیان کے پاس ایسا چمڑا تھا جسے کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ کیونکہ قحط سالی کے زمانہ میں مکہ جیسے شہر میں سب لوگ غذا خصوصاً خرما کے زیادہ خریدار تھے اور کوئی چمڑے کا خریدار نہ تھا۔ ابوسفیان نے چاہا کہ خرما قبول نہ کرے مگر ایسا نہ کر سکا کیونکہ مکہ والوں کو اس کا پتہ چل گیا تھا چونکہ

یہ لوگ بھوک سے مر رہے تھے اس لئے کھجور کو مکہ سے واپس نہ جانے دیا۔ لہٰذا ابوسفیان کھجور لینے اور اس کے عوض چمڑا دینے پر مجبور ہو گیا۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کھجوریں حضرت محمدؐ نے بھیجی ہیں تو پیغمبر اسلام کے بارے میں ان کے خیالات بہتر ہو گئے۔ لیکن قریش والے چونکہ مکہ کے رئیس شمار ہوتے تھے اس لئے برابر حضرت محمدؐ سے دشمنی رکھتے تھے۔

حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ قریش والے آپ سے دشمنی رکھتے ہیں اس کے باوجود آپ انھیں دوست بنانے کے درپے ہو گئے۔ آپ اسلامی ترقی کے پیش نظر مسلمان اور قریش دونوں کی بہبودی ضروری سمجھتے تھے۔ اور اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ لوگ کیا کہیں گے کیونکہ پیغمبر خدا پر یقین رکھتا ہے اور اس کے دین کی اشاعت کیلئے کسی کی طعنہ زنی کی پرواہ نہیں کرتا اور لوگوں کی چون وچرا کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ پیغمبر خدا کو ایسا دوست رکھتا ہے کہ اپنی تمام چیزیں اس پر قربان کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ یہودیوں کی کتاب تالمود میں مرقوم ہے:۔

"اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے یہ چاہتا ہے کہ اسے جان ودل سے دوست رکھے اور اپنی تمام چیزیں یعنی جسم، حیثیت، آبرو وغیرہ اسکی راہ میں قربان کر دے"۔

حضرت محمدؐ خدا کو دل وجان سے عزیز رکھتے تھے اور اس کے دین کی اشاعت کے لئے کسی قسم کی قربانی سے گریز نہ فرماتے تھے اگرچہ لوگ ان کا مذاق ہی کیوں نہ اڑائیں۔ حضرت محمدؐ انتہائی ایماندار، ہوشیار اور ذی استعداد شخص تھے جب کوئی شخص کسی چیز پر ایمان رکھتا ہے تو پھر مشکلات کی مطلق پرواہ نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آخر کار مشکلات پر غالب آجائے گا جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنی ساری چیزیں اس کی راہ میں قربان کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت محمدؐ نے اس روز عزم کیا کہ دین اسلام کی اشاعت کیلئے (کہ جس کے لئے مکہ پر غلبہ لازم تھا ایک دوسری قربانی پیش کریں۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت محمدؐ کو خبر ہوئی کہ ابوسفیان کی بیٹی اور عبداللہ بن جحش کی بیوی ام حبیبہ بیوہ ہو گئی ہے۔ عبداللہ بن جحش خدا پرست انسان تھا اور ہجرت کر کے

حبشہ گئے تھے لیکن وہاں جاکر دین اسلام ترک کر دیا اور اس کے بعد دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کی بیوی ام حبیبہ بیوہ ہو گئیں۔ حضرت محمدؐ نے ارادہ کیا کہ ام حبیبہ کو اپنے نکاح میں لے لیں۔ حضرت محمد جانتے تھے کہ جب ام حبیبہ سے شادی کر لیں گے تو ابوسفیان کے داماد بن جائیں گے اور اس رشتہ داری کے باعث آپؐ کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کی دشمنی گھٹ جائے گی۔

ابوسفیان مکی فوج کا سردار تھا اگر وہ حضرت محمدؐ کا دوست ہو جاتا تھا تو اسلام کو پورا نفع حاصل ہوتا تھا ابوسفیان کی لڑکی ام حبیبہ امیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اگر حضرت محمدؐ کے ساتھ ان کا نکاح ہو جاتا ہے تو بنو امیہ کا پورا قبیلہ جس میں صنادید جگر خور بھی شامل ہے آپ کا رشتہ دار بن جاتا ہے اور وہ لوگ آپؐ کے ساتھ گذشتہ زمانہ کے مانند دشمنی نہیں کر سکتے۔

ام حبیبہ اس وقت حبشہ میں تھیں۔ حضرت محمد خیال کرتے تھے کہ جب وہ بیوہ عورت عرب واپس آئے گی تو اس کے باپ ابوسفیان اور خاندان بنی امیہ والے اسے پیغمبر اسلام کے ساتھ شادی نہیں کرنے دیں گے۔ اس وجہ سے حضرت محمدؐ نے ایک شخص کو وکیل بنا کر حبشہ بھیجا کہ ام حبیبہ سے خطبہ (منگنی) کرے اور اپنے ساتھ مدینہ لے آئے لیکن چونکہ اس بات کا امکان تھا کہ جب ام حبیبہ حبشہ سے چل کر عرب پہونچیں گی تو قبیلہ قریش انھیں مدینہ جانے اور پیغمبر اسلام کی زوجہ بننے سے روکے گا۔ اس لئے حضرت محمدؐ نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا اور جس شخص کو حبشہ بھیج رہے تھے اسے ایک خط دیا کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی خدمت میں پیش کرے۔

حضرت محمدؐ نے اپنے نمائندہ کو یہ تعلیم دی تھی کہ پہلے ام حبیبہ سے دریافت کرے کہ وہ پیغمبر اسلام کی بیوی بننے کے لئے تیار ہیں یا نہیں؛ اگر وہ تیار ہوں تو پھر حضرت محمدؐ کا خط بادشاہ کے حوالہ کرے۔ اس خط میں پیغمبر اسلام نے حبشہ کے بادشاہ سے درخواست کی تھی کہ ام حبیبہ کے ساتھ جو اس کی سلطنت میں مقیم ہیں عقد کر دے۔ نجاشی نے درخواست قبول کر لی اور حضرت محمدؐ کے ساتھ ام حبیبہ کا نکاح کر دیا۔ اس کے بعد وہ حبشہ سے عرب روانہ ہو گئیں۔

قبیلۂ قریش کو اس نکاح کی خبر ہوئی لیکن وہ ام حبیبہ کو مدینہ جانے سے نہ روک سکے۔

کیونکہ ام حبیبہ پیغمبر اسلام کی بیوی ہو چکی تھیں اور عرب والے اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ایک عورت کو شوہر کے پاس جانے سے نہیں روکا جا سکتا۔ ام حبیبہ کی شادی نے آپ کے پروگرام کی تکمیل میں کافی مدد پہونچائی اور مکہ والوں کے مسلمان ہونے میں بہت مؤثر ثابت ہوئی کیونکہ قریش کے تمام خاندان ام حبیبہ کے رشتہ دار تھے جب ابوسفیان حضرت محمدؐ کی مخالفت کرنا چاہتا تھا تو سوچتا تھا کہ وہ اس کے داماد ہیں یعنی اس کے خاندان کی ایک شاخ ہیں لہذا مجبور ہو جاتا تھا۔ چونکہ گذشتہ فصلوں میں خاندانی شجرہ کی اہمیت بیان ہو چکی ہے اس لئے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

صلح حدیبیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس نے حضرت محمدؐ کو مدینہ کے جنوبی محاصرہ سے بے فکر کر دیا تھا۔ نیز یہ بات بھی طے ہو گئی تھی کہ مکہ والے مسلمانوں کے اتحاد اور جنگ میں غیر جانبدار رہیں گے یعنی اگر مسلمان کسی قبیلے سے جنگ کریں یا کسی قبیلہ کے ساتھ مل جائیں تو مکہ والے اس میں کوئی دخل نہیں دیں گے وہ بالکل غیر جانبدار رہیں گے۔

جب مسلمانوں اور مکہ والوں میں صلح ہو گئی تو خیبر والوں نے جو مکہ کے شمال میں ہے اپنی مخاصمانہ روش کو یاد کیا اور مدینہ کے قافلوں کو یہ اجازت نہ دی کہ وہ خیبر سے گذریں اور شام اور شمالی ملکوں میں پہونچیں۔ خیبر کے یہودی اپنے کو اس قدر طاقت ور سمجھتے تھے کہ مکہ والوں کی امداد کے بغیر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار تھے۔ حضرت محمدؐ کو خیال ہوا کہ جس طرح مدینہ جنوبی محاصرہ سے محفوظ ہو گیا ہے اسی طرح شمالی محاصرہ سے بھی محفوظ ہو جائے لیکن خیبر کے یہودی کسی قیمت پر حضرت محمدؐ سے صلح کرنے کے لئے تیار نہ تھے کیونکہ جو یہودی مدینہ سے ہجرت کر کے گئے تھے وہ دوسرے لوگوں کو صلح کرنے سے روکتے تھے۔

خیبر مدینہ سے دو سو میل دور تھا۔ اور شمال کی طرف واقع تھا۔ وہاں جنگل اور پانی سب موجود تھے۔ اسی لئے خیبر ایک زرخیز مقام شمار ہوتا تھا۔ اگر خیبر کے علاقہ سے دور ہوتے تھے تو ایک وسیع آتش فشانی علاقہ ملتا تھا جس کا عبور کرنا مشکل تھا۔ اس میں کسی قسم کی گھاس

نہیں اُگتی تھی۔ عربی زبان میں خیبر قلعہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ وہاں آٹھ جنگی قلعے تھے اور شہر والے جنگ کے وقت بیس ہزار سپاہی تیار کر سکتے تھے۔ لہٰذا وہ شہر خیبر کے نام سے مشہور ہوا۔

خیبر قدیم عربی حکومتوں کا شہر ہے اور ۵۳۰ء تک ایک عربی شہر تھا۔ اسی سال خیبر والوں نے ابونواس کے ساتھ عہد کیا اور خیبر میں یہودیوں کی آمد شروع ہو گئی۔

چونکہ یہودی جفاکش قوم تھی۔ اور اس کے لوگ استقلال پسند تھے لہٰذا خیبر میں ان کی ایسی اکثریت ہو گئی کہ جس وقت حضرت محمد نے اس پر چڑھائی کا ارادہ کیا اس وقت وہاں ایک بھی عربی نہ تھا۔ (یعنی سارے باشندے یہودی ہی تھے) خیبر والے مالدار تھے اور یہ شہر شمالی عرب کا تجارتی مرکز شمار ہوتا تھا۔ خیبر کے گوہر فروش مشہور تھے۔ وہ عرب کے بڑے بڑے لوگوں کے ہاتھ گوہر فروخت کرتے تھے یا کرایہ پر دیتے تھے۔ مگر مالی یا شخصی ضمانت کے بغیر کرایہ پر نہیں دیتے تھے۔ عرب میں گوہر فروشی یہودیوں کا مخصوص پیشہ تھا۔ شمال و جنوب میں اس کے کئی مرکز تھے لیکن خیبر سب سے بڑا مرکز شمار ہوتا تھا۔ خیبر کا علاقہ مرطوب شمار ہوتا تھا اور وہاں کے لوگ اکثر ملیریا کے مرض میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

لوگوں کا عقیدہ تھا کہ نہ بہنے والے پانی سے ایک ہوا خارج ہوتی ہے جو انسان کو بیمار بنا دیتی ہے اور اس کا نام پانی کی بیماری ہے۔ آجکل ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ملیریا پانی سے نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ملیریا مچھر سے ہوتا ہے۔ لیکن پرانے لوگوں نے ملیریا کے مچھروں کا پتہ نہیں لگایا تھا۔ یہ جدید انکشافات میں سے ہے۔ خیبر میں نہ بہنے والا پانی (تالاب وغیرہ کا پانی) بہت تھا جو لوگوں کو بیمار کر دیتا تھا۔ عربوں کو حیرت تھی کہ کس طرح یہودی خیبر جیسے مرطوب علاقہ میں رہتے ہیں اور پانی کی بیماری سے نہیں مرتے۔

یہودی سمجھتے تھے کہ عربی سیدھے سادھے لوگ ہیں لہٰذا ان سے کہتے تھے کہ انسان کو خیبر میں رہتے اور بیمار نہ پڑنے کے لئے یہ کرنا پڑتا ہے کہ خیبر میں داخل ہونے سے پہلے دونوں ہاتھ اس طرح زمین پر رکھے کہ اس کے چاروں ہاتھ پیر زمین پر رہیں پھر بگلہ کی آواز نکالے

اگر یہ عمل کرے گا تو شہر میں داخل ہوکر بیمار نہ ہوگا ورنہ اسے پانی کی بیماری کا انتظار کرنا پڑے گا اور ایک طویل مدت کے بعد مجبوراً زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ بھولے بھالے عربی اس پر یقین کر لیتے تھے اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے چاروں ہاتھ پیر زمین پر پھیلاتے تھے پھر لگلہ کی طرح چلاتے تھے اور خوش ہوجاتے تھے کہ اب بیمار نہ ہوں گے۔

اس عمل کو عربی زبان میں تعشیر کہتے ہیں یعنی دس گنا کرنا اور اسی وجہ سے اعراب بادیہ خیبر کو تعشیر بھی کہتے تھے۔ لیکن یہودی پانی کے مرض سے (جسے ہم ملیریا کہتے ہیں) بچنے کے لئے دوسری ترکیبیں استعمال کرتے تھے جنھیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) تالابوں کا پانی پینے کے لئے ہرگز استعمال نہیں کرتے تھے۔ اگر انھیں بہنے والا پانی دستیاب نہ ہوتا تو شراب پیتے تھے (۲) لہسن بہت کھاتے تھے خیبر کے تمام گھروں میں غذا میں لہسن چھڑکتے تھے۔ چونکہ یہ کام لگاتار ہوتا تھا لہٰذا اس کی خوشبو دماغ میں پہونچتی تھی۔ آجکل ہم لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ لہسن میں جراثیم کو دور کرنے کی خاصیت ہے۔ یہ خاصیت پیش بندی کا بھی عمل کرتی ہے اور بدن میں امراض پیدا ہونے کو روکتی ہے۔ (۳) یہودی نشیبی زمینوں میں نہیں رہتے تھے بلکہ اونچے مقامات پر چلے جاتے تھے اور وہاں سکونت اختیار کرتے تھے۔ تجربہ نے انھیں بتلا دیا تھا کہ اونچی جگہوں پر انسان پانی کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ (۴) دوسری احتیاط جو یہودی کرتے تھے وہ یہ تھی کہ ہر سال بہار کے تیسرے مہینے سے خیبر چھوڑ دیتے تھے اور آخر میں شہر واپس آتے تھے یعنی ایسے وقت واپس ہوتے تھے جبکہ ملیریا کے مچھر انھیں بیمار نہیں کرتے تھے۔

جب خیبر والوں کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت محمدؐ نے مکہ والوں کے ساتھ دس سال کے لئے صلح کر لیا ہے تو انھوں نے یہ پیشین گوئی کی کہ عنقریب مسلمانوں سے ان کی جنگ ہوگی یہودی جانتے تھے کہ اس وقت تک خیبر پر مسلمانوں کے حملہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ لوگ خیبر پر حملہ کرتے تو مکہ والے فوراً مدینہ پر حملہ کر دیتے کیونکہ خیبر اور مکہ کے باشندوں میں

یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ اگر مسلمان خیبر پر حملہ کریں تو مکہ والے فوراً مدینہ پر حملہ کر دیں گے لیکن جب مسلمانوں اور مکہ والوں میں عدم جنگ (صلح) کا معاہدہ ہو گیا تو خیبر اور مکہ والوں کا معاہدہ لغو ہو گیا۔

خیبر والوں سے جنگ کرنے کے لئے حضرت محمدؐ مدینہ سے پندرہ سو سپاہی اپنے ساتھ لے گئے حالانکہ خیبر والوں کے پاس بیس ہزار سپاہی تھے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں خیبر والوں کو دھوکا ہو گیا حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ جس روز خیبر والوں کو یہ اطلاع ملی کہ مسلمانوں اور مکہ والوں میں عدم جنگ کا معاہدہ ہو گیا ہے اسی روز وہ سمجھ گئے تھے کہ ممکن ہے حضرت محمدؐ خیبر پر حملہ کر دیں لہٰذا وہ دفاعی تیاریوں میں مشغول ہو گئے تھے اور آہستہ آہستہ کافی ساز و سامان جمع کر لیا تھا۔ دفاعی تیاری اس زور کی تھی کہ جب اسلامی فوج خیبر پہونچی تو وہاں کے باشندے دفاع کے لئے بالکل تیار تھے۔ شہر کے آٹھوں قلعوں میں خورد و نوش کا کافی سامان تھا اور بیس ہزار آدمی جنگی ساز و سامان کے ساتھ لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے تھے۔

اسلامی فوج خیبر پہونچنے سے پہلے قبیلۂ غطفان اور بنی فزارہ کے مقام پر پہونچی۔ یہ دونوں قبیلے خیبر والوں کے ساتھ جنگ میں متحد تھے اور اس بات کے لئے تیار تھے کہ جب حضرت محمدؐ خیبر والوں سے لڑنے کے لئے جائیں تو یہ لوگ اپنے سپاہیوں کو تیار کر کے خیبر والوں کی مدد کے لئے پہونچ جائیں۔ مگر چونکہ یہ لوگ مسلمانوں سے بہت ڈرتے تھے اس لئے خیبر والوں کے ساتھ اتحاد و جنگی کے باوجود انھوں نے حضرت محمدؐ سے وعدہ کر لیا کہ اس جنگ میں غیر جانبدار رہیں گے۔

قبیلۂ غطفان اور بنی فزارہ کی وحشت کا سبب دو چیزیں تھیں ایک تو جنگ بدر و احد اور خندق کی جنگی کیفیت دوسرے مسلمان اور مکہ والوں کے درمیان ناجنگ معاہدہ۔ ان قبیلوں نے سوچا کہ جب مکہ والوں نے حضرت محمدؐ کے ساتھ صلح کر لی ہے تو ہمارے لئے جنگ سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ جب حضرت محمدؐ کو اطمینان ہو گیا کہ یہ دونوں قبیلے جنگ میں شرکت

نہیں کریں گے تو پھر آپ خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔

مؤرخوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ شمالی عرب میں خیبر ایک مضبوط ترین قلعہ تھا۔ اور اس شہر کے استحکام کیلئے وہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا جسے فرانسیسی مہندس وبان نے ۱۷۰۰ء میں استحکامات کیلئے ایجاد کیا ہے یعنی اس نے تصور کیا ہے۔

استحکامات فارسی زبان میں ایک ایسا کلمہ ہے جسے فتح علی شاہ۔ محمد شاہ اور ناصر الدین شاہ کے زمانے کے مترجموں نے فرانسیسی لفظ فورتی فیکاسیون کے بجائے استعمال کیا ہے لغوی اعتبار سے یہ کلمہ نہ عربی ہے نہ فارسی لیکن چونکہ متداول ہے اس لئے ہم استعمال کر رہے ہیں۔ بہر حال جو قلعے خیبر میں بنے ہوئے تھے وہ کچھ ایسی وضع کے تھے کہ جب کماندار اور منجنیق چلانے والے تیر اندازی کرتے تھے تو ان کے تیر دشمنوں کو تباہ کر دیتے تھے۔

آجکل چونکہ توپخانہ کی طاقت اور دوسری جنگ عظیم کے بعد ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی طاقت حکومتوں کو حاصل ہو گئی ہے اس لئے استحکامات کی کوئی قیمت باقی نہیں رہی ہے لیکن قدیم زمانے میں حتیٰ کہ بیسویں صدی کے نصف تک استحکامات جنگی کی بہت قیمت تھی اور وہ دشمن کا حملہ روکتے تھے خصوصاً جبکہ فرانسیسی مہندس وبان نے فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم کے عہد میں استحکامات دفاع کو اسطرح بنایا کہ جس طرف بھی مدافعین ہوتے تھے ان کے تیر چلتے تھے۔ نظام استحکامات دفاع کے لئے بہت موثر وسیلہ شمار ہوتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں اور ایٹم بم کی ایجاد سے پہلے استحکامات کی بہت قیمت تھی بشرطیکہ انھیں دفاع کیلئے استعمال کیا جائے جیسا کہ ماسکو کے استحکامات نے جرمن کی ہٹلری فوجوں کو روک دیا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں جرمنی حکومت فرانس کے مشرق میں (ماژی نو) کے استحکامات کے ڈر سے مجبور ہو گئی کہ ان استحکامات کو دور پھینکے اور بلژیک وھلند کی راہ سے فرانس پر حملہ کرے۔

جب دوسری جنگ عظیم میں استحکامات کی قدر تھی جہاں چار سو میلی میٹر دور گولہ پھینکنے والے اوزار میدانِ جنگ میں لائے جاتے تھے تو صدر اسلام میں خیبر کے آٹھ قلعے جو پتھر سے بنے ہوئے

تھے۔ جنگی اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہوں گے۔ خصوصاً جبکہ اس کے تیر انداز اور منجنیق چلانے والے دشمنوں پر اپنے تیر چلا سکتے تھے۔"

جب مسلمان خیبر پہونچ گئے تو حضرت محمدؐ نے جنگی سرداری کی ذمہ داری خود اپنے سر لی اور لوگوں سے فرمایا کہ ان مضبوط پتھریلی عمارتوں کو مسمار کرنے کے وسائل ہمارے پاس نہیں ہیں۔ ہمارے پاس صرف تیر کمان اور تلوار ہیں اور ان اوزاروں سے ان پتھر سے بنے ہوئے قلعوں کو برباد نہیں کر سکتے مگر ایک ترکیب ہے جس کے ذریعہ ان یہودیوں کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کا محاصرہ کیا جائے اور ان تمام نہروں کو بند کر دیا جائے جن کے ذریعہ قلعوں کے اندر پانی جاتا ہے تاکہ ان لوگوں کو پانی نہ پہونچے۔ اگر قلعوں میں پانی جمع نہ ہوگا اور یہودی کنویں نہ کھود دیں گے تو پیاس کے باعث بے قرار ہوں گے اور خود کو ہمارے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

خیبر میں آٹھ قلعے تھے۔ مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ ایک ایک قلعہ پر حملہ کریں۔ جب ایک قلعہ فتح ہو جائے تو دوسرے کی تلاش کریں۔ جب سے مسلمانوں نے خیبر کا محاصرہ کیا تھا اسی وقت سے وہ لوگ پتھر کے گولوں میں محصور تھے جنھیں منجنیق سے انکی طرف پھینکا جاتا تھا۔ یہودی پتھروں کو تراش کر گول گول ڈھیلے بناتے تھے پھر انھیں منجنیق میں رکھکر مسلمانوں کی طرف پھینکتے تھے اس کے باعث مقابلہ کرنا بہت دشوار معلوم ہوتا تھا۔

اگرچہ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو منجنیق کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اور کوئی شخص اس کے دفاع اور مقابلہ کے طریقہ سے واقف نہ تھا لیکن مسلمانوں پر ذرہ برابر خوف و ہراس طاری نہ ہوا حضرت محمدؐ نے حکم دیا کہ ڈھلواں قسم کے برج بنائیں اور اس کی آڑ میں ہو کر قلعہ سے قریب ہو جائیں جب قلعہ سے قریب ہو جائیں گے تو منجنیق کے گولے کارگر نہ ہوں گے کیونکہ یہ دور کی چیزوں پر کارگر ہوتے ہیں۔ قریبی چیزوں پر کارگر نہیں ہوتے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ قلعہ کے نیچے تمہارے لئے صرف ایک خطرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر

قلعہ کے برجوں کے سوراخ سے تمھارے اوپر پتھر گرائیں گے مگر ایسے سوراخ صرف برجوں میں ہیں سارے قلعہ میں نہیں ہیں۔ اس لئے اگر قلعہ کے قریب پہونچ جاتے ہو تو منجنیق چلانے والوں کے ضرر سے محفوظ ہو جاتے ہو۔ جب مسلمان خیبر پہونچے تھے تو فوج کی سرداری خود حضرت محمدؐ کے ہاتھ میں تھی جیسا کہ ہم نے بیان کیا لیکن جلد ہی ناموافق ہوا نے پیغمبر اسلام کو مریض بنا دیا اور حضرت محمدؐ نے فوج کی سرداری حضرت ابوبکر کے حوالے کر دی لیکن دو دن سے زیادہ یہ بھی یہ عہدہ نہ سنبھال سکے۔ تپ (بخار) نے انھیں گرا دیا اور فوج کی سرداری حضرت عمرؓ بن الخطاب کے حوالے کر دی۔

حضرت عمرؓ بھی مریض ہو گئے اور فوج کے رؤسا کو اپنے پاس جمع کر کے فرمایا کہ میں اس لڑائی میں سپاہ اسلام کی سرداری کے لئے کسی کو علیؓ سے بہتر نہیں سمجھتا ہوں کیونکہ علیؓ ایک مستقل مزاج بہادر اور صبر کرنے والے ہیں۔ اگر اپنے سامنے سو آدمی بھی دیکھیں گے تو تنہائی کی صورت میں بھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ یہودیوں کے بنائے ہوئے ان جنگی قلعوں سے اگر کوئی شخص عہدہ برآ ہو سکتا ہے تو وہ علی بن ابی طالب ہیں۔ میں فوج کی سرداری علیؓ کے سر ڈال رہا ہوں۔ آپ سب لوگ ان کی اطاعت کریں۔

حضرت علیؓ کے سامنے جب یہ تجویز رکھی گئی کہ وہ اسلامی فوج کی سرداری قبول فرمائیں تو انھیں کچھ حرارت تھی لیکن اس کے باوجود انھوں نے اسے قبول کر لیا۔ اسی دن خیبر کا پہلا قلعہ نطات محاصرہ میں آ گیا۔ اسلامی مؤرخوں میں سے بلاذری اور ابن ابی الحدید دو شخصوں نے اسلامی سپاہ کی سرداری کیلئے علیؓ بن ابی طالب کے انتخاب کو اس طرح نقل کیا ہے۔

جب پیغمبر اسلام کی طبیعت علیل ہو گئی اور وہ بستر پر پڑ گئے تو ابوبکرؓ فوج کے سردار ہو گئے تو انھوں نے حملہ کیلئے سبقت کی مگر چند آدمیوں کے تلف ہو جانے سے جو چھوٹی سی اسلامی فوج کے لئے بھاری نقصان تھا پچھڑ گئے اور فرمایا کہ خیبر کے قلعوں کی ذمہ داری پوری نہیں ہو رہی ہے۔ حضرت محمدؐ نے بستر علالت پر عمرؓ بن الخطاب کو سرداری کے لئے منتخب فرمایا۔ حضرت عمرؓ

بن الخطاب نے بھی حملہ کے لئے سبقت کی لیکن یہودیوں کے سخت مقابلہ کے پیش نظر پیچھے ہٹ گئے اور فرمایا کہ میں خیبر پر قبضہ کرنے کی ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکتا۔

مسلمانوں نے حضرت محمدؐ سے عرض کیا کہ عمرؓ سپاہ کی سرداری سے معذرت چاہتے ہیں حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں سپاہ کی سرداری حضرت علیؓ کے حوالے کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس بارے میں معذرت نہ چاہیں گے۔ لغوی اور ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق جس وقت حضرت محمدؐ نے علیؓ کو سردار بنانے کے لئے بلوایا اُس وقت وہ دردِ چشم میں مبتلا تھے چنانچہ سُرخ آنکھیں لے کر پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سرداری قبول فرمالی۔ اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا اسی روز نطات کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ لغوی اور ابن ابی الحدید دونوں بیان کرتے ہیں کہ اس روز ایک شخص نے جو سر پر خود رکھتا تھا نطات کے قلعہ کی چھت سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ حضرت علیؓ نے نیچے سے جواب دیا کہ مسلمانوں کا سردار میں ہوں۔ میرا نام علی ابن ابی طالب ہے۔ اس شخص نے کہا اے علی بن ابی طالب میں مرحب ہوں اور ان آٹھوں قلعوں میں سے جنھیں تم دیکھ رہے ہو ایک مرحب کے نام سے موسوم ہے۔ کیا تمہارے اندر اتنی طاقت ہے کہ ہم سے مقابلہ کرو؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں نے مقابلہ کے لئے کسی دعوت کو رد نہیں کیا ہے اور تمہاری دعوت کو بھی رد نہیں کروں گا۔ مرحب نے کہا کہ اس صورت میں میں قلعہ سے باہر آتا ہوں اور آپ سے مقابلہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد مرحب قلعہ کے دروازہ سے باہر نکلا اور قلعہ کا دروازہ بند کر لیا گیا۔ اس کے باوجود کہ حضرت علی کی آنکھیں درد کرتی تھیں اور ان کے بدن پر زرہ نہ تھی پھر بھی انھوں نے مرحب کے ساتھ جس کے بدن پر زرہ اور سر پر خود تھا جنگ کی اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ قلعہ نطات کا پھاٹک توڑنے کے لئے کلہ قوچ سے فائدہ اٹھائیں۔

"کلہ قوچ" درخت کا ایک تنا تھا جسے تیس چالیس آدمی ہاتھ میں لیکر دوڑتے تھے

اور سختی سے اسے پھاٹک پر مارتے تھے۔ چند بار ایسا کرنے سے قلعہ کا دروازہ ٹوٹ جاتا تھا مسلمانوں نے درخت کے تین تنوں کو کلہ قوچ کی طرح ہاتھ میں لیا۔ ہر تنہ کو پچاس پچاس آدمی چلاتے تھے۔ مسلمان جب کلہ قوچ کے ذریعہ قلعہ نطات کا پھاٹک توڑ رہے تھے تو کچھ دوسرے مسلمان حضرت علیؓ کے حکم کے مطابق کوشش کرتے تھے کہ نردبان کے ذریعہ قلعہ میں داخل ہو جائیں۔ یہ لوگ لکڑی کے برجوں کے ذریعہ قلعہ کی چہار دیواری کے پاس پہونچ گئے پھر نردبان اس پر پھینک دیا۔

دو روز کے شدید مقابلہ کے بعد نطات کا قلعہ فتح ہو گیا۔ پھاٹک توڑنے والے مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے اور یہودیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ جیسے ہی خیبر کا پہلا قلعہ فتح ہوا حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ناعم نامی دوسرے قلعہ کے محاصرہ کا حکم فرمایا۔ دس روز کی مدت میں حضرت علیؓ نے چار قلعوں پر قبضہ کر لیا اور دوسرے چار قلعہ والوں نے خود سے اپنے کو ان کے سپرد کر دیا۔

اس دس روزہ مدت میں حضرت علیؓ بن ابی طالب نے سولہ مرتبہ تن بہ تن جنگ کی اور ہر مرتبہ مقابل کو یا تو قتل کیا یا ایسا زخمی کیا کہ وہ جنگ نہ کر سکا۔ اس دس روزہ مدت میں بعض مورخوں کے بیان کے اعتبار سے حضرت علیؓ بخار میں مبتلا تھے اور بعضے مورخوں کے بیان کے مطابق آنکھ کا درد انھیں تکلیف دے رہا تھا۔ ایک دوسری روایت کے اعتبار سے دوسرے چار قلعہ والوں نے بھی بغیر مقابلہ سر تسلیم خم نہ کیا تھا بلکہ وہ لوگ بھی حضرت علیؓ کے حملہ کے اثر سے مغلوب ہو کر سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔

خیبر کی لڑائی میں حضرت علیؓ کی کامیابی اور آٹھ مضبوط جنگی قلعوں کو خالی کرانا بلاشبہ صدر اسلام کا بہت بڑا کارنامہ ہے کیونکہ اس لڑائی میں اسلامی فوج کے سردار کے پاس قلعہ گیری کے اسباب میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اس کے باوجود وہ بیس ہزار آدمیوں پر غالب آ گئی جو آٹھ مضبوط قلعوں میں جمے ہوئے تھے۔

جب خیبر کا آخری قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا تو حضرت محمدؐ تازہ تازہ بیماری سے اٹھے تھے۔ آپؐ نے مسلمانوں کے سامنے حضرت علیؓ کو سینے سے لگایا اور بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے علیؓ تو خدا کا شیر ہے۔ چنانچہ یہ لفظ لقب کے طور پر آپؐ کے نام کے ساتھ شامل ہوگیا۔ خیبر کی لڑائی میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور کافی مالِ غنیمت ہاتھ لگا خصوصاً کھانے پینے کی بے شمار چیزیں حاصل ہوئیں۔ پیغمبر اسلام کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ کی زوجہ ہونے کے بعد میں نے پہلی بار جنگ خیبر کے بعد پیٹ بھر کر کھجوریں کھائی ہیں جنگ خیبر سے پیشتر جو کچھ خوراک ہمارے گھر پہونچتی تھی وہ برابر کم ہوتی تھی۔ کھجوروں کو شمار کر کے ہمارے حوالے کیا جاتا تھا۔

خیبر فتح ہونے کے بعد حضرت محمدؐ نے وہاں کے یہودیوں کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کیا انھیں اجازت تھی کہ خیبر سے کوچ کرنے کی صورت میں خرما۔ بکری۔ غلہ کے سوا اور بعض روایت کے لحاظ سے گھر کے سامان مثلاً گھوڑا، کرسی اور برتنوں کے سوا جو کچھ چاہیں لیجا سکتے ہیں۔ جو یہودی خیبر سے جانا نہیں چاہتے تھے انھیں اجازت تھی کہ وہیں رہیں اور اپنے کام میں مشغول رہیں۔ حضرت محمدؐ نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ جو نیکیاں کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کو یہ اجازت نہ تھی کہ یہودی عورتوں سے متعہ کریں۔

متعہ کا مطلب وقتی نکاح ہے جو مسلمان سپاہی مغلوب قوم کی عورتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ ہر سپاہی کو یہ اختیار تھا کہ جتنی عورتوں سے چاہتا نکاح کر سکتا تھا اگر عورتوں کی تعداد زیادہ نہ ہوتی تھی تو انھیں متعہ کیلئے آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد حضرت محمدؐ نے اس رسم کو بطور استثنا وہاں کی عورتوں کے لئے باطل قرار دیدیا تھا دوسرے یہ کہ اسلامی فوج کے سردار علیؓ بن ابی طالب نے کوشش کی کہ کوئی سپاہی یہودیوں کے باغ اور نخلستان میں داخل نہ ہو تاکہ وہاں کے پھلوں یا درختوں کو نقصان پہونچائے پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے

صفیہؓ نامی ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا۔

ایک دن ایک مسلمان سپاہی خیبر کے قلعہ کے بیچ سے گذر رہا تھا کسی یہودی نے اسے پیچھے سے قتل کر دیا۔ اسلامی فوج کے سپاہی حضرت علیؓ نے تمام یہودیوں کو جمع کیا تاکہ قاتل کا پتہ لگائیں۔ انھوں نے قسم کھائی کہ اس کا قاتل یہودی نہیں ہے اور اس کے قتل میں خیبر کے یہودیوں کا کوئی دوش نہیں ہے۔ حضرت علی نے یہ معاملہ حضور کے پاس پیش کیا اور عرض کیا کہ یہودی کہتے ہیں کہ مقتول کا قتل یہودیوں کے ہاتھ سے نہیں ہوا ہے۔ اس مقتول کا خونبہا کس سے لینا چاہیئے۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ جب انھوں نے قسم کھائی ہے کہ اس مسلمان سپاہی کا قاتل کوئی یہودی نہیں ہے تو میں ان کی بات مانتا ہوں اور مقتول کا خونبہا خود ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت محمدؐ نے اس کا خونبہا ادا فرمایا۔

جب مسلمانوں کو جنگ خیبر میں فتح حاصل ہو گئی تو یہودیوں کے دو قبیلے جو وادی القرا میں رہتے تھے اور ایسے ہی ان کے دو قبیلے جو فدک و تیمہ کے علاقہ میں رہتے تھے مسلمانوں سے صلح کر لی اور انھیں جزیہ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔

خالد بن ولید کا تاثر

جنگ خیبر کے درمیان دو مسلمان جو حبشہ میں زندگی بسر کرتے تھے ایک جعفر بن ابی طالب حضرت محمدؐ کے رضاعی بھائی اور دوسرے عمرو بن امیہ خیبر پہونچ گئے۔ یہ دونوں اشخاص ان لوگوں میں سے تھے جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ ان دونوں کی واپسی کے بعد حبشہ میں کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔ خیبر فتح ہونے کے بعد یہودیوں نے اپنے گرجے کھولے اور حسب سابق اپنے گھروں میں عبادت میں مشغول ہو گئے۔ یہودیوں کی تمام مقدس کتابیں اور کاغذات جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے واپس کر دیئے گئے اور مسلمانوں اور یہودیوں کے

تعلقات کچھ ایسے بہتر ہو گئے کہ زینب بنت حرث نامی ایک یہودی عورت نے، جو سلام بن مسلم یہودی کی بیوی تھی، اپنے دل میں سوچا کہ مجھے پیغمبر اسلام کی خدمت میں کھانا بھیجنا چاہیئے چنانچہ اس نے ایک بکری بھون ڈالی۔ چونکہ اس نے پیغمبر اسلام کے بارے میں سنا تھا کہ آپ بکری کی دست کو پسند فرماتے ہیں اس لئے بکری کے بھونے ہوئے دو دست کو زہر آلود کر کے پیغمبر اسلام کی خدمت میں بھیج دیا۔

جب لوگ یہ بھونی ہوئی بکری لائے تو بشیر بن براء بن معرور نامی ایک مسلمان وہاں موجود تھے۔ حضرت محمدؐ نے ایک دست انھیں عنایت فرمایا تاکہ تناول فرمائیں اور ایک دست سے آپؐ نے لقمہ توڑ کر منہ کی طرف بڑھایا۔ بشیر بن براء بن معرور نے بکری کی دست کو لیکر منہ کی طرف بڑھایا اور دانتوں سے کچھ گوشت کاٹ کر کھایا۔ لیکن پیغمبر اسلام نے جو لقمہ منہ میں رکھا تھا اسے نکال باہر کیا اور بشیر بن براء سے فرمایا کہ یہ گوشت مت کھاؤ کیونکہ یہ گوشت زہر آلود ہے۔ بشیر بن براء بن معرور جنھوں نے بھونا ہوا گوشت کھایا تھا دنیا سے رخصت ہو گئے مگر پیغمبر اسلام زندہ رہے۔

لوگوں نے زینب بنت حرث کو پکڑ لیا اور اس سے دریافت کیا کہ جو بھونا ہوا گوشت تو نے رسول اللہ کو بھیجا ہے وہ زہر آلود ہے؟ اس عورت نے اقرار کیا اور اس طرح عرض کیا:۔

"میں نے اس بکری کے گوشت کو زہر آلود کیا ہے اور اپنے دل میں سوچا کہ اگر محمدؐ خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور اس کے پیغمبر ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ گوشت زہر آلود ہے لہٰذا اسے نہ کھائیں گے اور زہر انھیں نقصان نہیں پہونچائے گا۔ لیکن اگر پیغمبر نہیں ہیں تو گوشت تناول فرمائیں گے اور دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اور مجھے ان کے بارے میں کچھ افسوس نہ ہوگا۔ مگر پیغمبر اسلام نے گوشت نہ کھایا اور منہ سے نکال دیا تو معلوم ہوا کہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔

تاریخ کی جن کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے مثلاً مسعودی، ابن ہشام۔ اسد طبری، ابن ابی الحدید۔ زمخشری وغیرہ ان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں نے اس عورت کو کیا کیا۔ آیا اس کو سزا دی یا معاف کر دیا۔ یا عورت مذکور حضرت محمدؐ کو پیغمبر جاننے کے بعد ایمان لے آئی!

لیکن کچھ مسلمان علما، نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے پاس والے لوگوں سے فرمایا تھا کہ آپ کی موت کا سبب وہی زہر ہے جو خیبر میں آپؐ کو کھلایا گیا تھا۔ اگرچہ آپؐ نے گوشت نہ کھایا تھا اور اسے منہ سے نکال دیا تھا لیکن گوشت کا عرق جو حلق سے نیچے اتر گیا تھا اس نے آپ کو سست کر دیا تھا اور وہی سستی آپؐ کی موت کا سبب بنی۔ اگر علما، کی یہ روایت صحیح ہے تو پیغمبر اسلام محمدؐ بن عبداللہ بھی شہادت کے مرتبہ کو پہونچ گئے کیونکہ آپؐ کی موت اس زہر کے باعث ہوئی جو دشمنوں نے آپ کو کھلایا تھا۔

ہم نے بیان کیا ہے کہ ۶۲۸ء بمطابق ۶ھ حضرت محمدؐ اور مسلمانوں نے حج عمرہ کے لئے مکہ جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن بت پرستوں نے حدیبیہ کے علاقہ میں انھیں مکہ جانے سے روک دیا تھا۔ وہاں پر حضرت محمدؐ نے قریش سے دس سال کے لئے ترک جنگ کا معاہدہ کیا تھا جس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ مسلمان دوسرے سال خانۂ کعبہ کی زیارت کر سکتے ہیں۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ مکہ میں تین روز سے زیادہ توقف نہ کریں۔

دوسرے سال ۶۲۹ء بمطابق ۷ھ حضرت محمدؐ دو ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے چونکہ سب لوگ زائر تھے اس لئے اس سفر میں سوائے تلوار کے اور کوئی دوسرا اوزار نہ تھا۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ تلوار کو اس وقت جنگی ہتھیار نہیں شمار کیا جاتا تھا بلکہ وہ لباس کا ایک جزو تھی۔ اس کے باوجود جب مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہونا چاہا تو قریش ڈر گئے اور مکہ سے باہر نکل کر اطراف کے پہاڑوں خصوصاً خانۂ کعبہ کے مشرق

کے پہاڑوں میں جا چھپے اور وہاں سے مسلمانوں کے طواف کو دیکھتے تھے۔ جماعت قریش کے مکہ سے ہٹ جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ڈرتے تھے کہ مسلمان مکہ میں داخل ہو کر اچانک ان پر حملہ کر دیں گے اور انھیں قتل کر دیں گے۔

حضرت محمدؐ نے بھی مکہ میں داخل ہونے سے پہلے احتیاط سے کام لیا اور ایک سو مسلمان سواروں کو محمد مسلمہ کی ماتحتی میں مکہ سے نزدیک مرالظہران کی سرزمین پر مقرر کر دیا۔ اس علاقہ میں ایک پہاڑ تھا اس پہاڑ کی بلندی سے محمد مسلمہ اور اس کے سوار مکہ کو دیکھ سکتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے مسلمہ سے فرمایا کہ آپ اگر یہ دیکھیں کہ بت پرستوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے تو اپنے سواروں کو لیکر ہماری مدد کے لئے آجائیں ورنہ اسی جگہ پر رکے رہیں یہاں تک کہ ہم لوگ واپس آجائیں۔

بُت پرست جو پہاڑ پر سے مکہ میں مسلمانوں کے داخل ہونے کا تماشہ دیکھ رہے تھے ان کے انضباط اور خلوص نیت سے حیرت کرتے تھے۔ سیاہ پوست (حبشی) مؤذن بلالؓ نے جنھیں آغاز اسلام میں ابوجہل کے حکم سے آفتاب کی دھوپ میں جنگل کی تپتی ہوئی زمین پر باندھا گیا تھا اس روز جبکہ مکہ لوگوں سے خالی تھا خانۂ کعبہ کی چھت پر جا کر اذان دی جب حضرت بلالؓ نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز نکالی تو مکہ کے باشندے جو پہاڑ کے اوپر تھے فرط وحشت و نفرت سے کانپنے لگے اور انتظار کرتے تھے کہ خانۂ کعبہ کے بڑے بڑے بت مسلمانوں پر آسمان گرا دیں گے مگر مسلمانوں کے ساتھ کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ حتیٰ کہ کوئی سنگریزہ بھی آسمان سے نہیں گرا۔ یہ پہلا موقع تھا جبکہ اللہ اکبر کی آواز مکہ کی فضا میں گونج رہی تھی۔

جب حضرت محمدؐ اور مسلمان احرام باندھے ہوئے خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو اخلاص کی بنا پر ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر بن الخطاب بھی رو رہے تھے کیونکہ مسلمان ایک مدت تک خانۂ کعبہ سے دور تھے اور انکے

خیال میں نہیں آتا تھا کہ خانہ کعبہ پھر دوبارہ دیکھیں گے اور اس کے گرد طواف کریں گے۔

جب حج کے ارکان مکمل ہو گئے تو حضرت محمدؐ نے جو جماعت قریش سے نپٹنا چاہتے تھے ارادہ کیا کہ عرب کی کسی مشہور عورت سے شادی کریں۔ لہٰذا آپ نے میمونہ بنت الحارث سے جو عباسؓ کی بیوی کی بہن تھیں نکاح کریں۔

حضرت محمدؐ کا میمونہؓ سے نکاح کرنا ایک سیاسی اقدام شمار ہوتا ہے کیونکہ میمونہؓ کی آٹھ بہنیں تھیں جن کی شادی مکہ کے لوگوں سے ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت محمدؐ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کر کے آٹھ آدمیوں سے رشتہ داری قائم کر لی۔

ابن ہشام، زمخشری، ابن حبیب جو مشہور اسلامی مؤرخ ہیں کہتے ہیں کہ جو شخص حضرت میمونہؓ سے شادی کرتا وہ تمام مکہ والوں کا رشتہ دار بن جاتا۔ ابن حبیب کہتے ہیں کہ میمونہؓ کی ماں صفت شان و شوکت کے اعتبار سے عرب کی عورتوں میں بے نظیر تھی۔ حضرت میمونہؓ سے نکاح کرتے وقت حضرت محمدؐ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مکہ کے سردار خالد بن ولید کو اپنا رشتہ دار بنا لیں۔ خالد بن ولید حضرت میمونہؓ کے بھتیجے تھے اور انھوں نے ان کو اپنے بچہ کی طرح پالا تھا۔

حضرت میمونہؓ جب رسول خدا کی بیوی ہو گئیں تو خالد بن ولید آپؐ کے لڑکے ہو گئے حضرت میمونہؓ کے ساتھ حضرت محمدؐ کے نکاح کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ آپ تمام بزرگان قریش کو مسلمانوں کے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دینا چاہتے تھے اور دعوتِ ولیمہ ان کے لئے بہترین دعوت تھی۔ مکہ پہونچنے کے دوسرے دن حضرت محمدؐ مدعوئین کی دعوت کے انتظامات میں مشغول رہے۔ مکہ والے اسی طرح پہاڑوں میں تھے۔ انھیں نیچے اترنے اور مکہ میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی لیکن مسلمان کا مذہبی انضباط اور ایسے ہی حضرت بلالؓ کی اذان اور نماز کی صفیں ان میں بہت اثر کرتی تھیں۔ مذکورہ تاثیر اس قدر تھی کہ مکہ کے بڑے سردار خالد بن ولید نے ایک پہاڑ کے اوپر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں کہتا ہوں

کہ یہ شخص جو ایسا مذہب لایا ہے اور جس کے ایسے تابعدار ہیں، دھوکہ باز اور مکار نہیں ہے اتنی بات ہر شخص سمجھتا ہے کہ جو لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں وہ واقعی ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر یہ شخص دھوکہ باز ہوتا تو اس طرح خلوص کے ساتھ اس پر ایمان نہ لاتے۔

مسلمانوں کے مکہ پہونچنے کے تیسرے دن صبح کے وقت حضرت محمدؐ پہاڑ کے اوپر قریش کی جماعت کو پیغام بھیجنے کے لئے تیار ہوئے تاکہ انھیں حضرت میمونہ کے نکاح کی دعوت دیں۔ اور وہ لوگ پہاڑ سے نکل کر شہر میں داخل ہوں لیکن اس سے پہلے کہ حضرت محمدؐ کے نمائندے قریش کو دعوت دیں قریش کے کچھ لوگ مکے میں داخل ہوئے۔ پھر حضرت محمدؐ خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں کا سردار ابن عبدالعزیٰ تھا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے عزیٰ خانۂ کعبہ کے تین بڑے بتوں میں سے ایک بُت تھا۔ مکہ کے بعض باشندے اپنے کو عبداللات یا عبدالمنات یا عبدالعزیٰ کہتے تھے۔ یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ خانہ کعبہ میں مسلمانوں کا خدا اللہ بھی تھا یعنی مکہ کے باشندے اللہ کو بھی لات و منات اور عزیٰ کی طرح پوجتے تھے۔

ہم جانتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کے والد اسلام سے پہلے اللہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

لیکن اللہ کو خانہ کعبہ میں مکہ والوں کے اعتقاد کے مطابق دوسرے بتوں پر کوئی فوقیت نہ تھی۔ اللہ خانہ کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم کا خدا تھا اور لوگ اس کا احترام کرتے تھے بغیر اس کے کہ اسے دوسرے بتوں پر ترجیح دیں۔ اس بنا پر اگر حضرت محمدؐ کے والد کو عبداللہ کہا جاتا تھا تو یہ اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ اسلام سے پہلے اللہ بھی خانہ کعبہ کے معبودوں میں شمار ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ابن عبدالعزیٰ اور اس کے ساتھ دوسرے نمائندے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت محمدؐ اور مسلمان دعوت کرنے کے وسائل فراہم کرنے میں مشغول ہیں۔ جب نمائندہ جماعت کے سردار نے یہ سمجھا کہ یہ انتظامات اس لئے ہو رہے ہیں کہ حضرت میمونہؓ کے نکاح میں قریش کی جماعت کو دعوت دی جائے تو اس نے کہا اے محمدؐ!

آپؐ کو فوراً مکہ سے چلا جانا چاہیئے کیونکہ صلح حدیبیہ کے مطابق مسلمان صرف تین روز مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں اور وہ مدت پوری ہو چکی ہے لہٰذا مسلمانوں کو یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت محمدؐ اس روز قریش کی دعوت نہ کر سکے کہ وہ لوگ (جو مکہ کے بااثر اشراف خیال کئے جاتے تھے) مسلمانوں کے ساتھ دعوت ولیمہ میں شریک ہوں۔ آپ مجبور ہوئے کہ فوراً راستہ پکڑیں اور مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہو جائیں لیکن جیسے ہی مسلمان مکہ سے باہر ہوئے اور مدینہ کا راستہ اختیار کیا ویسے ہی خالد بن ولید جو میمونہ کی شادی سے حضرت محمدؐ کے قریبی رشتہ دار ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے طور و طریقہ اور خالص ایمان نے ان پر بہت اثر ڈالا تھا مکہ سے نکل کر مسلمانوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذہب اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہ اسلامی سرداروں میں داخل ہو گئے اور حضرت محمدؐ کی طرف سے انھیں سیف اللہ یعنی شمشیر خدا کا لقب ملا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے بعد جنھیں پیغمبر اسلام نے اسد اللہ کا لقب عنایت فرمایا تھا کوئی سردار آپ کے پاس اس مرتبہ کو نہیں پہونچا کہ خالد بن ولید کی طرح وہ بھی سیف اللہ کا خطاب پاتا۔

جس وقت خالد بن ولید مسلمانوں کی طرف مسلمان ہونے کے لئے جا رہے تھے اس وقت راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہو گئی اس کا نام عمرو بن العاص تھا اور وہ حبشہ سے آ رہا تھا۔ یہ شخص مسلمانوں کے پاس جا رہا تھا اور یہ بھی مسلمان ہونا چاہتا تھا۔

ہم بتا چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے مطابق مکہ کا کوئی باشندہ اگر قریش کی مرضی کے خلاف مسلمانوں سے مل جاتا تھا تو مسلمان اسے واپس کرنے پر مجبور تھے۔ مگر خالد بن ولید جیسا آدمی مسلمانوں سے مل گیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا لیکن مکہ والوں کو جرأت نہ ہوئی ان کی واپسی کا مطالبہ کریں کیونکہ انھیں معلوم ہو گیا کہ مسلمان بہت قوی ہو گئے ہیں جب مسلمان مدینہ پہونچ گئے تو ایسے واقعات پیش آئے جو مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بہت جاذب توجہ ہیں۔ وہ یہ کہ مکی فوج کا سردار ابوسفیان خود حضرت محمدؐ کو دیکھنے کے لئے مدینہ

گیا۔ ابوسفیان اپنی فوج کے بغیر مکہ سے مدینہ کی طرف چلا اور ایسے شہر میں اس نے قدم رکھا جس کے سارے باشندے مسلمان تھے۔ لیکن ابوسفیان کو وہاں خوف نہ معلوم ہوا کیونکہ مکہ والوں اور مسلمانوں کے درمیان عدم جنگ کا معاہدہ ختم نہ ہوا تھا۔ ابوسفیان جانتا تھا کہ جب تک معاہدہ ہے مسلمان اصول کے خلاف اس سے کوئی سلوک نہیں کریں گے اگرچہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا ابوسفیان جانتا تھا کہ پیغمبر اسلام محمدؐ امین کے لقب سے معروف اور راست بازی میں مشہور ہیں۔ تیسرے یہ کہ جب ابوسفیان فوج کے بغیر تنہا مدینہ پہونچا تو یہ ایک قسم کا پناہ دینے کا معاملہ تھا اور عرب والے پناہ چاہنے والے کی جان و مال کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور اپنی طاقت کے مطابق اس وقت تک خاطر و مدارات کرتے تھے جب تک کہ خطرہ دور نہیں ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد اگر پناہ مانگنے والا جانا چاہتا تو جا سکتا تھا۔

ابوسفیان کے مکہ سے مدینہ جانے کا سبب یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے مطابق مسلمان اور باشندگان مکہ کو اختیار تھا کہ جس کے ساتھ ملنا چاہیں مل جائیں اور جس سے جنگ کرنا چاہیں جنگ کریں۔ اور جس وقت مسلمان یا باشندگانِ مکہ ایک یا چند قبیلوں سے جنگ کریں تو دوسرا غیر جانبدار رہے اور لڑائی میں حصہ نہ لے۔ اسی زمانہ میں بنو خزاعہ قبیلے پر جو حضرت محمدؐ کے ساتھ ملا ہوا تھا قبیلہ بنو بکر نے حملہ کر دیا اور یہ بات صرف مشہور ہی نہ تھی کہ مکہ والوں نے بنو بکر کو ہتھیار اور آدمی مہیا کئے ہیں بلکہ اس کے دلائل بھی موجود تھے جو ثابت کرتے تھے کہ قبیلہ بنو بکر نے مکہ والوں کی مدد سے قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کیا ہے۔

بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کے لئے مکہ والوں کا قبیلہ بنو بکر کی مدد کرنا صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے خلاف تھا کیونکہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ متحد تھے لیکن اشرافِ مکہ نے اس کو اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں دی جب تک خیبر فتح نہیں ہو گیا جب مسلمان شمالی عربستان کے وسیع علاقہ پر قابض ہو گئے تو اشرافِ مکہ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کے باعث بہت وحشت میں پڑ گئے۔ لہٰذا ابوسفیان مدینہ گیا تاکہ موجودہ اختلاف کا کوئی حل نکالے۔ مدینہ پہونچنے کے

بعد حضرت محمدؐ کی زوجۂ محترمہ اور اپنی لڑکی ام حبیبہؓ نے کمرہ میں بچھے ہوئے فرش کو لپیٹ دیا۔ اپنی لڑکی کی اس حرکت سے ابوسفیان کو سخت حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ اے بیٹی تو نے فرش کیوں لپیٹ دیا؟ ام حبیبہؓ نے اپنے باپ کو جواب دیا کہ یہ وہ فرش ہے جس پر حضرت محمد بیٹھتے اور آرام فرماتے ہیں اور تم ایک بت پرست ہو تم کو اس فرش پر نہیں بیٹھنا چاہئے۔

ام حبیبہؓ کے کمرے میں بیٹھے بغیر ابوسفیان نے اپنی لڑکی سے درخواست کی کہ حضرت محمدؐ تک پہونچنے میں مدد دے کہ بنو خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان جنگ کے اختلافات بخوشی حل ہو جائیں ام حبیبہؓ نے فرمایا کہ میں واسطہ نہیں بن سکتی۔ اختلافات دور کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ تم رسول اللہ کے پاس مسجد میں جاؤ اور براہ راست ان سے گفتگو کرو۔ ابوسفیان مسجد میں گیا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا بیٹھو۔ وہ بیٹھ گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے دریافت کیا کہ کیا کوئی ضرورت ہے؟

ابوسفیان نے عرض کیا ہاں۔ اے محمدؐ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ بنو بکر و بنو خزاعہ کے اختلافات کے بارے میں آپ سے گفتگو کروں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو بتاؤ؟ ابوسفیان نے کہا میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بنو بکر اور بنو خزاعہ کی لڑائی میں مکہ والوں نے بنو بکر کی مدد نہیں کی ہے لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ مکہ والوں نے اس کی مدد کی ہے اور اسی وجہ سے بنو خزاعہ کا نقصان ہوا ہے تو مکہ والے بنو خزاعہ کی تلافی کے لئے تیار ہیں۔

حضرت محمدؐ نے ابوسفیان کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم لوگوں نے بنو بکر کی امداد نہیں کی ہے تو تمھیں بے چین ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ ابوسفیان کو یہ مجال نہ ہوئی کہ پیغمبر اسلام سے کوئی دوسرا جواب دریافت کرے لہذا عالم اضطراب میں وہ مدینہ سے نکل پڑا اور مکہ کی راہ لی۔

رومی فوج سے جنگ

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمان طاقتور ہو گئے۔ حضرت محمدؐ نے اپنے کو اس قدر طاقتور پایا کہ اطراف و جوانب کے بادشاہوں کو خطوط بھیجے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ آپ کا ایک خط روم کے بادشاہ کو بھیجا گیا اور دوسرا ایران کے بادشاہ کو۔ ایک خط حبشہ کے نجاشی بادشاہ کو اور دوسرا خط مصر کے بادشاہ کے پاس بھیجا گیا۔

عرب کے پڑوسی بادشاہوں میں سے حارث ابن ابی شمیر نامی ایک بادشاہ تھا جو رومی بادشاہ کی حمایت کے تحت زندگی گذارتا تھا۔ حضرت محمدؐ نے حارث بن ابی شمیر کا خط ایک مسلمان کے سپرد کیا جن کا نام حارث بن عمیر تھا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ یہ خط حارث بن ابی شمیر کو پہونچاؤ اور اس سے جواب لاؤ۔ جیسے ہی پیغمبر اسلام کا نمائندہ حارث بن ابی شمیر کی سلطنت میں داخل ہوا، اس حکومت کے ایک حاکم نے جس کا نام شرجیل بن عمرو تھا اسے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں کو بہت گراں معلوم ہوا۔ کیونکہ ایلچی ہر حکومت اور ہر قبیلہ میں محفوظ رہتا ہے۔ اسے کوئی قتل نہیں کرتا۔

حضرت محمدؐ نے حارث بن ابی شمیر کو پیغام بھیجا کہ تیرے حاکم شرحبیل ابن عمرو نے ایک ایسے بے گناہ شخص کو قتل کر ڈالا ہے جو تیرے پاس خط پہونچانے کے لئے مامور تھا۔ وہ شخص تنہائی کے عالم میں تیرے ملک میں داخل ہوا۔ اس کی مسافرت بتاتی ہے کہ وہ دشمنی کی نیت سے نہیں داخل ہوا تھا۔ اگر وہ لڑائی کی نیت سے جاتا تو ایک فوج لے کر جاتا۔ ایک قاصد اور ایک ایلچی کو قتل کرنا کسی مذہب اور کسی قبیلہ میں جائز نہیں ہے۔ چونکہ تیرے حاکم نے حارث ابن عمیر کو قتل کر دیا ہے اس لئے معلوم ہونا چاہئے کہ اس نے یہ قتل تیرے حکم کے بغیر کیا ہے

یا نہیں ؛ اگر تیرے حکم کے بغیر ایک بے گناہ ایلچی کو قتل کیا ہے تو اسے میرے حوالے کیا جانا چاہیئے تاکہ اسے جرم کی سزا مل جائے اور اگر اس نے تیرے حکم سے قتل کیا ہے تو اس قتل میں تو بھی ماخوذ ہے۔ تمہیں بھی اپنے عمل کی سزا ملنی چاہیئے۔

حارث ابن ابی شمیر نے حضرت محمد کو جواب دیا کہ میں اپنی حکومت کا خود مختار بادشاہ ہوں جس کو چاہوں گا قتل کروں گا۔ آپ کو باز پرس کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ کا ایلچی میرے حکم کے مطابق قتل کیا گیا ہے۔

جب پیغمبر اسلام نے حارث بن ابی شمیر کا یہ تیز جواب سنا تو آپ نے اس پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس کے لئے تین ہزار مسلمان تیار کئے۔

چونکہ حارث بن ابی شمیر بادشاہ روم کا ماتحت تھا لہذا اس نے اس سے مدد کی درخواست کی۔ اتفاقاً رومی بادشاہ اس وقت ایرانی بادشاہ سے جنگ کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے ایک لاکھ سپاہی اس نے تیار کئے تھے۔ جب حارث بن ابی شمیر نے اس سے مدد کی درخواست کی تو اس نے وہی ایک لاکھ فوج مدد کے لئے بھیجدی۔ معلوم نہیں خود حارث بن ابی شمیر کے پاس کتنی فوج تھی۔

بعض تذکرہ نویسوں نے اس کی تعداد دس ہزار اور بعض نے ایک لاکھ بتائی ہے مگر ایک لاکھ والے قول میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ حارث بن ابی شمیر ایک چھوٹا بادشاہ تھا اس میں ایک لاکھ فوج تیار کرنے کی طاقت نہ تھی۔ بہرحال اگر مان لیا جائے کہ حارث ابن ابی شمیر کے پاس بالکل فوج نہ تھی پھر بھی ایک لاکھ رومی فوج جو حارث بن ابی شمیر کی مدد کے لئے آئی تھی تین ہزار اسلامی فوج کے مقابلہ میں بہت زیادہ طاقتور تھی۔ یہ تین ہزار کی فوج حارث کی بڑی فوج کے مقابلہ کے لئے اس کی حکومت غسان کے شہر مؤتہ میں داخل ہوئی۔ جب اسلامی فوج نے مدینہ سے حرکت کی تو اس کی سرداری کے بارے میں مختلف مؤرخوں نے دو خبریں تحریر کی ہیں۔

اول یہ کہ مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت محمدؐ نے فوج کی سرداری زید بن حارثہ کے حوالہ کی تھی۔ دوسرے یہ کہ جس وقت فوج روانہ ہوئی پیغمبر اسلام نے جعفر بن ابی طالب یعنی حضرت علیؑ کے بھائی کو اس کا سردار بنایا تھا۔ ایک دوسری خبر جس میں کچھ اختلاف ہے میدان جنگ کے متعلق ہے۔

بعض اسلامی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حارث بن ابی شمیر کی حکومت میں مؤتہ میں مسلمانوں کی دوسری جنگ تھی جب مسلمان رومیوں کی پہلی لڑائی میں کامیاب نہ ہوسکے تو مقام مؤتہ پر ان سے دوبارہ جنگ کی۔ ایک لاکھ رومی فوج جو حارث بن ابی شمیر کی مدد کیلئے آئی تھی رومی ساز و سامان کے ساتھ آراستہ تھی۔ ان کا نظام بھی رومی تھا۔ چھ ہزار فوج کو شرطین کہتے تھے۔ ہر شرطین میں تیس مانی پول تھے اور ہر مانی پول میں دو سنتور تھے اور ہر سنتور میں سو سپاہی ہوتے تھے۔

رومی سپاہی لوہے کی ٹوپی، زرہ، بڑی ڈھالیں، بلند نیزے اور تلواریں بھی رکھتے تھے۔ یہ لوگ مورچہ بنانا بھی جانتے تھے جس کی توضیح ہم جنگ بدر میں کر چکے ہیں۔ جب اسلام کی چھوٹی سی فوج میدانِ جنگ میں پہونچی تو کچھ مسلمانوں نے یہ تجویز پیش کی کہ بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ سوچ لیں کہ آیا ہمیں جنگ کرنا چاہیئے یا نہیں، کیونکہ تمام بڑی بڑی لڑائیوں میں (جو ہمارے اور دوسروں کے درمیان ہوئی ہیں) دشمنوں کی تعداد ہم سے صرف چند گنا زیادہ ہوتی تھی لیکن اس مرتبہ ان کی تعداد چالیس پچاس گنا زیادہ ہے اور ان کا ساز و سامان بھی عمدہ ہے۔ اور ادھر یہ کیفیت ہے کہ ہمارے کچھ لوگوں کے پاس زرہ و مغفر بھی نہیں ہے اور ان چیزوں کے بغیر ہی یہ لوگ میدان جنگ میں جائیں گے۔

اسلامی فوج کے سردار زید بن حارثہ یا جعفر بن ابی طالب نے فرمایا کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں گے۔ اگر ہم دشمن کو مارتے ہیں اور غالب ہوجاتے ہیں تو ہماری فتح ہوتی ہے اور اگر مقتول و مغلوب ہوتے ہیں تو بھی شہید ہوں گے اور جنت میں داخل ہوں گے، دشمن

کی کثرت سے ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جنھیں آئندہ اپنے بارے میں اطمینان نہ ہو اور ہم جبکہ جانتے ہیں کہ جنت میں جائیں گے تو دشمن کی فوج سے کیوں خوفزدہ ہوں۔ زید بن حارثہ کے یہ الفاظ سنکر مسلمان صرف جنگ ہی کیلئے نہیں بلکہ حقیقتاً موت کے لئے تیار ہو گئے۔

چونکہ گذشتہ جنگوں میں مورچہ بندی کے مفید نتائج سامنے آچکے تھے اس لئے جنگ شروع ہونے سے پیشتر مسلمانوں نے مورچہ بندی کرلی مگر اس مرتبہ اس طرح گھیرا ڈالنے سے مقصد حاصل نہ ہوا کیونکہ رومی سپاہی بھی اس فن سے واقف تھے۔ اس کے علاوہ ان کا ساز و سامان بھی مسلمانوں کے ساز و سامان سے بہتر تھا اور یہ لوگ تیر چلانے میں بہت مہارت رکھتے تھے۔

اسلامی فوج کے سردار زید بن حارثہ چونکہ جنگ کی ابتداء ہی میں شہید ہو گئے تھے اس لئے سپہ سالاری کی ذمہ داری جعفر بن ابی طالب نے سنبھالی۔ یہ مسلسل تلوار چلا رہے تھے۔ انھوں نے اپنی فوج کو عقب نشینی کا حکم دیا۔ جب فوج نے عقب نشینی کی اور مقام موتہ کے قریب پہونچ گئی تو جعفر بن ابی طالب بھی (جن کے دونوں ہاتھ بعض روایات کے مطابق کٹ چکے تھے اور پیروں کے ذریعہ مدافعت کر رہے تھے) شہید ہو گئے۔ انکی شہادت کے بعد عبداللہ بن رواحہ (جو انصار یعنی مدینہ کے مسلمانوں میں سے تھے) اسلامی لشکر کے سپہ سالار ہو گئے۔ انھوں نے اسلامی سپاہیوں کو روحی تقویت پہونچانے کے لئے خوش الحانی کے ساتھ قرآن تلاوت کرنا شروع کر دیا۔ اور ایسی آیتیں تلاوت کیں جو جہاد، دخول جنت اور اسلام کی راہ میں جاں نثاری سے متعلق تھیں۔

عبداللہ بن رواحہ اسی حال میں تلوار چلاتے تھے اور کبھی آواز لگا لیتے تھے کہ قطاروں کی حفاظت کرو یعنی اپنے گھیرے کی حفاظت کرو۔ اگر مسلمان اس جنگ میں اپنی صفوں کو درست نہ رکھتے تو یقیناً سب قتل ہو جاتے۔ طاقتور رومی فوج کے مقابلہ میں اس روز عصر کے وقت تک مسلمانوں کی کامیابی کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے جتھہ بندی (گھیرا) کر لیا تھا۔ جب عصر کا وقت ہوا تو عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت خالدؓ

بن ولید اسلامی فوج کے سپہ سالار ہو گئے۔ بعض خبروں میں ہے کہ جنگ موتہ ایک روز میں ختم ہو گئی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے روز بھی جاری رہی۔ میرا خیال ہے کہ جنگ موتہ اسی روز خالد بن ولید کے سپہ سالار ہونے کے بعد ختم ہو گئی۔ اگر جنگ اسی روز ختم نہ ہوتی اور مسلمان دوسرے دن بھی رومیوں سے لڑتے تو ایک مسلمان کا بھی زندہ بچ کر مدینہ لوٹنا مشکل تھا۔

اس روز مسلمانوں کے عقب نشینی (تعقب) پر قادر ہونے کے دو سبب تھے ایک تو خالد بن ولید کی لیاقت کہ آپ اسلام کے ایک بہترین سپہ سالار تھے۔ دوسرے تاریکی کا آجانا۔ خالد بن ولید سپہ سالار ہونے سے پہلے ایک صف یعنی پانچ سو آدمیوں کے سردار تھے۔ اور ابتداء سے لیکر جنگ ختم ہونے تک تلوار کے نو قبضے ان کے ہاتھ سے ٹوٹ چکے تھے جب آپ سپہ سالار ہو گئے تو صفوں کو بدل دیا اور حملہ کا حکم صادر فرمایا اس وقت تک اسلامی فوج کی چھ صفوں میں سے تین صفیں ختم ہو چکی تھیں۔ یعنی پندرہ سو (۱۵۰۰) آدمی شہید ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود خالد بن ولید نے دوسری تین صفوں کے ساتھ حملہ کیا اور ایسی پیش قدمی کی کہ حارث بن ابی شمیر کے سپہ سالار کے پاس پہونچ گئے۔ اس کا نام ملک بن البلاوی تھا۔ حضرت خالد نے اسے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔

حضرت خالد بن ولید کا شدید حملہ ایسا موثر ہوا کہ وقتی طور پر حارث بن ابی شمیر اور حکومتِ روم کی متحدہ طاقت کی پیش قدمی کو روک دیا۔ انھوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے کوئی بڑی طاقت آگئی ہے اس بنا پر اس طرح بڑھ کر حملہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اندھیرا ہو گیا۔ اور حضرت خالدؓ بن ولید نے پیچھے ہٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ اسلامی فوج تاریکی میں پیچھے ہٹ گئی۔ اس جنگ میں دو ہزار مسلمان شہید ہو گئے جن میں ایک جعفر بن ابی طالب بھی تھے جو بچپن کے زمانے سے حضرت محمدؐ کی خدمت میں رہے اور ان کے رضاعی بھائی شمار ہوتے تھے۔ زید بن حارثہ بھی جو حضرت محمدؐ کے آزاد کردہ غلام تھے اور آپ

نے انھیں اپنا متبنّیٰ بنا لیا تھا ان چار مسلمانوں میں ہیں جو جنگ موتہ میں سب سے پہلے شہید کئے گئے تھے۔

روایت کرتے ہیں کہ معراج کے سفر میں حضرت محمدؐ نے آسمان میں ایک بہت خوبصورت عورت کو دیکھا تھا جس کے ہونٹ گل ارغوانی کی طرح سرخ تھے۔ آپؐ نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ جنّت میں زید بن حارثہ کی بیوی ہوگی۔ جنگ موتہ کے بعد زید جنّت میں اپنی نامزد رفیقہ سے مل گئے۔ جنگ موتہ میں مسلمانوں کو کامیابی نہیں ہوئی، لیکن اس کے باوجود خالدؓ بن ولید اپنی شجاعت اور ہوشیاری کے باعث ہزارہا آدمیوں کو مدینہ واپس لے جا سکے (چونکہ اس جنگ میں انھوں نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے تھے اس لئے سیف اللہ کے لقب سے سرفراز ہوئے) اور انھیں سرزمینِ حجاز میں پہونچنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں ہم نے بیان کیا ہے حجاز ایک پتلی سی پٹی ہے جو جزیرہ عرب میں بحر قلزم کے کنارے کنارے شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی ہے جسکی لمبائی تقریباً ایک ہزار میل ہے۔ گذشتہ زمانہ میں حجاز کا علاقہ جسکے قبضہ میں ہوتا تھا وہ تمام عرب کا بادشاہ شمار ہوتا تھا۔ چونکہ حضرت محمدؐ نے حجاز کے تمام باشندوں کو مسلمان کر لیا تھا لہٰذا مکہ کے علاوہ پورے حجاز کے حاکم بن گئے تھے اس کے بعد حضرتؐ محمدؐ نے مکہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس مقصد کیلئے فوج کشی کرنے اور وہاں پہونچنے کی ضرورت تھی۔

مکہ والوں نے چونکہ مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاع پر حملہ کرنے کے لئے بنو بکر کی مدد کر کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے معاہدے کو توڑ دیا تھا اس لئے حضرت محمد مکہ پر حملہ کر سکتے تھے اور ایسی صورت میں کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ آپؐ نے اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ قریش کی وعدہ خلافی اس قدر مسلّم تھی کہ خود ابوسفیانؓ مکہ سے مدینہ گیا اور حضرت محمدؐ کے ساتھ بات چیت کی کہ اگر بنو خزاعہ کو نقصان ہوا ہے تو اسے مکہ والے پورا کر دیں گے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیان جانتا تھا کہ

قریش نے جنگ کرنے کے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے ۔ دونوں قبیلوں کی جنگ کی مختصر تشریح یہ ہے :-

قبیلہ بنو خزاعہ مسلمان نہ تھے صرف چند افراد اسلام لائے تھے اور وقیر نامی علاقہ میں زندگی گذارتے تھے ۔ یہ مقام مدینہ سے دور مگر مکہ سے قریب تھا ۔ چونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے حلیف تھے لہذا ان کی حمایت کے تحت زندگی گذارتے تھے ۔ قبیلہ بنو خزاعہ اور بنو بکر میں زمانہ جاہلیت سے دشمنی چلی آرہی تھی ۔ قبیلہ بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ نے تحریک کی کہ بنو خزاعہ پر حملہ کیا جائے ۔ چنانچہ لوگوں نے حملہ کا ارادہ کر لیا ۔ بنو خزاعہ والے مسلمانوں سے مدد مانگ سکتے تھے لیکن چونکہ ان کے مسکن سے مدینہ تک بہت لمبا راستہ تھا اور مسلمانوں کی مدد پہونچنے سے پہلے ہی سب کے سب قتل ہو جاتے ۔ لہذا اپنی جان بچا کر مکہ بھاگ گئے اور خانۂ کعبہ میں جا کر اس امید میں پناہ لی کہ خانۂ کعبہ واجب الاحترام ہے وہاں کوئی شخص جنگ نہیں کر سکتا اس لئے بنو بکر قتل و خون ریزی سے باز رہیں گے ۔

قریش مکہ نے قبیلہ بنو بکر کو صرف ہتھیار ہی فراہم نہیں کئے بلکہ ان کی مدد کے لئے کچھ سپاہی بھی بھیجے یہاں تک کہ سہل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل جیسے سرداران قوم شمشیر بکف ہو کر بنو بکر کی مدد کے لئے دوڑ پڑے ۔

خزاعی قبیلہ نے مکہ میں داخل ہو کر خیال کیا کہ ہم محفوظ ہو گئے ہیں لیکن قبیلہ بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ نے تحریک کی کہ لوگ حرم میں داخل ہو کر آواز لگائیں کہ بنو خزاعہ کا خون مباح ہے سب کو قتل کر دینا چاہئے ۔ قبیلہ بنو خزاعہ کے جو افراد حرم کعبہ میں تھے انھوں نے پکار کر کہا کہ اے نوفل بن معاویہ یہ خانہ کعبہ ہے ۔ اسکے خدا سے شرم کرو اور اسمیں داخل نہ ہو مگر نوفل نے جواب دیا کہ آج نوفل کعبہ کے خدا کو نہیں پہچانتا ہے ۔ قبیلہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا ۔ بنو خزاعہ اس خوف سے کہ خانہ کعبہ میں خون بہایا جائے گا بھاگ پڑے اس بھگدڑ میں ان کے کچھ آدمی مارے گئے اور سارا مال لوٹ لیا گیا ۔

قبیلہ بنو خزاعہ کا سردار بدیل بن ورقہ اس واقعہ کے بعد مدینہ پہونچا اور جس طرح

واقعہ پیش آیا تھا سارا قصہ پیغمبر اسلام سے بیان کیا۔ حضرت محمدؐ بہت متاثر ہوئے کیونکہ بنو بکر نے قریش کی مدد سے بنو خزاعہ پر حملہ کرنے کے علاوہ خانۂ کعبہ کے احترام کا بھی خیال نہ کیا اور اس مقدس سرزمین میں بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔

جس وقت ابوسفیان مکہ سے مدینہ حضرت محمدؐ سے ملاقات کرنے جا رہے تھے اسی وقت بدیل بن ورقہ مدینہ سے واپس جا رہے تھے۔ چنانچہ عفان نامی مقام پر دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ ابوسفیان نے بدیل بن ورقہ سے پوچھا کہ تم مدینہ سے آتے ہو؟ بدیل نے جواب دیا کہ میں سمندر کے کنارے گیا ہوا تھا وہاں سے واپس آ رہا ہوں اور اپنے مسکن کو جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں میں سے دو شخصوں کو مقرر کیا کہ جب بدیل بن ورقہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہو تو دور سے اس کا پیچھا کریں اس طرح کہ اس کو پتہ نہ چلے۔ اور جب اس کے اونٹ مینگنی کریں تو تلاش کریں کہ آیا مدینہ کے کھجور کی گٹھلیاں انہیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ بدیل بن ورقہ اگر مدینہ گیا ہوگا تو بلاشبہ اس کے اونٹوں نے کھجور کھایا ہوگا اور اس کی گٹھلیاں اس میں موجود ہوں گی۔

ابوسفیان کے آدمیوں نے بدیل بن ورقہ کا پیچھا کیا اور اونٹوں کی مینگنیاں تلاش کیں تو اس میں مدینہ کے کھجور کی گٹھلیاں دستیاب ہوئیں۔ چنانچہ ابوسفیان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ قبیلہ بنو خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقہ نے حضرت محمدؐ سے ملاقات کی ہے اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ابوسفیان نے حضرت محمدؐ سے ملاقات کرنے کے بعد کہا کہ مکہ والے بنو خزاعہ کا نقصان پورا کرنے کیلئے تیار ہیں۔

فتح مکّہ

وہ دن جبکہ حضرت محمدؐ فتحمندانہ مکہ میں داخل ہوئے

ہمیں معلوم ہے کہ حضرت محمدؐ نے مدینہ میں ابوسفیان کو کیا جواب دیا تھا اس شخص نے واپس جاکر مکہ والوں سے کہا "وہ دن دور نہیں جب حضرت محمدؐ مکہ پر چڑھائی کردیں گے اس وقت وہ اس قدر طاقتور ہیں کہ ہم ان کی پیش قدمی کو روک نہیں سکتے"۔

ابوسفیان نے صحیح سمجھا تھا حضرت محمدؐ نے مکہ پر چڑھائی کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ آپ نے مسلمانوں کو جنگی تیاری کا حکم دیا مگر یہ نہ فرمایا کہ کس مقام پر حملہ کریں گے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بن الخطاب جیسے لوگ جو حضرت محمدؐ کے خسر تھے یہ نہیں جانتے تھے کہ آپ کہاں حملہ کریں گے۔

حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو جنگی تیاری کا حکم دینے سے پہلے یہ حکم صادر فرمایا کہ شہر مدینہ کا تعلق باہر سے منقطع کرلیں تاکہ نہ کوئی شخص باہر سے شہر میں داخل ہونے پائے اور نہ شہر سے کوئی باہر جانے پائے۔ کیونکہ حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ اگر لوگ باہر سے شہر میں داخل ہوں گے تو اطراف کے قبیلوں کو مسلمانوں کی تیاری سے آگاہ کردیں گے کہ مدینہ میں مسلمان جنگی تیاری کر رہے ہیں۔

اگرچہ مدینہ سے مکہ جانے والے مسافر یہ نہیں بتلاتے تھے کہ حضرت محمدؐ مکہ پر حملہ کریں گے لیکن قریش کی جماعت یہ سمجھتی تھی کہ آپ کا نشانہ مکہ ہی ہے۔ بہرحال مدینہ کا تعلق باہر والوں سے منقطع کردیا گیا۔ نہ کوئی مسافر باہر سے مدینہ میں داخل ہوسکتا تھا اور نہ

کوئی مدینہ سے باہر جاسکتا تھا۔ باہر سے آنے والے قافلے شہر مدینہ کے باہر ٹھہرتے تھے۔ وہیں اپنا سامان اتارتے تھے جو شہر پہونچا دیا جاتا تھا۔

مدینہ کے باشندوں میں حاطب بن ابی بلتعہ نامی ایک شخص تھا وہ سمجھ گیا کہ حضرت محمدؐ مکہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے مکہ میں رہنے والے اپنے ایک رشتہ دار کو خط لکھا اور اسے مکہ پہونچانے کے لئے سارہ نامی ایک بوڑھی عورت کے حوالے کیا۔ سارہ مدینہ کے ایک تاجر صیفی بن عمرو کی کنیز تھی۔ چونکہ یہ تاجر اپنا سامان باہر سے شہر میں لاتا تھا اس لئے اس کے ساتھ سارہ شہر سے باہر نکل گئی اور کسی نے اسے نہ روکا۔ شہر سے نکل کر اس نے مکہ کا راستہ اختیار کیا۔

پیغمبر اسلام کے داماد علیؓ بن ابی طالب جو حضرت محمدؐ کی جانب سے راستوں کی نگرانی پر مامور تھے سمجھ گئے (بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ تم لوگ روضۂ خاخ میں جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے۔ اسکے پاس ایک خط ہے اسے لے لو) کہ سارہ مکہ جارہی ہے آپؐ نے ایک آدمی کو بھیجا تاکہ وہ سارہ کو واپس لائے اور خیال رکھے کہ وہ عورت کوئی چیز غائب نہ کرے لوگ اسے واپس لے آئے اور اس سے کاغذ لے لیا اور اپنے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس لائے۔

علیؓ نے خط پڑھا اور جان لیا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے اس کے ایک مکی رشتہ دار کو لکھا گیا ہے (بخاری میں واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ علیؓ اس خط کو رسول اللہؐ کے پاس لائے خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے لکھا گیا ہے) پھر سارہ سے اسکی تحقیق کی گئی کہ آیا وہ خط کے مضمون سے واقف ہے یا نہیں؟ مگر سارہ کو خط کا مضمون معلوم نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے حضرت محمدؐ کو اس واقعہ کی اطلاع پہونچا دی۔ آپؐ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا کہ صیفی بن عمرو کو اس کی اطلاع ہے کہ تو نے اس کی کنیز کو مکہ لے جانے کے لئے خط دیا ہے؟ حاطب نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہؐ صیفی بن عمرو کو اس کی اطلاع نہیں ہے۔

حضرت محمدؐ نے جب جان لیا کہ اس خط کے لکھنے اور مکہ بھیجنے سے حاطب کا مقصد

اپنے خاندان والوں کو اطلاع دینا ہے تاکہ مکہ سے ہٹ جائیں اور خطرہ میں نہ پڑیں تو آپؐ نے اسے بخش دیا۔ حضرت محمدؐ کے ارادہ کے متعلق مدینہ میں دو قسم کی خبریں پھیل رہی تھیں۔ اوّل یہ کہ آپ روم پر حملہ کریں گے تاکہ جنگ موتہ کے نقصان کی تلافی کریں۔ دوسرے لوگ یہ کہتے تھے کہ رسول خدا قبیلہ بنو سلیم سے جنگ کریں گے کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کو زحمت دیتے ہیں مگر کسی کو یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ پیغمبر اسلام مکہ پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جس وقت مسلمان مدینہ میں جنگی تیاری کر رہے تھے حضرت محمدؐ نے ان تمام قبیلوں کو جو مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے اطلاع دیدی کہ اپنے کو جنگ کے لئے تیار کریں۔ اس کے بعد اسلامی فوج مدینہ سے روانہ ہوئی اور اس نے مکہ کا راستہ اختیار کیا۔ راستہ میں تمام قبیلے جو مسلمانوں کے ساتھ تھے آکر شامل ہوگئے۔ اسلامی مؤرخوں نے حضرت محمدؐ کے مکہ پہونچنے کی تاریخ ۱۰ رمضان ۸ھ لکھی ہے مگر یہ تحریر نہیں کیا کہ اسلامی لشکر کس روز مدینہ سے روانہ ہوا ممکن ہے کہ یہ رمضان کی پہلی تاریخ ہو۔

رمضان کے مہینے میں تمام لوگ روزہ رکھتے تھے اور طلوع آفتاب سے لے کر غروب تک کوئی چیز نہ کھاتے نہ پیتے تھے یہاں تک کہ مکہ سے ایک منزل پہلے قدید نامی ایک مقام پر پہونچے وہاں حضرت محمدؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ دوسرے دن روزہ نہ رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مسلمان سفر میں روزہ نہ رکھیں۔ اسکے بعد مسلمانوں نے روزہ نہ رکھا یہاں تک کہ مرالظہران پہونچ گئے اور وہاں ٹھہر گئے۔ رات کے وقت حضرت محمدؐ نے حکم دیا کہ اسلامی سپاہی آگ روشن کریں تاکہ باشندگان مکہ کو معلوم ہو کہ مسلمان ایک بڑی فوج کے ساتھ مکہ پر حملہ کر رہے ہیں۔ پیغمبر اسلام کے چچا عباس نے جیسا کہ بیان کیا گیا ایک تاجر تھے۔ انھوں نے سونگھ کر استنباط کیا کہ مکہ والے اسلامی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انھوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ شہر چھوڑ دیں اور جو کچھ ساز و سامان ہے اسے فروخت کر دیں کیونکہ انھوں نے پیش بینی کے طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ لوگ مکہ میں داخل ہونے کے بعد قابض ہو جائیں گے۔

عباسؓ جب سامان فروخت کر چکے تو روانہ ہوئے اور مرالظہران پہونچ کر دین اسلام قبول کر لیا۔ عباسؓ کی طرح ابوسفیان کو بھی یقین ہو گیا کہ مکہ حضرت محمدؐ کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا لہذا وہ بھی مرالظہران پہونچ گئے۔ پیغمبر اسلام کے چچا حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب رات کے وقت مسلمان مرالظہران میں ٹھہرے ہوئے تھے تو میں اسلامی فوج سے ہٹ کر راستہ طے کر رہا تھا ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دو مسلمان آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ میں سننے لگا۔ ایک کہتا تھا کہ یہ آگ جو تم دیکھ رہے ہو قبیلہ بنو خزاعہ کی ہے۔ دوسرا کہتا تھا کہ قبیلہ بنو خزاعہ اتنی عظمت والا نہیں ہے کہ یہ ساری آگ روشن کرے۔ میں نے دوسرے شخص کی آواز پہچان لی اور جان لیا کہ ابوسفیان ہے۔ میں نے کہا اے ابوحنظلہ کیا تم ہو؟

ابوسفیان نے بھی میری آواز پہچان لی اور کہا اے ابوالفضل کیا تو ہے؟ میں نے کہا ہاں میں ہوں اور پھر میں اسکی طرف بڑھا۔ ابوسفیان نے پوچھا اے ابوالفضل یہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا حضرت محمدؐ دس ہزار سپاہی لے کر آئے ہیں تاکہ قریش کا مقابلہ کریں اور مکہ پر قبضہ کر لیں کیونکہ قریش نے صلح حدیبیہ کو پامال کر کے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا ہے اور کچھ لوگوں کو مار کر اس کا مال و اسباب لوٹ لیا ہے۔ جب مسلمان مکہ پر حملہ کریں گے اور اس پر قبضہ کریں گے تو سب سے پہلے تجھے قتل کریں گے کیونکہ تو مکی فوج کا سردار ہے اور نقض عہد کا ذمہ دار تو ہی ہے

ابوسفیان نے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیئے؟ میں نے کہا کہ اگر تو چاہتا ہے کہ زندہ رہے اور تیرا مال نہ لوٹا جائے تو سوائے اس کے کوئی تدبیر نہیں ہے کہ حضرت محمدؐ کے پاس جا کر مسلمان ہو جاؤ وہ صرف اسی صورت میں تمہارا خون معاف کریں گے اور تمہارا مال و اسباب بچ سکے گا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں تجھے حضرت محمدؐ کے پاس لے چلتا ہوں۔ تم یہیں ٹھہرے رہو۔ میں جا کر ان کی اونٹنی لاتا ہوں اور تمہیں اس پر سوار کر کے اسلامی فوج کے درمیان سے لے چلتا ہوں

ابوسفیان نے پوچھا حضرت محمدؐ کی اونٹنی پر کیوں سوار ہوں؟ میں نے کہا اس وجہ سے کہ تمام مسلمان تجھے پہچانتے ہیں اور تیرے دشمن ہیں۔ جس وقت تجھے دیکھیں گے فوراً قتل کر دیں گے

لیکن جب تم حضرت محمدؐ کی اونٹنی پر سوار ہو گے تو کوئی تمہیں قتل نہیں کرے گا کیونکہ لوگ سمجھیں گے کہ پیغمبر اسلام نے تجھے بلایا ہے۔ اس طرح حضرت عباسؓ کی تجویز کے مطابق ابوسفیان حضرت پیغمبرؐ کی اونٹنی پر سوار ہو کر لشکر سے گذرے اور حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پیغمبر اسلام کے چچا حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میں حضرت محمدؐ کے خیمہ میں داخل ہوا، حضرت عمرؓ بن الخطاب بھی خیمہ میں داخل ہوئے اور آپؐ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہؐ آپ اجازت فرمائیں کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ یہ شخص عبدمناف کی اولاد سے ہے اسی لئے آپؐ اس کی گردن اڑانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ شخص قبیلۂ بنی عدی کا ہوتا تو کیا آپؐ اس کی گردن اڑانے کو تیار ہوتے۔ (قبیلۂ بنی عدی عمرؓ بن الخطاب کا قبیلہ تھا)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میرے قبیلے کے لوگ بھی رسول اللہؐ کے ساتھ دشمنی کریں تو میں انکی گردن اڑا دوں گا کیونکہ میں انھیں کا دوست ہوں جو رسول اللہؐ کے دوست ہیں۔ اور ان کا دشمن ہوں جو رسول اللہؐ کے دشمن ہیں۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ محمدؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عباسؓ اس وقت ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لیجاؤ، انکی حفاظت کرو اور کل صبح میرے پاس لاؤ۔ میں نے اطاعت کی۔ ابوسفیانؓ کو اپنے خیمہ میں لے گیا۔ وہ وہاں سو گئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت ابوسفیان کو لیکر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے ابوسفیان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا ابھی تک موقع نہیں آیا کہ خدا پر ایمان لاؤ اور مجھے اس کا پیغمبر سمجھو۔ ابوسفیان بولا اے محمدؐ میں تصدیق کرتا ہوں کہ آپ امین ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں مگر آپکی پیغمبری مجھ پر آشکارا نہیں ہوئی ہے کہ آپکا مذہب قبول کروں۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اے ابوحنظلہ تم نے عہد شکنی کی ہے۔ شرائط کے مطابق تمھیں قتل ہونا چاہئے۔ اگر دین اسلام نہیں قبول کرتے ہو تو ابھی قتل ہو جاؤ گے۔ مجبوراً ابوسفیانؓ نے دین اسلام قبول کر لیا۔ پھر حضرت محمدؐ نے چند برگزیدہ مسلمانوں کے سامنے ابوسفیانؓ سے مکہ کے حالات کے بارے میں گفتگو کی۔ آپؐ نے دو حکم صادر فرمائے تاکہ مکہ والوں میں ابوسفیانؓ کو اور رسوخ

اور عزت و احترام حاصل ہو۔ ایک یہ کہ اسلامی فوج اس روز ابوسفیانؓ کا مقابلہ نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو، وہ محفوظ ہوگا یعنی اسے قتل نہ کیا جائیگا۔ پیغمبر اسلام نے اس روز خود ابوسفیانؓ کو مامور فرمایا کہ مکہ جا کر مکہ والوں میں یہ اعلان کریں :-

"مکہ کے باشندوں نے چونکہ عہد شکنی کی ہے لہذا شرائط اور ناقابل تردید طریقہ کے مطابق انھیں قتل ہونا چاہیئے اور ان کا مال مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ لیکن جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے وہ محفوظ رہے گا اور اس کی جان و مال کو پناہ ہوگی۔ جو لوگ اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں گے اور راستہ میں قدم نہ رکھیں گے وہ اسلامی پناہ میں ہونگے اور کوئی شخص ان سے تعرض نہ کریگا"۔

ابوسفیان جو اس وقت موٹے تازے آدمی نظر آتے تھے سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے ابوسفیانؓ کی روانگی کے بعد اسلامی فوج نے حرکت کی اور اس نے خونریزی کے بغیر شہر حرمہ پر قبضہ کر لیا مکہ پہونچنے کے بعد ابوسفیان خانۂ کعبہ کے مقابل مقیم ہوا اور آواز لگائی کہ اسلامی لشکر شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ جو شخص خانہ کعبہ یا ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا وہ ہر قسم کی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رہے گا۔ جو لوگ خانہ کعبہ یا ابوسفیانؓ کے مکان نہیں جا سکتے وہ اپنے گھروں میں رہیں اور گھر سے باہر نہ نکلیں اور اطمینان رکھیں کوئی شخص ان کی جان و مال سے تعرض نہیں کرے گا۔

ابوسفیانؓ کی بیوی ھندہ ان باتوں سے اس قدر غصہ ہوئی کہ مکہ والوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اس روئی بھرے ہوئے بورا (ابوسفیانؓ) کو قتل کر دو کیونکہ یہ شخص ہم لوگوں سے خیانت کرتا ہے یہ کی فوج کا سردار ہے اسے چاہیئے کہ لوگوں کو جنگ کی ترغیب دے اور لڑائی کرے۔ اسکے برعکس یہ لوگوں سے کہتا ہے کہ اپنے گھروں سے نہ نکلو تا کہ جان و مال سلامت رہے۔ لیکن لوگ ابوسفیانؓ کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں سے نہیں لڑ سکتے۔ ھندہ نے جب دیکھا کہ کوئی شخص تیار نہیں ہے کہ اسکے شوہر کو قتل کرے تو وہ خود اسکے قتل کے درپے ہو گئی مگر مکہ والوں نے مہلت نہ دی کہ اپنے شوہر کو قتل کرے۔ زیادہ دیر نہیں گذری کہ اسلامی فوج کے

آواز لگانے والے پہونچ گئے اور وہی آواز لگائی جو اس سے قبل ابوسفیانؓ نے لگائی تھی۔

جو لوگ راستوں میں تھے وہ فوراً خانہ کعبہ یا ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ جو اپنے گھر جا سکتے تھے وہ وہاں چلے گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ اس طرح مکہ کی گلیاں خالی ہو گئیں۔

اسلامی فوج کا پہلا دستہ جو مکہ میں داخل ہوا وہ علیؓ بن ابی طالب کے ماتحت تھا۔ اور حضرت علیؓ پیغمبر اسلامؐ کا پرچم لئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور اس کے بعد خانہ کعبہ کی طرف گئے۔ مکہ کا بڑا دروازہ وہی تھا جس سے ہو کر علیؓ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔

اسلامی فوج کا دوسرا دستہ زبیرؓ بن العوام کی سرداری میں مغرب کی طرف سے شہر میں داخل ہوا۔ سعدؓ بن عبادہ انصاری کو حکم دیا گیا کہ کچھ مسلمان سپاہیوں کو ساتھ لیکر مشرق کی طرف سے شہر میں داخل ہوں۔ اسلامی فوج کا چوتھا دستہ خالدؓ بن ولید کی سرداری میں مرتب ہوا اور اسے حکم ہوا کہ جنوب کی طرف سے شہر میں داخل ہو۔ حضرت محمدؐ نے چاروں سرداروں کو حکم دیا کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد تلوار میان سے نکال لیں اور کسی سے جنگ نہ کریں۔ صرف اس وقت جنگ کریں جب کوئی ان پر حملہ کرے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ مکہ والے خانۂ کعبہ ابوسفیانؓ کے مکان اور اپنے گھروں میں محفوظ ہیں (یعنی ان تین مکانوں پر ان سے کوئی تعرض نہیں کرے گا) لیکن سعدؓ بن عبادہ انصاری نے شہر میں داخل ہو کر بلند آواز سے کہا "الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ" یعنی آج لڑائی کا دن ہے آج حرمت ختم ہے۔ یعنی آج خانہ کعبہ کی حرمت ملحوظ نہیں ہے۔ لہذا مسلمان خانہ کعبہ میں مشرکوں کو قتل کر سکتے ہیں۔

یہ خبر حضرت پیغمبرؐ کو پہونچ گئی۔ آپؐ نے فوراً سعدؓ بن عبادہ کو مستقل سرداری سے معزول کر کے علیؓ کا ماتحت بنا دیا۔ تاکہ اپنے ارادے سے جنگ نہ کر سکیں۔ اسلامی دستوں میں سے کسی دستہ کو مقابلہ کی نوبت نہ آئی۔ صرف خالدؓ بن ولید کو یہ موقع ہاتھ آیا کہ جب وہ جنوب کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے تو جنوبی محلہ میں کچھ قریش اور کچھ قبیلہ احابیش کے لوگوں نے (جو قریش کے ساتھ متحد تھے) ملکر ان پر حملہ کر دیا۔ حضرتؓ خالد جن کا لقب سیف اللہ تھا

آواز لگائی۔ بلاسبب اپنا خون نہ بہاؤ۔ تمہارا حملہ مکہ کو مسلمانوں کے ہاتھ میں جانے سے نہیں روک سکتا۔ رسول اللہؐ نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ آج مکہ فتح کریں گے لہٰذا وہ یقیناً فتح ہوجائے گا۔ مگر ان لوگوں نے خالد بن ولید کی بات نہ مانی اور حملہ کردیا۔ ذراسی مدت میں پندرہ آدمی ہلاک ہوگئے جس میں دو مسلمان تھے اور تیرہ آدمی قریش اور احابیش کے تھے۔ بقیہ لوگوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں سے جنگ نہیں کرسکتے تو بھاگ گئے۔ اسلامی فوج کے چاروں دستے جو چار طرف سے شہر میں داخل ہوئے تھے خانہ کعبہ میں اکٹھا ہوگئے۔

جب اسلامی فوج کے چاروں دستے خانہ کعبہ میں جمع ہوگئے تو حضرت محمدؐ بھی وہاں پہنچ گئے۔ آپ سفید اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہا اور عثمان بن طلحہؓ جو کعبہ کے کلید دار تھے۔ ان سے دروازہ کھولنے کے لئے فرمایا۔ عثمان کی ماں نے چلا کر کہا کہ ہم کعبہ کا دروازہ تمہارے لئے نہیں کھولیں گے لیکن عثمان بن طلحہ نے ماں کو چپ کیا اور دروازہ کھول دیا۔ پانچ مسلمانوں نے خانہ کعبہ کے اندر قدم رکھا (۱) محمدؐ بن عبداللہ پیغمبر اسلام (۲) علیؓ بن ابی طالب (۳) عثمان بن زید (۴) بلالؓ مشہور موذن (۵) عثمان بن طلحہ کلید دار کعبہ۔

جب حضرت محمدؐ ان چار آدمیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو مکہ والے جنھوں نے اپنے بچاؤ کے لئے خانہ کعبہ میں پناہ لی تھی دہشت میں پڑ گئے۔ انھوں نے خیال کیا کہ حضرت محمدؐ اس لئے تشریف لائے ہیں تاکہ انھیں قتل کریں ان کا مال لوٹیں اور انکی عورتوں اور بچوں کو کنیز اور غلام بنائیں۔ یہ بات جاننا بھی ضروری ہے کہ مکہ کے باشندے کافر تھے اور مسلمانوں سے عہد کرنے کے بعد نقض عہد بھی کرچکے تھے لہٰذا وہ کافر حربی ہوگئے تھے یعنی وہ کافر جو مسلمانوں سے جنگ کرتا ہے۔

حضرت محمدؐ نے مکہ کو لڑکر فتح کیا کیونکہ آپ نے اس پر لشکر کشی فرمائی اور خود مکہ میں کچھ قریش اور کچھ احابیش نے مسلمانوں پر حملہ بھی کیا۔ جس میں دو مسلمان شہید ہوگئے لہٰذا قانون کے مطابق

حضرت محمدؐ کو حق حاصل تھا کہ سارے مردوں کو قتل کر دیں یا غلام بنائیں اور شہر کی تمام عورتوں کو کنیز بنائیں لیکن پیغمبر اسلام نے سب کو بخش دیا۔ خانۂ کعبہ کی زیارت کے بعد آپ باہر آئے اور خانہ کعبہ کے آستانہ پر مکہ والوں سے جو خانۂ کعبہ میں موجود تھے اس طرح خطاب کیا۔

"تم جنگی قانون سے واقف ہو تمہیں اپنی عہد شکنی معلوم ہے۔ اب جبکہ تم مغلوب ہو گئے ہو مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ تمہیں قتل کر دیں یا غلام بنائیں اور تمہاری عورتوں کو کنیز بنائیں لیکن آج میں تم سے وہی بات کہوں گا جو حضرت یوسفؑ نے قدرت پانے کے بعد اپنے بھائیوں سے کہی تھی وہ یہ ہے کہ خدا نے تمہیں بخش دیا ہے لہذا تم آزاد ہو کوئی شخص تمہاری جان و مال سے تعرض نہیں کریگا اور تمہاری عورتوں کو کنیز نہیں بنائے گا۔" یہی سبب ہے کہ باشندگانِ مکہ کو طُلَقاء کہا جاتا ہے یعنی آزاد شدہ غلام۔ کیونکہ مکہ والے قانوناً مسلمانوں کے غلام تھے اور حضرت محمدؐ نے انھیں غلامی سے آزاد کیا لہذا وہ طُلَقاء ہوئے۔

پھر حضرت محمدؐ نے قرآن کی یہ آیت مکہ کے ان لوگوں کے سامنے پڑھی جو وہاں موجود تھے۔ "اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی الخ" اس آیت کی تشریح اسی کتاب میں پہلے گذر چکی ہے حضرت محمدؐ نے یہ پڑھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ انسانی افراد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے مگر یہ کہ کوئی شخص متقی ہو تو وہ عزور افضل ہے۔ چونکہ تمام افراد خدا کے نزدیک برابر ہیں لہذا زمانۂ جاہلیت کے تمام امتیازات جن کا مدار حسب و نسب و قبیلہ اور طائفہ پر تھا ختم ہو گئے صرف ایک امتیاز باقی رہے گا اور وہ "میر آب" (پانی کی سرداری) کا عہدہ ہے جس پر میرے چچا عباسؓ جیسے پہلے فائز تھے اسی طرح آج بھی اس عہدہ پر فائز رہیں گے۔ کیونکہ یہ بات تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ وہ پانی برابر تقسیم کرتے ہیں اور لوگوں میں کسی قسم کی تخصیص کے نظریہ کو دخل نہیں دیتے۔

مکہ والوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی عثمان بن طلحہ خانۂ کعبہ کی کلید داری کے عہدہ پر فائز رہے اور ان کی موت کے بعد یہ عہدہ ان کے لڑکوں کو ملا۔ آج بھی یہ کام انکی اولاد کے ذمہ ہے

حضرت محمدؐ جب تقریر سے فارغ ہوئے تو خود خانہ کعبہ کے ایک بت کو زمین پر گرا کر توڑ ڈالا۔ اور علیؓ سے فرمایا کہ تمام بتوں کو توڑ ڈالو۔ انھوں نے بتوں کی تمام صورتیں اور خانہ کعبہ کی تمام تصویریں مٹا دیں۔ روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ جو صورت میرے ہاتھ میں ہے اسے نہ توڑو۔ ایک روایت کے لحاظ سے یہ صورت حضرت مریم کی شکل تھی کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو گود میں لئے ہوئے تھیں۔ لیکن دوسری تمام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی ہر تصویر اور ہر مجسمہ کو مٹا دیا گیا۔ جس وقت پتھر کے بتوں کو توڑنے کے لئے سرنگوں کیا جاتا تھا اور لکڑی کے بتوں کو کلہاڑی سے توڑا جاتا تھا تو قریش کے لوگ (جو خانہ کعبہ میں موجود تھے) غم واندوہ کے باعث چادر سے اپنا چہرہ ڈھک لیتے تھے تاکہ یہ منظر نہ دیکھ سکیں۔ جب حضرت علیؓ اور دوسرے مسلمان بت توڑ رہے تھے تو قریش کے بعض افراد یہ خیال کرتے تھے کہ دنیا ویران ہو جائے گی مگر کچھ نہ ہوا۔ یکے بعد دیگرے سب بت ختم ہو گئے اور کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔

چونکہ حضرت محمدؐ نے عام معافی کا اعلان کر دیا تھا لہٰذا بتوں کے خاتمہ کے بعد آپ نے خانہ کعبہ کے لوگوں سے فرمایا جہاں تمھارا جی چاہے چلے جاؤ کسی کو تم سے کوئی سروکار نہیں ہے جو لوگ ابوسفیانؓ کے یا اپنے مکان میں ہیں ان سے کہو نکلیں اور جہاں چاہیں آزادانہ طور سے جائیں آئیں۔ اور اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔ سب لوگ چلے گئے لیکن حضرت محمدؐ خانہ کعبہ سے باہر نہ نکلے کیونکہ آپ کا کوئی مکان نہ تھا کہ آپ وہاں تشریف لیجائیں اور سکونت اختیار کریں۔ گذشتہ زمانے میں مکہ میں حضرت محمدؐ کا نہایت خوبصورت مکان تھا اور حضرت خدیجہؓ کا بھی دو منزلہ مکان تھا۔ یہ دونوں مکان مکہ کی خوبصورت عمارتوں میں شمار ہوتے تھے خدیجہؓ کی وفات کے بعد وہ مکان حضرت علیؓ کے بھائی عقیل کو دستیاب ہوا۔ انھوں نے بھی مکان دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا

چند مسلمانوں نے حضرت محمدؐ سے عرض کیا کہ چونکہ آپ غلبہ پا کر مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور شہر قبضہ میں آگیا ہے لہٰذا حق ہے کہ شہر کی جس عمارت کی طرف طبیعت مائل ہو اپنی سکونت

کے لئے منتخب فرمالیں لیکن آپ نے فرمایا کہ مکہ والوں کو جان و مال کی امان مل چکی ہے لہٰذا میں کسی کے مکان کو سکونت کیلئے انتخاب نہیں کرسکتا۔ رات کے وقت چونکہ خانہ کعبہ میں نہ رہ سکے لہٰذا وہاں سے روانہ ہوئے اور الخائف نامی مقام پر پہونچے جہاں ایک خیمہ کے اندر رات گذاری۔

حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے سے پیشتر اس شہر میں عتاب بن اسید نامی ایک حاکم رہتا تھا جب رمضان کی پندرہ تاریخ ہوئی تو ظہر کے وقت اسلام کے مشہور مؤذن حضرت بلالؓ اذان دینے کے لئے تیار ہوئے۔ چونکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ آواز سب کے کان میں پہونچ جائے اس لئے ایک بلند مقام تلاش کرتے تھے۔ آپ کا خیال ہوا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر جائیں اور وہاں سے اذان پکاریں۔ خانہ کعبہ کی چھت سے بلالؓ کی آواز جب کان میں پہونچی تو عتاب بن اسید حاکم مکہ خود خانہ کعبہ پہونچا اور آواز دی کہ نیچے اتر آؤ۔ مگر جب حضرت بلالؓ نے کوئی پرواہ نہ کی اور اذان پکارتے رہے تو عتاب بن اسید نے انھیں برا بھلا کہا۔ اذان ختم ہونے کے بعد بلالؓ پیغمبر اسلامؐ کے پاس پہونچے اور شکایت کی کہ عتاب بن اسید نے انھیں برا بھلا کہا یعنی لعنت و ملامت کیا۔

باوجودیکہ عتاب بن اسید مشرک کا ایک مسلمان کو برا بھلا کہنا اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ وہ مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لئے گیا ہے ایک بہت بڑا جرم تھا لیکن حضرت محمدؐ ان کو سزا دینے کے درپے نہ ہوئے۔ چند روز بعد عتاب بن اسید حضرت محمدؐ کے پاس حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے۔ آپ نے ان کا عہدہ برقرار رکھا اور وہ مسلمانوں کی طرف سے مکہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ فتح مکہ کے بعد حضرت محمدؐ نے اپنے اور اسلام کے بہت سے دشمنوں کے بارے میں فیاضی سے کام لیا۔ اور انھیں بخشدیا۔

ان میں سے ایک ابوجہل کا بیٹا عکرمہ تھا جو اپنی جان کے خوف سے مسلمانوں کی آمد سے پیشتر ہی مکہ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ عکرمہ کی بیوی پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کے لئے امان کی درخواست کی۔ آپؐ نے امان دیدی۔ چنانچہ وہ مکہ آیا اور اپنے گھر میں داخل ہوا۔

اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے دوسرا بڑا شخص ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی جسکے بارے

میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس نے اسلام کے پہلوان حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا اور اسی وجہ سے اسے ہندہ جگر خوار کہتے تھے۔ ہندہ نے صرف حضرت حمزہؓ کا جگر ہی نہیں چبایا تھا بلکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا مسلمانوں کے ناک کان وغیرہ سے گلو بند بنا کر گلے میں ڈالا تھا اور رقص کرنے لگی تھی مگر یہ خوف زدہ عورت بھی معاف کر دی گئی اور جب تک زندہ رہی اس کو مسلمانوں سے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچی۔ صفوان بن امیہ جو پیغمبر اسلام کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اس کام کے لئے ایک آدم کش شخص کو مقرر کر کے مدینہ بھی بھیجا تھا پیغمبر اسلام نے اسے بھی معاف کر دیا۔ مگر اس نے کہا کہ میں مسلمان نہ ہوں گا۔ معافی کے پانچ روز بعد صفوان نے ایک سو زرہ اور پانچ ہزار نقد رقم اسلامی فوج کے لئے پیش کی پھر چند ماہ بعد جنگ حُنین کے بعد مسلمان ہو گیا۔

حضرت محمدؐ نے جب مکہ فتح کیا تو خانہ کعبہ کے خزانہ میں ۴۰۰ ہزار مثقال سونا موجود تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ سونا مذکور اسی طرح خانہ کعبہ کے تصرف میں رہے گا۔ کوئی شخص اسکو ہاتھ نہ لگائے۔ فتح مکہ کے بعد پہلے عشرہ میں قریش کے دو ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔ ان کے مسلمان ہونے کا طریقہ یہ تھا کہ یکے بعد دیگرے حضرت عمر بن الخطاب کے سامنے سے گذرتے جاتے تھے اور کلمۂ شہادت پڑھتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ زنا اور محصنہ کے زنا سے احتراز کرو اور لگاتار نیکی کی کوشش کرتے رہو۔

ممکن ہے پوچھا جائے کہ حضرت عمرؓ جدید مسلمانوں کو یہ وصیت کرتے تھے کہ زنا اور زنائے محصنہ سے پرہیز کرو مگر یہ کیوں نہیں فرماتے تھے کہ اسی طرح دوسری چیزوں سے پرہیز کرو مثلاً سود نہ کھاؤ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ شہر میں مشرکوں کے درمیان زنا محصنہ اس طرح رائج ہو چکا تھا کہ لوگ اسے برا نہیں سمجھتے تھے۔ بعض بیوہ عورتیں باوجودیکہ وہ معزز خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں اپنے مکان کی چھت پر جھنڈا نصب کرتی تھیں تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو عورت اس مکان کے اندر ہے وہ بیگانہ مردوں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے لیکن جب مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا تو یہ برائیاں بالکل مٹ گئیں۔

حضرت عمرؓ کے سامنے گذرنے اور کلمۂ شہادت پڑھنے والے لوگوں میں سے ایک شخص ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی جو نہایت بے رحم اور اسلام کی بدترین دشمن تھی۔ مگر آخر کار اس ترتیب سے وہ بھی مسلمان ہوگئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمدؐ مدینہ سے مکہ کیلئے روانہ ہونے سے پہلے جانتے تھے کہ یقیناً مکہ فتح کریں گے۔ اس کی دلیل مدنیہ میں سورۃ النصر کا نازل ہونا ہے جو آج قرآن کی ایک سو دسویں سورہ ہے۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو فتح مکہ کی بشارت دی ہے۔ اسکے بعد فرمایا ہے وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا یعنی لوگوں کو دیکھئے گا کہ دستہ دستہ اور فوج فوج دین اسلام میں داخل ہوں گے۔ مقصد یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد لوگ اجتماعی شکل میں دین اسلام میں داخل ہوں گے اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ پھر تیسری آیتہ میں ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا یعنی اس بڑی کامیابی کی بنا پر خدا کی حمد وثنا کرو اور استغفار کرو اللہ تعالیٰ استغفار کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ مکہ کے دولتمند لوگ اسوقت شراب پیتے تھے خنزیر کھاتے تھے لیکن جب مسلمان ہوگئے تو ان چیزوں کو چھوڑ دیا۔ اسلامی مورخ طبری کہتا ہے کہ مکہ فتح ہونے کے بعد حضرت محمدؐ نے مغلوب لوگوں کی دلجوئی کیلئے داؤد لیث کی لڑکی سے نکاح کرلیا۔ داؤد لیث ان لوگوں میں سے تھا جو خالد بن ولید کیساتھ جنوبی محلہ کی جنگ میں مقتول ہوگئے تھے طبری کہتا ہے کہ دختر مذکور کا نام ملیقہ تھا لیکن یہ خبر بہت ضعیف ہے چونکہ اسلامی مورخ اس خبر کی تصدیق نہیں کرتا ہے اور پہلی فصل میں پیغمبر اسلام کی بیویوں کے ناموں میں ملیقہ دختر داؤد لیث نامی کوئی عورت بھی نہیں پائی جاتی ہے اس لئے پیغمبر اسلام کے ملیقہ نامی عورت سے نکاح کرنے کے بارے میں طبری کی یہ روایت مستند نہیں ہے

رسول اللہ نے مکہ میں پندرہ روز قیام فرمایا اور اسی پندرہ روز میں مکہ کے تمام باشندے مسلمان ہوگئے۔

مدینہ کے باشندے جنھیں انصار کہا جاتا تھا حضرت محمدؐ کے مکہ میں ٹھہرے رہنے سے فکر مند ہوگئے کہ مکہ چونکہ حضرت محمد کی جائے پیدائش ہے لہٰذا یہیں قیام فرمائیں گے

اور واپس نہ جائیں گے لیکن رسول اللہ نے ان سے فرمایا کہ جب تک میں زندہ رہوں گا تمھارے ساتھ زندگی گذاروں گا اور وہیں مروں گا جہاں تم لوگ مرو گے۔ جب پندرہ روز کے بعد پیغمبر اسلام مکہ سے واپس ہوئے اور مدینہ کا ارادہ فرمایا تو مدینہ کے باشندے جنھیں یہ خوف تھا کہ حضرت محمدؐ واپس نہیں جائیں گے مطمئن ہو گئے۔

حُنین کی لڑائی

مسلمانوں کے مکہ پر قبضہ کرنے اور باشندگان مکہ کے مسلمان ہوجانے نے جزیرۂ عرب میں اسلامی غلبہ کو یقینی بنا دیا۔ مکہ ایک سیاسی مذہبی اور تجارتی شہر تھا۔ عرب میں اسے مرکزیت حاصل تھی لہٰذا جب مسلمانوں نے مکہ پر قبضہ کرلیا تو گویا عربستان کے سیاسی، مذہبی اور تجارتی مرکز پر قبضہ کرلیا۔

مکہ کے جنوب میں ہوازن نامی ایک طائفہ رہتا تھا۔ اس میں متعدد قبیلے تھے۔ یہ لوگ مکہ سے لیکر یمن تک کے علاقہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ ایسا بہت کم اتفاق ہوتا تھا کہ دو قومیں یا دو طائفے پڑوس میں زندگی گذاریں اور ہمیشہ ان کے تعلقات اچھے رہیں کبھی ان میں جنگ نہ ہو۔ باشندگان مکہ اور طائفہ ہوازن میں متعدد بار جنگ ہوئی۔ طائفہ ہوازن نے چند بار حرام مہینوں میں مکہ والوں پر حملہ کیا۔ عرب والے اس قسم کی لڑائی کو فجار کہتے ہیں۔

طائفہ ہوازن اور باشندگان مکہ ایک دوسرے کے پرانے دشمن تھے۔ حضرت خدیجہ کے والد ہوازن اور مکہ والوں کی ایک لڑائی میں مارے گئے۔ خود حضرت محمدؐ نے جوانی کے زمانہ میں ابوطالب کے ساتھ ہوازن کی ایک لڑائی میں شرکت فرمائی تھی۔

جاننا چاہئے کہ ہوازن جمع ہے ہوزن اس کا واحد ہے۔ چونکہ ہوزن کے متعدد قبیلے تھے اس لئے ان کو ہوازن کہتے تھے۔ اس کا ایک گروہ دریائے قرمزا اور صحرائے عربستان کے درمیانی علاقہ (حجاز) میں رہتا تھا۔ دوسرا گروہ قبیلۂ ثقیف کے نام سے مشہور تھا اور طائف میں رہتا تھا۔ پیغمبر اسلام کی ایک دایہ جس نے حضرت محمدؐ کو دودھ پلایا تھا قبیلہ بنو سعد کی تھی جو ہوازن کا جزء شمار ہوتا تھا۔ قبیلہ بنو سعد، بنو بکر، بنو سلیم اور ہوازن کے تمام قبیلے حضرت محمدؐ اور اسلام

کے دشمن تھے عربوں کا بڑا بت لات شہر طائف میں تھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ طائف وہی شہر ہے جہاں حضرت محمدؐ اپنے قبیلے والوں کی کنارہ کشی کے بعد تشریف لے گئے تھے مگر شہر کے لوگوں نے آپ کو وہاں ٹھہرنے نہیں دیا تھا۔

فتح مکہ کے تین روز بعد حضرت محمدؐ نے کچھ مسلمانوں کو مقرر کیا کہ شہر کے اطراف میں داخل ہوں اور بتوں کو توڑیں۔ منجملہ خالد بن ولید کو حکم ہوا کہ نخلہ جائیں اور وہاں بتوں کو توڑیں۔ نخلہ میں ایک بڑے بت کا مجسمہ تھا جس کا نام عزّیٰ تھا۔ جب ہوازن نے دیکھا کہ مسلمان انکے بتوں کو توڑنے کے لئے سبقت کر رہے ہیں تو انھوں نے جنگ کا ارادہ کر لیا۔ ہوازن نے اپنے قبیلوں کو اطلاع دیدی کہ جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں چنانچہ بیس ہزار آدمی عورتوں، بچوں اور جانوروں سمیت مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے نکل پڑے۔ یہ لوگ عورتوں اور بچوں کو اس وجہ سے میدان جنگ میں لے گئے تاکہ جان لیں کہ اس جنگ میں یا تو ان کی فتح ہونی چاہیئے یا انھیں مٹ جانا چاہیئے۔

میدان جنگ میں عورتوں بچوں اور چارپایوں کو لیجانا اس بات کی نشانی تھی کہ ہوازن چاہتے تھے کہ میدان جنگ میں مقیم ہوں اور اس بات کے قائل ہوں کہ یا تو وہ اپنے ساز و سامان سے سبکدوش ہو جائیں، میدان جنگ میں مارے جائیں، ان کی عورتیں گرفتار ہوں اور ان کے جانور دشمن کے قبضے میں آئیں۔ یا دشمن کو پچھاڑ دیں اور مکہ پر قبضہ کریں تاکہ پھر مکہ ان کے لئے زحمت کا باعث نہ بنے۔ کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ جنگ میں شرکت کے لئے ہوازن کے بیس ہزار آدمی جمع ہوئے ہوں۔ لیکن اس موقع پر مکہ پر حملہ کیلئے بیس ہزار آدمی اکٹھا ہو گئے۔

جب قریش کو خبر ہوئی کہ ہوازن مکہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو مسلمانوں سے ان کی کدورت کم ہو گئی اور وہ اس بات کے لئے آمادہ ہو گئے کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہوازن کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ تیار ہوئے کہ پھر کچھ ہتھیار اور نقد مسلمانوں کو پیش کریں اور انھیں ہوازن کے مقابلہ کے لئے اور زیادہ قوی کر دیں۔ چنانچہ حضرت محمدؐ بارہ ہزار آدمی لے کر

ہوازن کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے جس میں دو ہزار آدمی قبیلہ قریش کے تھے جو اپنے پرانے دشمن سے لڑنے کیلئے روانہ ہوئے تھے۔ اسلامی فوج ۳۰ رجون ۶۳۱ء کی شب کو وادی حُنین میں (جو ایک پہاڑی علاقہ ہے) داخل ہوئی۔

حُنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک علاقہ ہے جس کا کچھ حصہ پہاڑی ہے۔ اس میں ایک گھاٹی تھی جس سے گذرنا اسلامی فوج کیلئے ناگزیر تھا۔ طلوع آفتاب کے وقت اسلامی فوج وہاں پہونچی۔ پہلی فوج کسی خطرہ کے بغیر اس گھاٹی میں گذرنے لگی۔ اس کا حاکم دشمن کے قوی ہونے کے احتمال سے غافل رہا اور نگرانی کے لئے لوگوں کو پہاڑ پر نہ بھیجا۔ اگر وہ چند آدمیوں کو پہاڑ پر بھیج دیتا تو وہ لوگ پہاڑ کی پشت پر چھپے ہوئے دشمنوں کو دیکھ لیتے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ غفلت اس وجہ سے عمل میں آئی کہ مسلمانوں کو اپنی طاقت پر غرور تھا۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ ہوازن انھیں شکست نہیں دے سکتے۔

بہرحال فوج کا پہلا دستہ گھاٹی سے گذرا اسے کسی قسم کا خیال نہ ہوا اور اس نے اس گھاٹی کے بارے میں کوئی تحقیق و تفتیش نہ کی۔ حنین کی جنگ میں قبیلہ ہوازن کی فوج کا سردار مالک بن عوف نامی ایک شخص تھا۔ اس لڑائی میں اس نے اپنے آپ کو ایک لائق سردار ثابت کر دیا۔ اس نے گھاٹی کے دونوں جانب اس طرح اپنی فوج پوشیدہ کر دی کہ مسلمانوں کو ذرا بھی اس کی ہوا نہ لگی کہ دشمن گھات میں لگا ہوا ہے۔

جب اسلامی فوج کا پہلا دستہ گھاٹی سے گذر رہا تھا تو ہوازن کے فوجی سردار نے مسلمان سپاہیوں کو دیکھا مگر حملہ کرنے کا حکم نہ دیا کیونکہ وہ سمجھ گیا کہ یہ پہلا دستہ ہے چنانچہ اس نے کہا کہ ہمیں صبر کرنا چاہیئے تاکہ حضرت محمدؐ کا اصلی دستہ گھاٹی میں داخل ہو۔ اس روز حضرت محمدؐ اسلام کی اصلی فوج کے پیچھے چل رہے تھے اور اس اونٹنی پر سوار تھے جسے آپ کے لئے حبشہ کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ سفیان بن حرث نامی ایک شخص آپ کے پیش رو تھے جو اونٹنی کے آگے آگے چل رہے تھے۔

ہوازن کا فوجی سردار مالک بن عوف اس قدر سرد مزاج (یعنی صبر کرنے والا تھا) کہ جب اصلی فوج گھاٹی میں داخل ہو گئی تب بھی اس نے حملہ کا حکم نہ دیا اور صبر کرتا رہا تاکہ سارے مسلمان گھاٹی میں داخل ہو جائیں۔ جب سب مسلمان گھاٹی میں داخل ہو گئے تو مالک بن عوف نے اپنے سپاہیوں کو حملہ کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی اس کے سپاہی اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلے اور مسلمانوں پر تیر و پتھر برسانا شروع کر دیا۔ مسلمان اس وقت راستہ طے کر رہے تھے اور جنگی ساز و سامان سے آراستہ نہ تھے۔ اس ناگہانی حملہ سے اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ بھگدڑ مچ گئی۔ سواروں نے لگام گھمائی کہ جس راستہ سے آئے تھے اس سے واپس ہو جائیں۔ سواروں کی بھگدڑ نے مسلمانوں کو متزلزل کر دیا۔ سب لوگ بھاگ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قرآن کی نویں سورہ توبہ کی چوبیسویں آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں متعدد مقامات پر فتح نصیب فرمائی۔ حنین کی جنگ میں تمھیں اپنی کثرت پر غرور ہو گیا اور خیال کرنے لگے کہ چونکہ تمھاری تعداد زیادہ ہے اس لئے فتحیاب ہو جاؤ گے۔ لیکن اس خیال نے تمہیں خداوند تعالیٰ سے بے نیاز نہیں کیا اور زمین تمھارے اوپر اس طرح تنگ ہو گئی کہ بے تحاشا بھاگنا پڑا۔

جیسا کہ علماء اسلام بیان فرماتے ہیں محمد بن عبداللہ نے چھوٹی بڑی اسّی لڑائیاں لڑی ہیں۔ اور اس آیۃ کے مطابق ان تمام لڑائیوں میں خدائی مدد کامیابی کا سبب بنی ہے کثرت تعداد کامیابی کا سبب نہیں بنی۔ لیکن جنگ حنین میں مسلمان اپنی تعداد پر مغرور تھے انھوں نے خیال کیا کہ یقیناً فتحمند ہوں گے۔ وہ اس سے غافل تھے کہ جو چیز مسلمانوں کو فتحمند کرتی ہے وہ خدائی مدد ہے نہ کہ کثرت تعداد۔ یہی سبب ہے کہ جنگ حنین میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی مگر اس کے باوجود انھیں بھاگنا پڑا سورہ توبہ کی پچیسویں آیۃ میں اللہ تعالیٰ

اس طرح فرماتا ہے ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ یعنی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کے لئے تسلی کا سبب نازل فرمایا یعنی ان کی روح کو آرام دیا اور قوی کر دیا۔ ان کے لئے ایسی فوج بھیجی جسے تم میں سے کسی نے نہیں دیکھا ہے اور خدا نے کافروں کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ کافروں کا بدلہ یہی ہے۔"

جب حضرت محمدؐ نے دیکھا کہ مسلمان بھاگ رہے ہیں تو اونٹنی سے اتر پڑے اور اسکی نکیل سفیان بن حرث کے ہاتھ میں دیدی۔ آپ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور آواز لگائی "کہاں جاتے ہو کیا مجھے نہیں دیکھتے۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔ اے مہاجرین اے انصار اے وہ لوگو کہ حدیبیہ میں میرے پاس تھے مت بھاگو یہاں آؤ۔" بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام کے چچا حضرت عباسؓ نے جنکی آواز بلند تھی پیغمبر اسلام کی باتوں کو بھاگنے والوں کے لئے دہرایا۔ حضرت محمد کا استقلال اور بردباری اس بات کا سبب بنی کہ جو لوگ بھاگ رہے تھے وہ ٹھہر گئے اور پیغمبر اسلام کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اس وقت حضرت محمدؐ نے حکم دیا کہ مسلمان اس گھاٹی کی لڑائی کو چھوڑ دیں اور دشت اوطاس میں پہونچ جائیں۔ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ چونکہ ہوازن کی عورتیں، بچے، جانور سب اس وادی میں تھے لہٰذا مسلمانوں نے آسانی سے اس پر قبضہ کر لیا۔

ہوازن نے چاہا کہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکیں لیکن مسلمان چونکہ جنگی ہتھیاروں کے ساتھ پیش قدمی کرتے تھے لہٰذا ان کے چند آدمیوں کو مار دیا اور بقیہ لوگ شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے اور جب قبیلہ ہوازن کی عورتیں بچے اور سارا مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا تو پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ انھیں جعرانہ نامی مقام پر (جو مکہ کے شمال میں پندرہ کیلومیٹر پر ہے) پہونچا دیں اور ان کی خوراک اور پوشاک کا انتظام کریں۔

جب جنگ حُنین کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی تو حضرت محمدؐ

نے طائف پر حملہ کا ارادہ فرمایا۔ طائف میں دو قلعے تھے۔ شہر والوں نے جیسے ہی مسلمانوں کو قریب ہوتے ہوئے دیکھا ویسے ہی شہر کا دروازہ بند کرلیا اور مدافعت کے لئے تیار ہوگئے۔ شہر کا دروازہ کھولنے کے لئے مسلمانوں نے منجنیق (گوپھن) استعمال کیا۔ اس کے علاوہ مذکورہ جنگ میں سلمانؓ فارسی کی تجویز کے مطابق ایک جنگی ارابہ بنایا۔ (ارابہ کی تشریح آگے آرہی ہے)

حضرت سلمانؓ فارسی وہی ایرانی شخص ہیں جنھوں نے حضرت محمد کو مدینہ کے چاروں طرف خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا اور اس خندق نے مکی فوج کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا تھا ارابہ جسے سلمانؓ فارسی نے تجویز کیا اور مسلمانوں نے بنایا ایک بڑے کچھوے کی طرح تھی جس کے ذریعہ مسلمان قلعہ والوں کے تیر یا پتھر سے کوئی نقصان اٹھائے بغیر شہر کے دروازے سے قریب ہوسکتے تھے۔ جنگ حُنین کی کامیابی سے مسلمانوں کی روح بہت خوش تھی اور نہایت بہادری سے جنگ کررہے تھے۔ انھوں نے شہر طائف کے جنوب میں قبیلہ ہوازن کے سردار مالک بن عوف کا مکان گرادیا مگر طائف والوں نے شکست تسلیم نہ کی۔ پیغمبر اسلام نے طائف والوں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنے کو شکست خوردہ تسلیم کرلیں گے تو کوئی ان سے تعرض نہیں کرے گا۔ مگر اس وعدہ کے باوجود صرف اسّی آدمی اس کے لئے رضامند ہوئے جو بعد میں مسلمان ہوگئے۔

مسلمان چالیس روز تک طائف کا محاصرہ کئے رہے۔ جب ان لوگوں نے ہار نہ مانی تو حضرت محمد نے ایک دوسرے شخص کو فوج کا سردار بنادیا اور خود جعرانہ تشریف لے گئے تاکہ مالِ غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں۔ مالِ غنیمت میں چھ ہزار قیدی بھی تھے جو مسلمانوں میں تقسیم کردئے گئے۔

قیدیوں میں شیما نامی ایک عورت تھی وہ حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ جب حلیمہ نے آپ کو دودھ پلایا تو میں نے بھی ان کی پستان سے دودھ پیا ہے۔ اس عورت نے حضرت محمدؐ کو اپنے ہاتھ کا ایک پرانا زخم دکھلا کر عرض کیا کہ جس وقت ہم دونوں چھوٹے تھے اور کھیل رہے تھے آپ نے سہواً مجھے زخمی کردیا تھا جس

کا اثر ابھی تک باقی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کو نہیں چاہیئے کہ مجھے مسلمانوں کو کنیز بنانے کے لئے دیدیں۔ آپ نے فرمایا "اے شمہ کیا تمہاری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور آزاد زندگی بسر کرو؟" اس عورت نے کہا کہ نہیں! اے محمد میں اپنی آزادی اسی میں سمجھتی ہوں کہ جنگل میں گھومتی رہوں! اور بیابان میں زندگی گذاروں۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ترکیب سے آزاد کرسکتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں تم میرے حصے میں آجاؤ۔ اس صورت میں چونکہ تم میری کنیز ہوگی لہذا میں تمہیں آزاد کرسکوں گا۔ اسی طرح عمل ہوا اور شمہ مالِ غنیمت کے اس حصہ میں آئی جو پیغمبر اسلام کا حصہ تھا۔ لہذا حضرت محمد نے اسے آزاد کردیا۔ جب شمہ آزاد ہوگئی تو اس نے عرض کیا کہ میرا شوہر بھی گرفتار ہے اور جنگی قانون کے مطابق وہ بھی غلام بنائے جائیں گے۔ آپ سے میری درخواست ہے کہ اسے آزاد فرمائیے۔ پیغمبر اسلام نے مزید ایک بار فرمایا کہ لوگ اسکے شوہر کو بھی میرے حصہ میں رکھنا منظور فرمائیں لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ پیغمبر اسلام نے اسکے شوہر کو بھی آزاد کردیا۔

جب ہوازن کے قیدیوں نے دیکھا کہ شمہ اور اس کا شوہر دونوں آزاد ہو گئے ہیں تو کچھ لوگوں کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت محمدؐ کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ آپ کی دایہ حلیمہ قبیلہ ہوازن کی تھیں اس بنا پر ہم سب لوگ آپ کے رضاعی بھائی بہن ہیں لہذا ہم سب لوگوں کو بلافدیہ آزاد کردینا چاہیئے تاکہ ہم لوگ اپنے اپنے گھر واپس چلے جائیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا ہوں کیونکہ آپ لوگ مسلمانوں میں بٹ چکے ہیں۔ ہوازن کے نمائندوں نے عرض کیا کہ کیا آپ یہ برداشت کرسکتے ہیں کہ آپکے رضاعی بھائی بہن غلام و کنیز بنیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں صرف یہ کرسکتا ہوں کہ جو غلام و کنیز میرے حصہ میں آئے ہیں انھیں آزاد کردوں۔ اس کے سوا میں کچھ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ دوسرے غلام و باندیوں کا معاملہ دوسرے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت محمدؐ نے اپنا وعدہ پورا کردیا اور جتنے لوگ آپ کے حصہ میں آئے تھے ان سب کو آزاد کردیا۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی اپنے اپنے حصہ کے غلاموں اور باندیوں کو آزاد کردیا۔

حضرت علیؓ نے بھی آزاد کر دیا۔ دوسرے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ بزرگانِ اسلام نے اپنے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا ہے تو انھوں نے بھی اپنے تمام غلام و باندی آزاد کر دئے مگر ہوازن کا مال واپس نہیں کیا۔

ہوازن کے قیدیوں نے جب مسلمانوں کی یہ جواں مردی دیکھی تو سب مسلمان ہو گئے اور کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے اپنے گھر واپس ہوئے۔ آزاد ہونے والوں میں ایک شخص ہوازن کا سردار مالک بن عوف بھی تھا اس کو تمام مال واپس مل گیا کیونکہ اس کا سارا مال حضرت محمدؐ کے حصے میں آیا تھا۔ وہ وہیں مسلمان ہو گیا اور بعد کے زمانہ میں بڑے اسلامی خدمت گذاروں میں شمار ہوا۔ اس طرح سے مسلمانوں میں ہوازن کے قیدی اور مال کی تقسیم عمل میں آئی۔ اس کے بعد حضرت محمدؐ طائف واپس تشریف لائے تاکہ شہر کے محاصرے کا معائنہ فرمائیں۔

محاصرہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی جو اسلامی فوج طائف میں تھی وہ اسے فتح نہ کر سکی۔ لیکن چونکہ قبائل ہوازن اسلام لا چکے تھے لہذا طائف خطرناک شہر باقی نہیں رہا تھا بلکہ وہ ایک ایسے جزیرہ کے مثل تھا جسے اسلام نے گھیر لیا ہو۔ حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ اگر ایک چھوٹی سی اسلامی فوج اس کا محاصرہ جاری رکھے تو بھوک و پیاس سے تنگ آ کر لوگ خود ہی عاجز ہو جائیں گے لہذا ابوسفیان کو ایک چھوٹی سی فوج کا سردار بنا کر محاصرہ جاری رکھنے کا حکم دیا اور خود تمام مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

عام الوفود

یا سفارت کا سال

حضرت محمدؐ جب مکہ واپس ہوئے تو انصار یعنی مدینہ کے مسلمانوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ انھوں نے خیال کیا کہ حضرت محمدؐ نے ہوازن کے مال غنیمت کی تقسیم میں ہماری بہ نسبت قریش کو زیادہ عنایت کیا ہے۔ اس میں کچھ صداقت بھی تھی کیونکہ حضرت محمد نے مالِ غنیمت کو انصار سے زیادہ قریش پر صرف کیا تھا مگر یہ بات نہ تھی کہ انصار کا حصہ قریش کو دیدیا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ تھا کہ قانوناً مال غنیمت کا پانچواں حصہ پیغمبر اسلام اور ان کے متعلقین کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔ آپ ہمیشہ اپنا حصہ دوسروں کو بانٹ دیا کرتے تھے چنانچہ اس سفر میں بھی آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنا حصہ قریش میں تقسیم کر دیا تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔

پیغمبر اسلام قریش کی طرف زیادتی میلان کو ضروری سمجھتے تھے تاکہ ان کا تعلق اسلام کے ساتھ پختہ ہو جائے کیونکہ وہ لوگ تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے اور ان کو ابھی تک اسلام سے گہرا تعلق نہیں ہوا تھا۔ انصار کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں تھا مگر اس کے باوجود حضرت محمد نے ان کی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ قریش کو زیادہ مال ملنے پر تمہیں ناراض نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ قریش مکہ میں زندگی گذاریں گے اور میں تمہارے ساتھ مدینہ جاؤں گا اور وہاں تمہارے ساتھ زندگی گذاروں گا۔ اپنے ساتھ ایک اونٹ یا چند بکریاں اپنے حصہ سے زیادہ لیجانا زیادہ قیمت رکھتا ہے یا ایک پیغمبر کے ساتھ زندگی گذارنا؟

کیا تمہیں معلوم ہے کہ خدا کے پیغمبر کے ساتھ زندگی گذارنا تمہارے لئے کس قدر افضل ہے؟ اس صورت میں صرف آپ لوگوں ہی پر خدا کی رحمت نہ ہوگی بلکہ آپ کی اولاد پر بھی خدا کی رحمت

نصیب ہوگی۔ جب مدینہ والوں نے پیغمبر اسلام سے اس قسم کی باتیں سنیں تو شرمندہ ہوگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں اپنی باتوں پر بے حد افسوس ہے حتیٰ کہ بعض لوگ رو پڑے۔ چند روز بعد حضرت محمدؐ نے مدینہ کا قصد کیا اور اپنے وعدہ کے مطابق انصار کے ساتھ چل پڑے۔ اس وقت انصار اس قدر خوش تھے کہ جب مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے تھے اور اشعار پڑھ پڑھ کر نعرے لگاتے تھے۔

جب حضرت محمدؐ مکہ سے مدینہ جانے لگے تو ایک جوان آدمی کو جسکی عمر ابھی تیس سال نہیں ہوئی تھی اور قبیلہ امیہ سے تعلق رکھتا تھا، خلیفہ کے طور پر مکہ میں مقرر فرما دیا اور مکہ کے مسلمانوں کا انتظام اسی کے حوالہ کر دیا۔ حضرت محمدؐ کے مدینہ پہونچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد طائف والوں کی طرف سے ایک نمائندہ جماعت پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ شہر طائف والے مسلمان ہونے کو تیار ہیں مگر شرط یہ ہے کہ پیغمبر اسلام انھیں آزاد چھوڑ دیں تاکہ گذشتہ زمانہ کی طرح فحش کاری میں مشغول رہیں، سود کھائیں اور شراب و تمام نشیلی چیزیں استعمال کریں۔

حضرت محمدؐ نے ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا اسلام میں فحش کاری شراب، سود اور نشہ آور چیزیں حرام ہیں۔ طائف کے نمائندے واپس گئے اور شہر والوں سے گفتگو کی اس کے بعد پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ طائف والے فحش کاری، سود، شراب اور نشہ آور چیزیں چھوڑنے کے لئے تیار ہیں مگر ان کا مطالبہ ہے کہ پیغمبر اسلام اُن کے لئے جہاد، روزہ اور زکوٰۃ کو معاف فرما دیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ آغاز اسلام میں تمام مسلمانوں کے لئے میدان جنگ میں جانا اور لڑنا ضروری تھا۔ آج بھی جہاد ہر مسلمان پر واجب ہے سوائے اس شخص کے جو بیمار ہو یا بڑھاپے کے باعث کمزور ہو۔ آپ نے طائف والوں کی درخواست قبول فرمالی اور ان سے جہاد، روزہ اور زکوٰۃ کی خدمت معاف کر دی۔ مسلمانوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ طائف والوں سے کس لئے جہاد، روزہ اور زکوٰۃ کی خدمت گذاری معاف فرما دی۔ کیا یہ چیزیں واجب نہیں ہیں؟

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جب یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے تو خود اسلامی واجبات کو پہچانیں گے اور ان پر عمل کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کی وفات سے پیشتر طائف کے باشندے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم بخوشی جہاد، روزہ اور زکوۃ کی خدمت گذاری کیلئے تیار ہیں۔

اب ہم حضرت محمدؐ کی زندگی کے اس حصے میں پہونچ رہے ہیں جو عام الوفود سے متعلق ہے مسلمان سنہ ۹ھ کو عام الوفود کہتے ہیں یعنی سفیر اور نمائندہ بھیجنے کا سال۔ اس وقت سے نو سال پہلے حضرت محمدؐ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ چنانچہ ابو بکرؓ کے ساتھ مدینہ کی راہ پکڑی تھی اور ایسے غار میں پناہ لی تھی جہاں زہریلے سانپ رہتے تھے۔ اس سفر میں ایسا بھی دیکھا کہ لوگوں نے پیغمبر اسلام کے سر کے لئے قیمت مقرر کی اور اعلان کیا کہ جو شخص انکے سر کو زندہ یا مردہ لائے گا وہ ایک سو اونٹ انعام پائے گا اس وقت جبکہ ہجرت کے نو سال گذر چکے تھے حضرت محمدؐ کو یہ توفیق دی جا چکی تھی کہ مکہ کو فتح کر لیں اور وہ تمام لوگ جو آپ کے دشمن تھے آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے اسلام کے شیدائی بن جائیں یہاں تک کہ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ جو حضرت محمدؐ کو قتل کرنا چاہتا تھا مسلمان ہو گیا اور کچھ دنوں بعد میدان جنگ میں شہید ہو گیا۔

مکی فوج کا سردار ابو سفیان جس نے اُحد اور خندق میں پیغمبر اسلام کے ساتھ جنگ کیا تھا وہ بھی مسلمان ہو گیا اور پیغمبر اسلام نے اسے نجران کا حاکم بنا دیا۔ خالد بن ولید جو مشرکین کے خاص سردار تھے اسلام کے نمایاں سردار بن گئے اور سیف اللہ کا لقب حاصل کیا۔ حضرت محمدؐ نے ہجرت کے نویں سال میں نہ صرف مکہ کو مسخر کیا بلکہ تمام جزیرہ عرب کو مسخر کر لیا یعنی سارا عرب مسلمان ہو گیا۔

جب ہم عرب کی وسعت پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ہجرت کے پہلے سال سے لیکر دسویں سال تک عرب کی زمین پر روزانہ ۸۲۲ مربع کیلومیٹر قبضہ کیا ہے شروع میں مسلمان اس قدر غریب تھے کہ پہلی تین لڑائیوں میں دو دو سپاہیوں کے پاس ایک اونٹ

ہوتا تھا۔ بدر کی لڑائی میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا اسلامی سپاہیوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور گھوڑے صرف دو تھے لیکن بعد میں اس قدر قوی ہو گئے کہ جنگ حنین میں مسلمانوں کے پاس ایک ہزار گھوڑے تھے اور جنگ تبوک میں جس کی تفصیل بعد میں آئے گی اسلامی فوج میں دس ہزار گھوڑے تھے۔

پہلی بار نخلہ میں صرف چار مسلمان لڑے تھے دوسری بار جب جنگ بدر ہوئی تو اس میں تین سو تیرہ مسلمان تھے۔ جنگ اُحد میں سات سو آدمی میدانِ جنگ میں اترے تھے اور جنگ تبوک میں تیس ہزار آدمی جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ بعض لڑائیوں میں مسلمانوں کا نقصان معمولی تھا لیکن بعض میں نسبتاً سنگین تھا۔ لیکن اس رتبہ کے مقابلہ میں جس پر مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا نقصان کچھ زیادہ نہ تھا۔ عرب کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ ۹ھ میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اسلام کے پانچ رکن ہیں :- (۱) کلمہ شہادت یعنی اس بات کا اعتراف کرنا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمدؐ اس کے پیغمبر ہیں (۲) صلوٰۃ یعنی روزانہ وقت معین پر نماز پڑھنا (۳) صوم یعنی سال کے ایک مخصوص مہینے میں روزہ رکھنا (۴) زکوٰۃ یعنی وہ رقم جو ہر مسلمان اپنی دولت سے اسلامی حکومت کے حوالے کرے (۵) حج یعنی خانۂ خدا کی زیارت کرنا بشرطیکہ زیارت کی استطاعت ہو اور کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

۹ھ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی تھی۔ لہٰذا مدینہ ہی میں رہتے تھے۔ ہم آپکی ناسازیٔ طبیعت کے بارے میں کچھ بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اسلامی مؤرخوں نے اسکی نوعیت نہیں بیان کی ہے تاکہ حکمت کی علامتوں کے مطابق پہچانا جا سکے کہ آپکو کس قسم کی بیماری تھی۔ اسی سال پیغمبر اسلام نے مدینہ میں سفراء اور اسلام کے ماتحت قبیلوں کے نمائندوں کو شرف باریابی عطا فرمایا۔ عربی میں وفد، سفیر یا ہیئت اجتماعی کو کہتے ہیں۔ وفود اسکی جمع ہے چونکہ اس سال میں سفراء اور نمائندے آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس لئے اس کا نام عام الوفود رکھا گیا تھا۔

حضرت محمدؐ اس وقت عرب کے سراسر سیاسی اور نظامی سربراہ بن گئے تھے مگر اس کے باوجود جب سفراء آپ کے پاس پہونچتے تھے تو دیکھتے تھے کہ کھجور کی چٹائی پر تشریف فرما ہیں آپکے گھر کا ساز و سامان بھی وہی تھا جو گذشتہ زمانہ میں رہتا تھا۔ جب کوئی سفیر آپ کی خدمت میں آتا تھا تو حضرت بلالؓ اس کا استقبال کرتے تھے اور اس کمرہ میں پہونچا دیتے تھے جہاں پیغمبرؐ تشریف فرما ہوتے تھے عربی قبیلوں کے سفراء جب مدینہ آتے تھے تو بنی نجار کے محلہ میں جو مہمان نوازی میں مشہور تھا رملہ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرتے تھے اگر لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی اور سب لوگوں کے لئے وہاں گنجائش نہیں ہوتی تھی تو پھر حضرت محمدؐ کے حکم کے مطابق مدینہ کی مسجد میں خیمے لگائے جاتے تھے اور مہمان اسی میں وقت گذارتے تھے۔

باوجودیکہ ۹ھ میں اسلام پورے عرب پر حاوی ہوگیا تھا مگر حضرت محمدؐ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو دین اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا تھا کیونکہ دونوں اہل کتاب تھے۔ آپ نے نجران کے حاکم ابوالحارث کو جو خط لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بعد بھی عرب میں مسیحی دین قطع نجوبی روشن تھی۔ آپ اس خط میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پیغمبر اسلام کی طرف سے نجران کے بڑے پادری ابوالحارث اور دوسرے پادریوں اور بزرگوں کے نام۔ اسکے بعد بڑے پادری اور نجران کے دوسرے پادری اور معزز لوگ جان لیں کہ گرجے، نمازخانے اور انکے ماتحت جو معبد ہیں انکی ذمہ داری خود ان پر ہے۔ خدا اور خدا کا رسول انھیں مورد حمایت قرار دیتا ہے اور بدیں وسیلہ خدا کا رسول کہتا ہے کہ کوئی بڑا پادری اور کوئی پادری اور کوئی کشیش اپنے مقام سے برطرف نہ ہوگا ان حقوق اور اختیارات کا احترام برقرار رہے گا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ ان کے مذہبی رسومات میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ جب تک پادری اور کشیش خلوص برتتے رہیں گے اور حسب دستور اپنے فرائض انجام دیتے رہیں گے اس وقت تک انکے اختیارات اور انکے حقوق کا احترام کیا جائیگا اور انکے ساتھ کسی قسم کی مزاحمت نہ کیجائیگی۔ انھیں بھی کسی سے

مزاحمت نہیں کرنا چاہیئے۔

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ عرب میں عیسائی اور ایسے ہی یہودی اپنے مذہبی فرائض انجام دینے میں مکمل آزاد تھے اور کوئی مسلمان ان کی مزاحمت نہیں کرتا تھا۔ ہجرت کے نویں سال میں نجران کے عیسائیوں کی طرف سے بھی ایک جماعت حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس میں نجران کے بڑے پادری ابوالحارث، پادری عبدالمسیح اور قافلہ کے سردار الایہم شامل تھے جب یہ لوگ مدینہ پہونچے اور حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو اپنی رسم کے مطابق روحانی لباس پہن کر نکلے۔ مدینہ والے انکے زیبا لباس کو حیرت سے دیکھتے تھے۔ یہ لوگ حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ اجازت حاصل کرلی کہ حسب معمول اپنے مذہبی وظائف پر عمل کرتے رہیں گے۔ پیغمبر اسلام نے ان سے فرمایا کہ آپ لوگ مدینہ کی مسجد میں عبادت کریں۔ چنانچہ یہ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور بیت المقدس کی طرف منھ کر کے اپنے مذہبی فرائض انجام دئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پیغمبر اسلام عیسائیوں کیلئے مخصوص احترام کے قائل تھے کیونکہ قرآن شریف نے عیسائیوں کو عزیز و محترم شمار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی پانچویں سورہ (سورۂ مائدہ) میں پچاسی ۸۵ ویں آیت سے لیکر اٹھاسی ۸۸ ویں آیت تک عیسائیوں کو معزز و محترم قرار دیا ہے۔ بیاسی ۸۲ ویں آیت میں بھی اس طرح فرماتا ہے وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ "یعنی اے محمدؐ آپ دوگروہوں کو مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمن پائیں گے ایک یہودی دوسرے مشرکین مگر عیسائی ان کے دوست ہوں گے۔ کیونکہ ان میں دانشمند اور پرہیزگار لوگ ہیں (جو اسلام کو سمجھ سکتے ہیں) یہ لوگ تکبر نہیں کرتے ہیں۔"

اسی سورہ کی تراسی ۸۳ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کی اس طرح بڑائی بیان فرماتا ہے وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی عیسائی جس وقت پیغمبر اسلام پر نازل شدہ آیتیں سنتے ہیں تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں کیونکہ یہ قرآن کی حقانیت کا ادراک کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے خدا ہم ایمان لے آئے ہیں ہمیں مشاہدین حق کے ساتھ کیجئے۔" چوراسی ویں آیت میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے بارے میں فرماتا ہے وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ یعنی عیسائی کہتے ہیں کہ ہمیں کیا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ خدا کی طرف سے نازل ہوا اس پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ ہم خواہشمند تھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیک لوگوں میں داخل کرے"۔ اسی سورۃ کی پچاسی ویں آیتہ میں فرماتا ہے فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی ان لوگوں کے اسلام کے معتقد ہو جانے کے باعث اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی جنت عطا فرمائے گا جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور نیکوں کا بدلہ یہی ہے"۔ معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کی کچھ آیتیں عیسائیوں کی عظمت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت محمد نے آخری دم تک عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک برتا ہے۔ ۹ھ میں حج کے وقت مسلمانوں کے ساتھ بت پرست بھی خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے گئے تھے مگر یہ آخری سال تھا جبکہ بت پرستوں نے مسلمانوں کے ساتھ اس کی زیارت کی کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی زیارت بت پرستوں کے لئے ممنوع قرار دیدی۔ قرآن کی نویں سورہ کی اٹھائیسویں آیت میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یعنی اے ایمان لانے والو جان لو بیشک مشرکین نجس ہیں اس سال کے بعد انھیں خانہ کعبہ میں نہیں داخل ہونا چاہئے۔" ۹ھ میں (جبکہ خانہ کعبہ کی زیارت بت پرستوں کے لئے روک دی گئی) حضرت محمد چودہ ہزار

مسلمانوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ اس سال آپ نے حج کے تمام ارکان مکمل طور پر ادا فرمایا اور اسی لئے جو کچھ آپ نے اس سال کیا سب سنّت ہو گیا اور آج بھی مسلمان وہ تمام رسومات انجام دیتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پیغمبر اسلام نے اس سے قبل مناسک حج ادا نہیں فرمایا بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ پیغمبر اسلام خود ۹ھ میں خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے نہیں گئے آپ ۸ھ میں بھی جنگ کے لئے مکہ پہونچے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا اس سے قبل کچھ مسلمانوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے گئے مگر حج کے تمام رسومات انجام نہ دے سکے اور اس سے قبل ۶ھ تک جبکہ آپ مدینہ میں زندگی گذارتے تھے خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے نہ جا سکے۔

بہر حال حضرت محمدؐ نے اس سال حج کے تمام ارکان ادا فرمائے۔ آپ نے احرام باندھا اور اس کے بعد سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ یہ سعی (دوڑ) حضرت اسمٰعیل کی ماں حضرت ہاجرہ کی یاد میں ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کی تھی۔

حضرت محمدؐ نے نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات کے جبل الرحمۃ پہاڑ پر ان تمام مسلمانوں کو (جو آپکے ہمراہ خانہ کعبہ کی زیارت کیلئے گئے ہوئے تھے) جمع کیا تاکہ انھیں احکامات بتائیں اس موقع پر حج کرنے والوں میں مسلمانوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ حضرت محمد نے (جو مسلمانوں کو احکامات بتانا چاہتے تھے یا عربوں کے قول کے مطابق خطبہ دینا چاہتے تھے) محسوس کیا کہ آپکی آواز سب لوگوں کو نہیں پہونچ رہی ہے لہذا سب لوگوں کو آواز سنانے کے لئے چند بلند آواز لوگوں کو مسلمانوں کے درمیان متعین کیا تاکہ آپکی باتوں کو دوبارہ بلند آواز سے دہرائیں اور تمام سننے والے حضرت محمدؐ کے خطبہ کو (جسے بعد میں مسلمانوں نے خطبۂ وداع کے نام سے موسوم کیا ہے) سن سکیں۔

جو لوگ حضرت محمد کی آواز کو دہرا رہے تھے ان میں ایک شخص مشہور مؤذن حضرت بلال رضؓ تھے دوسرے ربیع بن امیہ تھے جنکی آواز بہت بلند تھی۔ پیغمبر اسلام نے تقریر کرنے سے پہلے لوگوں

سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے ؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے اور حرام ہے (لوگوں نے کہا اللہ و رسولہ اعلم) پھر پیغمبر اسلام نے دریافت فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو یہ کونسی سرزمین ہے ؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ مقدس سرزمین عرفات کا میدان ہے ۔ اسکے بعد پیغمبر اسلام نے تقریر فرمائی اور اسے خدا کے نام سے شروع کیا ۔ خدا کی حمد کے بعد کلمۂ شہادتین پڑھا اور اس کے بعد فرمایا :۔

اے لوگو ! میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا سے ڈرو ۔ اسکی اطاعت کرو اور جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اسے قبول کرلو شاید یہ آخری بار ہے کہ میں اس جگہ مسلمانوں کے اتنے بڑے مجمع میں شریک ہو رہا ہوں ۔ اے لوگو میں نہیں جانتا کہ آیا آئندہ سال مجھے یہاں آنے اور تمہارے سامنے تقریر کرنے کی توفیق ہوگی یا نہیں ؛ اے لوگو اگر تم خدا سے ڈرو گے اور اسکی اطاعت کرو گے تو تمہاری جان و مال اور عزت ہر قسم کے نقصان سے اس روز تک محفوظ رہے گی جب تک موت نہیں آئے گی کیونکہ اس روز تمہاری جان اسی کے لئے ہوگی ۔

پھر پیغمبر اسلام نے خطبہ کا موضوع بدل دیا اور فرمایا کہ میں نے پیغمبر ہونے کے لحاظ سے اپنا فریضہ انجام دیدیا ہے یا نہیں ؛ اے خدا تو گواہ رہ کہ جو ذمہ داری میرے سپرد کی تھی وہ سرانجام ہوئی ہے یا نہیں ؟ لوگوں نے بلند آواز سے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ۔ پھر پیغمبر اسلام نے فرمایا اے لوگو جو کچھ میں کہتا ہوں اسے قبول کرلو اور اس پر عمل کرو ۔ میری وصیت یہ ہے :۔

جس کے پاس کسی کی امانت ہو اس کو اسی طرح واپس کرے اور اس میں خیانت نہ کرے اے لوگو سود سے پرہیز کرو ۔ زمانۂ جاہلیت کی سود خواری اسلام میں منع ہو گئی ہے لیکن تمہاری دولت تمہارے لئے حلال ہے ۔ خدا نے فرمایا ہے کہ سود نہیں کھانا چاہیئے اور پہلا شخص جسے میں سود کھانے سے منع کر رہا ہوں میرے چچا عباس بن عبدالمطلب ہیں ۔ (صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ بقیہ سود منسوخ کر دیا) ۔ اے لوگو اگر کوئی شخص خون کرے گا تو بدلہ میں اسے بھی قتل

کیا جائے گا لیکن اگر قصداً قتل نہیں کیا ہے بلکہ خطاءً ہو گیا ہے اور مقتول پتھر یا لکڑی سے مارا گیا ہے تو قاتل کو چاہیئے کہ ایک سو اونٹ دیت دے۔ قاتل سے ایک سو اونٹوں سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے اگر کوئی شخص زیادہ کا مطالبہ کریگا تو زمانۂ جاہلیت کے رسومات کی پیروی کرے گا۔

اس وقت پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا یا نہیں؟ اے خدا تو گواہ رہ کہ جو ذمہ داری میرے سپرد کی تھی اسے انجام دیا یا نہیں؟ لوگوں نے بلند آواز سے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنا فریضہ انجام دیدیا حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ شیطان غصہ ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تمہاری سرزمین میں یعنی سرزمین اسلام میں کوئی اسکی پرستش نہیں کرتا ہے۔ لیکن وہ کوشش کرے گا کہ دوسری جگہ اسکی پرستش کیجائے وہ جانتا ہے کہ تمہارے مذہبی امور میں دخل دینے کی قدرت نہیں رکھتا لیکن وہ کوشش کرتا ہے کہ تمہارے غیر مذہبی امور اور زندگی کے فروعی مسائل میں مداخلت کرے۔ اس سے پرہیز کرو یہاں تک کہ چھوٹے اور معمولی کاموں میں بھی اسے دخیل نہ ہونے دو تاکہ اسے گھسنے کا موقعہ نہ ملے ورنہ کسی نہ کسی دن تمہارے مذہب کو تھپڑ لگائے گا۔

اے لوگو ایک عام مہینے کا خدا کے حرام مہینوں میں شمار کرنا ایک ایسی بدعت ہے جسے بے ایمان لوگوں نے نکالا ہے چونکہ ان میں ایمان نہ تھا لہذا گمراہ ہو گئے۔ وہ لوگ اس مہینہ کو کسی سال ماہِ غیر حرام شمار کرتے ہیں اور کسی سال اسے ماہ حرام شمار کرتے ہیں۔ اسلام میں مہینے اسی طرح ہیں جیسے خدا نے پیدا کیا اور کتاب الٰہی میں ذکر کیا یعنی بارہ مہینے ہیں اور جب سے خدا نے زمین آسمان پیدا کئے ہیں ہر سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ ان چاروں میں سے تین مہینے پے در پے ہیں یعنی ذی قعدہ۔ ذی الحجہ محرم اور چوتھا مہینہ رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔

اے لوگو اب میں تمہاری عورتوں کے بارے میں کچھ بیان کرتا ہوں۔ تمہارے اوپر

تمہاری عورتوں کا حق ہے اور تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے۔ ان کا فرض ہے کہ تمہارے بستر پر کسی کو نہ آنے دیں، جو تمہارے دوست نہیں انھیں گھر میں نہ داخل ہونے دیں۔ اگر وہ اس پر عمل نہ کریں تو خدائے تعالیٰ تمہیں اجازت دیتا ہے کہ انکے بستر سے علٰحدہ آرام کرو۔ انھیں مارو پیٹو مگر بہت زیادہ نہیں صرف اس قدر کہ وہ تمہاری تابعدار بن جائیں اور اپنے فرائض انجام دیں۔ انھیں مناسب غذا کھلاؤ، مناسب کپڑے پہناؤ۔ تمہیں چاہیے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ بہترین سلوک کرو کیونکہ وہ تمہارے گھروں میں مقید ہیں۔ انھیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایک بے اختیار محبوس کے ساتھ محبت کا سلوک کرنا چاہیئے۔ تمہاری عورتیں ایک امانت ہیں جو خدا کی طرف سے تمہارے سپرد کی گئی ہیں اور تمہیں اجازت دی گئی ہے کہ اسلام کے مطابق ان سے قریب ہو۔ خدا سے ڈرو اور اپنی عورتوں سے بہتر سلوک کرو۔

پیغمبر اسلام نے دوبارہ دریافت فرمایا کہ میں نے خدائی پیغام پہونچا دیا، یا نہیں؟ اے خدا تو گواہ رہ کہ تو نے جو ذمہ داری میرے سپرد کی تھی اسے میں نے انجام دیا یا نہیں؟ لوگوں نے بلند آواز سے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدائی پیغام پہونچا دیا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اے لوگو جنھوں نے دین اسلام قبول کر لیا ہے وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی کا مال دوسرے بھائیوں کی طرف سے محفوظ ہے۔ ایک مسلمان کے مال میں اسکی مرضی کے بغیر دوسرے مسلمان تصرف نہیں کر سکتے۔ اے لوگو میری موت کے بعد آپس میں جنگ نہ کرنا۔ ایک دوسرے کی گردن نہ مارنا۔ اور اسلامی بھائی چارگی کو برقرار رکھنا۔ میں مرجاؤں گا تمہارے درمیان نہیں رہوں گا لیکن میری موت کے بعد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ تمہاری رہبری کرے گی اور گمراہی سے محفوظ رکھے گی۔

میں نے اپنا فرض انجام دیدیا یا نہیں؟ اے خدا تو گواہ رہ کہ جو ذمہ داری میرے سپرد کی تھی میں نے اسے پورا کیا یا نہیں؟ لوگوں نے بلند آواز سے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنا فریضہ پورا کر دیا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اے لوگو تمہارا خدا ایک ہے اور سب کا

باپ بھی ایک ہے۔ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں لہذا تم سب کا اصلی خمیر مٹی ہے اور کسی بھی شخص کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہے۔ خدا اس شخص کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ یاد رکھو کوئی عربی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ کسی غیر عربی پر فوقیت رکھتا ہے جو لوگ زیادہ متقی ہیں وہ دوسروں سے افضل ہیں حضرت محمدؐ نے مزید ایک بار فرمایا کہ میں نے اپنا فریضہ پورا کیا یا نہیں؟ لوگوں نے بلند آواز سے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنا فریضہ پورا کر دیا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں انھیں چاہئے کہ میری باتیں ان لوگوں کے کانوں میں پہونچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں تاکہ سب لوگ باخبر ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے میراث میں سے ایک حصّہ مقرر کیا ہے۔ ہر وارث کو میراث سے اپنا حصہ لینا چاہئے۔ اسی لئے ایسی وصیت نہیں کرنا چاہئے کہ کوئی شخص اپنے حصّہ سے زیادہ لے اگر کوئی شخص کسی بیگانہ کو میراث کی وصیت کرے تو ایک تہائی سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ اے لوگو چھوٹا بچّہ ماں سے متعلق ہے۔ اگر کوئی شخص زنا کرے تو اسے سنگسار کیا جانا چاہئے جو شخص اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنا باپ بنائے گا اور جو شخص اپنے ارباب کو چھوڑ کر دوسروں کو ارباب بنائے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی اور فرشتے اور انسان سبھی اس پر لعنت بھیجیں گے قیامت کے دن ایسے لوگوں سے دیت اور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت محمدؐ نے اپنا خطبہ السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) کہہ کر ختم کیا۔ اس خطبہ (تقریر) نے سننے والوں پر بہت اثر کیا۔ بعض اسلامی مورخوں نے لکھا ہے کہ اس روز ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان جبل الرحمۃ میں حضرت محمد کا یہ خطبہ سن رہے تھے۔ جس وقت حضرت محمدؐ تقریر فرما رہے تھے اس وقت لوگ انکے کلمات کو بآواز بلند دہراتے تھے۔ خصوصاً آپ کا وہ کلام جس میں فرماتے تھے کہ آیا میں نے اپنا فریضہ پورا کیا یا نہیں؟ اور لوگ اجتماعی طور پر جواب دیتے تھے۔ لوگوں کے دلوں پر بہت زیادہ اثر کرتا تھا۔

جب لوگ ایک آواز ہو کر پیغمبر کو جواب دیتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگل و پہاڑ سب کانپ رہے ہیں۔ اس روز جن لوگوں نے آپکی تقریر سنی تا حیات اسے فراموش نہیں کیا۔ گویا وہ تقریر مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔

جب ہم یہ خطبہ (تقریر) پڑھتے ہیں تو باوجودیکہ ہم یوروپی ہیں اور پیغمبر کی آواز ہم نے نہیں سنی ہے اور اس مقام پر اس مجمع میں موجود نہیں تھے پھر بھی اثر میں ڈوب جاتے ہیں تو ان لوگوں کا کیا کہنا جو اس روز جبل الرحمۃ میں حضرت محمدؐ کی آواز سنتے تھے اور آپکی طرز ادا کو دیکھ رہے تھے۔ دراں حالیکہ عرب میں کلام کی قدر و قیمت بہت زیادہ تھی اور عربوں کی روح کلام سے ایسی چیز استنباط کرتی تھی کہ شاید ہم آج اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اس خطبہ کو خطبۂ "حجۃ البلاغ" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس خطبہ میں علاوہ ان احکامات کے جنکی تبلیغ آپ فرما رہے تھے رسول اللہ (بَلَّغْتُ) کا کلمہ استفہام کی صورت میں استعمال فرماتے تھے یعنی میں نے اپنا فریضہ انجام دیا یا نہیں؟ لیکن اکثر مسلمان اس خطبہ کو خطبۂ "حجۃ الوداع" کہتے ہیں اور آج بھی اس کا یہی نام ہے۔ اسلام میں اس خطبہ کا بہت اثر رہا ہے اور آج بھی ہے۔ تمام مسلمان اس خطبہ کو لفظ بہ لفظ یاد کرتے ہیں۔

رسول اللہ کی کسالت و بیماری

مدینہ میں واپسی کے بعد ایک ماہ تک حضرت محمدؐ اچھے رہے اسکے بعد بیمار ہو گئے لیکن آپکی بیماری ایسی تھی کہ بعض روز مکان سے باہر نکلتے تھے اور مسجد جاکر نماز ادا فرماتے تھے جس روز آپ خود مکان سے نہ نکل پاتے تھے اُس روز بعض مؤرخوں کی تحریر کے مطابق حضرت علیؑ مسجد میں نماز پڑھاتے تھے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر نماز پڑھاتے تھے یعنی حضرت محمدؐ کے بجائے حضرت ابو بکرؓ یا حضرت علیؑ امام ہوتے تھے مسلمان انکی اقتداء کرتے تھے اور جماعت سے نماز پڑھتے تھے (آپ کے مرض کی حالت میں ہمیشہ حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھائی۔ حضرت علیؑ نے کبھی امامت نہیں کی)

حضرت ابو بکرؓ یا حضرت علی جب مسجد میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو پیغمبر اسلام گھر میں سنتے تھے اور کبھی کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور جو کچھ مسجد میں پڑھا جاتا تھا اسے دہراتے تھے۔ جب تک آپ دوسروں کی مدد سے بھی مسجد میں جا سکے تب تک مسجد جانے سے گریز نہ کیا۔ باوجودیکہ دو آدمی دونوں طرف سے سہارا دیکر چلتے تھے پھر بھی آپ نماز پڑھنے کیلئے مسجد جایا کرتے تھے اور لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے مسجد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا، بھائیو! ایک شخص جو تمہیں بہت دوست رکھتا ہے تمہارے درمیان سے اٹھ جائے گا۔ یہ الفاظ سنتے ہی مسجد والے رو پڑے کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ جو شخص انھیں بہت دوست رکھتا ہے اور درمیان سے اٹھ جانیوالا ہے وہ حضرت محمدؐ ہیں۔

حضرت محمدؐ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا کہ گریہ نہ کرو۔ بیماری کے زمانہ میں رات کے وقت اگر پیغمبر کی حالت بہتر ہوتی تھی تو باہر نکلتے تھے اور قبرستان بقیع کی طرف جہاں شہدائے اُحد

مدفون تھے تشریف لے جاتے تھے اور کچھ دیر وہاں ٹھہرتے تھے۔ خدا ہی کو معلوم ہے کہ حضرت محمدؐ جب شہدائے اُحد کی قبروں کے پاس جاتے تھے تو وہاں کیا سوچتے تھے۔ اس زمانہ میں آپ جب بھی مسجد جاتے تھے تو فرماتے تھے کہ بھائیو اور بہنو! میں نے اگر کسی کے ساتھ کوئی برائی کی ہے تو قبل اس کے کہ اس دُنیا سے جاؤں اسے پورا کرلے اور مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کو مارا ہے تو آئے اور مجھے مارلے میں اپنی پیٹھ خم کردوں گا۔

مدینہ میں رسول اللہ کا مکان مسجد کے نزدیک تھا جہاں آپؐ نے دنیا کو الوداع کہا۔ آپ کا مکان یک منزلہ تھا جس میں تہ خانہ نہ تھا اور گرمی میں بہت گرم رہتا تھا۔ مکان چہار دیواری کے اندر بنا ہوا تھا اور برابر چند بکریاں اسکے احاطہ میں چرا کرتی تھیں۔

ایک دن صبح کے وقت حضرت محمدؐ کی طبیعت کچھ ایسی گڑبڑ ہوگئی کہ آپ نے اپنے آس پاس والے لوگوں سے فرمایا کہ مدینہ کے سات کنوؤں سے سات برتنوں میں پانی لائیں شرط یہ ہے کہ دو برتنوں میں ایک ہی کنویں کا پانی نہ ہو۔ لوگ دوڑ پڑے اور آپ کے لئے سات کنوؤں سے الگ الگ سات برتنوں میں پانی لے آئے۔ آپ نے تمام برتنوں سے ایک ایک گھونٹ پانی پیا۔ جب ساتوں برتنوں سے پانی پی چکے تو فرمایا کہ اب میری حالت بہتر ہے۔ ہمیں اس پر حیرت نہیں کرنا چاہئے کہ پیغمبر اسلام پانی کے ذریعہ اپنا علاج کرنے کے درپے کیوں ہوئے۔ کیونکہ عرب بادیہ کی دوا پانی ہے۔ پانی کی قدر عرب بادیہ ہی جانتے ہیں جو تمام عمر پیاسے رہتے ہیں نہ کہ ہم کہ اس قدر پانی رکھتے ہیں کہ اس کی کوئی قیمت نہیں سمجھتے۔

عرب بادیہ کی نظر میں پانی نہ صرف مقوی جسم و روح ہے بلکہ تمام دردوں کی دوا ہے۔ عرب کے بیابان میں جو شخص بیمار ہوتا تھا پانی کے ذریعہ اپنا علاج کرتا تھا۔

اس روز پیغمبر اسلام نے پانی پینے اور یہ فرمانے کے بعد کہ میری حالت بہتر ہے لوگوں کے سہارے مسجد جانے کا عزم کیا اور دوسری بار لوگوں سے گفتگو فرمائی۔ آپ نے مسلمانوں سے تقاضہ کیا

کہ جسکے ساتھ میں نے کوئی بدی کی ہو وہ اسکا بدلہ لے لے۔ میں ہر طرح کی مصیبت اور اہانت برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ آپنے فرمایا کہ اے لوگو اگر میں نے تمکو مارا ہے یا اہانت کی ہے تو مجھے مارو، میری اہانت کرو اور اسکا خوف بالکل نہ کرو کہ تمہاری مار اور اہانت سے میری رسوائی ہوگی کیونکہ آخرت کی رسوائی کے مقابلہ میں دنیاوی رسوائی کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ پھر حضرت محمدؐ نے تمام مسلمانوں سے درخواست کی اپنی یادداشت پر زور دیں تاکہ سمجھ سکیں کہ آیا میرے ذمہ کوئی مطالبہ ہے یا نہیں؟ اگر کسی چیز کے طلبگار ہیں تو اسے وصول کرلیں۔

ایک شخص اٹھ کر کھڑا ہوا اور کہا کہ اے رسول اللہ میرے تین درہم آپکے ذمہ باقی ہیں۔ آپ نے فوراً اسکا مطالبہ پورا کردیا۔ اسکے بعد آپنے سلسلہ کلام بدل دیا اور اسامہ کی طرف رجوع کر کے گفتگو فرمائی حضرت اسامہ زید بن حارثہ کے لڑکے ہیں جنکے بارے میں ہم بیان کرچکے کہ حضرت محمد کے غلام تھے اور آپنے انھیں آزاد فرمادیا تھا۔ زید بن حارثہ قبیلہ بنو کلب کے تھے۔ بچپن کے زمانہ میں ایک لڑائی میں لوگوں نے انھیں گرفتار کرلیا تھا اور حکیم بن حزام نامی ایک شخص نے انکو خدیجہ بنت خویلد کے لئے بطور غلام خرید لیا تھا یہی چالیس سال کی عمر میں پیغمبر اسلام کی بیوی ہوگئی تھیں۔

جب حضرت محمدؐ حضرت خدیجہؓ کے شوہر ہوگئے تو خدیجہ نے اپنے غلام زید بن حارثہ کو انھیں بخشدیا۔ آپنے انھیں آزاد کردیا اور اپنا فرزند بنالیا حتیٰ کہ مکہ والے زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمدؐ کہتے تھے یہاں تک کہ زید بن حارثہ کے بارے میں خدا کیطرف سے آیتہ نازل ہوئی اس آیتہ میں جو قرآن کی تینتیسویں سورہ (سورہ احزاب) کی پانچویں آیتہ ہے خداوند مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ زید بن حارثہ کو زید بن محمدؐ نہ کہو کیونکہ اگرچہ پیغمبر نے ان کو لڑکا بنا لیا ہے مگر وہ انکے حقیقی فرزند نہیں ہیں اس آیتہ میں زید بن حارثہ کا نام نہیں ہے لیکن آیتہ مذکور کا ایک حصہ اس سے متعلق ہے۔

زید بن حارثہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے مگر زید کے ایک لڑکا تھا جسکا نام اسامہ تھا جب حضرت محمد بیمار تھے تو آپنے ایک فوج مرتب فرمائی اور اسامہ بن زید کو جنکی عمر اس وقت اکیس سال تھی اسکا سردار بنادیا تاکہ ملک شام جاکر جنگ کریں۔ انکے سردار بنائے جانے پر بعض لوگوں کو اعتراض ہوا اگرچہ

رسول اللہ کے احترام کے باعث سامنے کچھ نہ بولتے تھے مگر پوشیدہ طور پر چہ میگوئیاں کرتے تھے کہ ایک کیس سالہ نوجوان جسکو حضرت محمد نے سردار بنا کر شام بھیجدیا ہے سرداری کی لیاقت نہیں رکھتا ہے۔ یہ خبر حضرت محمدؐ کو پہونچ گئی آپنے مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا کہ میں نے اسکو اس وجہ سے سردار بنایا ہے کہ وہ زید کا بیٹا ہونے کے علاوہ عقلمند اور بہادر جوان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ سرداری کی ذمہ داری کو پورا کریگا

حضرت اسامہ بن زید پیغمبر اسلام کی رحلت کے باعث اپنے جنگی فریضہ کو انجام نہ دے سکے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد پیغمبر اسلام کے ارادے کی تائید کی اور دوبارہ اسامہ کو ملک شام جانے والی فوج کا سردار بنا دیا۔ حضرت اسامہ شام پہونچے وہاں جنگ کی اور کامیاب ہوئے اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ پیغمبر اسلام کا اعتماد بے بنیاد نہ تھا۔ ملک شام میں اسامہ کی فتح نے اس ملک کا دروازہ مسلمانوں کیلئے کھولدیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں پورا ملک شام اسلام کے قبضے میں آگیا۔

اس روز جبکہ پیغمبر اسلام مسجد میں گفتگو فرما رہے تھے اسامہ کی بات ختم کرکے کلام کا رخ انصار کی طرف موڑ دیا اور فرمایا:۔

اے وہ لوگو جنھوں نے مکہ سے ہجرت کی اور اپنے کو مدینہ پہونچایا میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ جو مدینہ کے اصلی باشندے ہیں بہترین سلوک کرنا کیونکہ انصار میرے معتمد تھے اور میں مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد ان کے پاس امن وامان سے مستفید ہوا ہوں۔ اگر تم دیکھو کہ انصار نے تمھارے ساتھ کوئی غلطی کی ہے تو اسے معاف کردینا کیونکہ انصار میرے لئے بدن کے لباس کی طرح ہیں۔ انھوں نے آج تک اپنی ذمہ داری پوری کی ہے اس کے بعد انکی کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن ان کا حق باقی ہے۔

اے لوگو! جب میں اس دنیا سے رخصت ہوجاؤں اور مجھے خاک کے سپرد کردو تو میری قبر کے سامنے رکوع وسجدہ نہ کرنا کیونکہ رکوع وسجدہ فقط خدا کے لئے ہے۔ اتنی تقریر کے بعد پیغمبر اسلام مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ ——————

ارتحال

پیغمبر اسلام کی زندگی کے آخری ایام بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم مختصراً انکی آخری جنگ (یعنی جنگ تبوک) کا بھی تذکرہ کر دیں۔ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ مکہ سے واپسی کے بعد حضرت محمد بیمار ہو گئے تھے مگر کبھی کبھی آپکی حالت سنبھل جاتی تھی۔

ملک شام میں (جہاں کے بعض امراء و سلاطین روم کے ماتحت تھے) یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضرت محمدؐ کی وفات ہو گئی ہے لہذا رومۃ الصغریٰ (بیزانس) کی حکومت اس بات کے درپے ہو گئی کہ ملکِ شام کی راہ سے عرب پر حملہ کر کے مسلمانوں کی سرکوبی کرے۔ یہ خبر حضرت محمدؐ کو پہونچ گئی۔ چنانچہ آپ نے دشمن کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے مصمم ارادہ کر لیا اور طبیعت کی سستی کے باوجود عام تیاری کا حکم صادر فرمایا۔ اس وقت عرب کی حالت بہتر نہ تھی۔ مدینہ میں خورد و نوش کا سامان بھی زیادہ نہ تھا اور گرمی کی شدت مزید مشکل پیدا کر رہی تھی۔

پیغمبر اسلام نے مسلمانوں سے فرمایا کہ جسکے پاس کچھ ساز و سامان ہو وہ اسلامی فوج کی تیاری میں مدد کرے اور جو مسلمان پونجی رکھنے والا ہے وہ خود اپنے جنگی ساز و سامان کا انتظام کرے ایک مسلمان عبدالرحمٰن بن عوف نے اسلامی فوج کی مدد کیلئے چار ہزار درھم پیش کئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس آٹھ ہزار درھم تھے۔ چار ہزار اپنی عورت کیلئے چھوڑ دیا اور باقی آپکی خدمت میں لے آیا ہوں تاکہ فوج کے لئے صرف کریں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس مال میں جو اسلام کے لئے پیش کیا اور ایسے ہی اس مال میں جو اپنی عورت کے لئے چھوڑا برکت دے۔

عبدالرحمٰن بن عوف اس قدر مالدار ہو گئے کہ جب ان کی وفات ہوئی ہے تو انکی ایک بیوی کے مال کا آٹھواں حصہ اسی ہزار مثقال سونا تھا۔ حضرت ابوبکر کے پاس جو کچھ تھا سب لا کر

پیغمبر اسلام کے حوالے کر دیا تا کہ اسلامی فوج کے لئے صرف کریں۔ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنا نصف مال لاکر حضرت محمدؐ کے خدمت میں پیش کر دیا۔ عاصم بن عدی نامی ایک مسلمان تھے ان کے پاس نقد رقم نہ تھی۔ انھوں نے ایک سو وسق (تقریباً ۶۰۰ من) کھجور لاکر پیش کر دیا۔ ابو عقیل انصاری نے ایک صاع خرما لاکر پیش کیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس دو صاع خرما تھے۔ ایک صاع میں اسلام کے لئے لے آیا ہوں (صاع ناپنے کا ایک برتن ہے جس میں تقریباً ۳½ سیر جنس آتی ہے۔ اور وسق ۶۰ صاع کے برابر ہوتا ہے)

مسلمانوں نے سچی فداکاری دکھلائی اور اہل وعیال کی معیشت کے علاوہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس کا کچھ حصّہ یا کل سرمایہ اسلامی فوج کی تیاری کیلئے پیش کر دیا چنانچہ تیس ہزار سپاہیوں کی ایک طاقتور فوج تیار ہو گئی جس میں دس ہزار سوار تھے۔ وہ قطار بنا کر مدینہ سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کی اس روانگی کا منظر اس قدر شاندار تھا کہ اس تاریخ تک اسلام میں اس کی نظیر نہ تھی۔

جب اسلامی فوج ملک شام پہونچی تو کچھ مقامی رؤسا اور امراء جو رومۃ الصغریٰ کی مدد سے عرب پر حملہ کرنا چاہتے تھے بھاگ گئے اور شام کے اندرونی علاقہ میں پہونچ گئے یہاں تک کہ رومی فوج جو مدد کے لئے آمادہ ہوئی تھی وہ بھی پیچھے ہٹ گئی۔ پیغمبر اسلام شام کی سرزمین میں کچھ مدت تک ٹھہرے رہے اور مقامی قبائل کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو جو عیسائی تھے اسلام کا تابعدار بنا لیا یعنی وہ جزیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت محمدؐ طاقتور اسلامی فوج کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے چونکہ ملک شام میں اسلامی فوج کا مرکز "تبوک" نامی ایک قلعہ تھا لہذا اس فوج کشی کو جنگ تبوک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اگرچہ حضرت محمدؐ نے تبوک میں جنگ نہیں کیا لیکن اس فوج کشی نے قبیلوں کے تمام سرداروں اور شامی سرحد کے امراء کو اسلام سے اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ

عدم جنگ، غیر جانبداری اور اتحاد کا معاہدہ کرنے کے لئے مجبور ہو گئے کیونکہ انھوں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ اسلامی فوج پہونچنے کے بعد رومی فوج بھی پیچھے ہٹ گئی۔ (یعنی جب رومی فوج مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکی تو قبیلے والے کیسے مقابلہ کرتے)

تبوک کی فوج کشی میں چند مسلمان جنھیں میدانِ جنگ میں جانا چاہئے تھا آرام طلبی اور موت کے خوف سے شریک نہ ہوئے جن کے نام یہ ہیں: ابو لبابہ، اوس بن ثعلبہ، ودیعۃ بن خرام۔ یہ تینوں آدمی اپنے اس عمل سے پشیمان ہوئے اور جس وقت حضرت محمدؐ تبوک سے واپس ہوئے اُس وقت انھوں نے مدینہ کی مسجد میں اپنے جسم کو ستون سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ہم کو معاف نہیں کریں گے ہم اپنے کو ستون سے نہیں کھولیں گے۔ (تبوک کی لڑائی میں جو تین شخص شریک نہیں ہوئے تھے ان کے نام یہ ہیں: (۱) کعب بن مالک (۲) مرارہ بن ربیع (۳) ہلال بن امیہ۔ مؤلف نے جو نام دئے ہیں وہ غلط ہیں)

پیغمبر اسلام کا طریقہ یہ تھا کہ سفر سے واپسی پر جب آپ مدینہ پہونچتے تھے تو مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ اور دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان تین شخصوں نے اپنے کو کھمبے سے باندھ رکھا ہے! انھوں نے عرض کیا کہ ہم گناہگار ہیں کیونکہ میدانِ جنگ میں حاضر نہیں ہوئے ہیں جب تک آپ ہمارا گناہ نہیں بخشیں گے ہم اپنے کو کھمبے سے نہ کھولیں گے۔ پیغمبر نے فرمایا کہ بندوں کے گناہ کو خدا بخشتا ہے میں کون ہوں کہ بندوں کے گناہ بخش دوں۔ اس کے بعد آپ نے سورہ توبہ (قرآن کی نویں سورہ) کی مندرجہ ذیل آیت (۱۰۲) تلاوت فرمائی۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی خلاف ورزی کرنے والے شخصوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا اور اپنے برے عمل کو نیک عمل سے ملا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت کے بموجب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں شخصوں کا گناہ معاف کر دیا چنانچہ اس کے شکریہ کے لئے پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ ہم اپنا سارا مال بیت المال میں دینے کے لئے تیار ہیں لیکن خدا کی طرف سے ایک دوسری آیت نازل ہوئی جو اسی سورہ توبہ میں ہے جس میں اللہ تعالیٰ حضرت محمدؐ سے فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے مال میں سے صرف زکوٰۃ کی مقدار لیں اور بقیہ مال انھیں واپس کر دیں۔

تبوک کی فوج کشی کے بعد پیغمبر اسلام نے اور کسی جنگ میں شرکت نہ فرمائی لیکن اسلام کی تقویت سے غافل نہ تھے۔ آپ نے بیماری کی حالت میں بھی اسامہ بن زید کی سرکردگی میں ایک فوج ملک شام بھیجنا چاہا مگر آپؐ کی موت اسامہ کیلئے رکاوٹ بن گئی۔

جس روز پیغمبر اسلام مسجد میں تشریف لے گئے اور تقریر فرمائی۔ اس کے بعد دوسرے روز آپ کی حالت ابتر ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میری بیماری کا سبب وہ زہر ہے جو یہودی عورت نے خیبر میں مجھے کھلایا تھا۔ وہ زہر کبھی کبھی مجھے بیمار کرتا تھا مگر ایسا نہیں کہ میں لیٹ جاؤں لیکن اس مرتبہ اس نے مجھے لٹا دیا۔

ان ایام میں جبکہ پیغمبر اسلام سخت بیمار تھے اور مکان سے نکل کر مسجد نہ جا سکتے تھے بعض مورخوں کے قول کے مطابق حضرت ابوبکر مسجد میں امامت فرماتے تھے اور جیسا کہ بیان کیا بعض مورخوں[1] کے قول کے مطابق علیؑ بن ابی طالب امامت فرماتے تھے۔ ایک دن وقتی طور سے پیغمبر اسلام کی حالت بہتر ہو گئی۔ حضرت عباس کے دو لڑکوں نے آپ کو بازو کے نیچے پکڑ کر اٹھایا اور آپ ان کی مدد سے مسجد میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضرت ابوبکر مسلمانوں کو کچھ فرما رہے تھے آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چاہا کہ اپنی جگہ حضرت محمدؐ کو دیدیں مگر پیغمبر اسلام نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چونکہ آپ کی حالت بدتر تھی لہٰذا مسجد سے واپس آئے۔

ہم ایک بار بیان کر چکے ہیں کہ حضرت محمدؐ کی بیماری کے بارے میں کوئی نظریہ قائم نہیں

---

[1] مستند تاریخوں میں صرف حضرت ابوبکر رضؓ کی امامت کا تذکرہ ملتا ہے اور حضورؐ کو سہارا دینے والے لوگوں میں ایک عباسؓ اور دوسرے علیؓ نہیں نہ کہ عباسؓ کے دو لڑکے۔

کر سکتے کیونکہ اسلامی مؤرخوں نے آپکی بیماری کی علامتوں کی وضاحت نہیں کی ہے جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ حضرت محمدؐ کو کونسی بیماری تھی اور خصوصیت کے ساتھ اس باب میں جو کچھ کہا جائے گا وہ ایک فرضی چیز ہوگی۔

۱۱ھ میں ربیع الاول کے مہینے میں حضرت محمدؐ کی حالت زیادہ خراب ہوگئی۔ آپ نے محسوس کیا کہ زندہ رہنے کی امید نہیں ہے اس وقت آپکو یاد آیا کہ آپکے سات دینار حضرت عائشہ کے پاس ہیں حضرت محمدؐ کے پاس اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے حضرت عائشہ کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ میرے سات دینار تمہارے پاس ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں اے رسول اللہ میرے پاس ہیں حضرت محمدؐ نے فرمایا وہ ساتوں دینار غریبوں کو بانٹ دو کیونکہ مجھے شرم آتی ہے کہ سات دیناروں کے ساتھ خدا کے پاس جاؤں۔

دوشنبہ کے دن ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ کو حضرت محمدؐ کی حالت پہلے کی بہ نسبت زیادہ خراب ہوگئی جاننا چاہئے کہ جہاں تک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے پیغمبر اسلام نے دوا استعمال نہیں کی اور بعض مؤرخوں کے قول کے مطابق دوشنبہ کے دن یعنی ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ کو یا اس سے پہلے والے دن میں آپکو کچھ دوا کھلائی گئی اور آپ دوا پسند نہیں کرتے تھے۔ آخری تقاضا جو آپنے اپنے پاس والوں سے کیا وہ یہ تھا کہ آپکے دانتوں کو مسواک کرائیں تاکہ صاف ہو جائیں کیونکہ آپؐ صفائی کو بہت پسند فرماتے تھے اور آپ نے کئی بار فرمایا کہ نظافت نصف ایمان ہے۔

۱۳ ربیع الاول بروز دوشنبہ بمطابق ۸ جون ۶۳۲ء کو علی بن ابی طالب، ابوالفضل بن عباس (حضور کے چچا کے لڑکے) اسامہ بن زید بن حارثہ (آزاد شدہ غلام) شکران (ایک دوسرے آزاد شدہ غلام جن کا ابھی تک ہم نے نام نہیں لیا تھا) اوس بن خولی اور آپ کی تمام عورتیں آپکے سرہانے موجود تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت جوان تھی میں یہ نہ سمجھ سکی کہ میرا شوہر جان کنی کے عالم میں ہے۔ میں اپنے دونوں ہاتھ حضرت محمدؐ کے گلے میں ڈالے ہوئے تھی۔ آپؐ اسی حال میں دنیا سے چل بسے میں یہ نہ سمجھی کہ وہ مر گئے لیکن جب مرد اور عورتیں سب رو پڑے تو میں نے سمجھا کہ پیغمبرؐ اسلام دنیا سے رخصت ہوگئے۔

روایت کے مطابق ٹھیک اسی وقت جب حضرت محمدؐ دنیا سے رخصت ہوئے، آپؐ کی پشت مبارک میں جو جوہر نبوت تھی وہ بھی غائب ہوگئی۔ کیونکہ آپؐ کے انتقال سے آپکی پیغمبری کا کام ختم ہوگیا۔ جس وقت حضرت محمدؐ دنیا سے رخصت ہوئے انکے پاس دنیاوی دولت میں سے ایک سفید رنگ کی خچری تھی جسے حبشہ کے بادشاہ نے ہدیہ بھیجا تھا اور چند تلواریں تھیں اس کے سوا کچھ نہ تھا۔

عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی قبیلہ کا سردار دنیا سے رخصت ہوتا تھا تو اس کو اسی جگہ دفن کرتے تھے جہاں وہ مرتا تھا۔ اسی لئے لوگوں نے ارادہ کیا کہ حضرت محمدؐ کو اسی جگہ دفن کریں جہاں آپکی وفات ہوئی ہے۔ حضرت محمدؐ مکہ کے تھے مگر مدینہ میں آپکی وفات ہوئی۔ لوگ حیرت میں تھے کہ آپکی قبر مکہ کے دستور کے مطابق بنائیں یا مدینہ کے دستور کے مطابق۔

مکہ میں قبر کھودنے کے بعد مردہ کو اس میں داخل کرتے تھے اور قبر کو ڈھک دیتے تھے لیکن مدینہ میں زمین کھودنے کے بعد ایک گہرا گڈھا بناتے تھے اور اس کے کنارے ایک چھوٹی سی بغلی بناتے تھے اور لاش کو اس میں داخل کرکے اس کا منہ بند کردیتے تھے اسکے بعد گڈھے کو مٹی سے بھر دیتے تھے۔

آخر کار لوگوں نے یہ طے کیا کہ ایک مکی اور ایک مدنی دو گورکن بلائے جائیں جو وہاں آکر قبر کھودیں۔ اس روز مدنی گورکن جلدی آیا لہٰذا مدینہ کی رسم کے مطابق قبر کھودی گئی۔ قبر کھودنے کے بعد پیغمبر اسلام کی ایک چادر کو آپکے کپڑا پہنے ہوئے جسم پر اوڑھا دیا تاکہ پیغمبر اسلام کے بعد کوئی شخص اسے نہ پہنے۔ اسکے بعد پیغمبر اسلام کے جسم کو غسل دلایا کیونکہ عربوں کا دستور تھا کہ دفن کرنے سے پہلے سوائے ان مقامات کے جہاں پانی نہ ملتا تھا ہر جگہ میت کو غسل دیتے تھے۔ پیغمبر اسلام کے جسم مبارک کو غسل دینے کے وقت احتراماً آپ کا لباس نہ اتارا۔ لباس کے ساتھ ساتھ آپکو غسل دیا گیا۔ اسکے بعد ایک سُرخ رنگ کا کپڑا اور بعض روایات کے لحاظ سے سرخ رنگی فرش کا ٹکڑا

ع۵ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ انبیا اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں وفات ہوتی ہے

جسم کے چاروں طرف لپیٹا اور جسم مبارک کو قبر میں داخل کیا۔ (آپکے کفن کے تینوں کپڑے سفید اور سوتی تھے)

دفن کے وقت جسم مبارک کو ایک پہلو پر رکھا گیا۔ قبر کچھ اس طرح بنی ہوئی تھی کہ پیغمبر اسلام کا رخ کعبہ کی طرف رہے۔ دوسرے یہ کہ جسم کو اس طرح دفن کیا گیا کہ آپکی پشت زمین سے لگی رہے پھر اس بغلی قبر کا منھ بند کر دیا گیا اور گڈھے کو مٹی سے بھر دیا گیا۔ قبر پر ایک پودا لگایا گیا اور اس میں پانی ڈالدیا گیا تاکہ جڑ پکڑلے۔ (قبر پر درخت لگانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے)

عرب والے مردہ جسم کو تابوت کے بغیر دفن کرتے تھے اور تابوت کے اندر نعش کو محفوظ نہیں رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ انسان کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی ہے سوائے اُن اعمال کے جنھیں زندگی میں اپنی روح کے ذریعہ کیا ہے، باقی دوسری چیزیں مٹ جاتی ہیں۔

پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشیں نہیں بنایا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ موت سے چند گھنٹے پیشتر حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ ایک لکھنے والا آدمی آئے تاکہ ہماری آخری وصیتوں کو لکھے۔ آپ کا قصد تھا کہ جانشیں مقرر فرمائیں۔ کچھ لوگوں نے حضرت علیؑ کو آنے کی اطلاع دی۔ حضرت عائشہؓ نے ابو بکرؓ کو اور حضرت حفصہؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؑ ایک ساتھ جمع ہو گئے۔ جب پیغمبرؐ نے ان تینوں شخصوں کو دیکھا تو جانشینی کے بارے میں اپنا نظریہ ظاہر نہ کر سکے مگر یہ روایت بہت کمزور ہے کیونکہ حضرت محمدؐ اس سے بہت زیادہ قوی اور با ارادہ تھے کہ جانشینی جیسے مسئلہ کے موقع پر جو دنیائے اسلام کی حیات کے لئے اہم ترین مسئلہ ہے تردد میں پڑجائیں اور اپنا نظریہ ظاہر نہ کر سکیں باوجودیکہ لوگوں پر حضرت محمدؐ کا اس قدر اثر تھا کہ آپ جو کچھ فرماتے تھے سب لوگ بے چون وچرا اسے قبول کر لیتے تھے۔

حضرت محمدؐ جو چھوٹی بڑی اسّی لڑائیوں میں شریک ہوئے اور انکی سرداری فرمائی اُس سے زیادہ دلیر تھے کہ اپنے جانشیں کی تعیین نہ کر سکیں۔ اور تردد میں پڑجائیں۔ لہٰذا یہ روایت

قابل قبول نہیں ہے۔ جب مسجد کے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ حضرت محمدؐ دنیا سے چل بسے تو رو پڑے۔ حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے اور گرج کر بولے کہ کیوں روتے ہو؟ اُنھوں نے اپنی تلوار میان سے نکال لی اور فرمایا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ محمدؐ مر گئے میں اِس تلوار سے اِس کی گردن اڑا دوں گا۔ ہمارے پیغمبر مرے نہیں ہیں وہ آسمان پر خدا کے پاس گئے ہیں وہ جلد واپس آئیں گے اور ہم ان کو دیکھیں گے۔

اس وقت حضرت ابوبکرؓ مسجد میں داخل ہوئے اور فرمایا اے عمرؓ خاموش رہو۔ اپنی تلوار میان میں رکھو۔ پھر مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا اے مسلمانو! حضرت محمدؐ خود فرماتے تھے کہ میں تمہاری طرح انسان ہوں اور ہر انسان مرتا ہے اگرچہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ گذشتہ تمام پیغمبر مر گئے ہیں ہمارے پیغمبر نے بھی زندگی کو خیرباد کہا ہے۔ جو شخص مسلمان ہے اور محمد بن عبداللہ کو پیغمبر مانتا ہے وہ سمجھ لے کہ پیغمبر مر چکے ہیں لیکن اگر پیغمبر مرتا ہے تو اس کے برعکس خدا ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے وہ کبھی نہ مرے گا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے جس وقت یہ الفاظ سنے تو زمین پر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور مسلمان بھی جو ابھی تک چپ تھے رونے لگے ایسا مرد محمدؐ اسلام کا پیغمبر ہے اور دنیا کے بزرگ ترین شخصوں میں سے ایک شخص ہے۔